قصصِ قرآنی اور انبیاء علیہم السّلام کے سوانح حیات
اور اُنکی دعوتِ حق کی مُستند ترین تاریخ

قصص القرآن

جلد چہارم

PDFBOOKSFREE.PK

تالیف
مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ
رفیق اعلیٰ ندوۃ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

قصص القرآن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حصہ چہارم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
واقعات و حالات کا مبصّرانہ اور محققانہ بیان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیباچۂ طبع ثانی

اللہ رب العزت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے آج قصص القرآن کی چوتھی جلد کے دوسرے ایڈیشن کو شائقین کی خدمت میں پیش کرنے کا موقع عطا فرمایا۔

بلاشبہ یہ مؤلف کی اپنی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے کہ یہ کتاب بحمداللہ مقبولِ خاص وعام ہوئی بلکہ یہ تو قرآن حکیم کا اپنا معجزہ ہے کہ ایک سطر یا ایک لفظ بھی اس کی سچی خدمت سے اگر وابستہ ہو جائے تو وہ لفظ اور وہ سطر بھی مخدوم ومقبول بن جاتی ہے۔

پہلا ایڈیشن جب طبع ہو کر سامنے آیا تو یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کافی کنج وکاؤ کے باوجود "ختم نبوت" کے اہم عنوان سے کتاب خالی ہے ——— بار بار غور کیا لیکن سمجھ میں نہ آیا کہ عنوان کی اہمیت کس طرح نظر انداز ہو گئی۔ یہ کمی ایسی نہ تھی جو قلب کو خلش سے آزاد کر سکتی، اس لیے ایڈیشن کے ختم ہونے کا بے چینی کے ساتھ انتظار رہا، اور اب بحمداللہ نقشِ ثانی میں اس کی تلافی کر سکا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

۴ر ستمبر ۴۷ء کے خونی حادثہ نے ندوۃ المصنّفین کو بھی بھڑکتے ہوئی شعلوں کی لپیٹ میں لیے بغیر نہ چھوڑا اور تقریباً پونے دو لاکھ قیمت کے بہترین علمی اسٹاک کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

اب نہ وہ قرول باغ کی خاموش فضاء ہے اور نہ قلب ودماغ کو پہلا سا سکون نصیب ——— ایک قرول باغ اور ندوۃ المصنفین کا بہترین آفس ہی کیا سرے سے وہ دلّی ہی نہ رہی، اب تو اس "مرحوم دلّی" کا ذکر افسانوں ہی میں سُنیے گا۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ دلی پھر دلی ہے سترہ مرتبہ اجڑ کر بھی نئی بہار کے ساتھ اپنا جوبن دکھا رہی ہے — خدا اسے نظرِ بد سے بچائے۔

بہر حال اس نازک اور ناسازگار ماحول کے باوجود قصص القرآن جلد رابع کا دوسرا ایڈیشن طبع ہو کر آپ کو دعوتِ مطالعہ دے رہا ہے۔ اب آپ کا علمی ودینی فرض ہے کہ اس قیمتی ادارہ کو اس قابل بنائیں کہ وہ سابق کی طرح آج بھی علمی، ادبی اور دینی خدمات انجام دیتا رہے اور دنیا کی نئی ترقیوں کے ساتھ وہ بھی عروج کی آخری منزل تک پہنچ سکے ——— واللہ غالب علیٰ امرہ۔

محمد حفظ الرحمٰن صدیقی کان اللہ لہ
۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ

طبع سوم

کتاب کا دوسرا ایڈیشن ختم ہو گیا ہے، لیکن نظرِ ثانی کا موقع نہ مل سکا، اور یہ تیسرا ایڈیشن نظرِ ثانی کے بغیر ہی شائع ہو رہا ہے۔ طبع دوم میں ایک نہایت اہم باب "ختم نبوت" کے اضافہ کے بعد یوں بھی یہ ایڈیشن نظرِ ثانی کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

محتاج نہ تھا، پھر بھی انسانی جد وجہد کسی وقت بھی مکمل نہیں کہی جا سکتی —— موقع میسر آیا تو طبع چہارم کے وقت نظر ثانی ہو سکے گی۔

عتیق الرحمٰن عثمانی
۳۱/اکتوبر ۱۹۵۵ء

دیباچہ طبع عکسی

شکر ہے سالہا سال کے انتظار اور کاوش کے بعد قصص القرآن جلد چہارم کا بھی عکسی ایڈیشن تیار ہو گیا ہے اور اس طرح کتاب کی چاروں جلدیں ایک ہی رنگ اور ایک ہی معیار پر آ گئی ہیں۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قصص القرآن ندوۃ المصنّفین کی نہایت اہم اور مقبول ترین کتاب ہے اور اپنے مضامین کی افادیت، نُدرت اور اثر انگیزی میں اپنا جواب نہیں رکھتی، پوری کتاب کے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات ہیں، ان صفحات میں قرآن کریم کے بیانات کی روشنی میں انبیائے کرام علیہم السلام کی ایمان افروز زندگی کے واقعات و حالات سادہ اور پر اثر پیرایے میں تحریر کیے گئے ہیں۔

یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قصص القرآن کے درجے کی کوئی کتاب دُنیا کی کسی زبان میں نہیں ہے جس میں قصصِ قرآنی اور پیغمبرانِ حق کی تاریخ اتنی تفصیل و تحقیق سے بیان کی گئی ہو۔

قدرتی طور پر جی چاہتا تھا کہ اس لاجواب کتاب کی طباعت بھی اس کی شان اور مرتبے کے مطابق ہوتی، الحمد للہ یہ آرزو پوری ہو گئی اور چاروں جلدیں نفیس کتابت کے زیور سے آراستہ ہو کر آفسٹ پر چھپ گئیں۔

ندوۃ المصنّفین کے وسائل نہایت ہی محدود ہیں اور اس کے لیے گرانی کی شدت کے اس دور میں اِتنی ضخیم کتاب کی اشاعت جتنی کچھ دشوار ہو سکتی ہے، اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔

دعاء ہے خواص اور عوام، قدیم تعلیم یافتہ اور جدید طالبانِ علم سب ہی بقدرِ ظرف و ہمت اس سے پورا پورا فیض حاصل کریں۔

ضرورت ہے کہ موعظت و عبرت کے اس دفتر کا ایڈیشن عربی میں بھی شائع ہو اور انگریزی میں بھی، دیکھئے اس کی نوبت کب آتی ہے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی
ندوۃ المصنّفین
۲۷/جمادی الآخر ۱۳۹۹ھ
مطابق ۲۴/مئی ۱۹۷۹ء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیش لفظ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرقَانَ عَلٰی عَبدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلعَالَمِیْنَ نَذِیرًا – وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدِ نِ الْمَبْعُوْثِ کَافَّۃً لِلنَّاسِ بَشِیرًا وَّ نَذِیرًا–

امّابعد— خدائے تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ آج قصص القرآن کی تالیف اپنی آخری منزل پر پہنچ کر کامیابی کے ساتھ مکمل ہوگئی، میں کیا اور میری لیاقت اور میرا قلم کیا؟ یہ جو کچھ بھی ہوا خدا کے فضل اور قرآنِ حکیم کی برکت کی بدولت ہوا — فالحمد للّٰہ علی ذلك

یہ جلد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و دعوت اور حیوۃ طیبہ اور دیگر مباحث متعلقہ پر مشتمل، اور پہلی تین جلدوں کی خصوصیات وامتیازات کی حامل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس حالات میں خصوصیت کے ساتھ وہ مباحث لائق مراجعت ہیں جو قرآن کریم کے حکیمانہ دلائل و براہین کی روشنی میں "حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام" سے متعلق ہیں یا عہدِ قدیم و عہد جدید (توراۃ وانجیل) کے مضامین الٰہیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی "حیوۃ طیبہ" تو وہ مخدوم شے ہے کہ از سلف تا خلف مسلسل ہر زندہ زبان اس خدمتِ پاک کو اپنا فرض یقین کرتی ہے اور اداءِ فرض سے سبکدوشی کا شرف حاصل کرتی رہی ہے۔ خصوصاً عربی زبان کے بعد اردو زبان میں اس خدمت نے بہترین ذخیرہ پیش کر دیا ہے اور مختصر، متوسط، مطول — ہر نوع کی تالیفات اس سلسلہ میں موجود ہیں اس لیے اس تالیف میں کوشش کی گئی ہے کہ صرف ان ہی واقعات کو سپردِ قلم کیا جائے جن کا قرآن حکیم سے براہِ راست تعلق ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ذاتِ اقدس ﷺ کا ہر شعبۂ حیات قرآن حکیم کی جیتی جاگتی تصویر، اور آپ ﷺ کا ہر اُسوۂ حسنہ آیاتِ قرآن کی تفسیر ہے۔

قصص القرآن کی تالیف اپنی افادیت اور مقصدِ تالیف کے لحاظ سے کیا درجہ رکھتی ہے، اس کا فیصلہ اربابِ ذوق کی نگاہِ بصیرت کے سپرد ہے—— خدائے تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ اس خدمت کو قبول فرمائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَھُوَ حَسْبِی وَ نِعْمَ الْوَکِیْل

خادمِ ملّت
محمد حفظ الرحمٰن صدیقی کان اللہ لہ
۹ر صفر المظفر ۱۳۶۵ھ
مطابق ۱۳ر جنوری ۱۹۴۶ء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام

- قرآن اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- مریم علیہا السلام کی ولادت
- مریم علیہا السلام کا زہد و تقویٰ
- کیا عورت نبی ہو سکتی ہے؟
- آیت وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ
- ولادتِ مبارک
- حلیۂ مبارک
- آیاتِ بیّنات لائق توجہ اور حقیقت معجزات
- حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- نزول مائدہ
- قادیانی تلبس اور اس کا جواب
- قادیانی کی ایک کذب بیانی
- لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ تفسیر بالرائے کی نمایاں مثال
- مَاالْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ
- حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور احادیث صحیحہ
- حیاتِ مسیح علیہ السلام اور اجماعِ امت
- واقعاتِ نزول صحیح احادیث کی روشنی میں
- ویوم القیمۃ تکون علیہم شہیدا
- نبی صادق و متنبّی کاذب
- بنی اسرائیل کے فرقے
- قرآن اور انجیل
- حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت
- باپ، بیٹا، روح القدس
- حضرتِ مسیح علیہ السلام خدا کے مقرب رسول ہیں
- عمران وحنہ
- حنہ اور ایشاع (الیشع)
- مقبولیت خداوندی
- نبوۃ النساء اور ابن حزم
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بشارات کتب مقدسہ
- بشاراتِ ولادت
- بعثت و رسالت
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ
- حواری عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن و انجیل کا موازنہ
- رفع الی السمآء یعنی زندہ آسمان پر اٹھایا جانا
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع سماوی اور چند جذباتی باتیں
- حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
- وَرَافِعُكَ اِلَيَّ
- احادیثِ حیات و نزول
- حیات و نزول مسیح علیہ السلام کی حکمت
- وفاتِ مسیح علیہ السلام
- فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم
- حضرتِ مسیح علیہ السلام کی دعوتِ اصلاح
- اناجیل اربعہ
- انجیل اور حواری عیسیٰ علیہ السلام
- تثلیث؟
- از منۂ مظلمہ اور اصلاحِ کلیسہ کی آواز
- حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے بیٹے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

❁ لائق توجہ بات ❁ کفارہ؟

قرآن عزیز اور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، اور جس طرح نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ورسل ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاءِ بنی اسرائیل ہیں، اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا، اور درمیان کا زمانہ جس کی مدت تقریباً پانچ سو ستّر سال ہے فترۃ (انقطاعِ وحی) کا زمانہ رہا ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہے کہ اگر انبیاء بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ورسالت کا مقام امامت حاصل ہے تو عیسیٰ علیہ السلام مجدد انبیاء بنی اسرائیل ہیں، اس لیے کہ قانون ربانی (تورات) کے بعد بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے انجیل (بائبل) سے زیادہ عظیم المرتبہ دوسری کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انجیل کا نزول قانون تورات کی تکمیل ہی کی شکل میں ہوا ہے یعنی نزول تورات کے بعد یہود نے جو قسم قسم کی گمراہیاں دین حق میں پیدا کرلی تھیں انجیل نے تورات کی شارح بن کر بنی اسرائیل کو ان گمراہیوں سے بچنے کی دعوت دی اور اس طرح تکمیلِ تورات کا فرض انجام دیا اور بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فراموش شدہ پیغام ہدایت عیسیٰ علیہ السلام ہی نے دوبارہ یاد دلایا اور تازہ بارانِ رحمت کے ذریعہ اس خشک کھیتی کو دوبارہ زندگی بخشی۔ مزید برآں یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام سرورِ کائنات محمد ﷺ کے سب سے بڑے مناد اور مبشر ہیں اور ہر دو مقدس پیغمبروں کے درمیان ماضی اور مستقبل دونوں زمانوں میں خاص رابطہ اور علاقہ پایا جاتا ہے۔[1]

قرآن عزیز نے نبی اکرم ﷺ کی مماثلت کے سلسلہ میں جن پاک ہستیوں کے واقعات سے بہت زیادہ بحث کی ہے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی مقدس ہستیاں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت قرآن کے "تذکیر بایام اللہ" میں اس لیے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ جس دین قویم اور ملتِ بیضاء کا عروج وکمال محمد ﷺ کی تقدیس کے ساتھ وابستہ تھا اور جس ملت کی دعوت و تبلیغ کا محور ومرکز ذاتِ اقدس ﷺ بننے والی تھی وہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ کیونکہ یہی وہ بوڑھے پیغمبر ہیں جنہوں نے شرک کے مقابلہ میں سب سے پہلے توحیدِ الٰہی کو حنیفیت کا لقب دیا اور آئندہ ہمیشہ کیلئے خدا کی راہِ مستقیم کیلئے "ملۃ حنیفیۃ" کا امتیاز قائم کر دیا، یعنی جو خدا کی پرستش کیلئے مظاہر کائنات کی پرستش کو وسیلہ بناتا ہے وہ "مشرک" ہے اور جو خالقِ کائنات کی یکتائی کا قائل ہو کر براہِ راست اُسی کی پرستش کرتا ہے وہ "حنیف" ہے۔ پس اس مقدس پیغمبر نے خداپرستی کے اس حقیقی تصور کو عملی حیثیت میں اس درجہ نمایاں کیا کہ مستقبل میں ادیانِ حق کیلئے اس کی پیروی حق وصداقت کا معیار بن گئی اور

۱: تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خدائے برتر کی جانب سے قبولیت کا یہ شرف عطا ہوا کہ یہ مقدس پیغمبر کائناتِ رشد و ہدایت کا امامِ اکبر اور مجددِ اعظم قرار پا گیا: فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اور پیروی کرو ابراہیم کی ملت کی، جو سب سے کٹ کر صرف خدا کی جانب جھکنے والا ہے۔

مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ ۔ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

یہ ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم کی، اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا نزولِ قرآن سے قبل اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام "مسلم" ہے۔[1]

اور موسیٰ علیہ السلام کی مقدس زندگی کا تذکرہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کے واقعات یعنی قوم کی جہالت و نافرمانی، دشمنانِ خدا سے نبرد آزمائی پیہم مصائب و آلام پر صبر و استقلال کا دوام و ثبات، اور اسی قسم کے دوسرے کوائف و حالات ہیں ان کے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان بہت زیادہ مشابہت و مناسبت پائی جاتی ہے اور اس لیے وہ واقعات و حالات، قبول و انکارِ حق اور ان سے پیدا شدہ نتائج کے سلسلہ میں بصیرت و عبرت کا سامان مہیا کرتے اور نظائر و شواہد کی حیثیت رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کا مقدس ذکر مسطورۂ بالا خصوصیات و امتیازات کی بناء پر خاص اہمیت رکھتا ہے۔

غرض قرآن عزیز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کو بسط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان کی حیات طیّبہ کے دیباچہ کے طور پر ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے واقعاتِ زندگی کو بھی روشن کیا ہے تاکہ قرآن کا مقصد "تذکیر بایام اللہ" پورا ہو۔

یہ ذکر پاک قرآنِ عزیز کی تیرہ سورتوں میں ہوا ہے، ان میں سے کسی جگہ نامِ مبارک عیسیٰ (یسوع) سے یاد کیا گیا ہے اور کسی جگہ "مسیح علیہ السلام" اور عبداللہ کے لقب سے اور کسی مقام پر کنیت "ابن مریم" کے اظہار کے ساتھ۔

نقشۂ ذیل اس حقیقت کا کاشف اور اربابِ مطالعہ کی بصیرت کے لیے ممد و معاون ہے:۔

شمار	سورۃ	آیات	عیسیٰ	مسیح	عبداللہ	ابن مریم	تعداد آیات
۱	البقرہ	۸۷، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۲۵۳	۳	۰	۰	۲	۵
۲	آلعمران	۴۲، ۶۴، ۸۴	۵	۱	۰	۱	۲۴
۳	النساء	۱۵۶، ۱۵۹، ۱۷۱، ۱۷۲	۳	۳	۰	۲	۶
۴	المآئدہ	۱۷، ۴۶، ۷۲، ۷۵، ۷۸، ۱۱۰، ۱۲۰	۶	۵	۰	۱۰	۱۸
۵	الانعام	۸۵	۱	۰	۰	۰	۱
۶	التوبہ	۳۰، ۳۱	۰	۱	۰	۱	۲

[1] مسلم اور حنیف مفہوم میں متحد ہیں۔ مسلم خدا کا تابعدار اور حنیف سب سے منہ پھیر کر صرف خدا کا ہو جانے والا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۷	مریم	۱۶،۳۵	۱	۱	۱	۱	۱۹
۸	المؤمنون	۵۰	۱	۰	۰	۱	۱
۹	الاحزاب	۷،۸	۱	۰	۰	۱	۲
۱۰	الشوریٰ	۱۳	۱	۰	۰	۰	۱
۱۱	الزخرف	۵۷،۶۳	۱	۰	۰	۱	۲
۱۲	الحدید	۲۷	۱	۰	۰	۱	۱
۱۳	الصّف	۶،۱۴	۲	۰	۰	۲	۲

عمران وحنہ

حضرت زکریااور یحییٰ علیہما السلام کے حالات میں گذر چکا ہے کہ بنی اسرائیل میں عمران ایک عابد وزاہد شخص تھے اور اسی زہد وعبات کی وجہ سے نماز کی امامت بھی ان ہی کے سپرد تھی اور ان کی بیوی حنہ بھی بہت پرسا اور عابدہ تھیں اور اپنی نیکی کی وجہ وہ دونوں بنی اسرائیل میں بہت زیادہ محبوب ومقبول تھے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ا (آل عمران))

محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی نے عمران کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

عمران بن یاشم بن میشا بن جزقیا بن ابراہیم بن عزریا بن ناوش بن اجر بن یہوا بن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاز بن زحیم (رخیعام) بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام۔

اور حافظ ابنِ عساکر نے ان ناموں کے علاوہ دوسرے نام بیان کیے ہیں اور ان دونوں بیانات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے تاہم اس پر تمام علماء انساب کا اتفاق ہے کہ عمران حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حنہ بنت فاقوذ بن بیل بھی داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ج۲ ص۵۶)

عمران صاحب اولاد نہیں تھے اور ان کی بیوی حنہ بہت زیادہ متمنی تھیں کہ ان کے اولاد ہو، وہ اس کے لیے درگاہِ الٰہی میں دست بدعاء اور قبولیتِ دعاء کے لیے ہر وقت منتظر رہتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حنہ صحن مکان میں چہل قدمی کر رہی تھیں، دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچہ کو بھرا رہا ہے، حنہ کے دل پر یہ دیکھ کر سخت چوٹ لگی اور اولاد کی تمنا نے بہت جوش مارا اور حالتِ اضطراب میں بارگاہِ الٰہی میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور عرض کیا:

پروردگار! اسی طرح مجھ کو بھی اولاد عطا کر کہ وہ ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے۔

دل سے نکلی ہوئی دعاء نے قبولیت کا جامہ پہنا اور حنہ نے چند روز بعد محسوس کیا کہ وہ حاملہ حنہ کو اس احساس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ انہوں نے نذر مان لی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔[1]

ا: بنی اسرائیل کی مذہبی رسوم میں سے یہ رسم بہت مقدس سمجھی جاتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو ہیکل کی خدمت کیلئے وقف کریں۔ البدایہ والنہایہ جلد ۲۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہر حال اللہ تعالیٰ نے عمران کی بیوی حنہ کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشا اور وہ مسرت و شادمانی کے ساتھ امید بر آنے کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔

بشر بن اسحٰق کہتے ہیں کہ حنہ ابھی حاملہ ہی تھیں کہ ان کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا۔ (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۶۴)

مریم علیہا السلام کی ولادت

جب مدتِ حمل پوری ہو گئی اور ولادت کا وقت آ پہنچا تو حنہ کو معلوم ہوا کہ ان کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی ہے، جہاں تک اولاد کا تعلق ہے حنہ کے لیے یہ لڑکی بھی لڑکے سے کم نہ تھی مگر ان کو یہ افسوس ضرور ہوا کہ میں نے جو نذر مانی تھی وہ پوری نہیں ہو سکے گی، اس لیے کہ لڑکی کس طرح مقدس ہیکل کی خدمت کر سکے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے افسوس کو یہ کہہ کر بدل دیا کہ ہم نے تیری لڑکی کو ہی قبول کیا اور اس کی وجہ سے تمہارا[1] خاندان بھی معزز اور مبارک قرار پایا، حنہ نے لڑکی کا نام مریم رکھا، سریانی میں اس کے معنی خادم[2] کے ہیں، چونکہ یہ ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دی گئیں اس لیے یہ نام موزوں سمجھا گیا۔

قرآن عزیز نے اس واقعہ کو معجزانہ اختصار کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اِذْ قَالَتِ امْرَاَةُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا

بیشک اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آلِ عمران کو اپنے اپنے زمانہ میں جہان والوں پر بزرگی عطا فرمائی (ان میں سے) بعض، بعض کی ذریت ہیں) اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا "خدایا! میں نے نذر مان لی ہے کہ میرے پیٹ میں جو (بچہ) ہے وہ تیری راہ میں آزاد ہے" پس تو اس کو میری جانب سے قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا، جاننے والا ہے۔ پھر جب اس نے جنا تو کہنے لگی "پروردگار! میرے لڑکی پیدا ہوئی ہے اللہ خوب جانتا ہے جو اس نے جنا ہے اور لڑکا لڑکی یکساں نہیں ہیں (یعنی ہیکل کی خدمت لڑکی نہیں کر سکتی لڑکا کر سکتا ہے) اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان الرجیم کے فتنہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

۱: فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۵

۲: عمران، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی۔ یہاں والدِ مریم علیہا السلام مراد ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پس مریم کو اس کے پروردگار نے بہت اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کی نشو و نما اچھے طریق پر کی اور زکریا کو اس کا نگرانِ کار بنایا۔

حضرت مریم علیہا السلام جب سنِ شعور کو پہنچیں اور یہ سوال پیدا ہوا کہ مقدس ہیکل کی یہ امانت کس کے سپرد کی جائے تو کاہنوں[1] میں سے ہر ایک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس مقدس امانت کا کفیل مجھ کو بنایا جائے مگر اس امانت کی نگرانی کا اہل حضرت زکریا سے زیادہ کوئی نہ تھا، اس لیے کہ وہ مریم علیہا السلام کی خالہ ایشاع (الیشع) کے شوہر بھی تھے اور مقدس ہیکل کے معزز کاہن اور خدائے برتر کے نبی بھی تھے، اس لیے سب سے پہلے انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر جب سب کاہنوں نے یہی خواہش ظاہر کی اور باہمی کشمکش کا اندیشہ ہونے لگا تو آپس میں طے پایا کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ اور بقول روایاتِ بنی اسرائیل تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی وہ دریا میں اپنے (پورے) ڈالتے مگر قرعہ کی شرط کے مطابق ہر مرتبہ زکریا علیہ السلام ہی کا نام نکلتا، کاہنوں نے جب یہ دیکھا کہ اس معاملہ میں زکریا علیہ السلام کے ساتھ تائیدِ غیبی ہے تو انہوں نے بخوشی اس فیصلہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اس طرح یہ "سعید امانت" حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد کر دی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ مریم علیہا السلام کی کفالت کا یہ معاملہ اس لیے پیش آیا کہ وہ یتیم تھیں اور مردوں میں سے کوئی ان کا کفیل نہیں تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں قحط کا بہت زور تھا اور اس لیے کفالت کا سوال پیدا ہوا[2]۔ لیکن یہ دونوں باتیں اگر نہ بھی ہوتیں تب بھی کفالت کا سوال اپنی جگہ پھر بھی باقی رہتا اس لیے کہ مریم علیہا السلام اپنی والدہ کی نذر کے مطابق "نذرِ ہیکل" ہو چکی تھیں اور چونکہ لڑکی تھیں اس لیے از بس ضروری تھا کہ وہ کسی مردِ نیک کی کفالت میں اس خدمت کو انجام دیتیں۔

غرض زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے صنفی احترامات کا لحاظ رکھتے ہوئے ہیکل کے قریب ایک حجرہ ان کے لیے مخصوص کر دیا تاکہ وہ دن میں وہاں رہ کر عبادتِ الٰہی سے بہرہ ور ہوں اور جب رات آتی تو ان کو اپنے مکان پر ان کی خالہ ایشاع کے پاس لے جاتے اور وہ وہیں شب بسر کرتیں۔[3]

۱: کاہن سے وہ مقدس ہستیاں مراد ہیں جو ہیکل میں مذہبی رسوم ادا کرتی اور خدمت ہیکل پر مامور تھیں۔

۲: تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۶۰

۳: روح المعانی سورۂ آل عمران —— مولانا آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں:
قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا گیا ہے، یہاں اور سورۂ آل عمران کی آیات ۳۵-۶۳ میں، یہاں یہ ذکر حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور حضرت یحییٰ کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے اور اناجیل اربعہ میں سے سینٹ لوقا کی انجیل ٹھیک ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے لیکن سورۂ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے، یعنی حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارہ میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ویٹیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش کا یہ مفقود ٹکڑا مہیا کر دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی کے اوائل تک سرگذشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کیے جاتے ہیں۔ ج ۲ ص ۴۴۳۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حنہ اور ایشاع

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جمہور کا قول یہ ہے کہ ایشاع (الیشع) مریم علیہا السلام کی ہمشیرہ تھیں اور حدیث معراج میں نبی اکرم ﷺ نے عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام کے متعلق یہ فرما کر "وھما ابنا خالة" جو رشتہ ظاہر فرمایا ہے اس سے بھی جمہور کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن جمہور کا یہ قول قرآن عزیز اور تاریخ دونوں کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن نے مریم علیہا السلام کی ولادت پر یہ نہیں کہا "خدایا! میرے تو پہلے بھی ایک لڑکی موجود تھی، اب تو نے دوبارہ بھی لڑکی ہی عطا فرمائی" بلکہ درگاہِ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ جس شکل میں میری دعاء تو نے قبول فرمائی ہے اس کو حسب وعدہ تیری نذر کیسے کروں نیز توراۃ اور بنی اسرائیل کی تاریخ سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں کہ عمران اور حنہ کے مریم علیہا السلام کے ماسوا کوئی اور اولاد بھی تھی بلکہ اس کے برعکس تاریخ یہود اور اسرائیلیات کا مشہور قول یہ ہے کہ ایشاع، مریم علیہا السلام کی خالہ تھیں۔

دراصل جمہور کی جانب یہ منسوب قول صرف حدیث معراج کے مسطورۂ بالا جملہ کے پیش نظر ظہور میں آیا ہے حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد "وھما ابنا خالة" وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، مجاز متعارف کی شکل میں ہے یعنی آپ نے بہ طریقِ توسع والدہ کی خالہ کو عیسیٰ علیہ السلام کی خالہ فرمایا ہے اور اس قسم کا توسّع عام بول چال میں شائع وذائع ہے۔

علاوہ ازیں ابن کثیر رحمہ اللہ کا اس کو "قول جمہور" کہنا بھی محل نظر ہے اس لیے کہ محمد بن اسحٰق، اسحٰق بن بشیر، ابن عساکر، ابن جریر اور ابن حجر رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر اصحاب حدیث وسیر کا رجحان اس جانب ہے کہ ایشاع، حنہ کی ہمشیر اور مریم علیہا السلام کی خالہ ہیں، حنہ کی بیٹی نہیں ہیں۔

مریم علیہا السلام کا زہد و تقویٰ

مریم علیہا السلام شب و روز عبادتِ الٰہی میں رہتیں اور جب خدمتِ ہیکل کے لیے ان کی نوبت آتی تو اس کو بھی بخوبی انجام دیتی تھیں حتی کہ ان کا زہد و تقویٰ بنی اسرائیل میں ضرب المثل بن گیا اور ان کی زہادت و عبادت کی مثالیں دی جانے لگیں۔

مقبولیتِ خداوندی

زکریا علیہ السلام مریم علیہا السلام کی ضروری نگہداشت کے سلسلہ میں کبھی کبھی ان کے حجرہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے لیکن ان کو یہ بات عجیب نظر آتی کہ جب وہ خلوت کدہ میں داخل ہوتے تو مریم علیہا السلام کے پاس اکثر بے موسم کے تازہ پھل موجود پاتے[1] — آخر زکریا علیہ السلام سے رہا نہ گیا اور انہوں نے دریافت کیا: مریم تیرے پاس یہ بے موسم پھل کہاں سے آتے ہیں؟ مریم (علیہا السلام) نے فرمایا: "یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم

1: یہ تفصیل اگرچہ تفسیری روایات سے ماخوذ ہے اور آیت میں صرف لفظ "رزق" آیا ہے لیکن آیت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ مریم کا یہ رزق انسانی داد و دہش کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ بطور کرامت من جانب اللہ تھا۔ (مؤلف)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق پہنچاتا ہے"۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ خدا کے یہاں مریم علیہا السلام کا خاص مقام اور مرتبہ ہے اور ساتھ ہی بے موسم تازہ پھلوں کے واقعہ نے دل میں تمنا پیدا کر دی کہ جس خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے یہ پھل بے موسم پیدا کر دیئے، کیا وہ میرے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود مجھ کو بے موسم پھل (بیٹا) عطا نہ کرے گا؟ یہ سوچ کر انہوں نے خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ ربانی میں دعاء کی اور وہاں شرف قبولیت کا مژدہ عطا ہوا:

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَامَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

اور اس (مریم) کی کفالت زکریا نے کی، جب اس (مریم) کے پاس زکریا داخل ہوتے تو اسکے پاس کھانے کی چیزیں رکھی پاتے۔ زکریا نے کہا: "اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آئیں"۔ مریم نے کہا "یہ اللہ کے پاس سے آئی ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے گمان رزق دیتا ہے"۔

مریم (علیہا السلام) اسی طرح ایک عرصہ تک اپنے مقدس مشاغل کے ساتھ پاک زندگی بسر کرتی رہیں اور مقدس ہیکل کا سب سے مقدس مجاور حضرت زکریا علیہ السلام بھی ان کے زہد و تقویٰ سے بے حد متاثر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت اور جلالتِ قدر کو اور زیادہ بلند کیا اور فرشتوں کے ذریعہ ان کو برگزیدۂ بارگاہِ الٰہی ہونے کی یہ بشارت سنائی:۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ ○ يَامَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○

(اے پیغمبر وہ وقت یاد کیجئے) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بزرگی دی اور پاک کیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھ کو برگزیدہ کیا، اے مریم! اپنے پروردگار کے سامنے جھک جا اور سجدہ ریز ہو جا اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز ادا کر"۔

.....وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○

اور تم اس وقت ان کاہنوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلموں (پوروں) کو قرعہ اندازی کیلئے ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے اور تم اس وقت (بھی) موجود نہ تھے جب وہ اس کی کفالت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

حضرت مریم (علیہا السلام) جبکہ نہایت مرتاض، عابد و زاہد اور تقویٰ و طہارت میں ضرب المثل تھیں اور جبکہ عنقریب ان کو جلیل القدر پیغمبر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہونے والا تھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو من جانب اللہ ان کی تقدیس و تطہیر کا یہ اعلان بلاشبہ حق بحقدار رسید کا مصداق ہے، تاہم علمی اور تاریخی اعتبار سے بلکہ خود قرآن و حدیث کے مفہوم کے لحاظ سے یہ مسئلہ قابل توجہ ہے کہ آیت وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ کی مراد کیا ہے اور کیا در حقیقت حضرتِ مریم علیہا السلام کو بغیر کسی استثناء کے کائنات کی تمام عورتوں پر برتری اور فضیلت حاصل ہے؟ اور یہی نہیں بلکہ اس آیتِ فضیلت نے مریم علیہا السلام کی ذات سے متعلق علماءِ سلف میں چند اہم مسائل کو زیر بحث بنا دیا ہے۔ مثلاً (۱) کیا عورت نبی ہو سکتی ہے؟ (۲) کیا حضرت مریم علیہا السلام نبی تھیں؟ (۳) اگر نبی نہیں تھیں تو آیت کے جملہ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ کا مطلب کیا ہے؟

کیا عورت نبی ہو سکتی ہے؟

محمد بن اسحٰق، شیخ ابوالحسن اشعری، قرطبی، ابن حزم (نور اللہ مرقدہ) اس جانب مائل ہیں کہ عورت نبی ہو سکتی ہے بلکہ ابن حزم تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت حوا، سارہ، ہاجرہ، ام موسیٰ علیہ السلام، آسیہ اور مریم (علیہن السلام) یہ سب نبی تھیں، اور محمد بن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ اکثر فقہاء اس کے قائل ہیں کہ عورت نبی ہو سکتی ہے اور قرطبی فرماتے ہیں کہ مریم (علیہا السلام) نبی تھیں۔

ان حضرات کے اقوال کے برعکس خواجہ حسن بصری، امام الحرمین شیخ عبد العزیز اور قاضی عیاض (نور اللہ مرقدہم) کا رجحان اس جانب ہے کہ عورت نبی نہیں ہو سکتی اور اس لیے مریم علیہا السلام بھی نبی نہیں تھیں۔ قاضی اور ابن کثیر یہ بھی کہتے ہیں کہ جمہور کا مسلک یہی ہے اور امام الحرمین تو اجماع تک دعویٰ کرتے ہیں۔ جو علماء یہ فرماتے ہین کہ عورت نبی نہیں سکتی وہ اپنی دلیل میں اس آیت کو پیش کرتے ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ……[1]

اور تم سے پہلے ہم نے نہیں بھیجے مگر مرد کہ وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف۔

اور خصوصیت کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے انکار پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ قرآن عزیز نے ان کو "صدیقہ" کہا ہے، سورۂ مائدہ میں ہے:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ

بس ابن مریم تو ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔

اور سورۂ نساء میں قرآن عزیز نے مُنعم علیہم کی جو فہرست دی ہے وہ اس کے لیے نصِ قطعی ہے کہ "صدیقیت" کا درجہ "نبوت" سے کم اور نازل ہے۔

اور جو حضرات عورت کے نبی ہونے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قرآن عزیز نے حضرت سارہ، ام موسیٰ علیہم اور حضرت مریم علیہن السلام کے متعلق جن واقعات کا اظہار کیا ہے ان میں بصراحت موجود ہے کہ ان پر خدا کے فرشتے وحی لے کر نازل ہوئے اور ان کو منجاب اللہ بشارات سے سرفراز فرمایا اور ان تک اپنی معرفت،

---

[1] فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عبادت کا حکم پہنچایا، چنانچہ حضرت سارہ کے لیے سورۂ ہود اور سورۂ الذاریات اور ام موسیٰ کے لیے سورۂ قصص میں اور مریم علیہا السلام کے لیے آل عمران اور سورۂ مریم میں بواسطۂ ملائکہ اور بلاواسطہ خطاب الٰہی نہیں ہیں جیسا کہ آیت وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ میں شہد کی مکھی کے لیے وحی کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اور خصوصیت کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کے نبی ہونے کی یہ واضح دلیل ہے کہ سورۂ مریم میں ان کا ذکر اسی اسلوب کے ساتھ کیا گیا ہے جس طریقہ پر دیگر انبیاء ورسل کا تذکرہ کیا ہے۔ مثلاً

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوْسٰى، وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيْسَ...، وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمٰعِيْلَ.....، وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ ...، وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ

اور

فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوْحَنَا.....

ہم نے مریم علیہا السلام کی جانب اپنے فرشتہ جبرئیل کو بھیجا

اور

قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ.....

میں بلاشبہ تیرے پروردگار کیجانب سے پیغامبر ہوں

نیز آل عمران میں مریم علیہا السلام کو ملائکۃ اللہ نے جس طرح خدا کی جناب سے پیغامبر بن کر خطاب کیا ہے وہ بھی اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔

اور مریم علیہا السلام کو "صدیقہ" ہونے متعلق جو سوال ہے اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر قرآن نے حضرت مریم علیہا السلام کو "صدیقہ" کہا ہے تو یہ لقب ان کی شانِ نبوت کے اسی طرح منافی نہیں ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو مُسلّم نبی ہونے کے باوجود آیت يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ میں ان کا صدیق ہونا ان کے نبی ہونے کو مانع نہیں ہے بلکہ ذکرِ پاک مقامی خصوصیت کی بناء پر مذکور ہوا ہے۔ کیونکہ جو "نبی" ہے وہ بہر حال "صدیق" ضرور ہے البتہ اس کا عکس ضروری نہیں ہے۔

ان علماءِ اسلام کی ترجمانی جس تفصیل کے ساتھ کتاب الفصل میں مشہور محدث ابن حزم رحمہ اللہ نے کی ہے اس تفصیل و قوت کے ساتھ دوسری جگہ نظر سے نہیں گذری اس لیے سطورِ ذیل میں اس پورے مضمون کا ترجمہ لائق مطالعہ ہے۔

نبوۃ النساء اور ابن حزم

یہ فصل ایسے مسئلہ کے متعلق ہے جس پر ہمارے زمانہ میں قرطبہ (اندلس) میں شدید اختلاف بپا ہوا، علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورت نبی نہیں ہو سکتی اور جو ایسا کہتا ہے کہ عورت نبی نہیں ہو سکتی وہ ایک نئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور دوسری جماعت قائل ہے کہ عورت نبی ہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سکتی ہے اور نبی ہوئی ہیں، اور ان دونوں سے الگ تیسری جماعت کا مسلک توقف ہے اور وہ اثبات و نفی دونوں باتوں میں سکوت کو پسند کرتے ہیں۔ مگر جو حضرات عورت سے متعلق منصب نبوت کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نظر نہیں آتی البتہ بعض حضرات اپنے اختلاف کی بنیاد اس آیت کو بنایا ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ إِلَيْهِمْ.....

میں کہتا ہوں کہ اس بارہ میں کس کو اختلاف ہے اور کس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عورت کو ہدایتِ خلق کے لیے رسول بنا کر بھیجتا ہے یا اس نے کسی عورت کو "رسول" بنایا ہے، بحث رسالت کے مسئلہ میں نہیں ہے بلکہ نبوت میں ہے، پس طلب حق کے لیے ضروری ہے کہ اول یہ غور کیا جائے کہ لغتِ عرب میں لفظ "نبوت" کے کیا معنی ہیں؟ تو ہم اس لفظ کو "انباء" سے ماخوذ پاتے ہیں جس کے معنی "اطلاع دینا" ہیں، پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کسی معاملہ کے ہونے سے قبل بذریعہ وحی اطلاع دے یا کسی بھی بات کے لیے اس کی جانب وحی نازل فرمائے وہ شخص مذہبی اصطلاح میں بلاشبہ "نبی" ہے۔

آپ اس مقام پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وحی کے معنی اس الہام کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کی سرشت میں ودیعت کر دیا ہے جیسا کہ شہد کی مکھی کے متعلق خدائے برحق کا ارشاد ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اور نہ وحی کے معنی ظن اور وہم کے لے سکتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کو "علم یقین" سمجھنا (جو وحی کا قدرتی نتیجہ ہے) مجنوں کے سوا اور کسی کا کام نہیں ہے۔ اور نہ یہاں وہ معنی مراد ہو سکتے ہیں جو "بابِ کہانۃ" سے تعلق رکھتے ہیں (یعنی یہ کہ شیاطین، آسمانی باتوں کو سننے اور چرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر شہاب ثاقب کے ذریعہ رجم کیا جاتا ہے اور جس کے متعلق قرآن یہ کہتا ہے:

شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا.....

(الانعام:۶:۱۱۲)

کیونکہ یہ باب کہانۃ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت سے مسدود ہو گیا۔ اور نہ اس جگہ وحی کے معنی نجوم کے تجرباتِ علمیہ سے تعلق رکھتے ہیں جو خود انسانوں کے باہم سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو جایا کرتے ہیں اور نہ اس کے معنی اس کے رؤیا (خواب) کے ہو سکتے ہیں جن کے سچ یا جھوٹ ہونے کو کائی علم نہیں ہے بلکہ ان تمام معانی سے جدا "وحی بمعنی نبوۃ" یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قصد اور ارادہ سے ایک شخص کو ایسے امور کی اطلاع دے جن کو وہ پہلے سے نہیں جانتا اور مسطورۂ بالا ذرائع علم سے الگ یہ امور حقیقتِ ثابتہ بن کر اس شخص پر اس طرح منکشف ہو جائیں گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ار اللہ تعالیٰ اس علمِ خاص کے ذریعہ اس شخص کو بغیر کسی محنت و کسب کے بداہۃً ایسا صحیح یقین عطا کر دے کہ وہ ان امور کو اس طرح معلوم کر لے جس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرح وہ حواس اور بداہت عقل کے ذریعہ حاصل کر لیا کرتا ہے اور اسکو کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور خدا کی یہ وحی یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ فرشتہ آکر اس شخص کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس سے خطاب کرتا ہے۔

پس اگر ان حضرات کے نزدیک جو عورت کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں نبوت کے معنی یہ نہیں ہیں تو وہ ہم کو سمجھائیں کہ آخر نبوت کے معنی ہیں کیا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے ماسوا اور کوئی معنی بیان ہی نہیں کر سکتے۔

اور جب کہ نبوت کے معنی وہی ہیں ہم نے بیان کیے تو اب قرآن کے ان مقامات کو بغور مطالعہ کیجئے جہاں یہ مذکور ہے کہ اللہ عزوجل نے عورتوں کے پاس فرشتوں کو بھیجا اور فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان عورتوں کو "وحی حق" سے مطلع کیا چنانچہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ام اسحٰق (سارہ علیہا السلام) کو اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت سنائی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَامْرَأَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوْبَ ○
قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ○
قَالُوْٓا أَتَعْجَبِيْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ..... ○

ان آیات میں فرشتوں نے ام اسحٰق کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسحٰق اور ان کے بعد یعقوب علیہما السلام کی بشارت سنائی ہے اور سارہ علیہا السلام کے تعجب پر یہ کہہ کر دوبارہ خطاب کیا ہے اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ والدۂ اسحٰق (سارہ علیہا السلام) نبی تو نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ اس طرح ان سے خطاب کرے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل فرشتہ کو مریم (ام عیسیٰ علیہما السلام) کے پاس بھیجتا ہے اور ان کو مخاطب کر کے یہ کہتا ہے:

وَقَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ..... ○

تو یہ "وحی حقیقی" کے ذریعہ نبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور کیا اس آیت میں صاف طور پر نہیں کہا گیا ہے مریم علیہا السلام کے پاس جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے پیغامبر بن کر آئے؟ نیز زکریا علیہ السلام جب مریم علیہا السلام کے حجرہ میں آئے تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا غیب سے دیا ہوا رزق پاتے تھے اور انہوں نے اسی رزق کو دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں صاحبِ فضیلت لڑکا پیدا ہونے کی دعا کی تھی، اس طرح ہم موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے معاملہ میں دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل فرمائی کہ تم اپنے اس بچہ کو دریا میں ڈال دو اور ساتھ ہی ان کو اطلاع دی کہ میں اس کو تمہاری جانب واپس کروں گا اور اس کو "نبی مرسل" بناؤں گا، پس کون شک کر سکتا ہے کہ یہ "نبوت" کا معاملہ نہیں ہے۔ معمولی عقل و شعور رکھنے والا آدمی بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

والدہ کا یہ عمل اللہ کے عطا کردہ شرفِ نبوت سے وابستہ نہ ہوتا اور محض خواب کی بناء یا دل میں پیدا شدہ وسوسہ کی وجہ سے وہ ایسا کرتیں تو ان کا یہ عمل نہایت ہی مجنونانہ اور متہورانہ ہوتا اور اگر آج ہم میں سے کوئی ایسا کر بیٹھے تو ہمارا یہ عمل، گناہ قرار پائے گا اور یا ہم کو مجنوں اور پاگل کہا جائے گا اور علاج کیلئے پاگل خانہ بھیج دیا جائے گا، یہ ایک ایسی صاف اور واضح بات ہے جس میں شک و شبہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تب یہ کہنا قطعاً درست ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دینا اسی طرح وحی الٰہی کی بناء پر تھا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا[1] (خواب) میں اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح کرنا بذریعہ وحی معلوم کر لیا تھا اس لیے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی نہ ہوتے اور ان کے ساتھ وحی الٰہی کا سلسلہ وابستہ نہ ہوتا اور پھر وہ یہ عمل محض ایک خواب یا نفس میں پیدا شدہ ظن کی وجہ سے کر گذرتے تو ہر شخص ان کے اس عمل کو یا گناہ سمجھتا یا انتہائی جنون یقین کرتا تو اب بغیر کسی تردد کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ام موسیٰ علیہا السلام نبی تھیں۔

علاوہ ازیں حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت پر ایک یہ دلیل بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کٓهٰیٰعٓصٓ میں ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے زمرہ میں کیا ہے اور اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَ مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ

یہی ہیں وہ انبیاء آدم کی نسل سے اور ان میں جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا جن پر اللہ کا انعام و اکرام ہوا۔

تو آیت کے اس عموم میں مریم علیہا السلام کی تخصیص کر کے ان کو انبیاء کی فہرست میں سے الگ کر لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

رہی یہ بات کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے یہ کہا "وامہ صدیقۃ" تو یہ لقب ان کی نبوت کے لیے اس طرح مانع نہیں جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے نبی اور رسول ہونے کے لیے یہ آیت مانع نہیں يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ (وباللہ التوفیق)

اب حضرت سارہ، حضرت مریم، حضرت ام موسیٰ علیہن السلام کے مسئلہ نبوت کے ساتھ فرعون کی بیوی (آسیہ) کو بھی شامل کر لیجئے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كمل من الرجال كثير ولم يكمل من النساء الا مريم بنت عمران و آسية بنت مزاحم امراءة فرعون (او كما[2] قال عليه السلام)

۱: نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی ایک حدیث میں ایسا ہی فرمایا ہے۔

۲: بخاری میں الفاظِ حدیث یہ ہیں:

قال رسول اللّٰه ﷺ كمل من الرجال كثير ولم يكمل من النساء الا آسية امرأة فرعون و مريم بنت عمران و ان فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یعنی مردوں میں سے تو بہت آدمی کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف دو ہی کامل ہوئیں، مریم بنت عمران اور آسیہ بنتِ مزاحم زوجۂ فرعون۔

اور واضح رہے کہ مَردوں میں یہ درجۂ کمال بعض رسولوں علیہم السلام ہی کو حاصل ہوا ہے اور اگرچہ ان کے علاوہ انبیاء ورسل بھی درجۂ نبوت ورسالت پر مامور ہیں لیکن ان مرسلین کاملین کے درجہ سے نازل ہیں، اس لیے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن عورتون کو منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا ہے ان میں صرف دو عورتوں کو ہی درجۂ کمال تک پہنچنے کی فضیلت حاصل ہے کیونکہ حدیث میں جس درجۂ کمال کا ذکر ہورہا ہے جو ہستی بھی اس درج سے نازل ہے وہ کامل نہیں ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگرچہ بعض عورتیں بہ نصِ قرآن نبی ہیں لیکن ان میں سے ان دو عورتوں کو بھی درجۂ کمال حاصل ہوا ہے۔ درجات کے اس فرق کو خود قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ

حقیقت یہ ہے کہ کامل اس کو کہا جاتا ہے جس کی نوع میں سے کوئی دوسرا اُس کا ہمسر نہ ہو، پس مَردوں میں سے ایسے کامل خدا کے چند ہی رسول ہوئے ہیں جن کی ہمسری دوسرے انبیاء ورُسل کو عطا نہیں ہوئی اور بلاشبہ ان ہی کاملین میں سے ہمارے پیغمبر "محمد ﷺ" اور "ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام" ہیں جن کے متعلق نصوص (قرآن وحدیث) نے ان فضائلِ کمال کا اظہار کیا ہے جو دوسرے انبیاء ورسل کو حاصل نہیں ہیں، البتہ اسی طرح عورتوں میں ہی وہی درجۂ کمال کو پہنچی ہیں جن کا ذکر نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں کیا ہے۔[1]

ابن حزم رحمہ اللہ کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وحی کے ان معانی کو نظر انداز کر کے "جن کا اطلاق بلحاظِ عموم لغت جبلت یا نفس میں ظن ووہم کے درجہ کا القاء والہام پر ہوتا ہے" وہ اصطلاحی معنی لیئے ہیں جن کو قرآن نے انبیاء ورسل کیلئے مخصوص کیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک وہ (وحی) جس کا منشاء مخلوقِ خدا کی رشد وہدایت اور تعلیم اوامر ونواہی سے ہو۔ اور دوسری یہ کہ خدائے تعالیٰ کسی شخص سے براہ راست یا فرشتہ کے واسطہ سے اس قسم کا خطاب کرے کہ جس سے بشارات دینا، کسی ہونے والے واقعہ کی ہونے سے قبل اطلاع دینا، یا خاص اس کی ذات کیلئے کوئی امر و نہی فرمانا مقصود ہو، اب اگر پہلی صورت ہے تو یہ "نبوۃ مع الرسالۃ"[2] ہے اور بالاتفاق سب کے نزدیک یہ درجہ صرف مردوں کے ساتھ ہی مخصوص ہے جیسا کہ سورۂ النحل کی آیت سے واضح ہے اور اس مسئلہ میں قطعاً دو رائے نہیں ہیں۔

اور اگر وحی الٰہی کی دوسری شکل ہے تو ابن حزم اور ان کے موئدین علماء کی رائے میں یہ بھی نبوت ہی کی ایک

۱: الفصل فی الملل والاہواء والنحل، مطبوعہ مصر ۱۳۴۸ھ جلد ۵ صفحہ ۱۴-۱۳-۱۲- یہ بحث فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۴۸، ۳۴۷، ۳۶۸ مطبوعہ مصر میں بھی قابل مراجعت ہے۔

۲: یہاں نبی اور رسولوں کے اس فرق کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، جو علم کلام کی خاص اصطلاح ہے کیونکہ قرآن کثرت کے ساتھ نبی اور رسول کو مرادف معنی میں استعمال کرتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قسم ہے کیونکہ قرآن عزیز نے سورۂ شوریٰ میں انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کے جو طریقے بیان کیئے ہیں وہ اس وحی پر بھی صادق آتے ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (الشوریٰ، ۴۲:۵۱)

اور کسی انسان کیلئے یہ صورت ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (بالمشافہ) گفتگو کرے مگر یا وحی کے ذریعہ یا پس پردہ کلام کے ذریعہ اس اور یا اس صورت سے کہ اللہ کسی فرشتہ کو پیغامبر بنا کر بھیجے! اور وہ اس کی اجازت سے جس کو کہ وہ چاہے اس بشر کو وحی لا کر سنادے بلا شبہ وہ بلند و بالا حکمت والا ہے۔

اور جبکہ قرآن نے وحی کی اس دوسری قسم کا اطلاق بہ نص صریح حضرت مریم، حضرت سارہ، حضرت ام موسیٰ اور حضرت آسیہ (علیہن السلام) پر کیا ہے جیسا کہ سورۂ ہود، قصص اور مریم سے ظاہر ہوتا ہے تو ان مقدس عورتوں پر "نبی کا اطلاق" قطعاً صحیح ہے اور اسکو بدعت کہنا سر تا سر غلط ہے۔

ابن حزم (رحمہ اللہ) کے موئد علماء نے اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے اس شبہ کا جواب بھی دیا ہے "کہ قرآن نے جس طرح صاف الفاظ میں مرد انبیاء کو نبی اور رسول کہا ہے۔ اس طرح ان عورتوں میں سے کسی کو نہیں کہا" جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبکہ "نبوۃ مع الرسالۃ" جو کہ مردوں کیلئے مخصوص کائناتِ انسانی کی رشد و ہدایت اور تعلیم و تبلیغ نوعِ انسانی سے متعلق ہوتی ہے تو اسکا قدرتی تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو اس شرف سے ممتاز فرمایا ہے۔ اسکے متعلق وہ صاف صاف اعلان کرے کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی اور رسول ہے، تاکہ امت پر اس کی دعوت و تبلیغ کا قبول کرنا لازم ہو جائے اور خدا کی حجت پوری ہو اور چونکہ نبوت کی وہ قسم جس کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے خاص اس ہستی سے وابستہ ہوتی ہے جس کو یہ شرف ملا ہے تو اسکے متعلق صرف یہی اظہار کر دینا کافی ہے کہ جو "وحی من اللہ" انبیاء و رسل کیلئے ہی مخصوص ہے اس سے ان چند عورتوں کو بھی مشرف کیا گیا ہے۔

عورتوں کی نبوت کے اثبات و انکار کے علاوہ تیسری رائے ان علماء کی ہے جو اس مسئلہ "سکوت اور توقف" کو ترجیح دیتے ہیں ان میں شیخ تقی الدین سبکی (رحمہ اللہ) نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، فتح الباری میں ان کا یہ قول مذکور ہے:

قال السبکی اختلف فی هٰذه المسئلة ولم یصح عندی فی ذٰلك شیء الخ۔

(فتح الباری ج ٦ کتاب الانبیاء)

سبکی فرماتے ہیں "اس مسئلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں اور میرے نزدیک اس بارہ اثباتاً یا نفیاً کوئی بات ثابت نہیں ہے۔

کیا حضرت مریم علیہا السلام نبی ہیں؟

اس تفصیل سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نبوت کے انکار پر امام الحرمین کا دعوائے اجماع صحیح نہیں ہے نیز یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فہرستِ انبیاء میں مسطورۂ بالا دوسری مقدس عورتوں کے مقابلہ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے متعلق قرآنی نصوص زیادہ واضح ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام شعرانی، ابن حزم اور قرطبی (رحمہم اللہ) کے درمیان حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ انبیاء کی فہرست کے بارہ میں خاصہ اختلاف نظر آتا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کی نبوت کے متعلق تمام مثبتین نبوت کا اتفاق ہے۔

ہم کو ابن کثیر (رحمہ اللہ) کے اس دعویٰ سے بھی اختلاف ہے کہ جمہور، انکار کی جانب ہیں، البتہ اکثریت غالباً سکوت اور توقف کو پسند کرتی ہے۔

آیت وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ کا مطلب

جو علماء عورتوں میں نبوت کے قائل ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کو نبی تسلیم کرتے ہیں، ان کے مسلک کے مطابق تو آیت وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ کا مطلب صاف اور واضح ہے وہ یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کو کائنات کی تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، جو عورتیں نبی نہیں ہیں ان پر اسلئے کہ مریم (علیہا السلام) نبی ہیں اور جو عورتیں نبی ہیں ان پر اسلئے وہ ان قرآنی نصوص کے پیش نظر جو ان کے فضائل و کمالات سے تعلق رکھتی ہیں باقی نبیات پر برتری رکھتی ہیں۔

لیکن جو علماء عورتوں کی نبوت کا انکار فرماتے ہیں اور حضرت مریم علیہا السلام کو "نبیہ" نہیں تسلیم کرتے وہ اس آیت کی مراد میں دو جدا جدا خیال رکھتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آیت کا جملہ نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ عام ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کی تمام عورتوں کو شامل ہے۔ اس لئے بلاشبہ حضرتِ مریم علیہا السلام کو بغیر کسی استثناء کے کائناتِ انسانی کی تمام عورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے اور اکثر کا قول یہ ہے کہ آیت کے لفظ "العٰلمین" سے کائنات کی وہ تمام عورتیں مراد ہیں جو حضرتِ مریم علیہا السلام کی معاصر تھیں۔ یعنی قرآنِ عزیز حضرتِ مریم علیہا السلام کے زمانہ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بشارت دی کہ وہ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں میں برگزیدہ اور صاحبِ کمال ہیں اور ہم نے ان سب میں سے اُن کو چُن لیا ہے اور "العٰلمین" کا یہ اطلاق وہی حیثیت رکھتا ہے جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کی اُمت (بنی اسرائیل) کے لئے اس آیت میں اختیار کی گئی ہے۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور بلاشبہ ہم نے اپنے علم سے ان (بنی اسرائیل) کو جہاں والوں کے مقابلہ میں پسند کر لیا ہے۔

اور جبکہ باتفاق آراء بنی اسرائیل کی فضیلت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ "العٰلمین" سے ان کی معاصر وامم و اقوام مراد ہیں کہ ان میں سے امت موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے تو حضرت مریم (علیہا السلام) کی فضیلت کے باب میں بھی یہی معنی مراد لینے چاہئیں۔

حضرتِ مریم علیہا السلام کا تقدس اور تقویٰ و طہارت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی والدہ ہونے کا شرف، مرد کے ہاتھ لگائے بغیر معجزہ کے طور پر ان کے مشکوئے معلیٰ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت بلاشبہ ایسے امور ہیں جن کی بدولت ان کو معاصر عورتوں پر فضیلت و برتری حاصل تھی۔

۱: فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۸۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر یہ حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ بابِ فضیلت ایک وسیع باب ہے اور جس طرح کسی شے کی حقیقت بیان کرنے میں بلیغ اور عمدہ طریق بیان یہ ہے کہ وہ جامع ومانع ہو یعنی اسکی حقیقت پر اس طرح حاوی ہو کہ تمام دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے، نہ ایسی کمی رہ جائے کہ اصل حقیقت پوری طرح بیان نہ ہو سکے اور نہ ایسا اضافہ کرے کہ بعض دوسری حقائق بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ اسی طرح اسکے برعکس بیانِ فضیلت کیلئے فصاحت وبلاغت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بیانِ حقیقت کی طرح حدود وقیود میں نہ جکڑ دیا جائے۔ کیونکہ اس مقام پر حقیقتِ شے نہیں بلکہ فضیلتِ شے کا اظہار ہو رہا ہے جو اگر اسی طرح کے دوسرے افراد پر بھی صادق آجائے تو بیانِ حقیقت کی طرح اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ اس موقع پر وسعتِ بیان ہی ازبس ضروری ہوتا ہے تاکہ مخاطب کے دل میں اظہارِ فضیلت سے جو نفسیاتی اثر پیدا کرنا ہے وہ دل نشین اور مؤثر ہو سکے۔

تو ایسی صورت میں عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے علاوہ دوسری کوئی مقدس عورت اس شرف کو نہیں پہنچ سکتی یا نہیں پہنچی، بلکہ یہ ہوگا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو فضائل وکمالات میں بلند مرتبہ حاصل ہے، باب فضائل کی یہی وہ حقیقت ہے جس کے فراموش کر دینے پر فضائلِ صحابہ وغیرہ میں اکثر ہم کو لغزش ہو جاتی اور چند مقدس اشخاص سے متعلق فضائل کے مابین تضاد وتناقض نظر آنے لگتا ہے، البتہ ان فضائل کی حدود سے گزر کر جب ہم صاحب فضائل افراد کے انفرادی واجتماعی اعمال کا جائزہ لے کر فرقِ مراتب بیان کرتے ہیں تو وہ ضرور ایک دوسرے کیلئے حد فاصل ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً حضراتِ صحابہ وصحابیات کے فضائل کے پیش نظر فرق مراتب کا صحیح فیصلہ جب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ ان کے ان فضائل کے ساتھ ساتھ جو زبان وحی ترجمان سے نکلے ہیں ان سے متعلق خصوصی ارشاداتِ قرآنی وحدیثی، ان کی اسلامی خدمات، اسلام سے متعلق ان کی سرفروشیاں وجاں سپاریاں، نصرت حق میں مالی فداکاریاں، اسلام کے نازک ترین لمحات میں ان کے علم وتدبر کی عقدہ کشائیاں اور ان کی عملی جدوجہد کی رفیع سرگرمیاں ان سب کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بشاراتِ کتبِ سابقہ

ادیان وملل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین حق اور ملت بیضاء کی تبلیغ ودعوت کا سلسلہ اگرچہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء محمد ﷺ تک برابر جاری رہا ہے لیکن اس سلسلہ کو مزید قوت اور جلیل القدر پیغمبر کو بھیجے جو امتدادِ زمانہ کی وجہ سے پیدا شدہ عام روحانی اضمحلال کو دور کر کے قبول حق کے افسردہ رجحانات میں تازگی بخشے اور ضعیف روحانی عواطف کو قوی سے قوی تر بنادے، گویا مذہب کی خوابیدہ دنیا میں حق وصداقت کا صور پھونک کر ایک انقلابِ عظیم بپا کر دے اور مردہ دلوں میں نئی روح ڈال دے اور اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ جن اقوام وامم میں اس عظیم المرتبہ پیغمبر کی بعثت ہونے والی ہوتی ہے صدیوں پہلے ان کے بادیانِ ملت اور داعیان حق (انبیاء علیہم السلام) اس مقدس رسول کی آمد کی بشاراتِ وحی الٰہی کے ذریعہ سناتے رہتے ہیں تاکہ اس کی دعوت حق کیلئے زمین ہموار رہے اور جب اس نور حق کے روشن ہونے کا وقت آجائے تو ان اقوام وامم کیلئے اس کی آمد غیر متوقع حادثہ نہ بن جائے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان چند اولوالعزم، جلیل القدر اور مقدس رسولوں میں سے ایک ہیں اور اسی بناء پر انبیاء بنی اسرائیل میں سے متعدد انبیاء علیہم السلام ان کی آمد سے قبل ان کے حق میں منادی کرتے اور آمد کی بشارت سناتے نظر آتے ہیں اور ان ہی بشارات کی وجہ سے بنی اسرائیل مدت مدید سے منتظر تھے کہ مسیح موعود کا ظہور ہو تو ایک مرتبہ وہ پھر ہدایت کی خشک کھیتی میں روح تازہ پیدا ہو گی اور خدا کے جاہ و جلال سے ان کے قلوب ایک مرتبہ پھر چمک اٹھیں گے۔ بائیبل (توراۃ و انجیل) اپنی لفظی و معنوی تحریفات کے باوجود آج بھی ان چند بشارات کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتی ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے تعلق رکھتی ہیں۔ توراۃ استثناء میں ہے:

> اور اس موسیٰ نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور شعیر (ساعیر) اسے ان پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔ (باب ۳۳۔ آیت ۲)

اس بشارت میں "سینا سے خدا کی آمد" حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نوبت کی جانب اشارہ ہے اور "ساعیر سے طلوع ہونا" نبوت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے، کیونکہ ان کی ولادتِ باسعادت اسی پہاڑ کے ایک مقام "بیت اللحم" میں ہوئی ہے اور یہی وہ مبارک جگہ ہے جہاں سے نور حق طلوع ہوا اور "فاران پر جلوہ گر ہونا" آفتاب رسالت کی بعثت کا اعلان ہے کیونکہ فاران، حجاز کے مشہور پہاڑی سلسلہ کا نام ہے۔[1]

اور حضرتِ یسیعاہ نبی علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے:

> "ایک میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا، بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اسکے راستے سیدھے بناؤ"۔ (باب ۴۰ آیات ۸۔ ۳)

اس بشارت میں "پیغمبر" سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور بیابان میں پکارنے والے حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منادی تھے اور ان کی بعثت سے قبل بنی اسرائیل میں ان کی بعثت و رسالت کا مژدۂ جانفزا سناتے تھے۔

اور متی کی انجیل میں ہے:

> "جب یسوع، ہیرودیس بادشاہ کے زمانہ میں یہودیہ کے بیت اللحم میں پیدا ہوا تو دیکھا کئی مجوس پورب سے یروشلم میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ یہودیوں کا بادشاہ اور جو پیدا ہوا ہے وہ کہاں ہے؟... یہ سن کر ہیرودیس بادشاہ اور اسکے ساتھ یروشلم کے سب لوگ گھبرائے اور اس نے قوم کے سب سردار کاہنوں اور فقیہوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا کہ مسیح کی پیدائش کہاں ہونی چاہئے؟ انہوں نے اس سے کہا کہ یہودیہ کے بیت لحم میں کیونکہ نبی (یسعیاہ علیہ السلام) کی معرفت یوں لکھا گیا ہے، اے بیت لحم یہوداہ کے علاقہ: تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔
> (باب ۲ آیات ۶۔ ۱)

اور دوسری جگہ ہے:

---

[1] تفصیل اپنے موقعہ پر آئے گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور جب وہ یروشلم کے نزدیک پہنچے اور زیتون کے پہاڑ پر بیت فگے کے پاس آئے تو یسوع نے دو شاگردوں کو یہ کہہ کر بھیجا کہ اپنے سامنے کے گاؤں میں جاؤ وہاں پہنچتے ہی ایک گدھی بندھی ہوئی اور اس کے ساتھ بچہ تمہیں ملے گا، انہیں کھول کر میرے پاس لے آؤ اور اگر کوئی تم سے کچھ کہے تو کہنا کہ یہ خداوند کو درکار ہیں وہ فی الفور انہیں بھیج دے گا۔ یہ اسلئے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ "صیہون کی بیٹی سے کہو کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ حلیم ہے گدھے پر سوار ہے بلکہ لادو بچہ پر"۔ (باب ۲۔ آیات ۶۔۱)

اور یوحنا کی انجیل میں ہے:

اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کیلئے اس (یحییٰ علیہ السلام) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے، اس نے کہا میں نہیں ہوں، کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا کہ یشعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔ (باب ۱۔ آیات ۲۳۔۱۹)

اور مرقس اور لوقا کی انجیلوں میں ہے:۔

وہ لوگ منتظر تھے اور سب اپنے اپنے دل میں یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی بابت سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح تھے یا نہیں تو یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) ان سب کے جواب میں کہا: میں تو تمہیں بپتسمہ دیتا ہوں مگر جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں، وہ تمہیں روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔ (لوقا باب ۲۔ آیات ۱۶۔۱۵)

ان ہر دو بشارات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود اپنی مذہبی روایات کی بناء پر جن اولوالعزم پیغمبروں کی بعثت کے منتظر تھے ان میں مسیح علیہ السلام بھی تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ وہ نہ ایلیا ہیں نہ وہ نبی اور نہ مسیح (علیہم السلام) بلکہ مسیح علیہ السلام کی بعثت کے منادا اور مبشر ہیں۔

قرآن عزیز نے بھی حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی تمہید قرار دیا ہے اور یحییٰ علیہ السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مبشر اور منادا بتایا ہے۔ آل عمران میں ہے:

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ .....

پس جب فرشتوں نے اس (زکریا) کو اس وقت پکارا جبکہ وہ حجرہ میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ تجھ کو یحییٰ (فرزند) کی بشارت دیتا ہے، جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرے گا۔

۱: عہد نامہ جدید (انجیل) میں یوحنا دو جدا جدا شخصیتیں ہیں، ایک یحییٰ علیہ السلام اور دوسری عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اور شاگرد۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ولادتِ مبارک

عابد و زاہد اور عفت مآب مریم (علیہا السلام) اپنے خلوت کدہ میں مشغول عبادت رہتی اور ضروری حاجات کے علاوہ کبھی اس سے باہر نہیں نکلتی تھیں، ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ (ہیکل) کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور کسی ضرورت سے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اچانک خدا کا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے ایک اجنبی شخص کو اس طرح بے حجاب سامنے دیکھا تو گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں "اگر تجھ کو کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو میں خدائے رحمان کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں"۔ فرشتے نے کہا: "مریم! خوف نہ کھا، میں انسان نہیں بلکہ خدا کا فرستادہ فرشتہ ہوں اور تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں"۔ حضرت مریم علیہا السلام نے یہ سنا تو ازراہ تعجب فرمانے لگیں: میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو آج تک کسی بھی شخص نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اسلئے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ میں زانیہ ہوں"۔ فرشتہ نے جواب دیا: میں تو تیرے پروردگار کا قاصد ہوں، اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ میں اسلئے کروں گا کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کائنات کیلئے اپنی قدرتِ کاملہ کے اعجاز کا "نشان" بنادوں اور لڑکا میری جانب سے "رحمۃ" ثابت ہوگا اور میرا یہ فیصلہ اٹل ہے۔ مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا "کلمہ"[1] ہوگا، اس کا لقب "مسیح"[2] اور اسکا نام عیسیٰ (یسوع) ہوگا اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں باوجاہت اور صاحب عظمت رہے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے نشان کے طور پر بحالتِ شیر خوارگی لوگوں سے باتیں کرے گا اور سن کہولت (بڑھاپے کا ابتدائی دور) بھی پائے گا تاکہ کائنات کی رشد و ہدایت کی خدمت کی تکمیل کرے اور یہ سب کچھ اسلئے ضرور ہو کر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اسکا محض یہ ارادہ اور حکم کہ "ہو جا" اس شے کو نیست سے ہست کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ یوں ہی ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ اسکو اپنی کتاب عطا کرے گا، اسکو حکمت سکھائے گا اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کیلئے رسول اور اولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔

قرآن عزیز نے ان واقعات کا معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورہ مریم میں اس طرح ذکر کیا ہے:

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعَالَمِيْنَ ○ يَامَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ إِلَيْكَ ط وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ○ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ

۱: یعنی توالد و تناسل کے عام قانون سے جدا قانونِ اعجاز کے مطابق محض حکم الٰہی اور ارادۂ باری سے ہی رحم مریم علیہا السلام میں وجود پذیر ہو جائے گا۔

۲: مسیح بمعنی مبارک یا سیاح جس کا کوئی گھر نہ ہو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصَّالِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ۝ (سورۂ آل عمران ۳: ۴۵-۴۹)

(وہ وقت قابل ذکر ہے) جب فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا: اے مریم! اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح، عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں صاحبِ وجاہت اور ہمارے مقربین میں سے ہوگا اور وہ (ماں کی) گود میں اور کہولت کے زمانہ میں لوگوں سے کلام کرے گا اور وہ نکوکاروں میں سے ہوگا۔ مریم علیہا السلام نے کہا: "میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مجھ کو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا" فرشتہ نے کہا "اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اسی طرح پیدا کر دیتا ہے، وہ جب کسی شے کیلئے حکم کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے اور اللہ اسکو کتاب و حکمت اور توراۃ و انجیل کا علم عطا کرے گا اور وہ بنی اسرائیل کی جانب اللہ کا رسول ہوگا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ (مریم، ۱۹: ۱۶-۲۱)

اور اے پیغمبر! کتاب میں مریم علیہا السلام کا واقعہ ذکر کرو اس وقت کا ذکر کرو جب وہ ایک جگہ پورب کی طرف تھی اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہوئی پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا، پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ ایک بھلے چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہو گیا مریم علیہا السلام اسے دیکھ کر حیران رہ گئی، وہ بولی اگر تو نیک آدمی ہے تو میں خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔" فرشتہ نے کہا: "میں تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں اور اس لئے نمودار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دیدوں"۔ مریم علیہا السلام بولی، "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بد چلن ہوں؟" فرشتہ نے کہا: "ہو گا ایسا ہی، تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیئے کچھ مشکل نہیں وہ کہتا ہے یہ اسلئے ہو گا کہ اس مسیح کو لوگوں کیلئے ایک نشان بنادوں اور میری رحمت کا اس میں ظہور ہو اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے ہو چکا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جبرئیل امین نے مریم (علیہا السلام) کو یہ بشارات سنا کر ان کے گریبان میں پھونک دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان تک پہنچ گیا۔ مریم (علیہا السلام) نے کچھ عرصہ کے بعد خود کو حاملہ محسوس کیا تو بہ تقاضائے بشری ان پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی اور اس کیفیت نے اس وقت شدید صورت اختیار کر لی، جب انہوں نے دیکھا کہ مدت حمل ختم ہو کر ولادت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے، انہوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعہ قوم کے اندر رہ کر پیش آیا تو چونکہ وہ حقیقتِ حال سے واقف نہیں ہے۔ اسلئے نہیں معلوم وہ کس کس طرح بدنام اور بہتان طرازیوں کے ذریعہ کس درجہ پریشان کرے، اسلئے مناسب یہ ہے کہ لوگوں سے دور کسی جگہ چلے جانا چاہئے۔ یہ سوچ کر وہ یروشلم (بیت المقدس) سے تقریباً نو میل کوہ سراۃ (ساعیر) کے ایک ٹیلہ پر چلی گئیں جواب ''بیت اللحم'' کے نام سے مشہور ہے، یہاں پہنچ کر چند روز بعد دردِ زہ شروع ہوا تو تکلیف و اضطراب کی حالت میں کھجور کے ایک درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والے نازک حالات کا اندازہ کر کے انتہائی قلق اور پریشانی کی حالت میں کہنے لگیں ''کاش کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میری ہستی کو لوگ یک قلم فراموش کر چکے ہوتے''۔ تب نخلستان کے نشیب سے خدا کے فرشتہ نے پھر پکارا ''مریم علیہا السلام! غمگین نہ ہو، تیرے پروردگار نے تیرے تلے[1] نہر جاری کر دی ہے اور کھجور کا تنہ پکڑ کر اپنی جانب ہلا تو پکے اور تازہ خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ پس تو کھا پی اور اپنے بچہ کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج و غم کو بھول جا''۔

حضرت مریم (علیہا السلام) پر تنہائی، تکلیف اور نزاکت حال سے جو خوف طاری اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ فرشتہ کی تسلی آمیز پکار اور عیسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ بچہ کے نظارہ سے کافور ہو گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ دیکھ کر شاد کام ہونے لگیں۔ تاہم یہ خیال پہلو میں ہر وقت کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا کہ اگرچہ خاندان اور قوم میری عصمت و پاک دامنی سے نا آشنا نہیں ہے پھر بھی ان کی اس حیرت کو کس طرح مٹایا جا سکے گا کہ بن باپ کے کس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟

مگر جس خدائے برتر نے ان کو یہ بزرگی اور برتری بخشی وہ کب ان کو اس کرب و بے چینی میں مبتلا رہنے دیتا، اسلئے اس نے فرشتہ کے ذریعہ مریم (علیہا السلام) کے پاس پھر یہ پیغام بھیجا کہ جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کرے تو خود جواب نہ دینا بلکہ اشارہ سے ان کو بتانا کہ میں روزہ دار ہوں اور اسلئے آج کسی سے بات نہیں کر سکتی تم کو جو کچھ دریافت کرنا ہے، اس بچہ سے دریافت کر لو، تب تیرا پروردگار اپنی قدرتِ کاملہ کا نشان ظاہر کر کے ان کی حیرت کو دور اور ان کے قلوب کو مطمئن کر دے گا۔ حضرت مریم (علیہا السلام) وحی الٰہی کے ان پیغامات پر مطمئن ہو کر بچہ کو گود میں لے کر، بیت المقدس کو روانہ ہوئیں۔ جب شہر میں پہنچیں اور لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو چہار جانب سے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے: ''مریم! یہ کیا؟ تو نے تو بہت ہی عجیب بات کر دکھائی اور بھاری تہمت کا کام کر لیا، اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا

---

[1] سری لغتِ عرب میں نہر کو بھی کہتے ہیں اور بلند ہستی کو بھی، جمہور نے اس جگہ پہلے معنی مراد لیئے ہیں، اور حسن بصری، ربیع بن انس اور ابن اسلم (رحمہم اللہ) سے دوسرے معنی منقول ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے تلے ایک بلند ہستی پیدا کر دی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بد چلن تھی پھر تو یہ کیا کر بیٹھی؟

مریم علیہا السلام نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے لڑکے کی جانب اشارہ کر دیا کہ جو کچھ دریافت کرنا ہے، اس سے معلوم کر لو، میں تو آج روزہ[1] سے ہوں۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا: ''ہم کس طرح ایسے شیر خوار بچہ سے باتیں کر سکتے ہیں جو ابھی ماں کی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے''۔ مگر بچہ فوراً بول اٹھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے (اپنے فیصلۂ تقدیر میں) مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا ہے اور اس نے مجھ کو مبارک بنایا خواہ میں کسی حال اور کسی جگہ بھی ہوں اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گذار بنایا اور خود سر اور نافرمان نہیں بنایا اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے۔ جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا''۔

اللہ تعالیٰ نے ان تفصیلات کو سورۂ انبیاء، تحریم اور سورۂ مریم میں ذکر فرمایا ہے:۔

وَالَّتِيْٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ○ (الانبیاء، پ ۱۷ رکوع ۶)

اور اس عورت (مریم علیہا السلام) کا معاملہ جس نے اپنی پاکدامنی کو قائم رکھا، پھر ہم نے اس میں اپنی ''روح'' کو پھونک دیا اور اس کو اور اس کے لڑکے کو جہان والوں کیلئے ''نشان'' ٹھہرایا ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا.....

(تحریم پ ۲۸ ع ۲)

اور عمران کی بیٹی مریم علیہا السلام کہ جس نے اپنی عصمت کو برقرار رکھا پس ہم نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ○ فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ○ فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ○ وَهُزِّيْٓ إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ○ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْلِيْٓ إِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ○ فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ط قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ○ يٰٓأُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ○ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○

[1] بنی اسرائیل کے یہاں روزہ میں خاموشی بھی داخلِ عبادت تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَّجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○ (مریم، پ ۱۶ ع ۲)

پھر اس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا وہ (اپنی حالت چھپانے کیلئے) لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی گئی، پھر اسے دردِ زہ کا (اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اس کے تنہ کے سہارے بیٹھ گئی) اس نے کہا میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی، میری ہستی کو لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے، اس وقت (ایک پکارنے والے فرشتے نے) اسے نیچے سے پکارا "غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے تلے نہر جاری کر دی ہے اور کھجور کے درخت کا تنہ پکڑ کے اپنی طرف ہلا تازہ اور پکے ہوئے پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے، کھا پی (اور اپنے بچہ کے نظارے سے) آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر کوئی آدمی نظر آئے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ کی منت مان رکھی ہے میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی" پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی، لڑکا اس کی گود میں تھا، لوگ (دیکھتے ہی) بول اٹھے "مریم! تو نے عجیب ہی بات کر دکھائی اور بڑی تہمت کا کام کر گذری، اے ہارون[1] کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بد چلن تھی"۔ (تو یہ کیا کر بیٹھی) اس پر مریم علیہا السلام نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں بتلا دے گا کہ حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا: بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا شیر خوار بچہ ہے" مگر لڑکا بول اٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا، اس نے مجھے بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ ہوں، اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کہ جب تک زندہ رہوں یہی میرا شعار ہو۔ اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت گذار بنایا، ایسا نہیں کیا کہ خود سر اور نافرمان ہوتا، مجھ پر اس کی طرف سے سلامتی کا پیغام ہے جس دن پیدا ہوا، جس دن مروں گا اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا"۔

قوم نے ایک شیر خوار بچہ کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ مریم (علیہا السلام) کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی اور تلویث سے پاک ہے اور اس بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک "نشان" ہے۔

یہ خبر ایسی نہیں تھی کہ پوشیدہ رہ جاتی، قریب اور بعید سب جگہ اس حیرت زا واقعہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کے چرچے ہونے لگے اور طبائعِ انسانی نے اس مقدس ہستی کے متعلق شروع ہی سے مختلف کروٹیں بدلنی شروع کر دیں، اصحابِ خیر نے اس کے وجود کو اگر یمن و سعادت کا ماہتاب سمجھا تو اصحاب شر نے اس کی ہستی کو اپنے لیئے قابل بد جانا اور بغض و حسد کے شعلوں نے اندر ہی اندر ان کی فطری استعداد کو کھانا شروع کر دیا۔

غرض اسی متضاد فضا کے اندر اللہ تعالیٰ اپنی نگرانی میں اس مقدس بچہ کی تربیت اور حفاظت کرتا رہا۔ تاکہ اس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے مردہ قلوب کو حیات تازہ بخشے اور ان کی روحانیت کے شکر خشک کو ایک مرتبہ پھر بار

[1] کہتے ہیں کہ ہارون، مریم علیہا السلام کے خاندان میں ایک عابد و زاہد انسان اور بہت نیک نفس مشہور تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آور اور مثمر بنائے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝

(سورۂ مومنون پ ۱۸ ع ۳)

اور ہم نے عیسیٰ بن مریم اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کا) نشان بنادیا اور ان دونوں کا ایک بلند مقام (بیت اللحم) پر ٹھکانا بنایا جو سکونت کے قابل اور چشمہ والا ہے۔

بشارتِ ولادت

قرآن عزیز نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے حالات میں سے صرف اسی اہم واقعہ کا ذکر کیا ہے باقی بچپن کے دوسرے حالات کو جن کا ذکر قرآن کے مقصد تذکیر و موعظت سے خاص تعلق نہیں رکھتا تھا نظر انداز کر دیا ہے لیکن اسرائیلیات کے مشہور ناقل حضرت وہب بن منبہ سے جو واقعات منقول ہیں اور متی کی انجیل میں بھی جن کا ذکر موجود ہے ان میں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اسی شب میں فارس کے بادشاہ نے آسمان پر ایک نیا ستارہ روشن دیکھا، بادشاہ نے درباری نجومیوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ستارہ کا طلوع کسی عظیم الشان ہستی کی پیدائش کی خبر دیتا ہے جو ملک شام میں پیدا ہوئی ہے۔ تب بادشاہ نے خوشبوؤں کے عمدہ تحفے دے کر ایک وفد کو ملک شام روانہ کیا کہ وہ اس بچہ کی ولادت سے متعلق حالات و واقعات معلوم کریں، وفد جب شام پہنچا تو اس نے تفتیش حال شروع کی اور یہودیوں سے کہا کہ ہم کو اس بچہ کی ولادت کا حال سناؤ جو مستقبل قریب میں روحانیت کا بادشاہ ہوگا یہود نے اہلِ فارس کی زبان سے یہ کلمات سنا تو اپنے بادشاہ ہیرودیس کو خبر کی، بادشاہ نے وفد کو دربار میں بلا کر استصوابِ حال کیا اور ان کی زبانی واقعہ کو سن کر بہت گھبرایا اور پھر وفد کو اجازت دی کہ وہ اس بچہ کے متعلق مزید معلومات حاصل کریں۔ پارسیوں کا یہ وفد بیت المقدس پہنچا اور جب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو دیکھا تو اپنے رسم و رواج کے مطابق اول ان کو سجدۂ تعظیم کیا اور پھر مختلف قسم کی خوشبوئیں ان پر نثار کیں ار چند روز وہیں قیام کیا، دورانِ قیام میں وفد کے بعض آدمیوں نے خواب میں دیکھا کہ ہیرودیس اس بچہ کا دشمن ثابت ہوگا اس لیے تم اب اس کے پاس نہ جاؤ اور بیت اللحم سے سیدھے فارس کو چلے جاؤ۔ صبح کو وفد نے فارس کا ارادہ کرتے وقت حضرت مریم علیہا السلام یسوع مسیح

۱: عن ابن عباس فی قوله وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ قال المعين الماء الجارى وهو النهر الذى قال الله تعالىٰ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا و كذا قال الضحاك و قتادة الى ربوة ذات قرار و معين هو بيت المقدس فهذا والله اعلم هو الاظهر لانه المذكور فى الاية الاخرٰى والقران يفسر بعضه بعضا و هذا اولى ما يفسر به ثم الاحاديث الصحيحة ثم الاثار۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۴۶) یعنی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ "معین" سے نہر جاری مراد ہے اور یہ اسی نہر کا ذکر ہے جس کو آیت قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا میں بیان کیا گیا ہے اور ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ کا بھی یہ قول ہے کہ وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ سے بیت المقدس (کی نہر) کا ہی ذکر ہے اور قرآن کا بعض حصہ خود ہی دوسرے حصہ کی تفسیر کر دیا کرتا ہے اور تفسیر آیت میں پہلی جگہ اسی طریقِ تفسیر کو حاصل ہے۔ اس کے بعد صحیح احادیث کے ذریعہ تفسیر کا اور اس کے بعد آثار کے ذریعہ تفسیر کا درجہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو اپنے بعض عزیزوں کے پاس مصر لے گئیں اور وہاں سے ناصرہ چلی گئیں اور عیسیٰ کی عمر مبارک تیرہ سال کی ہوئی تو ان کو ساتھ لے کر دوبارہ بیت المقدس واپس آئیں۔ یہی روایات یہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے بچپن کے حالاتِ زندگی بھی غیر معمولی تھے اور ان سے طرح طرح کے کرامات کا صدور ہوتا رہتا تھا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال) (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۷۷ و انجیل متی باب ۲)

حلیہ مبارک

بخاری حدیث معراج میں ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: "میری ملاقات حضرت عیسیٰ سے ہوئی تو میں نے ان کو میانہ قد سرخ سپید پایا"۔

بدن ایسا صاف شفاف تھا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر آئے ہیں، اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کے کاکل کاندھوں تک لٹکے ہوئے تھے، اور بعض احادیث میں ہے کہ رنگ کھلتا ہوا گندم گوں تھا۔ بخاری کی روایت اور اس روایت میں اداء و تعبیر کا فرق ہے، حسن میں اگر صباحت کے ساتھ ملاحت کی آمیزش بھی ہوتی ہے تو اس رنگ میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، کسی وقت اگر سرخی جھلک آئی تو صباحت نمایاں ہو جاتی ہے اور اگر کسی وقت ملاحت غالب آگئی تو چہرہ پر حسن و لطافت کے ساتھ کھلتا ہوا گندم گوں رنگ چمکنے لگتا ہے۔

بعثت و رسالت

حضرت عیسیٰ سے قبل بنی اسرائیل ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے اور انفرادی و اجتماعی عیوب و نقائص کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو ان سے بچ رہا ہو، وہ اعتقاد و اعمال دونوں ہی قسم کی گمراہیوں کا مرکز و محور بن گئے تھے حتیٰ کہ اپنی ہی قوم کے ہادیوں اور پیغمبروں کے قتل تک پر جری اور دلیر ہو گئے تھے، یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے متعلق معلوم کر چکے ہو کہ اس نے حضرت یحییٰ کو اپنی محبوبہ کے اشارہ پر کیسے عبرتناک طریقہ پر قتل کرا دیا تھا اور اس نے یہ سفاکانہ اقدام صرف اس لیے کیا کہ وہ حضرت یحییٰ کی بڑھتی ہوئی روحانی مقبولیت کو برداشت نہ کر سکا اور اپنی محبوبہ سے ناجائز رشتہ پر ان کے نہی عن المنکر (برائی سے بچانے کی ترغیب) کی تاب نہ لا سکا اور یہ عبرتناک سانحہ حضرت عیسیٰ کی زندگیِ مبارک ہی میں ان کی بعثت سے قبل پیش آچکا تھا۔

دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا للبستانی) میں یہود سے متعلق جو مقالہ ہے اس کے تاریخی مواد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی بعثت سے پہلے یہود کے عقائد و اعمال کا یہ حال تھا وہ مشرکانہ رسوم و عقائد کو جزءِ مذہب بنا چکے تھے اور جھوٹ، فریب، بغض و حسد جیسی بداخلاقیوں کو تو عملاً اخلاقِ کریمانہ کی حیثیت دے رکھی تھی اور اسی بناء پر بجائے شرمسار ہونے کے وہ ان پر فخر کا اظہار کرتے تھے اور ان کے علماء و احبار نے تو دنیا کے لالچ اور حرص میں کتاب اللہ (توراۃ) تک کو تحریف کیے بغیر نہ چھوڑا اور درہم و دینار پر خدا کی آیات کو فروخت کر ڈالا یعنی عوام سے نذر اور بھینٹ حاصل کرنے کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانے سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس طرح قانونِ الٰہی کو مسخ کر ڈالا۔

یہود کی اعتقادی اور ملی زندگی کا مختصر مکمل نقشہ ہم کو شعیا کی زبانی خود توراۃ نے اس طرح دکھایا ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خداوند فرماتا ہے: یہ امت (بنی اسرائیل) زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ میرے حکموں کو پیچھے ڈال کر آدمیوں کے حکموں کی تعلیم دیتے ہیں۔

بہر حال ان تاریک حالات میں جب حضرت یحییٰ ؑ کے قتل کا واقعہ بھی گذرا اور بنی اسرائیل نے خدا کے حکموں کے خلاف بغاوت و سرکشی کی حد کر دی تب وہ وقتِ سعید آ پہنچا کہ جس مبارک بچہ نے حضرت مریم علیہا السلام کی آغوش میں پیغام حق سنا کر بنی اسرائیل کو حیرت میں ڈال دیا تھا، سنِ رُشد کو پہنچ کر اس نے یہ اعلان کر کے "کہ وہ خدا کا رسول اور پیغمبر ہے اور رشد و ہدایتِ خلق اس کا فرضِ منصبی" قوم میں ہلچل پیدا کر دی، وہ شرفِ رسالت سے مشرف ہو کر اور حق کی آواز بن کر آیا اور اپنی صداقت و حقانیت کے نور سے تمام اسرائیلی دنیا پر چھا گیا، اس مقدس ہستی نے قوم کو للکارا اور احبار کی علمی مجلسوں، راہبوں کے خلوت کدوں، بادشاہ اور امراء کے درباروں اور عوام و خواص کی محفلوں میں حتی کہ کوچہ و برزن اور بازاروں میں شب و روز یہ پیغامِ حق سنایا:

لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا رسول اور پیغمبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور تمہاری اصلاح کی خدمت میرے سپرد فرمائی ہے، میں اس کی جانب سے پیغامِ ہدایت لے کر آیا ہوں اور تمہارے ہاتھ میں خدا کا جو قانون (توراۃ) ہے اور جس کو تم نے اپنی جہالت اور کج روی سے پس پشت ڈال دیا ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کی مزید تکمیل کے لیے خدا کی کتاب (انجیل) لے کر آیا ہوں، یہ کتاب حق و باطل کا فیصلہ کرے گی اور آج جھوٹ اور سچ کے درمیان فیصلہ ہو کر رہے گا۔ سنو اور سمجھو اور اطاعت کے لیے خدا کے حضور جھک جاؤ کہ یہی دین و دنیا کی فلاح کی راہ ہے۔

اب ان حقائق اور ان کے عواقب و نتائج کو قرآن کی زبانی سنیے اور "احقاقِ حق و ابطالِ باطل" کے لطف سے بہرہ مند ہو کر عبرت و موعظت حاصل کیجیے، کیونکہ "تذکر بایام اللہ" سے قرآن کا مقصدِ عظیم یہی بصیرت و عبرت ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○

اور بیشک ہم نے موسیٰ ؑ کو کتاب (توراۃ) عطا کی اور اس کے بعد ہم (تم میں) پیغمبر بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کو واضح معجزے دے کر بھیجا اور ہم نے اس کو روح پاک (جبرئیل) کے ذریعہ قوت و تائید عطا کی، کیا جب تمہارے پاس (خدا کا) پیغمبر ایسے احکام لے کر آیا جن پر عمل کرنے کو تمہارا دل نہیں چاہتا تو تم نے غرور کو شیوہ (نہیں) بنا لیا؟ پس (پیغمبروں کی) ایک جماعت کو جھٹلاتے ہو تو ایک جماعت کو قتل کر دیتے ہو، اور کہتے ہو کہ ہمارے دل (قبولِ حق کے لیے) غلاف میں ہیں (یہ نہیں) بلکہ ان کے کفر کرنے پر خدا نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ان کو معون کر دیا ہے پس بہت تھوڑے سے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيٓ إِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

اور (اے عیسیٰ) جب ہم نے بنی اسرائیل (کی گرفت وارادۂ قتل) کو تجھ سے باز رکھا اس وقت جبکہ تو ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آیا تو کہا بنی اسرائیل میں سے منکروں نے کہا، یہ کچھ نہیں ہے مگر کھلا جادو ہے۔

(المائدہ پ ۷ ع ۱۵)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيْٓ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ..... (آل عمران، ۳: ۵۰۔۵۲)

اور میں تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے اور میں (اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو (تمہاری کجروی کی وجہ سے) تم پر حرام کر دی گئیں تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی نشانی لے کر آیا ہوں پس اللہ کا خوف کرو اور میری پیروی کرو۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے۔ پس جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر محسوس کیا تو فرمایا اللہ کے لیے کون میرا مددگار ہے تو شاگردوں نے جواب دیا: ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنَاهُ الْإِنْجِيْلَ

پھر ان کے بعد (نوح وابراہیم علیہما السلام کے بعد) ہم نے اپنے رسول بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو رسول بنا کر بھیجا اور اس کو کتاب (انجیل) عطا کی۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ (المائدہ: ۱۱۰)

(وہ وقت یاد کے لائق ہے) جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا "اے عیسیٰ ابن مریم! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میری جانب سے تجھ پر اور تیری والدہ پر نازل ہوئی جب کہ میں نے روح القدس (جبرئیل) کے ذریعہ تیری تائید کی کہ تو کلام کرتا تھا آغوشِ مادر میں اور بڑھاپے میں اور جبکہ میں نے تجھ کو سکھائی کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل۔ (سورۃ المائدہ پ ۷ ع ۱۵)

وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ط (الصف، ۶:۶۱)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں بلاشبہ تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت سنانے والا ہوں ایک پیغمبر کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

آیاتِ بیّنات

قصص القرآن جلد اول معجزات کی بحث میں گذر چکا ہے کہ حق و صداقت کے تسلیم و انقیاد میں انسانی فطرت ہمیشہ سے دو طریقوں سے مانوس رہی ہے: ایک یہ کہ "مدعی حق" کی حقانیت و صداقت، دلائل کی قوت اور براہین کی روشنی کے ذریعہ ثابت اور واضح ہو جائے اور دوسرا طریقہ یہ کہ دلائل و براہین کے ساتھ ساتھ من جانب اللہ اس کی صدات کی تائید میں عام قانونِ قدرت سے جدا بغیر اسباب و وسائل اور تحصیل علم و فن کے اس کے ہاتھ پر امور عجیبہ کا مظاہرہ اس طرح ہو کہ عوام و خواص اس کے مقابلہ سے عاجز و درماندہ ہو جائیں اور ان کے لیے اسباب و وسائل کے بغیر ان مور کی ایجاد ناممکن ہو، پہلے طریق کے ساتھ یہ دوسرا طریق انسان کے عقل و فکر اور اس کی نفسیاتی کیفیات میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتا ہے کہ ان کا وجدان یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ داعی حق (نبی و پیغمبر) کا یہ عمل دراصل خود اس کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ خدا کی قوت کام کر رہی ہے اور بلاشبہ یہ اس کے صادق ہونے کی مزید دلیل ہے چنانچہ قرآن میں آیت:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

اور اے پیغمبر (بدر کے غزوہ میں) جب تو نے (دشمنوں پر) مٹھی بھر خاک پھینکی تھی تو تو نے وہ مشت خاک نہیں پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔ (مفصل بحث جلد اول میں گذر چکی ہے)

میں اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہے مگر ان ہر دو طریقوں میں سے ان اصحابِ علم و دانش پر جو قوتِ فہم و ادراک میں بلند مقام رکھتے ہیں پہلا طریقہ زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے اور وہ دوسرے طریقہ کو پہلے طریقہ کی تائید و تقویت کی حیثیت سے قبول کرتے اور داعی حق (نبی و پیغمبر) کے دعوائے نبوت و رسالت کی صداقت کا مزید عملی ثبوت یقین کر کے اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ان حضرات اربابِ عقل و فکر کے برعکس اربابِ قوت و اقتدار اور ان کی ذہنیت سے متأثر عام انسانی قلوب دوسرے طریقۂ تصدیق سے زیادہ متأثر ہوتے اور نبی و پیغمبر کے معجزانہ افعال کو کائنات کی طاقت و قوت کے دائرہ سے بالاتر ہستی کا ارادہ و قوت، فعل یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان امور کو "خدائی نشان" باور کر کے دعوت حق صداقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔

قرآن عزیز نے اکثر و بیشتر مقامات پر پہلے طریقِ دلیل کو "حجۃ اللہ" "برہان" اور "حکمۃ" سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ انعام میں خدا کی ہستی، اس کی وحدانیت، معاد و آخرت اور دین کے بنیادی عقائد کو دلائل، نظائر اور شواہد کے ذریعہ سمجھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے، اللہ کیلئے ہی ہے حجت کامل (یعنی مکمل اور روشن دلیل) (پ ۸ ع ۱۸)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور اس سورۃ میں دوسری جگہ حضرت ابراہیم ﷺ کے تذکرہ میں ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنَاهَا اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (پ ۷ ع ۱۶)

اور یہ ہماری "دلیل" ہے جو ہم نے ابراہیم ﷺ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔

سورۂ نساء میں ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (پ ۶ ع ۳)

(ہم نے بھیجے) پیغمبر ﷺ خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تاکہ لوگوں کی جانب سے خدا پر پیغمبر بھیجنے کے بعد کوئی حجت (دلیل) باقی نہ رہے (کہ ہمارے پاس دلائل کے ذریعہ راہِ مستقیم بتانے کوئی نہ آیا تھا اس لیے ہم دینِ حق کی معرفت سے محروم رہے) (پ ۶ ع ۲۳)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (نساء پ ۶ ع ۲۴)

اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان (قرآن) آگیا۔

اور سورۂ یوسف میں ہے:

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (سورۂ یوسف پ ۱۲ ع ۲)

اگر نہ ہوتی یہ بات کہ دیکھ لی تھی اس (یوسف) نے اپنے پروردگار کی دلیل۔

اور سورۂ نحل میں ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل: ۲۴)

اپنے پروردگار کے راستہ کی جانب دعوت و حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور تبادلۂ خیالات کرو ان (مخالفین) کے ساتھ اچھے طریقِ گفتگو سے۔

اور سورۂ نساء میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (النساء)

اور اللہ تعالیٰ نے اتارا تجھ پر کتاب کو اور حکمت کو۔

اسی طرح "حکمت" کا یہ ذکر سورۂ بقرہ، آل عمران، مائدہ، لقمان، ص، زخرف، احزاب اور قمر میں بکثرت موجود ہے اور دوسرے طریقِ دلیل کو اکثر "آیۃ اللہ" اور "آیات اللہ" اور بعض مقامات پر "آیات بیّنات" اور "بیّنات" کہا ہے۔

ناقۂ صالح ﷺ کے متعلق ارشاد ہے:

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (الاعراف: ۷۳)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ اونٹنی تمہارے لیے (خدا کی جانب سے) ایک "نشان" ہے۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے متعلق ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ (الانبیاء:۹۱)

اور ہم نے کر دیا مریم اور اس کے لڑکے عیسیٰ علیہما السلام کو جہان والوں کے لیے "نشان" (معجزہ)۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيَاتٍ (سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۱۲)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (۹) نشان (معجزات) عطا کیے۔

اور حضرت مسیح علیہ السلام کو جو معجزات دیے گئے تھے ان کے متعلق ارشاد ہے:

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ (سورۂ بقرہ)

اور دیے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات۔

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

اس وقت جبکہ تو ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آیا تو کہا بنی اسرائیل میں منکروں نے یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

(مائدہ پ ۷ ع ۱۵)

ہم نے اس مقام پر اکثر و بیشتر کا لفظ قصداً اختیار کیا ہے کیونکہ قرآن عزیز کے اسلوبِ بیان سے واقف اس سے بے خبر نہیں ہے کہ اس نے ان الفاظ کے استعمال میں وسعتِ تعبیر سے کام لیا ہے یعنی جبکہ "معجزہ" بھی ایک خاص قسم کا "برہان" ہے اور قرآن کریم اور آیات قرآن جس طرح سر تاسر "علم" و برہان ہیں اس طرح "معجزہ" بھی ہیں، اس لیے معجزہ پر برہان کا اطلاق اور کتاب اللہ کے جملوں پر آیت اور آیات اللہ کا اطلاق مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں عصاء اور یدِ بیضاء کے متعلق سورۂ قصص میں ہے:

فَذٰنِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّكَ (القصص پ ۲۰ ع ٤)

پس تیرے رب کی جانب سے یہ دو دلیلیں ہیں۔

اور کتاب اللہ اور اس کے جملوں پر آیت اور آیات کے اطلاقات سے تو قرآن کی کوئی طویل سورۃ ہی خالی ہو گی، تمام قرآن میں جگہ جگہ اس کثرت سے اس کا استعمال ہوا ہے کہ اس کی فہرست مستقل موضوع بن سکتا ہے۔

اسی طرح "آیات بیّنات" کا گرچہ بکثرت اطلاق کتاب اللہ (قرآن، توراۃ، زبور، انجیل) میں ان کی آیات پر ہوا ہے مگر مسطورۂ بالا مقامات کی طرح بعض بعض جگہ اس کو "معجزات" کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

لائقِ توجہ بات اور حقیقتِ معجزات

نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد کائنات میں رشد و ہدایت اور دین و دنیا کی فلاح و خیر کی رہنمائی ہے اور وہ منجانب اللہ وحی کی روشنی اس فرض منصبی کو انجام دیتا ہے اور علم و برہان اور حجۃ حق کے ذریعہ راہِ صداقت دکھاتا ہے، وہ یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دعویٰ نہیں کرتا کہ فطرت اور ماوراءِ فطرت مامور میں تصرف و تغیر بھی اس کا کارِ منصبی ہے بلکہ وہ بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ میں خدا کی جانب سے بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ بن کر آیا ہوں، میں انسان ہوں اور خدا کا ایلچی، اس سے زائد اور کچھ نہیں ہوں تو پھر اس کے دعوے صداقت کے امتحان اور پرکھ کے لیے، اس کی تعلیم، اس کی تربیت اور اس کی شخصیت کا زیر بحث آنا یقیناً معقول لیکن اس سے ماوراءِ فطرت اور خارقِ عادت عجائبات و غرائب کا مطالبہ خلافِ عقل اور بے جوڑ بات معلوم ہوتی ہے اور یوں نظر آتا ہے کہ کسی طبیبِ حاذق کے دعوئے حذاقت طب پر اس سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ طلسمی کھٹکے کی ایک عمدہ الماری یا لکڑی ایک عجیب قسم کا کھلونا بنا کر دکھائے، طبیب نے یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ ماہر لوہار یا بڑھئی ہے بلکہ اس کا دعویٰ تو امراضِ جسمانی کے علاج کا ہے، اسی طرح پیغمبرِ خدا کا یہ دعوی نہیں ہوتا کہ وہ خدا کی طرح کائنات پر ہمہ قسم کے تصرف و تغیر کا مالک و قادر ہے بلکہ اس کا دعوی تو یہ ہے کہ وہ تمام امراضِ روحانی کے لیے طبیبِ کامل اور حاذق و ماہر ہے۔

پس دعویٔ نبوت اور معجزات (خارقِ عادات امور) کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اور کیا اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "معجزہ" لوازمِ نبوت میں سے نہیں ہے؟

بلا شبہ یہ سوال بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے اور اس لیے علم کلام میں اس مسئلہ کو کافی اہمیت دی گئی لیکن ہم نے "آیاتِ بیّنات" عنوان کے ماتحت ابتداءِ کلام میں دعوئے نبوت کی صداقت سے متعلق دلائل کی جو تقسیم انسانی طبائع اور ان کے فطری رجحانات کے پیش نظر کی ہے وہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے اور جوہرِ عقل کے تفاوتِ درجات نے بلا شبہ انسانوں کی قوتِ فکریہ کو جدا جدا دو طریقوں کی جانب مائل کر دیا ہے، ان حالات میں جب ایک نبی اور رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی جانب سے ایک ایسے منصب پر مامور ہے جو ریاضات و مجاہدات اور نیک عملی کی قوت سے نہیں بلکہ محض خدا کی موہبت اور عطا سے حاصل ہوتا ہے اور یہ "منصبِ نبوت و رسالت" ہے اور اس کا مقصد کائنات کی رشد و ہدایت اور تعلیم حق و صداقت ہے تو بعض انسانی دماغ اور ان کا جوہرِ عقل اس جانب متوجہ ہوتا ہے کہ اگر اس ہستی کا یہ دعویٰ صحت پر مبنی ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کو خدائے برتر کے ساتھ اس درجہ قربت حاصل ہے جو دوسرے انسانوں کے لیے ناممکن ہے پس جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی صدائے اصلاح اور اس کی تعلیم ہمارے قدیم رسم و رواج یا مذہب و دھرم کے ان عقائد و اعمال کے خلاف ہے جس کو ہم حق سمجھتے آئے ہیں تو ان متضاد اور متخالف تعلیمات کی صداقت و بطالت کے امتحان کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یہ ہستی کوئی اور ماوراءِ فطرت یا خارقِ عادت امر کر دکھائے تو ہمارے لیے یہ سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا کہ بغیر اسباب و وسائل کے اس ہستی کے ہاتھ ایسے امر کا صدور یقیناً اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کو خدائے برتر کے ساتھ خاص قرب حاصل ہے، تب ہی تو خداء برحق نے یہ "نشان" دکھا کر اس کی صداقت پر مہر لگا دی، نیز وہ صاحبِ قوت و اقتدار انسان جن کے غور و فکر کی قوت ایسے سانچہ میں ڈھل گئی ہے کہ ان پر کوئی امر حق اس وقت تک مؤثر ہی نہیں ہوتا جب تک کہ ان کی متکبرانہ طاقت کو غیبی ٹھوکر سے بیدار نہ کیا جائے، وہ بھی اس کے منتظر رہتے ہیں کہ مدعی نبوت و رسالت اپنی صداقت کو دلیل و برہان کے ساتھ ساتھ ایک ایسے "کرشمہ" کے ذریعہ ناقابلِ انکار بنا دے کہ جس کا صدور دوسرے انسانوں سے یا تو ممکن ہی نہ ہو اور یا بغیر اسباب و وسائل کے استعمال کیے وجود پذیر نہ ہو سکتا ہو تاکہ یہ باور کیا جا سکے کہ بلا شبہ اس ہستی کی تعلیم و تبلیغ کو خدائے برتر کی تائید حاصل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اسی لیے علماء کلام نے دعوئے نبوت اور معجزہ کے درمیان تعلق پر بحث کرتے ہوئے یہ مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو بادشاہِ وقت نے اپنا نائب مقرر کر کے بھیجا ہے تو اس ملک یا صوبے کے باشندے خواستگار ہوتے ہیں کہ مدعیِ نیابت اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے کوئی سند اور علامت پیش کرے چنانچہ مدعی نیابت ایک جانب اگر سند دکھاتا ہے تو دوسری جانب ایسی "نشانی" بھی پیش کرتا ہے جس کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ بادشاہ کی عطا کردہ یہ نشانی اس کے عطیہ اور اس منصب کی تصدیق کے علاوہ اور کسی طرح بھی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً بادشاہ کی انگشتری (مہرِ حکومت) یا ایسا خاص عطیہ جو صرف اس منصب پر فائز ہستی کو عطا کیا جاتا ہو۔

تو اگرچہ بظاہر دعویٰ نیابت اور انگشتری یا عطیۂ خاص کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہے تاہم اس تعلق خاص نے جو شاہی تصدیق سے وابستہ ہے ان دونوں کے درمیان اہم ربط پیدا کر دیا ہے۔

لیکن جب کہ یہ طریق تصدیق، معیارِ صداقت و حقانیت میں دوسرے درجہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حقیقۃً معیاری حیثیت صرف طریقِ اول "حجت و برہان حق" کو ہی حاصل ہے، اس لیے معجزہ کے وقوع و صدور کا معاملہ پہلے طریق کے وجود و صدور سے قطعاً جدا ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک مدعی نبوت و رسالت کے لیے از بس ضروری ہے کہ وہ اپنے دعویِ حق و صداقت کو حجت و برہان کی روشنی اور علم و یقین کی قوت کے ذریعہ ثابت کرے اور اپنی تعلیم و تربیت اور شخصی حیات کے ہر پہلو میں دعویٰ اور دلیل و برہان کی مطابقت کو واضح کرے اور انسانی جوہر عقل کے فکر و تدبر کی رہنمائی کا فرض اسطرح انجام دے کہ ہر قسم کے ظن و وہم اور فاسد و کاسد خیالات کے مقابلہ میں "یقین محکم" روز روشن کی طرح نمودا ہو جائے اور اس ادائے فرض کے لیے کسی کی جانب سے نہ مطالبہ شرط ہے اور نہ جستجو لازم بلکہ یہ نبی اور رسول کا براہ راست فرض ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے اس کو منتخب اور مامور کیا ہے، اور اگر ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اس میں کوتاہی کرتا ہے تو گویا اپنے فرض کی پوری عمارت کو اپنے ہاتھ سے برباد کر دیتا ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط

اے پیغمبر! جو تم پر نازل کیا گیا ہے تو اس کو پورا پورا پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو منصبِ رسالت کو ادا نہ کیا۔

اِس کے برعکس معجزہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ نبی اور رسول اس کو ضرور ہی دکھائے یا مخالفین کے ہر مطالبہ پر اس کی تعمیل کرے بلکہ "معجزہ" حجت و برہان کی وہ قسم ہے جو اکثر معاندین کے مطالبہ پر وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس سے اس کا صدور صرف عالم الغیب کی اپنی "حکمت و مصلحت" پر ہی موقوف رہتا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ معجزہ کے بارہ میں کس کا سوال جویائے حق کی حیثیت میں ہے اور کس کا تعنت اور انکارِ مزید کے لیے کن، سعید روحوں پر اس کا یہ اثر پڑے گا کہ وہ کہہ اٹھیں گی اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ ۔ اور کن بد بختوں پر اس طرح اثر انداز ہو گا کہ یوں گویا ہوں گے اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔

پس قرآن عزیز نے اگر ایک جانب بہ نصوصِ قطعیہ یہ ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو حجت و

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

برہان کے ساتھ مزید تائید و تقویت کے لیے معجزات عطا کیے ہیں تو دوسری جانب یہ بھی صاف صاف نبی کی زبانی کہلادیا ہے کہ میں خدا کی جانب سے فقط "نذیر مبین" "بشیر ونذیر" اور "رسول ونبی" ہوں۔

میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں کائناتِ خداوندی کے تصرفات و تغیرات اور ماوراء فطرت امور پر قادر ہوں، ہاں خدائے برتر اگر چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اس نے ایسا کیا بھی ہے مگر وہ جب ہی کرتا ہے کہ اس کی حکمت و مصلحت اس کی متقاضی ہو۔

چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کو منطق الطیر اور تسخیر ہوا، طیور و جن کے نشان دیے گئے، حضرت موسیٰ ؑ کو تسع آیات بینات نو کھلے نشان عطا کیے گئے جن میں سے دو نشان عصا اور ید بیضاء کو قرآن نے بڑے نشان کہا ہے اور بحر قلزم میں غرق فرعون اور نجات قوم موسیٰ کا عجیب و غریب واقعہ مستقل ایک نشان عظیم ہے حضرت ابراہیم ؑ پر دہکتی آگ کے شعلوں کو "بردو سلام" بنادیا۔ حضرت صالح ؑ کی قوم کے لیے "ناقہ صالح" کو نشان بنایا کہ جوں ہی اس کو کسی نے ستایا اسی وقت خدا کا عذاب قوم کو تباہ و برباد کر جائے گا چنانچہ ٹھیک اسی طرح پیش آیا۔

حضرت ہود اور حضرت نوح علیہما السلام سے ان کی قوموں نے عذاب طلب کیا اور کافی سمجھانے کے بعد بھی جب ان کا اصرار قائم رہا تو ان پیغمبروں نے عذاب الٰہی کی جو وعیدیں سنائی تھیں وہ ٹھیک اپنے اپنے وقت پر پوری ہوئیں حالانکہ ان سب موقع میں بہ ظاہر اسباب نزول عذاب اور وقوع حوادث و ہلاکت کے کوئی سامان نہیں تھے اور حضرت عیسیٰ ؑ کو جو مختلف نشان (معجزات) دیے گئے ان کو بھی قرآن نے صاف صاف بیان کر دیا ہے جو ابھی زیر بحث آئیں گے اور آخر میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی علمی معجزۂ قرآن عطا کیا جس کی تحدی (مقابلہ کے چیلنج) کا کوئی جواب نہ دے سکا، نیز بدر کے معرکہ میں فرشتوں کا نزول اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی نصرت و یاوری اور وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کے اعلان سے اس مشہور معجزہ کا اظہار فرمایا جس نے بدر کے میدان میں مٹھی بھر خاک کو ایک ہزار دشمنوں کی آنکھوں کا آزار بنادیا اور "شق القمر" کا معجزہ عطا فرمایا۔ معاملۂ زیر بحث کا یہ ایک پہلو یا ایک رخ ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ جب خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی دعوت ارشاد و تبلیغ حق کے روشن دلائل و براہین کو کوئی جواب مخالفین سے نہ بن پڑا تو از راہِ تعنّت و سرکشی عجائبات اور خارقِ عادات امور کا مطالبہ کرنے لگے تب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی پیغمبر ﷺ کو اطلاع دی کہ ان کا مقصد طلبِ حق اور جستجوئے صداقت نہیں ہے بلکہ یہ جو کہہ رہے ہیں سرکشی، ضد اور تعصب کی راہ سے کہتے ہیں اس لیے ان کا جواب یہ نہیں ہے کہ خدا کے نشانات کو بھان متی کا تماشہ مداری کا کھیل بنادیا جائے بلکہ اصل جواب یہ ہے کہ ان سے کہدو میں ان تصرفات کا مدعی نہیں ہوں میں تو نیک و بد امور میں تمیز پیدا کرنے، خدا کے بندوں کا خدا کے ساتھ رشتہ ملانے اور نیک و بد کاموں کے انجام کو واضح کرنے کے لیے "نذیر مبین" اور "نبی و رسول" ہوں:۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○ أَوْ تَكُوْنَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيْرًا ○ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ قَبِيْلًا ○ أَوْ يَكُوْنَ لَكَ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ط وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهٗ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

اور انہوں نے (مشرکوں نے) کہا: ہم اس وقت تک ہرگز تیری بات نہیں مانیں گے کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ اُبال دے یا تیرے واسطے کھجوروں کا اور انگوروں کا باغ ہو اور تو اس کے درمیان زمین پھاڑ کر نہریں بہادے یا تو جیسا گمان کرتا ہے ہمارے اوپر آسمان گرادے تا تو اللہ اور اس کے فرشتوں کو (ہمارے) مقابل لائے یا تیرے واسطے ایک سونے کا (طلائی) مکان ہو اور یا تو چڑھ جائے آسمان پر اور ہم تیرے چڑھ جانے کو بھی ہرگز اس وقت تک نہیں تسلیم کریں گے تاوقتیکہ تو ہمارے پاس (آسمان سے (کتاب لے کر نہ آئے کہ اس کو ہم پڑھیں (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے پاکی ہے میرے پروردگار کے لیے میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان ہوں، خدا کا پیغامبر ہوں۔ (الاسراء پ۱۵ ع۱۰)

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○

اور اگر کھول دیں ہم ان پر آسمان کا دروازہ اور یہ اس پر چڑھنے لگیں تب بھی ضرور کہیں گے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مست کر دی گئی ہیں ہماری آنکھیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (الحجر، پ ۱۴ ع۱)

وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (الانعام پ۷ ع ۳)

اور اگر یہ ہر قسم کے نشان بھی دیکھ لیں تب بھی (ضد اور تعصب کی بناء پر) ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

اب ان تفصیلات سے یہ بھی خوب روشن ہو گیا کہ علم کلام میں جن علماء کی رائے یہ ظاہر کی گئی ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے ان کی مراد کیا ہے؟ وہ دراصل دعویٰ نبوت کی صداقت سے متعلق مسطورۂ بالا ہر دو دلائل کے فرق کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو ہستی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتی ہے اس پر لازم اور ضروری ہے کہ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے "حجۃ و برہان" پیش کرے اور دلائل کی روشنی میں اپنی حقانیت کو ثابت کرے اور وحی الٰہی کی جو تعلیم وہ کائنات کی ہدایت کے لیے پیش کرتی ہے برہان و حجت کے ذریعہ اس کی حقیقت کو واضح کرے، تو گویا اس طرح نبوت و رسالت اور حجۃ و برہان صداقت میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے اس کے برعکس نبوت کے ساتھ معجزات اور آیات اللہ (نشانات خداوندی) کا تعلق اس طرح کا نہیں ہے بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مخالفین کے مطالبہ پر یا بتقاضائے حکمت الٰہی جب رسول از خود اپنی صداقت کی تائید میں کوئی نشان (معجزہ) دکھائے تو بلا شبہ وہ اس ہستی کے نبی و رسول ہونے کی ناقابل انکار 'دلیل' ہے اور اس کا انکار درحقیقت اس رسول کی صداقت کا انکار ہے کیونکہ اس صورت میں یہ انکار حقیقت اور واقعہ کا انکار ہے اور حقیقت کا انکار "حق" نہیں بلکہ "باطل" ہوتا ہے جو نبوت و رسالت کے مقصد کے ساتھ کسی طرح بھی جمع نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہو کہ تعلیم حق کی روشنی، وحیِ الٰہی پر دلائل و براہین کا یقین، اور اصولِ دین پر حجۃ و برہان کا قیام ہوتے ہوئے اب مخالفین کے بار بار طلب معجزات و عجائبات کی پرواہ نہ کی جائے اور نبی و رسول، وحی الٰہی کی روشنی میں حجت و برہان کے ذریعہ تعلیم حق جاری رکھے اور مخالفین کے جواب میں صاف صاف کہہ دے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ میں نے ماوراءِ فطرت پر قدرت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا، تو اس صورت میں بندوں پر خدا کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور کسی امت اور قوم کو یہ حق نہیں رہتا کہ وہ تعلیم حق کے دلائل و براہین اور روشن حجت وبیّنہ سے اس لیے منہ پھیرے اور اس لیے اس کا انکار کر دے کہ اس کی طلب پر اچنبھوں اور عجائبات کا مظاہرہ کیوں نہیں کیا گیا۔

پس قرآن عزیز نے جن انبیاء ورسل کے واقعات وحالات تذکر بایام اللہ کے سلسلہ میں بیان کرتے ہوئے نصوص قطعیہ کے ذریعہ صراحت ووضاحت سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہم نے ان کی صداقت کے نشان کے طور پر نشانات (معجزات) ان کو عطا اور مخالفین کے سامنے ان کا مظاہر کیا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم بے چون وچرا ان کو قبول اور ان کی تصدیق کریں اور عجائب پرستی کے الزام سے خائف ہو کر عالم غیب کی اس تصدیق سے گریز نہ کریں اور رکیک وباطل تاویلات کے پردہ میں ان کے انکار پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ ایسا کرنا اس آیت کا مصداق بن جانا ہے:

وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کتابِ الٰہی کے بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان وکفر کے درمیان ایک راہ بنا لیں۔ (النساء پ ۶ ع ۲۱)

اور ظاہر ہے کہ یہ مؤمن ومسلم کی نہیں بلکہ کافر ومنکر کی راہ ہے، مومن ومسلم کی راہ تو سیدھے راہ یہ ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ط إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

اے پیروانِ دعوت ایمانی! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ (اور اعتقاد وعمل کی ساری باتوں میں مسلم بن جاؤ، مسلم ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ زبان سے اسلام کا اقرار کر لو) اور دیکھو شیطانی وسوسوں کی پیروی نہ کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرہ پ ۲ ع ۳۲)

بہر حال "سنۃ اللہ" یہ جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت یا تمام کائنات انسانی کی فوز وفلاح کے لیے نبی اور پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو اس کو منجانب اللہ محکم دلائل وبراہین اور آیات اللہ (معجزات) دونوں سے نوازا جاتا ہے، وہ ایک جانب وحیِ الٰہی کے ذریعہ کائنات کے معاش ومعاد سے متعلق اوامر ونواہی اور بہترین دستور ونظام پیش کرتا ہے تو دوسری جانب حسبِ مصلحتِ خداوندی "خدائی نشانات" کا مظاہر کر کے اپنی صداقت اور منجانب اللہ ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ نیز ہر ایک پیغمبر کو اسی قسم کے معجزات ونشانات عطا کیے جاتے ہیں جو اس زمانہ کی علمی ترقیوں یا قومی وملکی خصوصیتوں کے مناسب حال ہونے کے باوجود معارضہ کرنے والوں کو عاجز ودرماندہ کر دیں اور کوئی ان کے مقابلہ میں تابِ مقاومت نہ لا سکے اور اگر تعصب اور ضد درمیان میں حائل نہ ہوں تو اپنی اکتسابی ترقیوں اور خصوصیتوں کے حقیقتوں سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اس اعتراف پر مجبور ہو جائیں کہ یہ جو کچھ سامنے ہے انسانوں کی قدرت سے بالاتر، ان کی دسترس سے باہر، اور صرف خدائے واحد ہی کی جانب سے ہے۔

مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں علم نجوم ASTRONOMY اور علیم کیمیاء CHEMISTRY کا بہت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زور تھا اور ساتھ ہی ان کی قوم کو اکب و نجوم کے اثرات کو ان کے ذاتی اثرات سمجھتی اور ان کو مؤثر حقیقی یقین کر کے خدائے واحد کی جگہ ان کی پرستش کرتی تھی اور ان کا سب سے بڑا دیوتا شمس (سورج) تھا کیونکہ وہ روشنی و حرارت دونوں کا حامل تھا اور یہی دونوں چیزیں ان کی نگاہ میں کائنات کی بقاء و فلاح کے لیے اصل الاصول تھیں اور اسی بناء پر کرۂ ارضی میں "آگ" کو اس کا مظہر مان کر اس کی بھی پرستش کی جاتی تھی، علاوہ ازیں ان کو اشیاء کے خواص و اثرات اور ان کے رد عمل پر بھی کافی عبور تھا گویا آج کی علمی تحقیقات کے لحاظ سے وہ کیمیاوی طریقہ ہائے عمل سے بھی بڑی حد تک واقف تھے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کی ہدایت اور خدا پرستی کی تعلیم و تلقین کے لیے ایک جانب ایسے روشن حجۃ و برہان عطا فرمائے جن کے ذریعہ وہ قوم کے غلط عقائد کے ابطال اور احقاقِ حق کی خدمت انجام دیں اور مظاہر پرستی کی وجہ سے حقیقت کے چہرہ پر تاریکی کا جو پردہ پڑ گیا تھا اس کو چاک کر کے رخ روشن کو نمایاں کر سکیں:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

اور دوسری جانب جب کواکب پرست اور بت پرست بادشاہ سے لے کر عام افرادِ قوم نے ان کے دلائل و برہان سے لاجواب ہو کر اپنی مادی طاقت کے گھمنڈ پر دہکتی آگ میں جھونک دیا تو اسی خالق اکبر نے جس کی دعوت و ارشاد کی خدمت حضرت ابراہیم علیہ السلام انجام دے رہے تھے كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا کہہ کر اپنی قدرت کاملہ عظیم الشان نشان "معجزہ" عطا کیا جس نے باطل کے پر ہیبت ایوان میں زلزلہ پیدا کر دیا اور تمام قوم اس خدائی مظاہرہ سے عاجز، حیران و پریشان اور ذلیل و خاسر ہو کر رہ گئی۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۝

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر (MAGIC) مصری علوم و فنون میں بہت زیادہ نمایاں اور امتیازی شان رکھتا تھا اور مصریوں کو فن سحر میں کمال حاصل تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قانون ہدایت (توراۃ) کے ساتھ ساتھ ید بیضاء اور عصا جیسے معجزات دیے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحرینِ مصر کے مقابلہ میں جب ان کا مظاہرہ کیا تو سحر کے تمام اربابِ کمال اس کو دیکھ کر یک زبان ہو کر پکار اٹھے کہ بلاشبہ یہ سحر نہیں، یہ تو اس سے جدا اور انسانی طاقت سے بالاتر مظاہرہ ہے جو خدائے برحق نے اپنے سچے پیغمبروں کی تائید کے لیے ان کے ہاتھ پر کرایا ہے کیونکہ ہم سحر کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور یہ کہہ کر انہوں نے فرعون اور قوم فرعون کے سامنے بے خوفی کے ساتھ اعلان کر دیا کہ وہ آج سے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے خدائے واحد ہی کے پرستار ہیں:

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مگر فرعون اور امراءِ دربار اپنی بد بختی سے یہی کہتے رہے:

قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهٗٓ إِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ ○ (۲۶:۳٤)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ آبَآئِنَا الْأَوَّلِيْنَ ○ (۳٦:۲۸)

اسی طرح حضرت عیسیٰ ﷺ کے زمانہ میں علم طب (MEDICALSCIENCE) اور علم الطبیعات (PHYSICS) کا بہت چرچا تھا اور یونان کے اطباء و حکماء (فلاسفر) کی طب و حکمت گرد و پیش کے ممالک و امصار کے ارباب کمال پر بہت زیادہ اثر انداز تھی اور ملکوں میں صدیوں سے بڑے طبیب اور فلسفی اپنی حکمت و دانش اور کمالات طب کا مظاہر کر رہے تھے مگر خدائے واحد کی توحید اور دین حق کی تعلیم سے خواص و عوام یکسر محروم تھے اور خود بنی اسرائیل بھی جو کہ نبیوں کی نسل میں ہونے پر ہمیشہ فخر کرتے رہتے تھے جن گمراہیوں میں مبتلا تھے سطورِ گذشتہ میں ان پر روشنی پڑ چکی ہے۔

پس ان حالات میں "سنۃ اللہ" نے جب حضرت عیسیٰ ﷺ کو رشد و ہدایت کے لیے منتخب کیا تو ایک جانب ان کو حجج و براہین (انجیل) اور حکمت سے نوازا تو دوسری جانب زمانہ کے مخصوص حالات کے مناسب چند ایسے نشان (معجزات) بھی عطا فرمائے جو اس زمانہ کے ارباب کمال اور ان کے پیروں پر اس طرح اثر انداز ہوں کہ جویائے حق کو اس اعتراف میں کوئی جھجک باقی نہ رہے کہ بلا شبہ یہ اعمال اکتسابی علوم سے جدا محض خدائے تعالیٰ کی جانب سے رسول برحق کی تائید میں رونما ہوئے ہیں اور متعصب اور متمرّد کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ رہے کہ ان کو "صریح جادو" کہہ کر اپنے بغض و حسد کی آگ کو اور مشتعل کرے۔

عیسیٰ ﷺ کے ان معجزات میں سے جن کا مظاہرہ انہوں نے قوم کے سامنے کیا قرآن عزیز نے "چار معجزات" کا بصراحت ذکر کیا ہے:

۱: وہ خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ

۲: اور پیدائشی نابینا کو بینا اور جذامی کو چنگا کر دیا کرتے تھے۔

۳: وہ مٹی سے پرند بنا کر اس میں پھونک دیتے تھے اور خدا کے حکم سے اس میں روح پڑ جاتی تھی۔

۴: وہ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ کس نے کیا کھایا اور خرچ کیا اور کیا گھر میں ذخیرہ محفوظ رکھا ہے؟

قوموں میں ایسے مسیحا موجود تھے جن کے علاج و معالجے اور اکتسابی تدابیر سے مایوس مریض شفا پاتے تھے ان میں ماہر طبیعات ایسے فلسفی بھی کم نہ تھے جو روح و مادہ کے حقائق اور ارضی و سماوی اشیاء کی ماہیات پر بے نظیر نظریات و تجربات کے مالک سمجھے جاتے تھے اور حقائق اشیاء میں ان کی باریک بینی اور مہارت ارباب کمال کے لیے باعث صد نازش تھی لیکن جب ان کے سامنے عیسیٰ ﷺ نے اسباب و وسائل اختیار کیے بغیر ان امور کا مظاہرہ کیا تو ان پر بھی ہدایت و ضلالت کی قدرتی تقسیم کے مطابق یہی اثر پڑا کہ جس شخص کے قلب میں حق کی طلب موجزن تھی اس نے اقرار کیا کہ بلا شبہ اس قسم کا مظاہرہ انسانی دسترس سے باہر اور نبی برحق کی تائید و تصدیق کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیے منجانب اللہ ہے اور جن دلوں میں رعونت، حسد اور بغض عناد تھا ان کے تعصب نے وہی کہنے پر مجبور کیا جو ان کے پیشرو انبیاء ورسل سے کہتے آئے تھے اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

چوتھے معجزے کے بارے میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے مظاہرہ کی وجہ یہ پیش آئی کہ مخالفین جب ان کی دعوت رشد و ہدایت سے نفور ہو کر ان کو جھٹلاتے اور ان کے پیش کردہ آیات بیّنات (معجزات) کو سحر اور جادو کہتے تو ساتھ ہی ازراہِ تمسخر یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ کے ایسے مقبول بندے ہو تو بتاؤ آج ہم نے کیا کھایا ہے اور کیا بچا رکھا ہے تب عیسیٰ علیہ السلام ان کے تمسخر کو سنجیدگی سے بدل دیتے اور وحی الٰہی کی نصرت سے ان کے سوال کا جواب دیدیا کرتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۸۲)

مگر قرآن حکیم نے اس معجزہ کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس کو غور کے ساتھ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس "نشان" کے مظاہرہ کی وجہ مفسرین کی بیان کردہ توجیہ سے زیادہ دقیق اور وسیع معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پیغام ہدایت و تبلیغ حق کی خدمت انجام دیتے ہوئے اکثر و بیشتر لوگوں کو دنیا میں انہماک، دولت و ثروت کے لالچ، اور عیش پسند زندگی کی محبت سے باز رکھنے پر مختلف اسالیبِ بیان کے ذریعہ توجہ دلایا کرتے تھے تو جس طرح بعض سعید روحیں اس کلمۂ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتی تھیں اس کے برعکس شریر النفس انسان ان کے مواعظِ حسنہ سے قلبی نفرت و اعراض کے باوجود امتثالِ امر کرنے والی ہستیوں سے زیادہ ان کو یہ باور کراتیں کہ ہم تو ہمہ وقت آپ کے اس ارشاد کی تعمیل میں سرگرم رہتے ہیں لہٰذا قدرتِ حق نے یہ فیصلہ کیا کہ ان منافقین کی منافقت کی مضرت کو زائل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایسا "نشان" عطا کیا جائے کہ اس ذریعہ سے حق و باطل منکشف ہو جائے اور حقوق اللہ اور حقوق انسانی کے اتلاف پر جو ذخیرہ اندوزی کا سامان کیا جا رہا ہے اس کا پردہ چاک کر دیا جائے۔

ان چہارگانہ خدائی نشان (معجزات) کے علاوہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش بھی ایک عظیم الشان "خدائی نشان" تھا جس کے متعلق ابھی تفصیلات سن چکے ہو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر جن معجزات کا ظہور ہوا یا ان کی ولادت جس معجزانہ طریق پر ہوئی یہود نے از راہِ حسد ان کا انکار تو کیا لیکن بعض فطرت پرست مدعیِ اسلام حضرات نے بھی ان کے انکار کے لیے راہ پیدا کرنے کی ناکام سعی فرمائی ہے، ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جنہوں نے اس انکار کو ذاتی مفاد کے لیے نہیں بلکہ فطرت پرست اور منکرین خدا یورپین علماء جدید سے مرعوبیت کی بناء پر یہ روش اختیار کی ہے تاکہ ان کی مذہبیت پر عجائب پرستی کا الزام عائد نہ ہو سکے، ان میں سر سیّد اور مولوی چراغ علی صاحب خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اور بعض وہ یہود صفت اشخاص ہیں جو اپنی ذاتی غرض اور ناپاک مقصد کی خاطر از راہِ حسد و بغض حضرت مسیح علیہ السلام کے ان معجزات کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ تاویلاتِ باطل کے پردہ میں ان کا مضحکہ اڑاتے ہیں، ان میں متنبیِ کاذب مرزا قادیانی مسٹر محمد علی لاہوری خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

قادیانی اور لاہوری نے تو یہ ظلم کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزہ،

أَنِّيْٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ (ال عمران:۴۹)

کے متعلق یہ کہہ دیا کہ مسیح علیہ السلام کا یہ عمل ایک تالاب کی مٹی کا رہینِ منت تھا، معجزہ کچھ نہیں تھا، اس تالاب کی مٹی کی یہ خاصیت تھی جس کسی پرند کی شکل بنائی جاتی اور منہ سے دم تک سوراخ رکھ دیا جاتا تو ہوا بھر جانے سے اس میں آواز بھی پیدا ہو جاتی تھی اور حرکت بھی، گویا العیاذ باللہ! ان بد بختوں کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب سے منکروں کے مقابلہ میں یہ معجزانہ صداقت نہیں تھی بلکہ مداری یا شعبدہ باز کا تماشہ تھا۔

اسی طرح احیاء موتیٰ (مردہ کو زندہ کر دینا) کے معجزہ کا بھی انکار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن عزیز نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد کسی کو اس دنیا میں قبل از قیامت زندگی نہیں بخشے گا۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اگر پورے قرآن کو از اول تا آخر پڑھ لیا جائے تو کسی ایک آیت میں بھی آپ کو یہ فیصلہ نہیں ملے گا بلکہ اس دعویٰ کے خلاف متعدد مقامات پر اس کا اثبات پائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں موت دینے کے بعد حیات تازہ بخشی ہے مثلاً سورۂ بقرہ کی آیات ذبح بقرہ کے واقعہ میں ارشاد ہے:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى[1]

یا سورۂ بقرہ ہی کی اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

أَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ أَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ[2] ○

یا اسی سورۃ میں تیسری جگہ مذکور ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ أَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ط قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا[3]

چنانچہ ان تمام واقعات میں "احیاءِ موتیٰ" کے صاف اور صریح معانی ثابت ہیں اور جن حضرات نے ان مقامات میں "احیاءِ موتیٰ" سے مجازی یا کنائی معنی لیے ہیں ان کو طرح طرح کی تاویلات کی پناہ لینی پڑی ہے مگر ان کی تاویلات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احیاءِ موتیٰ کی یہ تاویل اس وجہ سے نہیں کر رہے ہیں کہ قرآن کے نزدیک اس کا دنیا میں وقوع ممنوع ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ آیاتِ مسطورۂ بالا کے سیاق و سباق کے پیشِ نظر یہی معنی مناسب حال ہیں۔

۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں بحث گذر چکی ہے ملاحظہ ہو قصص القرآن جلد ۲۔

۲: ایضاً

۳: قصص القرآن جلد اول میں بحث گذر چکی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غرض یہ دعویٰ کہ قرآن ممنوع قرار دیتا ہے کہ دارِ دُنیا میں "احیاء موتیٰ" وقوع پذیر ہو صرف مرزا قادیانی مسٹر لاہوری کے دماغ کی اُپج سے جو قطعاً باطل ہے اور غیر ثابت ہے اور اس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں ہے، رہا یہ امر کہ خدا کے عام قانونِ فطرت کے ماتحت ایسا نہیں پیش آتا رہتا سو اگر ایسا ہوتا رہتا تو پھر یہ "معجزہ" ہرگز نہ کہلاتا اور خدائے برتر کا قانونِ خاص جو تصدیق انبیاء علیہم السلام کے مقصد سے کبھی کبھی مخالفین کے مقابلہ میں بطور تحدی (چیلنج) کے پیش آتا رہا ہے کوئی خصوصیت نہ رکھتا تھا۔

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کے مسئلہ کا بھی انکار کیا گیا ہے اور قادیانی اور لاہوری نے بھی اس کے خلاف بے دلیل ہرزہ سرائی کی ہے لیکن اس مسئلہ کی موافق و مخالف آراء سے قطع نظر ایک غیر جانبدار منصف جب حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے متعلق تمام آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کرے گا تو اس پر یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جائے گی کہ قرآن حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق یہود کی تفریط اور نصاریٰ کی افراط دونوں کے خلاف اپنا وہ فرضِ منصبی ادا کرنا چاہتا ہے جس کے لیے قرآن کی دعوتِ حق کا ظہور ہوا ہے، یہود اور نصاریٰ اس بارہ میں دو قطعاً مخالف او متضاد سمتوں میں چلے گئے ہیں، یہود کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مفتری اور کاذب اور شعبدہ باز تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ وہ خدا، خدا کے بیٹے یا ثالثِ ثلثہ تھے، ان حالات میں قرآن نے ان اوہام و ظنون کے خلاف علم و یقین کی راہ دکھاتے ہوئے دونوں کے خلاف یہ فیصلہ دیا کہ راہِ حق افراط و تفریط کے درمیان ہے اور صراطِ مستقیم کی یہی سب سے بڑی شناخت ہے۔

وہ کہتا ہے واضح رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مفتری اور کاذب نہیں تھے بلکہ خدا کے سچے پیغمبر اور راہِ حق کے داعیِ صادق تھے، انہوں نے دعوتِ حق کی تصدیق کے لیے جو بعض عجیب باتیں کر دکھائیں وہ معجزاتِ انبیاء کی فہرست میں شامل ہیں نہ کہ ساحروں اور شعبدہ بازوں کی، اور یہ بھی صحیح ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی مگر اس سے یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ وہ خدا یا خدا کے بیٹے ہو گئے، کیا جو شخص پیدائش کا محتاج ہو اور پیدائش میں بھی ماں کے پیٹ کا محتاج اور جو شخص بشری لوازم کھانے پینے کا محتاج ہو وہ عبد اور بشر کے ماسوا خدا یا معبود ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

یہاں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا جو عقیدہ قائم کیا تھا اس کا بہت بڑا سہارا یہی واقعہ تھا جیسا کہ وفدِ نجران اور نبی اکرم ﷺ کی باہمی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے۔

تو جب کہ قرآن نے یہود و نصاریٰ کے ان تمام باطل عقائد کی واضح الفاظ میں تردید کر کے جو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق قائم کر لیے تھے اپنا فریضۂ اصلاح انجام دیا، یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر بن باپ کے پیدائش کا واقعہ باطل اور غیر واقعی تھا اور جو سہارا بن رہا تھا الوہیتِ مسیح علیہ السلام کا، اس کے متعلق واضح بیان کرتا جاتا جیسا کہ متی کی انجیل میں بیان کیا گیا ہے، اس کا فرض تھا کہ سب سے پہلے اسی پر ضرب کاری لگاتا اور صرف اس قدر کہہ کر کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ فلاں شخص تھا اس ساری عمارت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا جس پر الوہیتِ مسیح علیہ السلام کی بنیاد رکھی گئی ہے مگر اس نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ یہ بات کسی طرح بھی مسیح علیہ السلام کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الوہیت کی دلیل نہیں بن سکتی، کیوں؟ اس لیے کہ:

إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

پس اگر بن باپ کی پیدائش مسیح علیہ السلام کو درجۂ الوہیت دی سکتی ہے تو آدم علیہ السلام کو اس سے زیادہ الوہیت کا حق حاصل ہے کہ وہ بن ماں باپ کے پیدا ہوا ہے۔

بہر حال جن تاویل پرستوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ پیدائش سے متعلق آیات کے جملوں کو جدا جدا کر کے غلط احتمالات پیدا کیے ہیں وہ اس لیے باطل ہیں کہ جب اس واقعہ سے متعلق آیات کو یکجا کر کے مطالعہ کیا جائے تو ایک لمحہ کے لیے بھی آیات کے معانی میں بن باپ پیدائش کے معنی کے ماسوا دوسرے کسی بھی احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہتی مگر یہ کہ عربی زبان کے الفاظ کے معیّن مدلولات واطلاقات میں تحریفِ معنوی پر بے جا جسارت کی جائے۔

نیز بقول مولانا ابوالکلام جن اصحاب نے بغیر باپ کے پیدائش سے متعلق آیات میں تاویلِ باطل کی ہے اُن کی دلیل کا مدار صرف اس بات پر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح اگرچہ یوسف سے ہو چکا تھا مگر رخصتی عمل میں نہیں آئی تھے، ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان مقاربت گو شریعتِ موسوی کے خلاف نہیں تھی تاہم وقت کے رسم و رواج کے قطعاً خلاف تھی اس لیے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش لوگوں کو گراں گذری، لیکن اول تو اس واقعہ کا ثبوت ہی موجود نہیں سب بے سند بات ہے دوسرے یہودیوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر جو بہتان لگایا تھا "انسائیکلو پیڈیا آف بائیبل" میں تصریح ہے کہ اس بہتان کی نسبت ایک شخص پینتھر اٹالی کی جانب کی تھی نہ کہ یوسف نجار کی جانب، اس لیے تاویل کی یہ بنیاد ہی از سر تا پا غلط اور بے اصل ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲)

علاوہ ازیں جہاں تک اس مسئلہ کا عقلی پہلو ہے سو عقل بھی اس کے امکان کو ممنوع اور محال قرار نہیں دیتی بلکہ اس کو ممکن الوقوع تسلیم کرتی ہے، سائنس کی موجودہ دنیا سے آشنا حضرات اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ آج جب کہ سائنس کی جدید تحقیق نے نظریوں سے آگے قدم بڑھا کر مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دوسرے حیوانات کی طرح انسان کی خلقت و پیدائش بھی بیضہ سے ہوتی ہے اور اس کو اصطلاح میں خلیۂ تخم[1] کہتے ہیں، یہ خلیہ مرد اور عورت دونوں میں ہوتا ہے اور حمل قرار پا جانے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ مرد کے خلیاتِ تخم عورت کے بیضہ میں داخل ہو جاتے ہیں، یہی خلیہ زندگی اور حیات کا تخم ہے اور قدرتِ حق نے اس کو بہت باریک جثہ عطا فرمایا[2] ہے، تو اس تحقیق نے امریکہ انگلینڈ کے سائنسدانوں کو اس جانب متوجہ کر دیا ہے کہ کیوں وہ ایک ایسی کوشش نہ کریں کہ بغیر مرد کی مقاربت کے جنسِ رجال کے خلیاتِ تخم کو آلات کے ذریعہ جنسِ اُناث کے بیض میں داخل کر کے "وجود انسانی" حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ سائنس والوں کا یہ تخیل ابھی عملی حیثیت سے

۱: خلیہ کو انگریزی میں (CATL) کہتے ہیں۔
۲: اس کا قطر انچ کا ۱/۵۰۰ ہوتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کتنا ہی دور ہو، لیکن اس سے یہ نتیجہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ عقل یہ ممکن سمجھتی ہے کہ انسانی پیدائش، آنکھوں دیکھے عام طریقِ ولادت کے علاوہ بعض دوسرے طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے اور ان کو قانونِ قدرت کے خلاف اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے قدرت کے تمام قوانین کا احاطہ نہیں کر لیا ہے بلکہ انسان جس قدر علم و دانش کی جانب بڑھتا جاتا ہے اس کے سامنے قدرتِ حق کے قانون کے نئے نئے گوشے کھلتے جاتے ہیں۔

پس اگر یہ صحیح ہے کہ جو بات کل ناممکن نظر آتی تھی آج وہ ممکن کہی جا رہی ہے اور جلد یا بدیر اس کے وقوع پر یقین کیا جا رہا ہے تو نہیں معلوم پھر اس قانونِ قدرت کا انکار کر دینے کے کیا معنی ہیں جس کا علم اگرچہ ابھی تک ہم کو حاصل نہیں ہے مگر انبیاء و رسل جیسی قدسی صفات ہستیوں پر اس علم کی حقیقت آشکارا ہے تو کیا علمی دلیل کا یہ بھی کوئی پہلو ہے کہ جس بات کا ہم کو علم نہ ہو اور عقل اس کو ناممکن اور لامحالہ نہ ثابت کرتی ہو اس کا انکار صرف "عدمِ علم" کی وجہ سے کر دیا جائے خصوصاً جب یہ انکار ایک مدعیِ مسیحیت و نبوت کی جانب سے ہو تو اس کے لیے تو یہی کہا جا سکتا ہے۔

اب ان "آیاتِ بیّنات" کو قرآن حکیم سے سنیے اور موعظت و عبرت کے حصول کو سر و سامان کیجیے کہ ماضی کی ان واقعات کی تذکیر سے قرآن کا یہی عظیم مقصد ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ ○ وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآئِيْلَ أَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۳:۴۸-۵۱)

اور خدا سکھاتا ہے اس (عیسیٰ) کو کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل، اور وہ رسول ہے بنی اسرائیل کی جانب (وہ کہتا ہے) کہ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے "نشان" لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں تمہارے لیے مٹی سے پرند کی شکل بناتا پھر اس میں پھونک دیتا ہوں اور وہ خدا کے حکم سے زندہ پرند بن جاتا ہے اور پیدائشی اندھے کو سوانکھا کر دیتا اور سپید داغ کے جذام کو اچھا کر دیتا ہوں، اور خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتا ہوں، اور جو تم کھا کر آتے ہوئے اور جو تم گھر میں ذخیرہ رکھ آتے ہو، سو اگر تم حقیقی ایمان رکھتے ہو تو بلاشبہ ان امور میں (میری صداقت اور منجانب اللہ ہونے کے لیے) "نشان" ہے اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ بعض ان چیزوں کو جو تم پر حرام ہو گئی ہیں تمہارے لیے حلال کر دوں تمہارے لیے پروردگار ہے کے پاس سے "نشان" لایا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو، اور (اس کے دیے ہوئے احکام میں) میری اطاعت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے، سو اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ (سورۂ آل عمران پ ۳ ع ۵)

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ

اور (اے عیسیٰ ابن مریم! تو میری اس نعمت کو یاد کر) جبکہ تو میرے حکم سے گارے سے پرند کی شکل بنا دیتا اور پھر اس میں پھونک دیتا تھا اور وہ میرے حکم سے زندہ پرند بن جاتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے پیدائشی اندھے کو سوانکھا اور سپید داغ کے کوڑھ کو اچھا کر دیتا تھا اور جبکہ تو میرے حکم سے مردہ کو زندہ کر کے قبر سے نکالتا تھا۔

(سورۂ مائدہ پ ۷ ع ۵)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (صف، پ ۲۸ ع ۱)

پھر جب وہ (عیسیٰ علیہ السلام) ان کے پاس کھلے نشان لے کر آیا تو انہوں نے (بنی اسرائیل نے) کہا "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔

انبیاء علیہم السلام نے جب کبھی بھی قوموں کے سامنے آیات اللہ کا مظاہرہ کیا ہے تو منکروں نے ہمیشہ ان کے متعلق ایک بات ضرور کہی ہے "یہ تو کھلا ہوا جادو ہے"۔ پس کیا ایک جویائے حق اور غیر متعصب انسان کے لیے یہ جواب اس جانب رہنمائی نہیں کرتا کہ انبیاء علیہم السلام کے اس قسم کے مظاہرے ضرور عام قوانینِ قدرت سے جدا ایسے علم کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتے تھے جو صرف ان قدسی صفات ہستیوں کے لیے ہی مخصوص رہا ہے اور ان کے علاوہ انسانی دنیا اس کے فہم حقیقت سے بہرہ مند نہیں ہوئی تب ہی اُن لوگوں کے پاس جواز رہِ عناد و ضد انکار پر تلے ہوئے تھے، اس کے انکار کے لیے اس سے بہتر دوسری تعبیر نہیں تھی کہ وہ ان امور کو "سحر و جادو" کہہ دیں۔ لہٰذا ان امور کو سحر و جادو کہنا بھی ان کے "معجزہ" اور "نشانِ خداوندی" ہونے کی زبردست دلیل ہے۔

حضرت عیسیٰ ﷺ اور ان کی تعلیمات کا خلاصہ

بہر حال حضرت عیسیٰ ﷺ بنی اسرائیل کو حجت و برہان اور آیات اللہ کے ذریعہ دین حق کی تعلیم دیتے رہتے اور ان کے بھولے ہوئے سبق کو یاد دلا کر مردہ قلوب میں حیات تازہ بخشتے رہتے تھے۔

خدا اور خدا کی توحید پر ایمان، انبیاؤ رسل (علیہم السلام) کی تصدیق، آخرت (معاد) پر ایمان، ملائکۃ اللہ پر ایمان، قضاء و قدر پر ایمان، خدا کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان، اخلاق حسنہ کے اختیار، اعمال سیئہ سے پرہیز و اجتناب، عبادتِ الٰہی سے رغبت، دنیا میں انہماک سے نفرت اور خدا کے کنبہ (مخلوقِ خدا) سے محبت و مودت یہی وہ تعلیم و تلقین تھی جو ان کی زندگی کا مشغلہ اور فرضِ منصبی بنا ہوا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو توراۃ، انجیل اور حکیمانہ پند و نصائح کے ذریعہ ان امور کی جانب دعوت دیتے۔ مگر بد بخت یہود اپنی فطرت کج صدیوں میں مسلسل سرکشی اور تعلیم الٰہی سے بغاوت کی بدولت اس درجہ متشدد ہو گئے تھے اور نبیاء و رسل کے قتل نے ان کے قلوب کو حق و صداقت کے قبول میں اس درجہ سخت بنا دیا تھا کہ ایک مختصر سی جماعت کے علاوہ ان کی جماعت کی بڑی اکثریت نے ان کی مخالفت اور ان کے ساتھ حسد و بغض کو اپنا شعار اور اپنی جماعتی زندگی کا معیار بنا لیا اور اسلئے انبیاء کی سنت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راشدہ کے مطابق رشد و ہدایت کے حلقہ بگوشوں میں دنیوی جاہ و جلال کے لحاظ سے کمزور و ناتواں اور زیردست پیشہ ور طبقہ کی اکثریت نظر آتی تھی، ضعفاء کا یہ طبقہ اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ حق کی آواز پر لبیک کہتا تو بنی اسرائیل کا وہ سرکش و مغرور حلقہ ان پر اور خدا کے پیغمبر پر پھبتیاں کستا، توہین و تذلیل کا مظاہرہ کرتا اور اپنی عملی جدوجہد کا بڑا حصہ معاندت و مخالفت میں صرف کرتا رہتا تھا:

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيْمٍ ○

اور جب عیسیٰ علیہ السلام ظاہر دلائل لے کر آئے تو کہا: بلاشبہ میں تمہارے پاس "حکمت" لے کر آیا ہوں اور اسلئے آیا ہوں تاکہ ان بعض باتوں کو واضح کر دوں جن کے متعلق تم آپس میں جھگڑ رہے ہو، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بیشک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے سو اس کی پرستش کرو یہی سیدھی راہ ہے" پھر وہ آپس میں گروہ بندی کرنے لگے، سو ان لوگوں کیلئے دردناک عذاب کے ذریعہ ہلاکت اور خرابی ہے

وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (صف پ ۲۸ ع ۱)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا پیغمبر ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئیگا نام اس کا احمد ہے، پس جب (عیسیٰ علیہ السلام) آیا ان کے پاس معجزات لے کر تو وہ (بنی اسرائیل) کہنے لگے، یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيْٓ إِلَى اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَآ أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (آل عمران پ ۳ ع ۵)

پھر جب عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) سے کفر محسوس کیا تو کہا "اللہ کی جانب میرا کون مددگار ہے؟" حواریوں نے جواب دیا: "ہم ہیں اللہ کے (دین کے) مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں، اے ہمارے پروردگار جو تو نے اتارا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی اختیار کر لی پس تو ہم کو (دین حق کی) گواہی دینے والوں میں سے لکھ لے۔ (سورۂ آل عمران پ ۳ ع ۵)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حواری عیسیٰ ﷺ

مگر عیسیٰ ﷺ معاندین و مخالفین کی دراندازیوں اور ہرزہ سرائیوں کے باوجود اپنے فرض منصبی "دعوۃ الی الحق" میں سرگرم عمل رہتے اور شب و روز بنی اسرائیل کی آبادیوں اور بستیوں میں پیغام حق سناتے اور روشن دلائل اور واضح آیات اللہ کے ذریعہ لوگوں کو قبول حق و صداقت پر آمادہ کرتے رہتے تھے اور خدا اور حکم خدا سے سرکش اور باغی انسانوں کی اس بھیڑ میں ایسی سعید روحیں بھی نکل آتی تھیں جو عیسیٰ ﷺ کی دعوت حق پر لبیک کہتی اور سچائی کے ساتھ دین حق کو قبول کر لیتی تھی، ان ہی پاک بندوں میں وہ مقدس ہستیاں بھی تھیں جو حضرت عیسیٰ کے شرف صحبت سے فیضیاب ہو کر نہ صرف ایمان ہی لے آئی تھیں بلکہ دین حق کی سربلندی اور کامیابی کیلئے انہوں نے جان و مال کی بازی لگا کر خدمت دین کیلئے خود کو وقف کر دیا تھا اور اکثر و بیشتر حضرت مسیح ﷺ کے ساتھ رہ کر تبلیغ و دعوت سرانجام دیتی تھیں، اسی خصوصیت کی وجہ سے وہ "حواری" (رفیق) اور "انصار اللہ" (اللہ کے دین کے مددگار) کے مقدس القاب سے معزز و ممتاز کی گئیں۔ چنانچہ ان بزرگ ہستیوں نے پیغمبر خدا کی حیات پاک کو اپنا اسوہ بنایا اور سخت سے سخت اور نازک سے نازک حالات میں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ہر طرح معاون و مددگار ثابت ہوئیں:

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ أَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○ (مائدہ پ ۷ ع ۵)

اور (اے عیسیٰ وہ وقت یاد کرو) جبکہ میں نے حواریوں کی جانب (تیری معرفت) یہ وحی کی کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو انہوں نے جواب دیا "ہم ایمان لائے اور اے خدا! تو گواہ رہنا کہ ہم بلاشبہ مسلمان ہیں۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا أَنصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّيْنَ مَنْ أَنصَارِيْٓ إِلَى اللّٰهِ ط قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ أَنصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ○ (صف پ ۲۸ ع ۲)

اے ایمان والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے جب حواریوں سے کہا: "اللہ کے راستہ میں کون میرا مددگار ہے"..... تو حواریوں نے جواب دیا "ہم اللہ (کی راہ) کے مددگار پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لائی اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا سو ہم نے مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی پس وہ (مؤمن) غالب رہے۔

گذشتہ سطور میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ عیسیٰ ﷺ کے یہ حواری بیشتر غریب اور مزدور طبقہ میں سے تھے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے ساتھ "سنۃ اللہ" یہی جاری رہی ہے کہ ان کی صدائے حق پر لبیک کہنے اور دین حق پر جان سپاری کا مظاہرہ کرنے کیلئے اول غریب اور کمزور طبقہ ہی آگے بڑھتا ہے اور زیردست ہی فداکاری کا ثبوت دیتے ہیں اور وقت کی صاحب اقتدار اور زبردست ہستیاں اپنے غرور اور گھمنڈ کے ساتھ مقابلہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور معارضہ کیلئے سامنے آتی اور معاندانہ سرگرمیوں کے ساتھ اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہیں لیکن جب خدائے تعالیٰ کا قانونِ پاداش عمل اپنا کام کرتا ہے تو نتیجہ میں فلاح وکامرانی ان کمزور فدایان حق ہی کا حصہ ہو جاتا ہے اور متکبر و مغرور ہستیاں یا ہلاکت کے قعر مذلت میں جا گرتی ہیں اور یا مقہور و مغلوب ہو کر سرنگوں ہو جانے کے ماسوا کوئی چارہ کار نہیں دیکھتیں۔

حواری عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن وانجیل کا موازنہ

قرآن عزیز نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریون کی منقبت بیان کی ہے، سورۂ آل عمران کی آیات تمہارے سامنے ہیں، حضرت مسیح علیہ السلام جب دین حق کی نصرت ویاری کیلئے پکارتے ہیں تو سب سے پہلے جنہوں نے "نحن انصار اللہ" کا نعرہ بلند کیا وہ یہی پاک ہستیاں تھیں، سورۂ صف میں اللہ رب العلمین نے جب مسلمانوں کو مخاطب کر کے كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ کی ترغیب دی تو "تذکیر بایام اللہ" کے پیش نظر ان ہی مقدس ہستیوں کا ذکر کیا اور ان ہی کی مثال اور نظیر دے کر نصرت حق کیلئے برانگیختہ کیا اور سورۂ مائدہ میں ان کے قبول ایمان اور دعوت حق کے سامنے انقیاد و تسلیم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی ان کے خلوص، حق طلبی اور حق کوشی کی زندہ جاوید تصویر ہے۔ یہ سب کچھ تو اس وقت کا حال ہے جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے درمیان موجود ہیں لیکن آپکے رَفَعَ إِلَى السَّمَاءِ کے بعد بھی ان کی پر استقامت اور دین قدیم کی فداکارانہ خدمت کے معلق سورۂ صف کی آیت فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ میں کافی اشارہ موجود ہے اور شاہ عبد القادر (نور اللہ مرقدہ) نے اسی بناء پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے تاریخی شہادت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے یاروں (حواریوں) نے بڑی محنتیں کی ہیں تب ان کا دین نشر ہوا، ہمارے حضرت کے پیچھے بھی حنفیوں نے اسے زیادہ کیا۔

مگر اس کے برعکس بائبل (انجیل) بعض مقامات میں اگر ان کی منقبت اور مدح سرائی میں رطب اللسان ہے تو دوسری جانب ان کو بزدل اور منافق ثابت کرتی ہے۔ انجیل یوحنا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشہور و معتمد علیہ حواری یہودا کے متعلق اس وقت کا حال جب حضرت یسوع علیہ السلام کو یہودی گرفتار کرنا چاہتے ہیں، اس طرح مذکور ہے:

> یہ باتیں کہہ کر یسوع اپنے دل میں گھبرایا اور یہ گواہی دی کہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے پکڑا دے گا۔ شاگرد شبہ کر کے کہ وہ کس کی نسبت کہتا ہے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے..... ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا..... اس نے یسوع کی چھاتی کا سہارا لے کر کہا اے خداوند وہ کون ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ جسے میں نوالہ ڈبو کر دے دوں گا وہی ہے، پھر اس نے نوالہ ڈبو دیا اور لے کر شمعون اور اسکریوتی کے بیٹے یہوداہ کو دے دیا اور اس نوالہ کے بعد شیطان اس میں سما گیا۔ (باب ۱۳ آیات ۲۱-۲۷)

اور انجیل متی میں اس شمعون بطرس حواری کے متعلق جو "بقول اناجیل ساری عمر حضرت یسوع کا پیارا اور معتمد علیہ رہا" یہ مسطور ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شمعون بطرس نے اس سے کہا، اے خداوند تو کہاں جاتا ہے، یسوع نے جواب دیا کہ جہاں میں جاتا ہوں اب تو میرے پیچھے نہیں آ سکتا مگر بعد میں میرے پیچھے آئے گا۔ پطرس نے اس سے کہا اے خداوند میں اب تیرے پیچھے کیوں نہیں آ سکتا، میں تو تیرے لیئے اپنی جان دوں گا۔ یسوع نے جواب دیا، کیا تو میرے پیچھے اپنی جان دے گا؟ میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مرغ بانگ نہ دے گا جب تک کہ تو تین بار میرا انکار نہ کرے گا۔ (متی باب ۲۶، آیت ۳۴)

اور اسی متی کی انجیل میں تمام شاگردوں (حواریوں) کی بزدلی اور حضرت یسوع کو بے یار و مددگار چھوڑ کر فرار ہو جانے کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

"اس پر سارے شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے"۔ (باب ۲۶ آیت ۵۶)

ان حوالجات سے تین ایسی باتیں ثابت ہوتی ہیں جن کو کسی طرح بھی عقل نقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں، اول یہ کہ جو شاگرد اور حواری حضرت یسوع کے زیادہ قریب، ان کے معتمد علیہ اور ان کی نگاہوں میں محبوب تھے وہ نتیجہ میں نہ صرف بزدل بلکہ "منافق" نکلے مگر عقل و نقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر ایک پیغمبر اور مصلح کی جماعت میں ایک چھوٹا سا گروہ منافقین کا عموماً ہوتا ہے جو اپنی دنیوی اغراض کی خاطر بہ کراہتِ قلب ظاہر داری کے طور پر شریک جماعت ہونا مفید سمجھتا ہے۔ مگر ایک مصلح اور پیغمبر کے درمیان ہمیشہ سے یہ فرق رہا ہے کہ مصلح خواہ اپنی جماعت کے منافقین سے پوری طرح آگاہ نہ ہو سکے لیکن نبی اور پیغمبر کو "وحی الٰہی" کے ذریعہ شروع ہی سے مخلص اور منافق کی اطلاع دے دی جاتی ہے تاکہ ایک منکر و کافر سے زیادہ جس گروہ سے جماعت حق اور اس کی دعوت و اصلاح کو ضرر پہنچ سکتا ہے، نبی اس کے حالات سے غافل نہ رہے۔ پس اسی پر کوئی منافق کسی وقت اور کسی حالت میں بھی نبی اور پیغمبر کا محبوب، معتمد علیہ اور مقرب نہیں ہو سکتا، البتہ یہ ایک جدا امر ہے کہ نبی، دین حق کی مصالح کی وجہ سے اس کے ساتھ اعراض اور درگذر کا طریق عمل مناسب سمجھے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایک صحابی کے اس سوال پر کہ "جب آپ منافقین کے حالاتِ منافقت سے آگاہ ہیں تو ان کا مقابلہ کرے کیوں ان کو کیفر کردار تک نہیں پہنچا دیتے تاکہ جماعت مسلمین کو ان کی منافقت سے نجات ملے" یہ جواب دیا: "اسلئے کہ ان کے قبول ایمان کی ظاہر داری کے بعد ہمارے سخت گیر طریقہ کے متعلق غیر مسلموں کو یہ دھوکا نہ ہوا کہ وہ کہہ اٹھیں "محمد، اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرنے سے نہیں چوکتے"۔

دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ یہوداہ کے اندر شیطان نے اس وقت حلول کیا جب حضرت یسوع نے اپنے ہاتھ سے اس کو نوالہ ڈبو کر دیا، مگر یہ بات بھی اسلئے عقل اور نقل کے خلاف ہے کہ بزرگوں اور مقدس انسانوں کے ہاتھوں سے جو کچھ ہوتا ہے اس کا اثر برکت، طہارت اور تقدیس تو ہوا کرتا ہے لیکن شیطان کا حلول اور بدی کا نفوذ نہیں ہوا کرتا، بیشک یہ درست ہے کہ جب حق کا ترازو قائم ہوتا ہے تو اس سے کھرا اور کھوٹا دونوں کی حقیقت کا انکشاف ہو جایا کرتا ہے لیکن یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس پیمانہ کے مس کرنے سے کسی کھرے میں کھوٹ پیدا ہو جائے اور انجیل کے اس بیان میں صورت حال پہلی نہیں بلکہ دوسری ہے۔

تیسری بات یہ کہ حضرت یسوع کے تمام ان حواریوں میں سے "جن کی مدح و ستایش میں جگہ جگہ بائبل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رطب اللسان ہے "ایک، دو، یا دس پانچ نہیں سب کے سب نہایت بزدلی اور غداری کے ساتھ اس وقت حضرت مسیح علیہ السلام سے کنارہ کش ہو گئے، جب دین حق کی حمایت و نصرت کیلئے سب سے زیادہ ان کی ضرورت تھی اور جب کہ پیغمبر خدا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) دشمنوں کے نرغہ میں پھنسے ہوئے تھے۔

مگر انجیل کی اس شہادت کے خلاف سورۂ آل عمران میں قرآن عزیز نے یہ شہادت دی ہے کہ اس نازک وقت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دین حق کی نصرت و یاری کیلئے پکارا تو اس نے اولوالعزمی اور فداکارانہ جذبہ کے ساتھ یہ جواب دیا: "نحن انصار اللّٰہ" اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے سامنے اپنی استقامت دین اور اپنے مخلصانہ ایمان کے متعلق شہادت دے کر نصرت کا پورا پورا یقین دلایا اور پھر سورۂ صف میں قرآن عزیز نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ کہا تھا ان کی موجودگی میں اور ان کے بعد سچی وفاداری کے ساتھ نباہا اور بلاشبہ مومنین صادقین ثابت ہوئے اور اسلئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی مدد فرمائی اور ان کو دشمنان حق کے مقابلہ میں کامیاب کیا۔

انجیل اور قرآن کے اس موازنہ کو دیکھ کر ایک انصاف پسند یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس معاملہ میں "حق" قرآن کے ساتھ ہے اور علماء نصاریٰ نے انجیل میں تحریف کر کے اس قسم کے گھڑے ہوئے واقعات کا اضافہ اسلئے کیا ہے تاکہ صدیوں بعد کے خود ساختہ عقیدہ عقیدۂ "صلیبِ مسیح" سے متعلق یہ داستان صحیح ترتیب پر قائم ہو سکے کہ جب مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تو انہوں نے یہ کہتے کہتے جان دے دی "ایلی ایلی لما سبقتنی "اے خدا! اے خدا! تو نے مجھے کیوں یکہ و تنہا چھوڑ دیا" اور کسی ایک شخص نے بھی مسیح علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا)..... بہر حال حواریوں سے متعلق بائبل کی یہ تصریحات محرف اور خود ساختہ داستان سرائی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

نزول مائدہ

مخلص اور فداکار حواریوں کی جماعت اگرچہ صادق الایمان اور راسخ الاعتقاد تھی مگر علمی و مجلسی تکلفات گفت و شنید کے لحاظ سے سادہ لوح اور ضروریاتِ زندگی کے سر و سامان کے اعتبار سے غرباء اور ضعفاء کی جماعت تھی۔ اسلئے انہوں نے ازراہِ سادگی و سادہ دلی حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ جس خدائے برتر میں یہ لامحدود طاقت ہے کہ اس کا ایک نمونہ آپ کی ذات اقدس اور وہ نشان (معجزات) ہیں خدائے تعالیٰ نے جن کو آپکی تصدیق نبوت و رسالت کیلئے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا اس خدا میں یہ طاقت بھی ضرور ہو گی کہ وہ ہمارے لیئے غیب سے ایک دستر خوان نازل کر دیا کرے تاکہ ہم روزی کمانے کی فکر سے آزاد ہو کر باطمینان قلب یادِ خدا اور دین حق کی دعوت و تبلیغ میں مصروف رہا کریں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر ان کو نصیحت فرمائی کہ اگرچہ خدا کی طاقت بے غایت اور بے نہایت ہے لیکن کسی سچے بندہ کیلئے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس طرح خدا کو آزمائے، پس خدا سے ڈرو اور ایسے خیالات سے بچو، یہ سن کو حواریوں نے جواب دیا "ہم اور خدا کو آزمائیں، حاشا ہمارا تو یہ مقصد نہیں، ہمارا تو یہ مطلب ہے کہ رزق کی جدوجہد سے دل کو مطمئن کر کے خدا کے اس عطیہ کو زندگی کا سہارا بنالیں اور آپ کی تصدیق میں ہم کو حق الیقین کا اعتقادِ راسخ حاصل ہو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جائے اور ہم اسکی خدائی پر کائناتِ انسانی کیلئے شاہد عدل بن جائیں"۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب ان کا بڑھتا ہوا اصرار دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں دعا کی "اے خدا! تو ان کے سوال کو پورا کر اور آسمان سے ایسا مائدہ (دستر خوانِ نعمت) نازل فرما کہ وہ ہمارے لیئے تیرے غضب کا مظہر ثابت نہ ہو بلکہ ہمارے اول و آخر سب کیلئے خوشی کی یادگار (عید) بن جائے اور تیرا "نشان" کہلائے اور اس ذریعہ سے ہم کو اپنے غیبی رزق سے شاد کام کرے کیونکہ تو ہی بہتر رزق رساں ہے" اس دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: عیسیٰ تمہاری دعاء قبول ہے، میں اس کو ضرور نازل کروں گا لیکن یہ واضح رہے کہ اس کھلی نشانی نازل ہونے کے بعد اگر ان میں سے کسی نے بھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر ان کو عذاب بھی ایسا ہولناک دوں گا جو کائنات کے کسی انسان کو نہیں دیا جائے گا۔ قرآن عزیز نے نزول مائدہ کے واقعہ کا اس معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ ذکر کیا ہے:

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يَاعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ أَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا نُرِيْدُ أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِيْنَ ○ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ إِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّيْ أُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهٗ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ○

(مائدہ، پ ۷، ع ۱۵)

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ حواریوں نے کہا تھا "اے عیسیٰ بن مریم! کیا تمہارا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ہمیں ایک خوان اتار دے؟" (یعنی ہماری غذا کیلئے آسمان سے غیبی سامان کر دے) عیسیٰ علیہ السلام نے کہا خدا سے ڈرو (اور ایسی فرمائشیں نہ کرو) اگر تم ایمان رکھتے ہو، انہوں نے کہا (مقصود اس سے قدرت الٰہی کا امتحان نہیں ہے بلکہ) ہم چاہتے ہیں (ہمیں غذا میسر آئے تو) اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل آرام پائیں اور ہم جان لیں کہ تو نے ہمیں سچ بتایا تھا اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں۔ اس پر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دعا کی "اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک خوان بھیج دے کہ اس کا آنا ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کے لیے عید قرار پائے اور تیری طرف سے (فضل و کرم کی) ایک نشانی ہو۔ ہمیں روزی دے تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے" اللہ نے فرمایا "میں تمہارے لیے خوان بھیجوں گا، لیکن جو شخص اس کے بعد بھی (راہِ حق سے) انکار کریگا تو میں (پاداشِ عمل میں) عذاب دوں گا، ایسا عذاب کہ تمام دنیا میں کسی آدمی کو بھی ویسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔

یہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں؟ قرآن عزیز نے اس کے متعلق کوئی تفصیل نہیں بیان کی اور نہ کسی مرفوع حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ پایا جاتا ہے، البتہ آثار صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم میں ضرور تفصیلات مذکور ہیں:-

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مجاہد اور حسن بصری (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ مائدہ کا نزول نہیں ہوا، اسلئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس کے نزول کو جس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ طلب کرنے والوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ انسان ضعیف البنیان اور کمزوریوں کا مجسمہ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی لغزش یا معمولی خلاف ورزی کی بدولت اس دردناک عذاب کے سزاوار ٹھیریں اپنے سوال کو واپس لے لیا۔ علاوہ ازیں اگر مائدہ کا نزول ہوا ہوتا تو وہ ایسا نشانِ الٰہی (معجزہ) تھا کہ نصاریٰ اس پر جس قدر بھی فخر کرتے وہ کم تھا اور ان کے یہاں اس کی جس قدر بھی شہرت ہوتی وہ بے جا نہیں ہوتی تاہم ان کے یہاں اس نزولِ مائدہ کا اس طرح کوئی تذکرہ نہیں پایا جاتا۔[1]

اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) اور حضرت عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ پیش آیا اور مائدہ کا نزول ہوا، جمہور کا رجحان اسی جانب ہے۔ البتہ اس کے نزول کی تفصیلات میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ مثلاً صرف ایک دن نازل ہوا یا چالیس روز تک نازل ہوتا رہا؟ اور پھر اترنا بند ہو گیا تو کیوں؟ اور صرف یہی ہوا کہ نازل نہ ہوا، یا جن لوگوں کی خلاف ورزی کی وجہ سے بند ہوا، ان پر سخت قسم کا عذاب بھی آ پہنچا؟ جو نقول یہ کہتی ہیں کہ مائدہ کا نزول صرف ایک دن نہیں بلکہ چالیس دن تک برابر جاری رہا، وہ بند ہونے کا سبب یہ بیان کرتی ہیں کہ نزول مائدہ پر حکم یہ ہوا کہ اس کو فقیر، مسکین اور مریض ہی کھائیں، تونگر اور بھلے چنگے نہ کھائیں۔ مگر چند روز تعمیل کے بعد لوگوں نے آہستہ آہستہ اس کی خلاف ورزی شروع کر دی، یا یہ حکم ملا تھا کہ اس کو کھائیں سب مگر اگلے روز کیلئے ذخیرہ نہ کریں۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد اس کی خلاف ورزی ہونے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مائدہ کا نزول ہی بند ہو گیا بلکہ خلاف ورزی کرنے والے خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیئے گئے۔[2]

بہر حال ان آثار میں جو قدر مشترک ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء قبول فرمالی تو مشیتِ باری کا یہ حکم ہوا کہ مائدہ طیار ہو چنانچہ لوگوں کی آنکھوں دیکھتے خدا کے فرشتہ فضاءِ آسمانی سے اسکو لے کر اترے، ادھر فرشتے آہستہ آہستہ اس کو لئے ہوئے اتر رہے تھے اور ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ درگاہِ الٰہی میں دست بدعا تھے کہ مائدہ آپہنچا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اول دو رکعت نمازِ شکر ادا کی اور پھر مائدہ (خوان) کو کھولا تو اس میں تلی ہوئی مچھلیاں اور ترو تازہ پھل اور روٹیاں موجود پائیں اور خوان کھلتے ہی ایسی نفیس خوشبو نکلی کہ اس کی مہک نے سب کو مست کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کھائیں، مگر لوگوں نے اصرار کیا کہ ابتداء آپ کریں، آپ نے ارشاد فرمایا، یہ میرے لیئے نہیں ہے، تمہاری طلب پر نازل ہوا ہے، یہ سن کر سب گھبرائے کہ نہ معلوم اس کا نتیجہ کیا ہو کہ خدا کا رسول تو نہ کھائے اور ہم کھائیں، آپ نے یہ دیکھ کر ارشاد فرمایا: "اچھا فقراء، مساکین، معذورین اور مریضوں کو بلاؤ یہ ان کا حق ہے، تب ہزارہا بندگانِ خدا نے شکم سیر ہو کر کھایا۔ مگر مائدہ کی مقدار میں کوئی فرق نہیں آیا۔[3]

۱: تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱۱۶۔ مگر یوحنا کی انجیل باب ۶ میں تو یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ یہ واقعہ "عید فصح" کے موقع پر پیش آیا۔

۲: نزول مائدہ کا سوال اگرچہ کیا تھا حواریوں نے مگر کیا تھا سب کی جانب سے۔ اسلئے یہ واضح رہے کہ جن نقول میں خلاف ورزی اور اس سے متعلق عذاب کا ذکر ہے ان کا اشارہ حواریوں میں سے کسی کی جانب مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ بات نصوصِ قرآنی کے خلاف ہے۔

۳: یہ واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ تمام کتبِ تفسیر میں موجود ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس مسئلہ میں حضرت شاہ عبدالقادر (نوراللہ مرقدہٗ) مجاہد اور حسن بصری (رحمہم اللہ) کے ہم نوا معلوم ہوتے ہیں اور نزول مائدہ سے متعلق ان دونوں جماعتوں سے الگ ایک اور لطیف بات ارشاد فرماتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے:۔

(ھل یستطیع) ''ہو سکے'' یہ معنی کہ ہمارے واسطے تمہاری دعاء سے اس قدر خرق عادت کرے یا نہ کرے فرمایا (اتقوا اللہ) ''ڈرو اللہ سے'' یعنی بندہ کو چاہئے کہ اللہ کو نہ آزمائے کہ میرا کہا مانتا ہے یا نہیں اگرچہ خداوند! (آقا و مالک) بہتیری مہربانی کرے و نکون علیھا من الشھدین یعنی برکت کی امید پر مانگتے ہیں اور (تاکہ) معجزہ ہمیشہ مشہور رہے۔ آزمانے کو نہیں کہتے ہیں۔ وہ خوان اترا چالیس روز تک اور پھر بعض نے ناشکری کی یعنی حکم ہوا تھا کہ فقراء اور مریض کھاویں نہ محظوظ (توانگر) اور چنگے پھر قریب اسی آدمی سور اور بندر ہو گئے (مگر) یہ عذاب پہلے یہود میں ہوا تھا پیچھے کسی کو نہیں ہوا۔[1]

اور بعضے کہتے ہیں (مائدہ) نہ اترا، تہدیدی سن کر مانگنے والے ڈر گئے نہ مانگا، لیکن پیغمبر کی دعا عبث نہیں اور اس کلام (قرآن) میں نقل کرنا بے حکمت نہیں، شاید اس دعا کا اثر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت (نصاریٰ) میں آسودگی مال سے ہمیشہ رہی اور جو کوئی ان میں ناشکری کرے تو شاید آخرت میں سب سے زیادہ عذاب پاوے۔ اس میں مسلمان کو عبرت ہے کہ اپنا مدعا خرق عادت کی راہ سے نہ چاہے پھر اسکی شکر گذاری بہت مشکل ہے، اسباب ظاہری پر قناعت کرے تو بہتر ہے۔ اس قصہ میں بھی ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ کے آگے حمایت پیش نہیں جاتی۔

(موضح القرآن سورۂ مائدہ)

اس سلسلہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ نے موعظت و بصیرت سے متعلق بہت خوب بات ارشاد فرمائی ہے:۔

''عیسیٰ علیہ السلام سے ان کو قوم نے نزولِ مائدہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملا: ''تمہاری درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی جاتی ہے کہ نہ اسمیں خیانت کرنا نہ اس کو چھپائے رکھنا اور نہ اس کو ذخیرہ کرنا ورنہ یہ بند کر دیا جائے گا اور تم کو ایسا عبرت ناک عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا جائے گا''۔

اے معشر عرب! تم اپنی حالت پر غور کرو کہ اونٹوں اور بکریوں کی دم پکڑ کر جنگلوں میں چراتے پھرتے تھے، پھر خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تمہارے درمیان ہی سے ایک برگزیدہ رسول مبعوث فرمایا، جس کے حسب و نسب سے تم اچھی طرح واقف ہو، اس نے تم کو یہ خبر دی کہ عنقریب تم عجم پر غالب آجاؤ گے اور اس پر چھا جاؤ گے۔ اور اس نے تم کو سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر ہرگز تم چاندی اور سونے کے خزانے جمع نہ کرنا مگر قسم بخدا کہ زیادہ لیل و نہار نہ گزریں گے کہ تم ضرور سونے چاندی کے خزانے جمع کرو گے اور اس طرح خدائے برتر کے دردناک عذاب کے مستحق بنو گے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ سورۂ مائدہ)

---

[1] شاہ صاحب کا مسلک یہ ہے کہ واقعۂ مسخ صحیح نہیں ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رَفَعَ اِلَی السَّمَآءِ یعنی زندہ آسمان پر اٹھالیا جانا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ شادی کی اور نہ بود و ماند کیلئے گھر بنایا۔ وہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں خدا کا پیغام سناتے اور دین حق کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے اور جہاں بھی رات آ پہنچتی وہیں کسی سر و سامانِ راحت کے بغیر شب بسر کر دیتے تھے اور چونکہ ان کی ذات اقدس سے مخلوقِ خدا جسمانی و روحانی دونوں طرح کی شفا اور تسکین پاتی تھی۔ اسلئے جس جانب بھی ان کا گزر ہو جاتا خلقت کا انبوہ حسن عقیدت کے ساتھ جمع ہو جاتا اور والہانہ محبت کے ساتھ ان پر نثار ہو جانے کو تیار رہتا تھا۔

یہود کو اس دعوتِ حق کے ساتھ جو بغض و عناد تھا، اس نے اس بڑھتی ہوئی مقبولیت کو انتہائی حسد اور سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھا اور جب ان کے مسخ شدہ قلوب کسی طرح اس کو برداشت نہ کر سکے تو ان کے سرداروں، فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں نے ذات اقدس کے خلاف سازش شروع کی اور طے یہ پایا کہ اس ہستی کے خلاف کامیابی حاصل کرنے کی بجز اسکے کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ بادشاہِ وقت کو مشتعل کر کے اس کو دار پر چڑھا دیا جائے۔

گذشتہ چند صدیوں سے یہود کے ناگفتہ بہ حالات کی بدولت اس زمانہ میں یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کی حکومت اپنے باپ دادا کے علاقہ میں بمشکل ایک چوتھائی پر قائم تھی اور وہ بھی برائے نام اور اصل حکومت و اقتدار، وقت کے بت پرست شاہنشاہ قیصر روم کو حاصل تھا اور اس کی نیابت میں پلاطیس یہودیہ کے اکثر علاقہ کا گورنر یا بادشاہ تھا۔

یہود اگرچہ اس بت پرست بادشاہ کے اقتدار کو اپنی بد بختی سمجھ کر اس سے متنفر تھے۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف قلوب میں مشتعل حسد کی آگ نے اور صدیوں کی غلامی سے پیدا شدہ پست ذہنیت نے ایسا اندھا کر دیا کہ انجام اور نتیجہ کی فکر سے بے پرواہ ہو کر پلاطیس کے دربار میں جا پہنچے اور عرض کیا: ”عالی جاہ! یہ شخص نہ صرف ہمارے لیئے بلکہ حکومت کیلئے بھی خطرہ بنتا جا رہا ہے، اگر فوراً ہی اس کا استیصال نہ کر دیا گیا تو نہ ہمارا دین ہی صحیح حالت میں باقی رکھے گا اور اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے ہاتھ سے حکومت کا اقتدار بھی نہ چلا جائے۔ اسلئے کہ اس شخص نے عجیب و غریب شعبدے دکھا کر خلقت کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اور ہر وقت اس گھات میں لگا ہے کہ عوام کی اس طاقت کے بل پر قیصر اور آپ کو شکست دے کر خود بنی اسرائیل کا بادشاہ بن جائے۔ اس شخص نے لوگوں کو صرف دنیوی راہ سے ہی گمراہ نہیں کیا بلکہ اس نے ہمارے دین تک کو بھی بدل ڈالا اور لوگوں کو بد دین بنانے میں منہمک ہے۔ پس اس فتنہ کا انسداد از بس ضروری ہے تاکہ بڑھتا ہوا یہ فتنہ ابتدائی منزل ہی میں کچل ڈالا جائے۔“

غرض کافی گفت و شنید کے بعد پیلاطیس نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر لیں اور شاہی دربار میں مجرم کی حیثیت سے پیش کریں، بنی اسرائیل کے سردار اور فقیہ اور کاہن یہ فرمان حاصل کر کے بے حد مسرور ہوئے اور فخر و مباہات کے ساتھ ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے کہ آخر ہماری سازش کارگر ہوئی اور ہماری تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگے کہ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ خاص موقع کا منتظر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہا جائے اور کسی خلوت اور تنہائی کے موقع پر اس طرح اس کو گرفتار کیا جائے کہ عوام میں ہیجان نہ ہونے پائے۔ انجیل، یوحنا میں اس واقعہ سے متعلق یہ کہا گیا ہے:۔

> پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے۔ اگر ہم اسے یونہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئیں گے اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کر لیں گے اور ان میں سے کائفا نام ایک شخص نے جو اس سال سردار کاہن تھا، ان سے کہا تم نہیں جانتے اور نہ سوچتے ہو کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایک آدمی امت کے واسطے مرے نہ کہ ساری قوم ہلاک ہو۔ (باب ۱۱ آیات ۴۷ تا ۵۰)

یہ اس مشورہ کا تذکرہ ہے جو بادشاہ کے پاس جانے سے قبل آپس میں ہوا اور یہ خطرہ ظاہر کیا گیا کہ اگر اس ہستی کو یونہی چھوڑ دیا گیا تو بادشاہِ وقت (قیصر) کہیں سلطنت کیلئے خطرہ سمجھ کر رہی سہی برائے نام حکومت یہود کا بھی خاتمہ نہ کر دے۔

اور مرقس کی انجیل میں ہے:

> دو دن کے بعد فصح اور عید الفطر ہونے والی تھی اور سردار کاہن اور فقیہ موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اسے کیونکہ فریب سے پکڑ کر قتل کریں کیونکہ کہتے تھے کہ عید کو کہیں ایسا نہ ہو کہ بلوہ ہو جائے۔ (باب ۱۴ آیت ۱۔۲)

دوسری جانب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مکالمہ کو سورۂ آل عمران اور سورۂ صف کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب یہود کے کفر و انکار اور معاندانہ ریشہ دوانیوں کو محسوس کیا تو ایک جگہ اپنے حواریوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں اور کاہنوں کی معاندانہ سرگرمیاں تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب وقت کی نزاکت اور کڑی آزمائش و امتحان کی گھڑی کی قربت تقاضا کرتی ہے کہ میں تم سے سوال کروں کہ تم میں کون وہ افراد ہیں جو اس کفر و انکار کے سیلاب کے سامنے سینہ سپر ہو کر خدا کے دین کے ناصر و مددگار بنیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشادِ مبارک سن کر سب نے بڑے جوش و خروش اور صداقتِ ایمانی کے ساتھ جواب دیا "ہم ہیں اللہ کے مددگار، خدائے واحد کے پرستار، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم و فاشعار ہیں اور درگاہِ باری میں اپنی اس اطاعت کوشی پر استقامت کیلئے یوں دست بدعاء ہیں، اے پروردگار! ہم تیری اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لے آئے اور صدق دل کے ساتھ تیرے پیغمبر کے پیرو ہیں۔ خدایا! تو ہم کو صداقت و حقانیت کے فداکاروں کی فہرست میں لکھ لے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے فریضۂ دعوت و تبلیغ کے خلاف یہود بنی اسرائیل کی مخالفانہ سرگرمیوں سے متعلق حالات کا یہ حصہ تو اکثر و بیشتر ایسا ہے کہ قرآن اور انجیل کے درمیان اصولاً اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اس کے مابعد کے پورے حصۂ بیان میں دونوں کی قطعاً جدا جدا راہیں ہیں اور ان کے درمیان اس درجہ تضاد ہے کہ کسی طرح بھی ایک کو دوسری راہ کے قریب نہیں لایا جا سکتا۔ البتہ اس جگہ پہنچ کر یہود اور نصاریٰ دونوں کا باہمی اتحاد ہو جاتا ہے اور دونوں کے بیانات واقعہ سے متعلق ایک ہی عقیدہ پیش کرتے ہیں، فرق ہے تو یہ کہ یہود اس واقعہ کو اپنا کارنامہ اور اپنے لیئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اور نصاریٰ اس کو یہود بنی اسرائیل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی ایک قابل لعنت جدو جہد یقین کرتے ہیں۔

یہود اور نصاریٰ دونوں کا مشترک بیان یہ ہے کہ یہود کے سرداروں اور کاہنوں کو یہ اطلاع ملی کہ اس وقت یسوع علیہ السلام لوگوں کی بھیڑ سے الگ اپنے شاگردوں کے ساتھ ایک بند مکان میں موجود ہیں، یہ موقع بہترین ہے، اس کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ فوراً ہی یہ لوگ موقع پر پہنچ گئے اور چاروں طرف سے مکان کا محاصرہ کر کے یسوع علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور توہین و تذلیل کرتے ہوئے پیلاطیس کے دربار میں لے گئے تاکہ وہ ان کو سولی پر لٹکائے اور اگرچہ پیلاطیس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بے قصور سمجھ کر چھوڑ دینا چاہا، مگر بنی اسرائیل کے اشتعال پر مجبوراً سپاہیوں کے حوالہ کر دیا۔ سپاہیوں نے ان کو کانٹوں کا تاج پہنایا، منہ پر تھوکا، کوڑے لگائے اور ہر طرح کی توہین و تذلیل کرنے کے بعد مجرموں کی طرح سولی پر لٹکا دیا اور دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھونک دیں، سینہ کو برچھی کی انی سے چھید دیا اور اس کسمپرسی کی حالت میں انہوں نے یہ کہتے ہوئے جان دے دی "ایلی ایلی لما سبقتنی" انجیل متی میں اس واقعہ کی تفصیلات کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

> سردار کاہن نے اس سے کہا: میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے۔ یسوع نے اس سے کہا: تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی داہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھو گے اس پر سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہمیں گواہوں کی کیا حاجت رہی۔ دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے اس پر انہوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور اس کو مکے مارے اور بعض نے طمانچے مار کے کہا "اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا..... جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار ڈالیں اور اسے باندھ کر لے گئے اور پیلاطیس کے حاکم کے حوالہ کیا..... اور حاکم کا دستور تھا کہ عید پر لوگوں (بنی اسرائیل) کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔ اس وقت برابا نام ان کا ایک مشہور قیدی تھا۔ پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پیلاطیس نے ان سے کہا تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں؟ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟..... وہ بولے برابا کو، پیلاطیس نے ان سے کہا پھر یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے، کیا کروں، سب نے کہا اس کو صلیب دی جائے۔ اس نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کیا برائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلا چلا کر بولے کہ اس کو صلیب دی جائے۔ جب پیلاطیس نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا الٹا بلوہ ہوتا جاتا ہے تو پانی لے کر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا: "میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں تم جانو"۔ سب لوگوں نے جواب دے کر کہا "کہ اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر"، اس پر اس نے برابا کو ان کی خاطر چھوڑ دیا اور یسوع کو کوڑے لگوا کر حوالے کیا تاکہ صلیب دی جائے۔ اس پر حاکم کے سپاہیوں نے یسوع کو قلعہ میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کے داہنے ہاتھ میں دیا اور اس کے آگے گھٹنے ٹیک اسے ٹھٹھوں میں اڑانے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ آداب اور اس پر تھوکا اور وہی سرکنڈا لے کر اس کے سر پر مارنے لگے اور جب اس کا ٹھٹھا کر چکے تو چوغے کو اس پر سے اتار کر پھر اس کے کپڑے اسے پہنائے اور صلیب دینے کو لے گئے۔ اس وقت اس کے ساتھ دو ڈاکو صلیب پر چڑھائے گئے۔ ایک داہنے اور ایک بائیں اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے اے مقدس کے ڈھانے والے تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے کے ساتھ کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تئیں نہیں بچا سکتا..... اور دوپہر سے لے کر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا: ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' (اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا) جو وہاں کھڑے تھے ان میں سے بعض نے سن کر کہا، یہ ایلیا کو پکارتا ہے..... یسوع پھر بڑی آواز سے چلایا اور جان دے دی''۔ (باب ۲۶ آیات ۵۷ تا ۵۰)

تفصیلات میں کم و بیش فرق کے ساتھ یہی مفروضہ داستان باقی تینوں انجیلوں میں بھی مذکور ہے۔ چاروں انجیلوں کی اس متفقہ مگر مفروضہ داستان کو مطالعہ کرنے کے بعد طبیعت پر قدرتی اثر یہ پڑتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی موت انتہائی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں دردناک طریقہ سے ہوئی اور گرچہ خدا کے پاک اور مقدس بندوں کیلئے یہ کوئی اچنبھی بات نہ تھی بلکہ مقربین بارگاہِ صمدی کیلئے اس قسم کی کڑی آزمائشوں کا مظاہرہ اکثر ہوتا رہا ہے لیکن اس واقعہ کا یہ پہلو اسکے مفروضہ اور گھڑے ہوئے ہونے پر روزِ روشن کی طرح شاہد ہے کہ حضرت یسوع نے ایک اولوالعزم پیغمبر بلکہ مردِ صالح کی طرح اس واقعہ کو صبر و رضاءِ الٰہی کے ساتھ انگیز نہیں کیا بلکہ ایک انتہائی مایوس انسان کی طرح خدا سے شکوہ کرتے کرتے جان دے دی ''ایلی ایلی لما سبقتنی'' کہتے ہوئے جان دے دینا مایوسی اور شکوہ کی وہ صورت حال ہے جو کسی طرح بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں کہی جا سکتی۔ پھر اس واقعہ کا یہ پہلو بھی کم حیرت زا نہیں ہے کہ بقول انجیل کے یسوع مسیح نے اس حادثہ سے قبل تین مرتبہ خدائے تعالیٰ سے یہ درخواست کی ''اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ (موت کا) پیالہ مجھ سے ٹل جائے'' اور جب یہ درخواست کسی طرح قبول نہ ہوئی تو مایوس ہو کر یہ کہنا پڑا ''اگر یہ میرے پیئے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو''۔

باعثِ حیرت یہ بات ہے کہ جبکہ عقیدۂ ''کفارہ'' کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ معاملہ خدا اور اس کے بیٹے (العیاذ باللہ) کے درمیان طے شدہ تھا تو پھر اس درخواست کے کیا معنی اور اگر لوازمِ بشریت کی بناء پر تھا تو خدا کی مرضی معلوم ہو جانے اور اس پر قناعت کر لینے کے بعد پھر یہ بے صبر اور مایوس انسانوں کی طرح جان دینے کا کیا سبب؟

یہود کی گھڑی ہوئی اس داستان کو چونکہ نصاریٰ نے قبول کر لیا تو یہود ازراہِ فخر و غرور اس پے بے حد مسرور ہیں اور کہتے ہیں کہ مسیحِ ناصری اگر ''مسیح موعود'' ہوتا تو خدائے تعالیٰ اس بے بسی اور بے کسی کے ساتھ اس کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہمارے ہاتھ میں نہ دیتا کہ وہ مرتے وقت تک خدا سے شکوہ کرتا رہا کہ اسکو بچائے مگر خدا نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ حالانکہ ہمارے باپ دادا اس وقت بھی کافی اشتعال دیتے رہے کہ اگر تو حقیقتاً خدا کا بیٹا اور "مسیح موعود" ہے تو کیوں تجھ کو خدا نے ہمارے ہاتھوں اس ذلت سے نہ بچالیا۔

واقعہ یہ ہے کہ نصاریٰ کے پاس جب کہ اس چبھتے ہوئے الزام کا کوئی جواب نہیں تھا اور واقعہ کی ان تفصیلات کو مان لینے کے بعد "عقیدۂ کفارہ" کی کوئی قیمت باقی نہیں رہ جاتی تھی۔ تب انہوں نے واقعہ کی ان تفصیلات کے بعد ایک پارۂ بیان کا اور اضافہ کیا۔ یوحنا کی انجیل میں ہے:۔

لیکن جب انہوں نے یسوع کے پاس آکر دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑ دیں مگر ان میں سے ایک سپاہی نے بھالے سے اس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اس سے خون اور پانی بہہ نکلا..... ان باتوں کے بعد ارملیتہ کے رہنے والے یوسف نے جو یسوع کا شاگرد تھا۔ یہودیوں کے خوف سے خفیہ طور پر پیلاطیس سے اجازت چاہی کہ یسوع کی لاش لے جائے۔ پیلاطیس نے اجازت دے دی۔ پس وہ آکر اس کی لاش لے گیا اور نیکدیمس بھی آیا جو پہلے یسوع کے پاس رات کو گیا تھا اور پچاس سیر کے قریب مر اور عود ملا ہوا لایا۔ پس انہوں نے یسوع کی لاش لے کر اسے سوتی کپڑے میں خوشبودار چیزوں کے ساتھ کفنایا جس طرح کہ یہودیوں میں دفن کرنے کا دستور ہے اور جس جگہ اسے صلیب دی گئی، وہاں ایک باغ تھا اور اس باغ میں ایک نئی قبر تھی جس میں کبھی کوئی نہ رکھا گیا تھا۔ پس انہوں نے یہودیوں کی تیاری کے دن کے باعث یسوع کو وہیں رکھ دیا۔ ہفتہ کے پہلے دن مریم مگدلینی ایسے تڑکے کہ ابھی اندھیرا ہی تھا، قبر پر آئی اور پتھر کو قبر سے ہٹا ہوا دیکھا پس وہ شمعون پطرس اور اس کے دوسرے شاگرد کے پاس جسے یسوع عزیز رکھتا تھا دوڑی ہوئی گئی اور ان سے کہا کہ خداوند کو قبر سے نکال لے گئے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھ دیا..... لیکن مریم باہر قبر کے پاس کھڑی روتی رہی اور جب روتے روتے قبر کی طرف جھک کے اندر نظر کی تو دو فرشتوں کو سپید پوشاک پہنے ہوئے ایک کو سرہانے اور دوسرے کو پائینتی بیٹھے دیکھا جہاں یسوع کی لاش پڑی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا اے عورت تو کیوں روتی ہے؟ اس نے ان سے کہا اسلئے کہ میرے خداوند کو اٹھا لے گئے اور معلوم نہیں کہ اسے کہاں رکھا یہ کہہ کر وہ پیچھے پھری اور یسوع کو کھڑے دیکھا اور نہ پہچانا کہ یہ یسوع ہے۔ یسوع نے اس سے کہا مریم! وہ پھر کر اس سے عبرانی زبان میں بولی "ربّونی" یعنی اے استاد! یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھو، کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہو کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں، مریم مگدلینی نے آکر شاگردوں کو خبر دی کہ میں نے خداوند کو دیکھا اور اس نے مجھ سے یہ باتیں کہیں۔ پھر اسی دن جو ہفتہ کا پہلا دن تھا، شام کے وقت جب وہاں کے دروازے جہاں شاگرد تھے۔ یہودیوں کے ڈر سے بند تھے، یسوع آکر بیچ میں کھڑا ہوا اور ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ اور پسلی انہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دکھائی۔ پس شاگرد خداوند کو دیکھ کر خوش ہوئے یسوع نے پھر ان سے کہا کہ تمہاری سلامتی ہو جس طرح باپ نے مجھے بھیجا ہے اسی طرح میں بھی تمہیں بھیجتا ہوں اور یہ کہہ کر ان کو پھونکا اور ان سے کہا "روح القدس" لو۔ (انجیل یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۴۔۳۳ و آیت ۴۲۔۳۸ و باب ۲۰ آیات ۱تا۲۲)

ہر ایک شخص معمولی غور و فکر کے بعد بہ سہولت سمجھ سکتا ہے کہ یہ پارۂ بیان پہلے حصۂ بیان کے ساتھ غیر مربوط اور قطعاً بے جوڑ ہے بلکہ یہ اندازہ لگانا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں تفصیلات ایک ہی شخص سے وابستہ ہیں کیونکہ پہلا پارۂ بیان ایک ایسی شخصیت کا مرقع ہے جو بے بس و بے کس مایوس اور خدا سے شاکی نظر آتی ہے اور دوسرا حصۂ بیان ایسی ہستی کا رخ روشن پیش کرتی ہے جو خدائی صفات سے متصف، ذاتِ باری کی مقرب اور پیش آمدہ واقعات سے مطمئن و مسرور ہے بلکہ ان کے وقوع کی متمنی اور ان کے اپنے اداءِ فرض کا اہم جزو سمجھتی ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا

بہر حال حقیقت چونکہ دوسری تھی اور ایک عرصۂ دراز کے بعد "عقیدۂ کفارہ" کی بدعت نے نصاریٰ کو اس کے خلاف اس گھڑے ہوئے افسانہ کی تصنیف پر مجبور کر دیا۔ اسلئے قرآن عزیز نے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق دوسرے گوشوں کی طرح اس گوشہ سے بھی جہالت و تاریکی کا پردہ ہٹا کر حقیقتِ حال کے رخ روشن کو جلوہ آرا کرنا ضروری سمجھا اور اس نے اپنا وہ فرض انجام دیا۔ جس کو مذاہبِ عالم کی تاریخ میں قرآن کی دعوتِ تجدیدی و اصلاح کہا جاتا ہے۔

اس نے بتایا کہ جس زمانہ میں بنی اسرائیل، پیغمبرِ حق اور رسول خدا (عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) کے خلاف خفیہ تدبیروں اور سازشوں میں مصروف اور ان پر نازاں تھے۔ اسی زمانہ میں خدائے برتر کے قانون قضاء و قدر نے یہ فیصلہ نافذ کر دیا کہ کوئی طاقت اور مخالف قوت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) پر قابو نہیں پا سکتی اور ہماری محکم تدبیر اس کو دشمنوں کے ہر "مکر" سے محفوظ رکھے گی اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب بنی اسرائیل نے ان پر نرغہ کیا تو ان کو پیغمبر خدا پر کسی طرح دسترس حاصل نہ ہوئی اور ان کو بحفاظت تمام اٹھا لیا گیا اور جب بنی اسرائیل مقصد میں ناکام رہے اور اس طرح خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی حفاظت کیلئے کیا گیا تھا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس فرمایا کہ اب بنی اسرائیل کے کفر و انکار کی سرگرمیاں اس درجہ بڑھ گئی ہیں کہ وہ میری توہین و تذلیل بلکہ قتل کیلئے سرگرم سازش ہیں تو انہوں نے خاص طور سے ایک مکان میں اپنے حواریوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے صورتحال کا نقشہ پیش فرما کر ارشاد فرمایا: امتحان کی گھڑی سر پر ہے، کڑی آزمائش کا وقت ہے، حق کو مٹانے کی سازشیں پورے شباب پر ہیں، اب میں تمہارے درمیان زیادہ نہیں رہوں گا۔ اسلئے میرے بعد دین حق پر استقامت، اس کی نشر و اشاعت اور یاری و نصرت کا معاملہ صرف تمہارے ساتھ وابستہ ہو جانے والا ہے۔ اسلئے مجھے بتاؤ کہ خدا کی راہ میں سچا مددگار کون کون ہے۔ حواریوں نے یہ کلام حق سن کر کہا: "ہم سب ہی خدا کے دین کے مددگار ہیں، ہم سچے دل سے خدا پر ایمان لائے ہیں اور اپنی صداقتِ ایمانی کا آپ ہی کو گواہ بناتے ہیں اور یہ کہنے کے بعد انسانی کمزوریوں کے پیش نظر اپنے دعویٰ پر ہی بات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ختم نہیں کر دی بلکہ درگاہِ الٰہی میں دست بدعاء ہو گئے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں تو اس پر ہم کو استقامت عطا فرما اور ہم کو اپنے دین کے مددگاروں کی فہرست میں لکھ لے۔

اس جانب سے مطمئن ہو کر اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے فریضہ 'دعوت وارشاد کے ساتھ ساتھ منتظر رہے کہ دیکھئے معاندین کی سرگرمیاں کیا رخ اختیار کرتی ہیں اور خدائے برحق کا فیصلہ کیا صادر ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قرآن عزیز کے ذریعہ یہود و نصاریٰ کے ظنون واوہام فاسدہ کے خلاف "علم الیقین کی روشنی" بخشتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ جس وقت معاندین اپنی خفیہ تدبیروں میں سرگرم عمل تھے۔ اسی وقت ہم نے بھی اپنی قدرتِ کاملہ کی مخفی تدبیر کے ذریعہ یہ فیصلہ کر لیا کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق معاندین حق کی تدبیر کا کوئی گوشہ بھی کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی پوشیدہ تدابیر کے مقابلہ میں کسی کی پیش نہیں جا سکے گی۔ اسلئے کہ اس کی تدبیر سے بہتر کوئی تدبیر ہو ہی نہیں سکتی:۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ○ (آل عمران، پ ۳، ع ۱۳)

اور انہوں نے (یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے (یہود کے مکر کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کا مالک ہے۔

لغتِ عرب میں "مکر" کے معنی خفیہ تدبیر (اور دھوکا کرنے) کے ہیں اور علم معانی کے قاعدہ "مشاکلہ" کے مطابق جب کوئی شخص کسی کے جواب یا دفاع (Defence) میں خفیہ تدبیر کرتا ہے تو وہ اخلاق اور مذہب کی نگاہ میں کتنی ہی عمدہ تدبیر کیوں نہ وہ اس کو بھی "مکر" ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہر ایک زبان کے محاورہ میں بولا جاتا ہے "برائی کا بدلہ برائی ہے"۔ حالانکہ ہر شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ برائی کرنے والے کے جواب میں اسی قدر مقابلہ کا جواب دینا اخلاق اور مذہب دونوں کی نگاہ میں "برائی" نہیں ہے۔ تاہم تعبیر میں دونوں کو ہم شکل ظاہر کر دیا جاتا ہے اور اسی کو "مشاکلہ" کہتے ہیں اور یہ فصاحت وبلاغت کا اہم جزء سمجھا جاتا ہے۔

غرض خفیہ تدبیر دونوں جانب سے تھی۔ ایک جانب برے بندوں کی بری تدبیر اور دوسری جانب خدائے برتر کی بہترین تدبیر، نیز ایک جانب قادر مطلق کی تدبیر کامل تھی۔ جس میں نقص وخامی کا امکان نہیں اور دوسری جانب دھوکے اور فریب کی خام کاریاں تھیں جو تارِ عنکبوت ہو کر رہ گئیں۔

آخر وہ وقت آ پہنچا کہ بنی اسرائیل کے سرداروں، کاہنوں اور فقیہوں نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا۔ ذات اقدس اور حواری مکان کے اندر بند ہیں اور دشمن چاروں طرف سے محاصرہ کیئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ کیا صورت ہو کہ جس سے دشمن ناکام رہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کسی طرح کا بھی گزند نہ پہنچا سکے۔ تاکہ خدائے قادر کا وعدۂ حفاظت اور دعویٰ تدبیر خیر پورا ہو تو اس کے متعلق قرآن نے بتایا کہ بے شک خدا کا وعدہ پورا ہوا اور اس کی تدبیر محکم نے عیسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور صورت یہ پیش آئی کہ اس نازک گھڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی نے یہ بشارت سنائی: "عیسیٰ! خوف نہ کر تیری مدت پوری کی جائے گی (یعنی تم کو دشمن قتل نہیں کر سکیں گے اور نہ تم اس وقت موت سے دوچار ہو گے) اور ہو گا یہ کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاءِ اعلیٰ کی جانب) اٹھالوں گا اور ان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کافروں سے ہر طرح تجھ کو پاک رکھوں گا (یعنی یہ تجھ پر کسی قسم کا قابو نہ پا سکیں گے) اور تیرے پیروؤں کو ان کافروں پر ہمیشہ غالب رکھوں گا (یعنی بنی اسرائیل کے مقابلہ میں قیامت تک عیسائی اور مسلمان غالب رہیں گے اور ان کو کبھی ان دونوں پر حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہو گا۔ پھر انجام کار میری جانب (موت کے بعد) لوٹ آنا ہے۔ پس میں ان باتوں پر فیصلہ حق دوں گا، جن کے متعلق تم آپس میں اختلاف کر رہے ہو:۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَاعِيْسَى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ (آل عمران، پ ۳ ع ۱۴)

(وہ وقت ذکر کے لائق ہے) جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ سے کہا: "اے عیسیٰ! بے شبہ میں تیری مدت کو پوری کروں گا اور تجھ کو اپنی جانب اٹھا لینے والا ہوں اور جو تیری پیروی کریں گے، ان کو تیرے منکروں پر قیامت تک کیلئے غالب رکھنے والا ہوں۔ پھر میری جانب ہی لوٹنا ہے، پھر میں ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن کے بارے میں (آج) تم جھگڑ رہے ہو۔"

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (پ ۷، ع ۵)

(قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو اپنے احسانات شمار کراتے ہوئے فرمائے گا) اور وہ وقت یاد کرو، جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا (یعنی وہ کسی طرح تجھ پر قابو نہ پا سکے) جبکہ تو ان کے پاس معجزات لے کر آیا اور ان میں سے کافروں نے کہہ دیا: "یہ تو جادو کے ماسوا اور کچھ نہیں ہے"۔

تو اب جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ اطمینان دلا دیا گیا کہ اس سخت محاصرہ کے باوجود دشمن تم کو قتل نہ کر سکیں گے اور تم کو غیبی ہاتھ ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لے گا اور اس طرح دشمنان دین کے ناپاک ہاتھوں سے آپ ہر طرح محفوظ کر دیئے جائیں گے، تو اس جگہ پہنچ کر ایک دوسرا سوال پیدا ہوا کہ یہ کس طرح ہوا اور واقعہ نے کیا صورت اختیار کر لی؟ کیونکہ یہود و نصاریٰ تو کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر بھی لٹکایا اور مار بھی ڈالا۔ تب قرآن نے بتایا کہ مسیح بن مریم (علیہما السلام) کے قتل و صلیب کی پوری داستان سر تا سر غلط اور جھوٹ ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کو بقیدِ حیات ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا گیا اور اس کے بعد دشمن مکان کے اندر گھس پڑے تو ان پر صورت حال مشتبہ کر دی گئی اور وہ کسی طرح نہ جان سکے کہ آخر اس مکان میں سے مسیح علیہ السلام کہاں چلا گیا:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حَكِيْمًا ○

اور (یہود ملعون قرار دیئے گئے) اپنے اس قول پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم پیغمبر خدا کو قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ (خدا کی خفیہ تدبیر کی بدولت) اصل معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا اور جو لوگ اس کے قتل کے بارہ میں جھگڑ رہے ہیں بلاشبہ وہ اس (عیسیٰ علیہ السلام) کی جانب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے پاس حقیقت حال کے بارے میں ظن (اٹکل) کی پیروری کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے اور انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے اپنی جانب (ملاءِ اعلیٰ کی جانب) اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

قرآن عزیز کا یہ وہ بیان ہے جو یہود و نصاریٰ کے اختراعی فسانہ کے خلاف اس نے حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کے متعلق دیا ہے۔ اب دونوں بیانات آپ کے سامنے ہیں اور عدل و انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں۔ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ان کے دعوت و ارشاد کے مشن کو تاریخی حقائق کی روشنی میں معلوم کیجئے اور اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ان تفصیلی واقعات پر نظر ڈالئے۔ جو ایک اولوالعزم پیغمبر، مقرب بارگاہِ الٰہی اور نصاریٰ کے عقیدۂ باطل کے مطابق خدا کے بیٹے کو خدا کے فیصلہ کے سامنے مایوس، مضطرب، بے یار و مددگار اور خدا سے شاکی ظاہر کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس تضادِ بیان پر بھی غور فرمایئے کہ ایک جانب عقیدۂ کافرہ کی بنیاد صرف اس پر قائم ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا بن کر آیا ہے۔ اس غرض سے ٹھاکہ مصلوب ہو کر دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور دوسری جانب صلیب اور قتل مسیح علیہ السلام کی داستان اس اساس پر کھڑی کی گئی ہے کہ جب وہ وقتِ موعود آپہنچتا ہے تو خدا کا یہ فرضی بیٹا اپنی حقیقت دنیا میں وجود پذیری کو یکسر فراموش کر کے "ایلی ایلی لما سبقتنی" کا حسرت ناک جملہ زبان سے کہتا اور مرضی الٰہی پر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتا ہوا نظر آیا ہے۔ کیا کسی شخص کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں ہے کہ اگر نصاریٰ کے بیان کردہ واقعات کے دونوں حصے صحیح اور درست ہیں تو ان دونوں کے باہم یہ تضاد کیسا اور اس عدم مطابقت کے کیا معنی؟

پس اگر ایک حقیقت بیں اور دور رس نگاہ ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اور واقعات و حالات کی ان تمام کڑیوں کو باہم جوڑ کر اس مسئلہ کا مطالعہ کرے تو وہ تصدیق حق کے پیش نظر بلا تامل یہ فیصلہ کرے گی کہ بائبل کی یہ داستان تضاد کی حامل اور گھڑی ہوئی داستان ہے اور قرآن نے اس سلسلہ میں جو فیصلہ دیا ہے وہی حق اور مبنی بر صداقت ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے سینٹ پال سے قبل تک نصاریٰ "یہود" کی اس خرافی داستان سے قطعاً بے تعلق تھے لیکن جب سینٹ پال (پولوس رسول) نے تثلیث اور 'کفارہ' پر جدید عیسائیت کی بنیاد رکھی تو 'کفارہ' کے عقیدہ کی استواری کے لیے یہود کی خرافی داستان کو بھی مذہب کا جزء بنالیا گیا۔

لیکن واقعہ سے متعلق حد درجہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جب کہ چودہ صدیوں سے قرآن حکیم نے عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت و جلالت قدر کا اعلان کرتے ہوئے ان کے رفع الی السماء کی حقیقت کو یہود و نصاریٰ کی خرافی داستان کے خلاف علم و یقین کی روشنی میں نمایاں اور یہود و نصاریٰ کو دلائل و براہین کے ذریعہ لاجواب اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سرنگوں کر دیا تھا تو اس کے مقابلہ میں آج ایک مدعیِ اسلام، دعوئے نبوت و مسیحیت کے شوق یا ہندوستان پر مسلط عیسائی حکومت کی خود غرضانہ خوشامد میں یہود و نصاریٰ کے اسی عقیدہ کو دوبارہ زندہ کرنا اور اس پر اپنے "باطل عقیدۂ نبوت" کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے اور پنجاب (قادیان) کا یہ متنبّی قرآن عزیز کی تصریحات سے بے نیاز ہو کر نہایت جسارت کے ساتھ ان تمام واقعات کی تصدیق کرتا ہے جو اس سلسلہ میں یہود و نصاریٰ نے اپنے اپنے باطل مزعومہ عقائد کی تکمیل کے لیے اختراع کیے ہیں، وہ کہتا ہے کہ بلا شبہ حضرت عیسیٰ ؑ کو یہود نے اسیر کیا، ان کا ٹھٹھا اڑایا، ان کے منہ پر تھوکا، ان کے طمانچے بھی لگائے، ان کو کانٹوں کا تاج بھی پہنایا اور ان کے علاوہ ہر قسم کی توہین و تذلیل کا سلوک کرنے کے بعد ان کو صلیب پر بھی چڑھایا اور اپنے زعم میں ان کو قتل بھی کر ڈالا البتہ یہود و نصاریٰ کی حرف بحرف تصدیق کے بعد بغیر کسی قرآنی نص، حدیثی روایت اور تاریخی شہادت کے اپنی جانب سے یہ اضافہ کرتا ہے کہ جب شاگردوں کے مطالبہ پر نعش ان کے حوالہ کر دی گئی اور وہ تجہیز و تکفین کے لیے آمادہ ہوئے تو دیکھا کہ جسم میں جان باقی ہے تب انہوں نے خفیہ طور پر ایک خاص مرہم کے ذریعہ ان کے زخموں کا علاج کیا اور جب وہ چنگے ہو گئے تو پوشیدہ رہ کر کشمیر کو چلے گئے اور وہاں بھی حیات کے آخری لمحوں تک خود کو چھپائے رکھا اور گمنامی میں وہیں انتقال پا گئے۔ گویا یوں کہئے کہ یہود و نصاریٰ کی مفروضہ داستان میں حضرت مسیح ؑ سے متعلق توہین و تذلیل کے جس قدر بھی پہلو تھے وہ سب تو متنبّی کاذب نے قبول کر لیے باقی ان کی عظمتِ شان اور جلالتِ مرتبہ سے متعلق پہلو کو داستان سے خارج کر کے اس کے ساتھ ایک ایسا فرضی حصہ جوڑ دیا جس سے ایک جانب نیچر پرستوں کو اپنی جانب مائل کرنے کا سامان مہیا ہو سکے اور دوسری جانب عیسیٰ ؑ کی باقی زندگی مبارک کو گمنامی کے ساتھ وابستہ کر کے توہین و تذلیل کا ایک گوشہ جو تشنۂ سامان رہ گیا تھا اسکی تکمیل ہو جائے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

متنبّیِ پنجاب کو یہ سب کچھ کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اسکی جانب ابھی اشارہ کیا جا چکا ہے اور اس کی تفصیل کے لیے پروفیسر برنی کی کتاب "قادیانی مذہب" لائق مطالعہ ہے، یا خود متنبیِ کاذب کی تصنیفی ہفوات اس حقیقت کو عریاں کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

ہمارے پیشِ نظر تو یہ مسئلہ ہے کہ متنبّی پنجاب نے کس طرح قرآن حکیم کی نصوصِ قطعیہ کے خلاف یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ "توہین" "تصلیب" اور قتل عیسیٰ ؑ کی تائید پر بے جا جسارت کا اقدام کیا اور جس حد تک اختلاف کیا اس میں بھی دعویِٰ قرآنی کے خلاف ان کی حیاتِ طیبہ کو نامراد و ناکام اور گمنام ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی۔

آپ ابھی سن چکے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں خدائے تعالیٰ کی نجات سے دعویٰ حفاظت و برتری کو کس قوتِ بیان کے ساتھ نمایاں کیا ہے: وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ، اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور پھر کس زور کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دعوائے حفاظت کو اس شان کے ساتھ پورا کیا کہ دشمن کسی حیثیت سے بھی مسیح بن مریم علیہما السلام پر قابو نہ پا سکے اور ہاتھ تک نہ لگا سکے۔ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ ، وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یضیا ○ بل رفعہ اللہ الیہ ۔

تو اب قابلِ غور ہے یہ بات کہ ہم دنیا میں روز و شب یہ مشاہدہ کرتے ہیں رہتے ہیں کہ اگر کسی صاحبِ قوت و اقتدار ہستی کے عزیز دوست یا مصاحب کے خلاف ان کا دشمن درپے آزار یا قتل کے درپے ہوتا ہے اور یہ سمجھ کر کہ ہم صاحبِ اقتدار ہستی کی اعانت کے بغیر دشمن کے مقابلہ میں عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، وہ صاحبِ اقتدار کی جانب رجوع کرتے ہیں اور یہ ہستی ان کو پوری طرح اطمینان دلاتی ہے کہ دشمن ان کو کسی طرح نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ ان تک اس کی دسترس ہی نہیں ہونے دی جائے گی تو ہر ایک اہلِ عقل اس کا یہی مطلب لیتا ہے کہ اب کسی بھی حالت میں ان کو دشمن کا خطرہ باقی نہیں رہا مگر یہ کہ صاحبِ اقتدار ہستی یا اپنے وعدہ کا ایفاء نہ کرے اور جھوٹا ثابت ہو اور یا دشمن کی طاقت اتنی زیادہ ہو کہ وہ خود بھی اس حمایت و نصرت میں مغلوب ہو کر رہ جائے۔

پس جب انسانی دنیا میں یہ اطلاع موصول ہو کہ صاحبِ اقتدار ہستی کے عزیز، دوست یا مصاحب کو اس کے دشمن نے گرفتار کر لیا، مارا پیٹا، منہ پر تھوکا اور ہر طرح ذلیل و رسوا کر کے اپنے گمان میں مار بھی ڈالا اور مردہ سمجھ کر نعش اس کے عزیزوں کے سپرد کر دی مگر حسبِ اتفاق نبض دیکھنے سے معلوم ہوا کہ کہیں جان اٹکی رہ گئی ہے لہٰذا علاج معالجہ کیا گیا اور وہ رو بصحت ہو گیا تو دنیاءِ انسانی اس صاحبِ اقتدار ہستی کے متعلق کیا رائے قائم کریگی جس نے اس مظلوم کی حمایت و نصرت کا وعدہ کیا تھا؟ یہ کہ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں کیا خواہ قصداً نہیں کیا یا اس لیے کہ وہ مجبور رہا۔

پس اگر دنیاءِ انسانی کے معاملات میں صورتحال یہ ہے کہ معلوم نہیں کہ متنبّی پنجاب کے عقل و دماغ نے قادر مطلق خدا کے متعلق کس ذہنیت کے ماتحت یہ فیصلہ کیا کہ خدا نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو ہر قسم کی حفاظت و صیانت کے وعدہ کے باوجود دشمن کے ہاتھوں وہ سب کچھ ہونے دیا، جس کو یہود و نصاریٰ کی اندھی تقلید میں متنبّی پنجاب نے تسلیم کر لیا اور اشک شوئی کیلئے صرف اس قدر اضافہ کر دیا کہ اگرچہ یہود نے صلیب و قتل کے بعد سمجھ لیا تھا کہ روح قفس عنصری سے نکل چکی ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہوا تھا بلکہ رمقِ جان ابھی غیر محسوس طور پر باقی تھی۔ اسلئے اسی طرح ان کی جان بچ گئی، جس طرح موجودہ زمانہ میں اب سے چند سال قبل جیلوں میں پھانسی دینے کا جو طریقہ رائج تھا۔ اس کی وجہ سے کبھی پھانسی پانے کے بعد رمقِ جان باقی رہ جاتی تھی اور نعش کی سپردگی کے بعد علاج معالجہ سے اچھا ہو جاتا تھا۔

بہر حال ہم تو اس ذات واحد، قادر مطلق خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ جس نے جب کبھی بھی اپنے خاص بندوں (نبیوں اور رسولوں) سے اس قسم کا وعدۂ حفاظت و صیانت کیا ہے تو پھر اس کو پورا بھی ایسی شان سے کیا ہے جو قادرِ مطلق ہستی کیلئے شایاں اور لائق ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے منکرین حق کا معاملہ سورۂ نمل میں جس معجزانہ شان کے ساتھ بیان ہوا ہے اس پر غور فرمائیے۔ ارشادِ باری ہے:

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَأَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهٖ وَإِنَّا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لَصَادِقُوْنَ ○ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ○ تِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْآ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○

اور شہر میں نو شخص تھے جو (بہت) مفسد تھے اور کوئی کام صلاح کاری کا نہیں کرتے تھے، انہوں نے آپس میں کہا "باہم قسمیں کھاؤ کہ ہم ضرور صالح ؑ اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے اور پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم اسکے خاندان کی ہلاکت کے وقت موقع پر موجود ہی نہیں تھے اور قسم بخدا ہم ضرور سچے ہیں" اور انہوں نے (صالح ؑ کے خلاف) خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی (ان کی سازش کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور ہماری مخفی تدبیر کو نہیں سمجھتے تھے پس (اے محمد ﷺ !) دیکھو! کہ انکی خفیہ سازشی تدبیر کا کیا حشر ہوا؟ یہ کہ ہم نے ان کو (مفسدوں کو) اور ان کی سرکش قوم کو سب کو ہلاک کر دیا (نگاہ اٹھا کر) دیکھو یہ (قریب ہی) ہیں ان کے گھروں کے کھنڈر ویران ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے، بیشک اس واقعہ میں نشانی ہے سمجھ والوں کیلئے اور ہم نے نجات دی ایمان والوں کو جو کہ پرہیز گار تھے۔

اور پھر مطالعہ کیجئے اس عظیم الشان واقعہ کا جو ہجرت خاتم الانبیاء ﷺ سے تعلق رکھتا ہے اور سورۂ انفال میں دشمنانِ حق کی ذلت ورسوائی کا ابدی اعلان ہے۔

ان دونوں واقعات میں حق و باطل کے معرکوں، دشمنوں کی خفیہ سازشوں اور انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کیلئے وعدۂ الٰہی اور اس کے بے غل و غش پورا ہونے کا جو نقشہ قرآن عزیز نے پیش کیا ہے۔ تاریخی نگاہ سے ان پر غور فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ جس خدا نے صالح ؑ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے ساتھ اپنے وعدۂ حفاظت کو اس شانِ رفیع کے ساتھ پورا کیا ہو۔ کیا متنبّی پنجاب کے عقیدہ کے مطابق اسی شانِ معجزانہ کے ساتھ وہ عیسیٰ ؑ کے حق میں پورا ہوا؟ نہیں ہرگز نہیں، حالانکہ آیات قرآنی شاہد ہیں کہ ان دونوں واقعات کے مقابلہ میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے کیئے گئے وعدے زیادہ واضح تفصیلات رکھتے ہیں اور ان میں صاف کہا گیا ہے کہ خدا کے بہترین مخفی فیصلہ کے مطابق حضرت مسیح ؑ کے دشمن ان کو ہاتھ تک نہ لگا سکیں گے، تب ہی تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے جن احسانات وانعامات کو شمار کرائے گا ان میں سے ایک بڑا انعام واحسان یہ بھی ہوگا:۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ عَنْكَ

اور جبکہ ہم نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا تھا۔

متنبّی پنجاب کو اگر اپنی نبوت اور مسیحیت کے افترا اور ڈھونگ کو مضبوط کرنے کیلئے حضرت مسیح ؑ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے خلاف اس درجہ ناگواری تھی جیسا کہ متنبّی کاذب کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے تب بھی یہود و نصاریٰ کی اس اندھی تقلید کیلئے مقابلہ میں جو نصوصِ قرآنی کے خلاف "کفر بواح" تک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہنچاتی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ رفیع کے حق میں باعث توہین و تذلیل اور وعدۂ الٰہی کی تکذیب کرتی ہے" کیا یہ کافی نہیں تھا کہ تاویل باطل[1] کے پردہ میں اتنا ہی کہہ دیا جاتا کہ وہ اگرچہ بقید حیات آسمان پر نہیں اٹھائے گئے مگر اللہ تعالیٰ نے بند مکان سے کسی طریق پر ان کو دشمنوں کے نرغے سے نکال کر محفوظ کر دیا اور دشمن کسی طرح ان کو نہ پا سکے، لیکن وائے برحال متنبّی قادیان کہ خدا کے سچے پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ بغض و عناد نے "خسر الدنیا والآخرہ" کا مصداق بنا کر ہی چھوڑا۔

قادیانی تلبیس اور اس کا جواب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس معرکۃ الآراء مسئلہ میں "جو ان کی عظمت اور جلالت کا زبردست نشان ہے"۔ سورۂ آل عمران کی آیات کا باہمی ربط اور ترتیب ذکری خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ متنبّی کاذب نے اس میں بھی تلبیس الحق بالباطل "کا ثبوت دے کر ناواقف کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن عزیز، سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دشمنوں کے نرغہ میں گھر جانے سے متعلق جس تسلی اور وعدہ کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فطری شکل و صورت یہ پیش آئی کہ جب دشمنان دین نے حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک بند مکان میں محاصرہ کر لیا تو ایک اولوالعزم پیغمبر اور خدائے برحق کے درمیان تقرب کا جو رشتہ قائم ہے اس کے پیش نظر قدرتی طور پر حضرت عیسیٰ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب کیا پیش آنے والا ہے راہ حق میں جاں سپاری یا قدرت الٰہی کا کوئی اور کرشمہ ؟ اور اگر دشمنوں سے تحفظ کے لئے کوئی کرشمہ پیش آنے والا ہے تو اس کی کیا شکل ہو گی کیونکہ بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا؟ اور اگر تحفظ ہوا بھی تو کیا کچھ مصائب و آلام اٹھانے کے بعد تحفظ جان ہو گا یا دشمن کسی بھی صورت میں قابو نہ پا سکیں گے ؟ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کے قلب میں فطری طور پر پیدا ہونے والے سوالات کا ترتیب وار اس طرح جواب دیا: "عیسیٰ! میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں تیری مقررہ مدت حیات پوری کروں گا یعنی مطمئن رہو کہ تجھ کو دشمن قتل نہ کر پائیں گے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ اور صورت یہ ہو گی کہ اس وقت میں تجھ کو اپنی جانب یعنی ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھالوں گا وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ اور یہ بھی اس طرح نہیں کہ پہلے سب کچھ مصائب ہو کر گذریں گے اور پھر ہم تجھ کو آخر میں علاج معالجہ کرا کر اٹھائیں گے نہیں بلکہ یوں ہو گا کہ تو دشمن کے ناپاک ہاتھوں سے ہر طرح محفوظ رہے گا اور کوئی دشمن تجھ کو ہاتھ تک نہ لگا سکے گا وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یہ تو تمہارے فطری سوالات کا جواب ہوا لیکن اس سے بھی زیادہ ہم یہ کریں گے کہ جو تیرے پیرو ہیں (خواہ غلط کار ہوں جیسا کہ نصاریٰ اور خواہ صحیح العقیدہ ہوں جیسا کہ مسلمان) ان کو قیامت تک یہود پر غالب رکھیں گے اور تا قیام قیامت کبھی ان کو حاکمانہ اقتدار نصیب نہیں ہو گا باقی رہا تمام معاملات کا فیصلہ سو اس کے لے (قیامت کا) دن مقرر ہے اس روز سب اختلافات ختم ہو جائیں گے اور حق و باطل کا دو ٹوک فیصلہ کر دیا جائیگا۔

۱: تاویل باطل اسلئے کہ حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق دیگر نصوص قرآنی، حدیثی اور اجماعِ امت کے پیش نظر اس مقام پر یہ تاویل بلاشبہ "باطل" ہے مگر اس سے کم از کم حضرت مسیح علیہ السلام کی توہین اور وعدۂ الٰہی کی تکذیب کا پہلو نہیں نکلتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زیر بحث آیات کی یہ تفسیر جس طرح سلف صالحین اور اجماع امت کے مطابق ہے اسی طرح اس میں آیات میں کیے گئے متعدد وعدوں کی ترتیب میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اور مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی مگر مرزائے قادیانی نے اپنی مسند مسیحیت ونبوت کو قائم کرنے کیلئے قرآن واحادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف جبکہ یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ہو چکی تو اس سلسلہ کی آیات میں تحریف معنوی کی ناکام سعی کو بھی ضروری سمجھا اور دعویٰ کیا کہ اگر مسیح علیہ السلام کی موت کے وقوع کو رفع الی السماء اور تطہیر اور تفوق المطیعین علی الکافرین سے قبل تسلیم نہ کیا جائے گا تو ترتیب ذکری میں فرق آجائے گا اور مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم ماننا پڑے گا اور یہ قرآن عزیز کی شان بلاغت کے خلاف ہے لہذا یہ ماننا چاہیے کہ انی متوفیک کے وعدہ کا وقوع ہو چکا اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آچکی۔

مرزائے قادیانی کی یہ "تلبیس" اگرچہ ان حضرات سے تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی جو عربیت اور قرآن کے اسلوب بیان کا ذوق رکھتے ہیں لیکن عوام کو مغالطہ میں ڈال سکتی ہے اس لئے اس عنوان کے شروع ہی میں آیات کی تفسیر کو اس طرح بیان کر دیا گیا کہ مرزا کی جانب سے جو تلبیس کی گئی ہے وہ خود بخود زائل ہو جائے تاہم مزید تشریح کے لے یہ اور اضافہ ہے کہ ترتیب ذکری کا مطلب یہ ہوتا کہ کلام میں اگر چند باتیں ترتیب وار کی گئی ہیں تو ان کا وقوع بھی اس طرح ہونا چاہیے کہ اس کلام میں ذکر کردہ ترتیب بگڑنے نہ پائے اور مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کرنا نہ پڑے اور یہ جب ضروری ہے کہ کلام کی فصاحت پر تقدیم وتاخیر کو بھی فصاحت کی جان سمجھا جاتا ہے اور یہ علم معانی کا مشہور مسئلہ ہے۔

پس قرآن کی ان آیات میں جمہور اہل اسلام کی تفسیر کے مطابق ترتیب ذکری بحالہ قدیم ہے اس لئے کہ خدا کی جانب سے پہلا وعدہ یہ ہے کہ میں تمہاری مقررہ مدت پوری کروں گا انی متوفیک یعنی تمہاری موت ان دشمنوں کے ہاتھ سے نہیں ہوگی بلکہ تم اپنی طبعی موت سے مرو گے مگر اس پہلے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے متعدد صورتیں ہو سکتی تھیں: یہ کہ دشمنوں پر باہر سے اچانک حملہ ہو جائے اور فرار ہو جائیں یا سب وہیں کھیت رہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام ان کی زد سے بچ جائیں یا یہ کہ قوم عاد وثمود کی طرح زمین یا آسمان سے قدرتی عذاب آکر ان سب کو ہلاک کر دے یا یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کسی ترکیب سے ان کے نرغہ میں سے محفوظ نکل جائیں اور ان کی دسترس سے باہر ہو جائیں یا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرشمۂ قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو مکان بند رہتے ہوئے ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھالے وغیرہ وغیرہ۔ تو قرآن نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خبر دی کہ پہلے وعدہ کا ایفاء مسطورہ بالا آخری شکل یعنی و رافعک الی کی شکل میں ہوگا اور ہوگا بھی ایسی قدرت کاملہ کے ہاتھوں کہ اس محاصرہ کے باوجود دشمن اپنے ناپاک ہاتھ تجھ کو نہیں لگا سکیں گے اور میں ان کافروں کے ہاتھ سے تجھ کو پاک رکھوں گا و مطہرک من الذین کفروا اور ان باتوں کے علاوہ یہ بھی ہوگا کہ میں تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا بہر حال بعد کے یہ تینوں وعدے بالترتیب جب ہی عمل میں آئیں گے کہ پہلے وعدۂ اول وقوع پذیر ہو جائے یعنی تیری موت ان کے ہاتھوں نہ ہو بلکہ اپنی مقررہ مدت پر پہنچ کر طبعی موت آئے ان آیات میں میں پہلے وعدہ کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ میں اول تجھ کو ماروں گا اور پھر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بالترتیب یہ سب امور انجام دوں گا کیونکہ یہ قول صرف جاہل ہی کہہ سکتا ہے لیکن جس کو گفتگو کا معمولی بھی سلیقہ ہے وہ ہرگز ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کیونکہ ترتیب ذکری کے لئے یہ تو ہونا چاہیے کہ ان امور کے وقوع میں ایسی صورت نہ پیدا ہو جائے کہ ترتیب میں فرق لاکر تقدیم و تاخیر کا عمل جراحی کرنا پڑے لیکن اگر کوئی شے زمانہ کا امتداد اور طوالت چاہتی ہے اور اس کا آخری حصہ وقوع ان تمام امور کے بعد پیش آتا ہے جو اس کے بعد مذکور تھے مگر ترتیب ذکری میں مطلق کوئی فرق نہیں آتا تو ایسی شکل میں اس وقوع کے متاخر ہو جانے سے کسی عالم کے نزدیک بھی کلام کی فصاحت و بلاغت میں نقص واقع نہیں ہوتا اور نہ اس قسم کے وقوع ترتیبی کا ترتیب ذکری کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا ہے۔

پس مسئلہ زیر بحث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کا وقوع کبھی بھی ہوا اس کا ترتیب ذکری سے مطلق کوئی علاقہ نہیں ہے یہاں تو اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ دیے گئے متعدد وعدوں میں پہل اور اولیت اس وعدہ کو حاصل ہے کہ تمہاری موت کا سبب یہ یہود بنی اسرائیل نہیں ہو گے بلکہ جب بھی یہ مقررہ مدت پوری ہو گی اس طریق پر ہو گی جو عام طور سے میری جانب منسوب کی جاتی ہے (یعنی طبعی موت) اور یہ وعدہ بہر حال باقی تین وعدوں سے پہلے ہی رہا تب ہی تو یہ تینوں وعدے وقوع میں آسکے، اور اگر کہیں دشمن حضرت مسیح علیہ السلام کی موت کا سبب بن گئے ہوتے تو پھر "رفع" اور "تطہیر" کے لئے کوئی صورت ہی نہ رہ جاتے اور مرزا قادیانی کی طرح باطل اور کیک تاویلات کی آڑ لینی پڑتی اور آیات زیر بحث کی "روح" فنا ہو کر رہ جاتی۔ اور یہ اس لئے کہ اگر "رفع" سے رفع روحانی اور "تطہیر" سے روحانی پاکی مراد لئے جائیں تو یہ قطعاً بے محل اور بے موقع ہو گا کیونکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق یہ وعدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے جا رہے ہیں تو حضرت عیسیٰ کو یہ بتانا کہ تمہارے متعلق یہود کا یہ اعتقاد کہ تم کاذب اور ملعون ہو غلط ہے اور تم مطمئن رہو کہ میں تمہارا رفع روحانی کرنے والا ہوں قطعاً عبث تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ پیغمبر خدا ہیں اور جانتے ہیں کہ یہود کا افتراء کیا حقیقت رکھتا ہے نیز یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع روحانی کا پتہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے متعلق ہے تو خدائے برتر کا یہ ارشاد نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بر محل تسلی کا باعث ہو سکتا تھا اور نہ یہود کے لئے سود مند اور یہی حال دوسرے وعدۂ تطہیر کا ہے بلکہ جب بقول قادیانی یہود کے ہاتھوں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھا دیے گئے تو نعش پالینے کے بعد شاگردوں کا مرہم عیسیٰ علیہ السلام لگا کر چنگا کر لینے اور پھر منجانب اللہ جن کی ہدایت و ارشاد کے لئے مامور کیے گئے تھے ان سے جان بچا کر بھاگ جانے اور زندگی بھر گمنامی میں زندگی بسر کرتے رہنے کے بعد وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ اور وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کہہ دینے سے نہ یہود کے عقیدۂ متعلق مسیح علیہ السلام کی ہی تردید ہو گی اور نہ ایک غیر جانبدار انسان ہی یہ سمجھ سکے گا کہ ایسے موقع پر جبکہ عیسیٰ علیہ السلام دشمنوں کے نرغے میں ہیں ور جبکہ ان کو یہ یقین ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور موت کے بعد رفع روحانی اور تطہیر لازم شے ہے ان تسلیوں اور وعدوں کا کیا فائدہ ہے خصوصاً جبکہ ان کے ساتھ دشمن نے وہ سب کچھ کر لیا جو وہ کرنا چاہتا تھا۔

البتہ جمہور اہل حق کی تفسیر کے مطابق آیت قرآنی کی روح اپنی معجزانہ بلاغت کے ساتھ پوری طرح ناطق ہے کہ یہ وعدے حضرت مسیح سے جس طرح کیے گئے وہ بر محل اور فطری اضطراب کے لے بلا شبہ باعث تسکین

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی معرفت کا وقت کے یہود و نصاریٰ کے وراثتی عقائد باطلہ کی تردید کے لئے کافی اور مدلل۔

جمہور اہل حق کی یہ تفسیر "توفی" کے معنی "مقررہ مدت پوری کرنا" اختیار کر کے کی گئی ہے جس کا حاصل (تو فی بمعنی موت) نکلتا ہے لیکن توفی کے یہ حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ بطور کنایہ کے مستعمل ہوئے ہیں کیونکہ لغت عرب میں اس کا مادہ (میٹر) وفی، یفی، وفاء ہے جس کے معنی "پورا کرنے" کے آتے ہیں اور اس کو جب باب تفعل میں لے جا کر "توفی" بناتے ہیں تو اس کے معنی "کسی شے کو پورا پورا لینا" یا کسی شے کو سالم قبضہ میں کر لینا" آتے ہیں توفی اخذہ وافیاً تاماً یقال "توفیت من فلان مالی علیہ" اور چونکہ موت میں بھی اسلامی عقیدہ کے مطابق روح کو پورا لے لیا جاتا ہے اس لئے کنایہ کے طور پر کہ جس میں حقیقی معنی بحالہ محفوظ رہا کرتے ہیں "توفی بمعنی موت مستعمل ہوتا ہے اور کہتے ہیں توفاہ اللہ ای اماتہ لیکن اگر موقع پر دوسرے دلائل ایسے موجود ہوں جن کے پیش نظر توفی کے حقیقی معنی لئے جا سکتے ہوں یا حقیقی کے ماسوا دوسرے معنی بن ہی نہ سکتے ہوں تو اس مقام پر خواہ فاعل "اللہ تعالیٰ" اور مفعول "ذی روح انسان" ہی کیوں نہ ہو وہاں حقیقی، معنی "پورا لے لینا" ہی مراد ہوں گے مثلاً آیت اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا[1] اللہ تو پورا لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت اور ان جانوں کو جن کو ابھی موت نہیں آئی ہے پورا لے لیتا ہے نیند میں وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ کیلئے بھی لفظ "توفی" بولا گیا یعنی ایک جانب یہ صراحت کی جا رہی ہے کہ یہ وہ جانیں (نفوس) ہیں جن کو موت نہیں آئی اور دوسری جانب یہ بھی بصراحت کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیند کی حالت میں ان کے ساتھ "توفی" کا معاملہ کرتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہے "متوفی" اور نفس انسانی مفعول ہے "متوفی" مگر پھر بھی کسی صورت سے "تو فی بمعنی موت" صحیح نہیں ہیں ورنہ تو قرآن کا جملہ وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ العیاذ باللہ مہمل ہو کر رہ جائے گا یا مثلاً

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ

(اور وہی (اللہ) ہے جو پورا لے لیتا یا قبضہ میں کر لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن میں۔
(سورہ انعام)

میں بھی کسی طرح توفی بمعنی موت نہیں بن سکتے حالانکہ توفی کا فاعل اللہ اور مفعول انسانی نفوس ہیں یا مثلاً آیت

حَتّٰى إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (انعام)

یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، قبض کر لیتے ہیں یا پورا لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے)۔

میں ذکر موت ہی کا ہو رہا ہے لیکن پھر بھی تَوَفَّتْهُ میں توفی کے معنی موت کے نہیں بن سکتے ورنہ بے فائدہ تکرار لازم آئے گا یعنی اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ میں جب لفظ "موت" کا ذکر آ چکا تو اب تَوَفَّتْهُ میں بھی اگر توفی کے معنی موت ہی کے لئے جائیں تو ترجمہ یہ ہو گا یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کسی کو موت، موت لے آتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں دوبارہ لفظ کا ذکر بے فائدہ ہے اور کلام

1: سورۂ زمر۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فصیح و بلیغ اور معجز تو کیا روزمرہ کے محاورہ اور عام بول چال کے لحاظ سے بھی پست اور لا طائل ہو جاتا ہے البتہ اگر "توفی" کے حقیقی معنی کسی شے پر قبضہ کرنا یا اس کے پورا لے لینا مراد لئے جائیں تو قرآن عزیز کا مقصد ٹھیک ٹھیک ادا ہو گا اور کلام بھی اپنے حد اعجاز پر قائم رہے گا۔

اب ہر ایک عاقل غور کر سکتا ہے کہ یہ دعویٰ کرنا کہ "توفّی" کے حقیقی معنی موت کے ہیں۔ خصوصاً جبکہ فاعل خدا ہو اور مفعول ذی روح کہاں تک صحیح اور درست ہے۔

بہر حال اس موقع پر "موت" اور "توفی" دونوں کا ساتھ ساتھ بیان ہونا اور دونوں کا ایک ہی معمول ہونا اور پھر دونوں کے معنی میں فرق و تفاوت اس بات کے لئے واضح دلیل ہے کہ یہ دونوں مرادف الفاظ نہیں ہیں اور جس طرح لیث و اسد (بمعنی شیر) ابل و جمل (بمعنی اونٹ) نون و حوت (بمعنی مچھلی) وغیرہ اسماء کا اور جمع: شمل کسب (بمعنی جمع ہونا) اور لبث مکث (بمعنی ٹھہرنا) اور عطش، ظمأ (پیاس) اور جوع: سغب (بمعنی بھوک) مصادر کا حال ہے موت اور توفّی کے درمیان وہ معاملہ نہیں ہے بلکہ ان کے حقیقی معانی میں نمایاں فرق ہے اور مثلاً آیت

فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ

پس روکے رکھو ان (عورتوں) کو گھروں میں یہاں تک کہ لے لے ان کو موت

میں موت کو فعل اور توفّی کا فاعل قرار دیا گیا ہے اور ہر ایک زبان کی نحو (گرامر) کا یہ مسئلہ ہے کہ فاعل اور فعل ایک نہیں ہوتے کیونکہ فعل، فاعل سے صادر ہوتا ہے عین ذات فاعل نہیں ہوا کرتا تو اس سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ توفی کے حقیقی معنی "موت" ہر گز ہر گز نہیں ہیں ورنہ اس کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا۔

ان تین مقامات کے علاوہ سورۂ بقرہ کی آیت:

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

پھر پورا دیا جائے گا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا ہے۔

اور سورۂ نحل کی آیت:

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ

اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو کچھ اس نے کمایا ہے۔

میں بھی توفّی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول نفس انسانی ہے تاہم یہاں توفّی بمعنی موت نہیں بن سکتے اور یہ بہت واضح اور صاف بات ہے۔

غرض ان آیات میں موجود اس امر کے کہ "توفّی" کا فاعل اللہ تعالیٰ اور اس کا مفعول "انسان یا نفس انسانی" ہے پھر بھی یا جماع اہل لغت و تفسیر "موت کے معنی" نہیں ہو سکتے خواہ اس لئے کہ دلیل اور قرینہ اس معنی کے خلاف ہے اور یا اس لئے کہ اس مقام پر توفی کے حقیقی معنی (پورا لے لینا یا قبض کر لینا) کے ماسواء "موت کے معنی" کسی طرح بن ہی نہیں سکتے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو مرزائے قادیانی کا یہ دعویٰ کہ "توفی" اور "موت" مرادف الفاظ ہیں یا یہ کہ توفی کا فاعل اگر اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان یا نفس انسانی ہو تو اس جگہ صرف موت ہی کے معنی ہونگے دونوں دعوے باطل اور نصوص قرآنی کے قطعاً خلاف ہیں

فَهَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

توفی اور موت یقیناً مرادف الفاظ نہیں ہیں اور توفی کے حقیقی معنی "موت" نہیں بلکہ "پورا لے لینا یا قبض کر لینا" ہیں۔ قرآن عزیز سے اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ پورے قرآن میں کسی ایک جگہ بھی موت کا فاعل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو قرار نہیں دیا گیا مگر اس کے برعکس توفی کا فاعل متعدد مقامات پر ملائکہ (فرشتوں) کو ٹھیرایا ہے مثلاً سورۂ نساء میں ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

بیشک وہ لوگ جن کو فرشتوں نے قبض کر لیا یا پورا پورا لے لیا،

اور سورۂ انعام میں ہے

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا

قبض کر لیا یا پورا لے لیا اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتوں) نے

اور سورۂ سجدہ میں ہے،

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے قبض کرے گا تم کو موت کا فرشتہ)

اور سورۂ انفال میں ہے،

وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت کہ قبض کرتے ہیں فرشتے ان لوگوں (کی روحوں) کو جنھوں نے کفر کیا ہے)

ان تمام پر اگرچہ توفی "کنایہ" بمعنی موت استعمال ہوا ہے لیکن پھر بھی چوں کہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی بجائے ملائکہ اور ملک الموت کی جانب ہو رہی تھی اس لئے لفظ "توفی" کا اطلاق کیا گیا اور لفظ "موت" استعمال نہیں کیا گیا اور یہ صرف اس لئے کہ موت تو اللہ کا فعل ہے اور موت کے وقت انسان کا یعنی روح انسانی کا قبض کرنا اور اس کا پورا پورا لے لینا یہ فرشتوں کا عمل ہے تو جن مقامات میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جب خدا کسی کی اجل پوری کر دیتا اور موت کا حکم صادر فرماتا ہے تو اس کی صورت عمل کیا پیش آتی ہے ان مقامات میں موت کا اطلاق ہرگز موزوں نہیں تھا بلکہ "توفی" کا لفظ ہی اس حقیقت کو ادا کر سکتا تھا۔

موت اور توفی کے درمیان قرآنی اطلاقات کے پیش نظر ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ قرآن عزیز نے جگہ جگہ "موت" اور "حیات" کو تو مقابل ٹھیرایا ہے لیکن "توفی" کو کسی ایک مقام پر بھی "حیات" کا مقابل قرار

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں دیا۔ مثلاً سورۂ ملک میں ہے

هُوَالَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ

خدا ہی وہ ذات ہے جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو" اور سورۂ فرقان میں ہے

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيَاةً

اور وہ نہیں مالک ہیں موت کے اور نہ حیات کے

اور اسی طرح ان دونوں کے مشتقات کے مقابل ٹھیرایا ہے مثلاً

- كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ط (بقرہ)
- وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (روم)
- فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (بقرہ، نحل، جاثیہ)
- وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران)
- وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى (شوریٰ)

(وغیرہ ذلک کثیرا) البتہ توفی کے حقیقی معنی میں چونکہ یہ وسعت موجود ہے کہ اسلام کے نقطہ نظر سے موت کی جو حقیقت ہے بطریق کنایہ اس پر بھی حسب موقع اس کا اطلاق ہو سکتا ہے تو یہ استعمال اور اطلاق بھی جائز ٹھیرا اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

"توفی" کے معنی کی اس مفصل تشریح و توضیح کا حاصل یہ ہوا کہ لغت عرب اور قرآنی اطلاقات دونوں اس کے شاہد ہیں کہ توفی اور موت دونوں کے حقیقی معنی میں بھی اور دونوں کے اطلاقات میں بھی واضح فرق ہے اور دونوں مرادف الفاظ نہیں ہیں خواہ توفی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان اور روح انسانی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر اسلامی نقطہ نظر سے چونکہ موت ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جس پر بطریق "توسع" اور "کنایہ" توفی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے پس جس مقام پر قرینہ اور محل استعمال کا تقاضہ یہ ہو گا کہ وہاں توفی بول کنایۃً موت کے معنی لئے جانے چاہئیں تو اس جگہ "موت" کے معنی مراد ہوں گے لیکن اس کے برعکس اگر دلیل قرینہ اور محل استعمال حقیقی معنی کا متقاضی ہے تو اس جگہ وہی معنی مراد ہوں گے اور ان ہی کو مقدم سمجھا جائے گا خواہ کنائی معنی وہاں قطعاً نہ بن سکتے ہوں اور خواہ بن سکتے ہوں مگر محل استعمال اور دوسرے دلائل اس کو مرجوع یا ممنوع قرار دیتے ہوں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد لغت کے مشہور امام ابوالبقاء نے یہ تصریح کی ہے کہ عوام میں توفی کے معنی اگرچہ موت کے سمجھے جاتے ہیں مگر خواص کے نزدیک اس کے معنی "پورا لے لینا" اور "قبض کرنا" ہیں فرماتے ہیں:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

التوفی الاماتة و قبض الروح و علیه استعمال العامة و الاستیفاء و اخذ الحق و علیه استعمال البلغاء۔

الحاصل سورۂ مائدہ کی آیت یٰعیسیٰ انی متوفیک میں اگر حقیقی معنی مراد ہوں جیسا کہ جلیل القدر علماء تفسیر و لغت نے اختیار کیے ہیں تب بھی مرزائے قادیانی کے علی الرغم آیات زیر بحث کا میں تجھ کو پورا پورا لے لینے والا ہوں یا تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور صورت یہ ہوگی کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملاء اعلیٰ کی جانب) اٹھ لینے والا ہوں اور تجھ کو دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک رکھنے والا ہوں الخ" یعنی جب شروع میں یہ بتایا کہ تجھ کو قبض کرلیا جائے گا یا پورا لے لیا جائے تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ قبض کرنے اور پورا لے لینے کی مختلف شکلیں ہیں مثلاً ایک یہ کہ موت آجائے اور روح کو قبض کرلیا جائے اور پورا لے لیا جائے گا یا پورا لے لیا جائے اور دوسری یہ کہ زندہ ملاء اعلیٰ کی جانب (اپنی جانب) اٹھا لیا جائے تو یہاں کونسی صورت پیش آئے گی پس اس کو صاف اور واضح کرنے کے لئے کہا گیا کہ دوسری شکل اختیار کی جائے گی تاکہ دشمنوں کی سازشوں کے مقابلہ میں معجزانہ تدبیر کے ذریعہ وعدۂ الٰہی ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین اور واذ کففت بنی اسرائیل عنک کا عظیم الشان مظاہرہ ہو جائے اور "توفی" اور "رفع" ہو جانے پر نتیجہ یہ نکلے کہ ذات اقدس کافروں کے ہاتھ سے ہر طرح محفوظ ہو جائے اور اس طرح وعدۂ ربانی

وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بغیر کسی تاویل کے صحیح ہو جائے اور تاویل باطل کے ذریعہ شک اور تردد یا حقیقت حال سے انکار صرف ان ہی قلوب کا حصہ رہ جائے جو قرآن سے علم حاصل کرنے کی بجائے اول اپنے ذاتی اوہام و ظنون کو راہنما بناتے اور پھر قرآن کے منطوق و مفہوم کے خلاف اس کے منہ میں اپنی زبان رکھ دینا چاہتے ہیں اور اس سے وہ کہلانا چاہتے ہیں جو وہ خود کہنا نہیں چاہتا مگر وہ قرآن عزیز کی اس صفت سے غافل رہتے ہیں۔

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ

اس قرآن کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے (کسی جانب سے بھی) باطل نہیں پھٹک سکتا یہ اتارا ہوا ہے ایسی ہستی کی جانب سے جو حکمت والی، خوبیوں والی ہے۔"

متنبی پنجاب کو جب قرآن عزیز کی ان نصوص سے متعلق تحریف معنوی میں ناکامی ہوئی اور خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا تو مجبور ہو کر قرآن عزیز کے اطلاقات احادیث صحیحہ کی اطلاعات اور اجماع امت کے فیصلہ کو پس پشت ڈال کر "فلسفہ" کی آغوش میں پناہ لینے کا ارادہ کیا اور اپنی تصانیف میں یہ ہرزہ سرائی کی کہ اگر حضرت مسیح ﷺ آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے تو یہ عقل کے خلاف ہے اسلئے کہ کوئی مادی جسم ملاء اعلیٰ تک پرواز نہیں کر سکتا اور کر بھی جاتا تو اتنی طویل مدت کیسے زندہ ہے اور وہاں کھانے پینے اور رفع حاجت کرنے کی صورت کیسے عمل میں آسکتی ہے؟

قدرت الٰہی کے معجزانہ افعال کو خلاف عقل کہہ کر بات اگر ختم ہو سکتی تو شاید قادیانی کی یہ فلسفیانہ موشگافی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

درخور اعتناء سمجھی جا سکتی۔ لیکن آج فلسفۂ جدید بہ شکل سائنس ترقی کر کے جس حد تک پہنچ چکا ہے ہوا نظریات (THIORIS) نہیں بلکہ مشاہدات اور عملیات (PRACTICLES) اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ فضاء کے موانعات کو اگر آہستہ آہستہ ہٹا دیا جائے یا ان کو ضبط (CONTROL) میں لے آیا جائے تو مادی جسم کے لئے غیر معلوم بلندی تک پہنچنا ممکن العمل ہو جائے گا اور اس کے لئے جو جدوجہد وہ کر رہے ہیں وہ ممکن العمل سمجھ کر ہی کر رہے ہیں اور سائنٹفک (SCINTIFIC) طریقہ پر کر رہے ہیں پس اگر آج کا انسان میلوں اوپر ہوائی جہاز کے ذریعہ جا سکتا ہے اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ ہزاروں میل سے مادی انسان سے باتیں کرتے وقت اس کے جسم کے تصویر لے سکتا ہے اور ہوا اور آفتاب کی لہروں اور شعاعوں پر کنٹرول کر کے ہزاروں میل تک اپنی آواز کو بذریعہ ریڈیو نشر کر سکتا ہے اور ہزاروں برس کے گذرے ہوئے واقعات کو فضا میں نظم کر کے آج اس طرح سنا سکتا ہے گویا وہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے تو اس انسان کے خالق بلکہ خالق کائنات کے متعلق از رہ تفلسف یہ کہنا کہ وہ مادی جسم کو ملاء اعلیٰ تک کیسے لے جا سکتا ہے اپنی غباوت پر مہر کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

اور اگر ادویات اور غذاؤں اور حفظان صحت کے مختلف طریقوں سے عمر طبعی کو دوگنا اور تین گنا کیا جا سکتا اور کیا جا رہا ہے نیز اگر مختلف غذاؤں کے اثرات و نتائج میں یہ فرق ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ کسی سے فضلہ زیادہ بنے اور کسی سے بہت کم بنے اور کسی سے قطعاً نہ بنے بلکہ وہ خالص خون کی شکل میں تحلیل ہو جائے اور اگر انسان اپنی ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعہ روحانی قوت کو بڑھا کر آج اس دنیا میں دنوں ہفتوں بلکہ مہینوں بغیر خورد و نوش زندہ رہ سکتا ہے تو مجبور انسانوں کی ان کامیاب کوششوں کو صحیح سمجھنے کے باوجود خالق ارض و سماوات کی جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی رفعت آسمانی پر مسطورۂ بالا شکوک پیش کرنا یا ان کے پیش نظر ان کے بجسد عنصری ملاء اعلیٰ تک پہنچنے اور وہاں زندہ رہنے کا انکار کرنا اگر جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص علمی حقائق سے ناآشنا اور علوم قرآن سے محروم ہے وہ "خلاف عقل" اور "ماوراء عقل" ان دونوں باتوں کے درمیان فرق کرنے سے عاجز ہے اور اس لئے ہمیشہ ماوراء عقل کو خلاف عقل کہہ کر پیش کرتا رہتا ہے۔

دراصل انسان کی فکری گمراہیوں کا سرچشمہ صرف دو ہی باتیں ہیں ایک یہ کہ انسان "عقل" سے اس درجہ بے بہرہ ہو جائے کہ ہر ایک بات بے سمجھے بوجھے مان لے اور اندھوں کی طرح ہر ایک راہ پر چلنے لگے دوسری بات یہ کہ جو حقیقت بھی عقل سے بالاتر نظر آئے اس کو فوراً جھٹلا دے اور یہ یقین کر لے کہ جس شے کو اس کی سمجھ یا چند انسانوں کی سمجھ ادراک نہیں کر سکتی وہ شے حقیقتاً وجود نہیں رکھتی اور تکذیب کے لائق ہے حالانکہ بہت سی باتیں وہ ہیں جو ایک دور کے تمام عقلاء کے نزدیک ماوراء عقل سمجھی جاتی ہیں اس لئے کہ ان کی عقلیں ان باتوں کا ادراک کرنے سے عاجز رہیں مگر وہی باتیں علمی ترقی کے دوسرے دور میں جا کر نہ صرف ممکن الوقوع قرار پاتی بلکہ مشاہدہ اور تجربہ میں آجاتی ہیں پس اگر ہر ایک وہ شے جو کسی ایک انسان یا جماعت یا اس کے دور کے تمام اہل عقل کے نزدیک ماوراء عقل تھی "خلاف عقل" کہلانے کی مستحق تھی تو وہ دوسرے دور میں کیوں عقل کیلئے ممکن ہوئی بلکہ مشاہدہ میں آگئی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن عزیز نے گمراہی کی اس پہلی حالت کو (جہل، ظن، خرص، اٹکل) سے تعبیر کیا ہے اور دوسری حالت کو "الحاد" کہا ہے اور یہ دونوں حالتیں "علم و عرفان" سے محرومی کا نتیجہ ہوتی ہیں خلاف و عقل اور ماوراء عقل کے درمیان یہ فرق ہے کہ خلاف عقل بات وہ ہو سکتی ہے جس کے نہ ہو سکنے کے متعلق علم و یقین کی روشنی میں مثبت دلائل و براہین موجود ہوں اور عقل، دلیل و برہان اور علم یقین سے یہ ثابت کرتی ہو کہ ایسا ہونا ناممکن اور محال ذاتی ہے اور ماوراء عقل اس بات کو کہتے ہیں کہ بعض باتوں کے متعلق عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے چونکہ انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتا اور حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی لہٰذا ہر وہ بات جو عقل کے احاطہ میں نہ آسکتی ہو مگر اس کے انکار پر علم و یقین کے ذریعہ برہان و دلیل بھی دی جا سکتی ہوں تو ایسی بات کو خلاف عقل نہیں بلکہ ماوراء عقل کہیں گے۔

خلاف عقل اور ماوراء عقل کے درمیان امتیاز ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ جن چیزوں کو کل کی دنیا میں عام طور پر خلاف عقل کہا جاتا رہا ان کو اہل دانش و بینش نے خلاف عقل نہ سمجھتے ہوئے موجودہ دور میں ممکن بلکہ موجود کر دکھایا اور کل یہی عقل کی ترقی آج کی بہت سی ماوراء عقل باتوں کو احاطہ عقل میں لا سکے گی اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔

پس جو شخص حضرت عیسیٰ کے بجسد عنصری رفع الی السماء کا اس لئے منکر ہے کہ عقلی فلسفہ اس کا انکار کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ برہان و دلیل اور علم و یقین کی جگہ محض جہل، ظن اٹکل کے ماتحت ہے اور ایسے حضرت کے لئے پھر عالم غیب کی تمام ماوراءِ عقل باتوں مثلاً وحی، فرشتہ، جنت، جہنم، حشر، معاد، معجزہ، وغیرہ تمام باتوں کو خلاف عقل کہہ کر جھٹلا دینا چاہیے۔ قرآن عزیز نے ان ہی جیسے منکرین حق کے متعلق صاف صاف مکذبین کا لقب تجویز کر دیا جائے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ○ (یونس پ ۱۱ ع ٤)

نہیں یہ بات نہیں ہے (جیسا کفار کہتے ہیں) اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے ٹھیک اسی طرح انھوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں تو دیکھو ظلم کرنے کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے۔

آیت میں كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ کہہ کر جس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے یعنی انسان کی عقل جس بات کا ادراک نہ کر سکے اس کو دلیل و برہان اور علم یقین کے بغیر ہی جھٹلا دینا اور صرف اس بناء پر انکار کر دینا کہ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اس کی ایک نظیر مرزائے قادیانی کا وہ انکار ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء سے متعلق ہے اور اس کے خلیفہ مسٹر لاہوری کی موشگافیاں بھی اسی بے دلیل انکار وجحود کا شعبہ ہیں۔

اس حربہ کو بھی کمزور سمجھ کر متنبّی پنجاب نے پھر رخ بدلا اور یہ دعویٰ کیا کہ اس موقع کے علاوہ قرآن کے کسی مقام سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ "رفع" سے رفع روحانی کے ماسوا کوئی معنی لئے گئے ہیں یعنی مادی شے کی جانب رفع کی نسبت کی گئی ہو لہٰذا اس مقام پر بھی رفع روحانی کے علاوہ معنی لینا قرآن کے اطلاق و

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

استعمال کے خلاف ہے۔

مگر متنبّی کاذب کا یہ دعویٰ اول تو بنیاداً ہی غلط ہے کیونکہ اگر کسی لفظ کے محل استعمال سے یا قرآن ہی کی دوسری نصوص سے ایک معنی متعین ہیں تب یہ سوال پیدا کرنا کہ "یہی استعمال دوسرے کسی مقام پر جب تک ثابت نہیں ہوگا قابل تسلیم نہیں" حد درجہ کی نادانی ہے تاوقتیکہ دلیل سے یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ لغت عرب میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال جائز ہی نہیں اور اگر اتمام حجت کے طور پر اس قسم کے لچر سوال یا دعوے کو قابل جواب، یا لائق رد سمجھا ہی جائے تو سورۃ النازعات کی یہ آیت کافی ووافی ہے۔

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ○ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا ○

(اے افراد نسل انسانی) خلقت اور پیدائش کے لحاظ سے کیا تم زیادہ بھاری اور بوجھل ہو یا آسمان جس کو خدا نے بنایا اور اس کے بوجھل جسم کو بلند کیا۔

اور ایک آسمان پر ہی کیا موقوف ہے یہ ہم سے لاکھوں اور کروڑوں میل دور فضا میں سورج چاند ستاروں کو خدائے برتر نے جو بلندی اور رفعت عطا کی ہے کیا یہ سب کے سب مادی اجسام نہیں ہیں؟ اور اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو جس خالق ارض وسماوات نے ان مادی اجسام کا رفع آسمانی کیا ہے وہ اگر ایک انسانی مخلوق کا رفع آسمانی کر دے تو اس کو قرآن کے اطلاق واستعمال کے خلاف کہنا غباوت اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے البتہ ثبوت درکار ہے تو اس کے لئے قرآن عزیز کی نصوص، صحیح احادیث اور اجماع امت سے زیادہ موثق ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع سماوی اور چند جذباتی باتیں

مرزائے قادیانی نے اگرچہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف یہود و نصاریٰ کی پیروی میں تحریف مطالب کی کافی سعی ناکام کی ہے اور مسٹر لاہوری نے بھی تفسیر قرآن میں تحریف معنوی کے ذریعہ اپنے مقتداء کی مدد کی تاہم دل کا چور ان کو مطمئن نہیں کر سکا اور اس لئے انھوں نے دلائل و براہین کی جگہ جذبات کو دلیل راہ بنایا اور کبھی تو یہ کہا کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ تسلیم کرتے ہیں وہ ان کو خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر فضیلت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ زمین پر ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر، یہ تو سخت توہین کی بات ہے۔

لیکن علمی حلقوں میں اس لچر اور لوچ جذبہ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جبکہ ہر مذہبی انسان اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہے کہ اگرچہ فرشتے ہمیشہ بقید حیات ملاء اعلیٰ میں موجود اور سکونت پذیر ہیں تاہم ان سب کے مقابلہ میں بلکہ ان کی جلیل القدر ہستیوں مثلاً جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کے مقابلہ میں بھی ایک مفضول سے مفضول نبی کا رتبہ بہت بلند اور عالی رہتا ہے چہ جائیکہ خاتم الانبیاء ﷺ کا مرتبہ جلیل کہ جس کی عظمت "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" میں مضمر ہے علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ نے شب معراج میں فاب قوسین او ادنیٰ کا جو تقرب پایا ہے وہ نہ کسی ملک اور فرشتہ کو حاصل ہوا اور نہ کسی نبی اور رسول کو اس لئے حضرت مسیح کا رفع آسمانی اس "رفعت" کو پہنچ ہی نہیں سکتا جو اسریٰ میں آپ ﷺ کو حاصل ہوئی۔ بہر حال فاضل و مفضول کے درمیان فرق مراتب کے لئے تنہا ملاء اعلیٰ کا قیام معیار فضیلت نہی ہے خصوصا اس "افضل ہستی" کے مقابلہ میں جس کی فضیلت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا معیار خود اس کا وجود باوجود ہو اور جس کی ذات قدسی صفات خود ہی منبع فضائل اور مرجع کمالات ہو ایسی ہستی سے تو "مقام" عزت و مرتبہ پاتا ہے نہ کہ وہ ذات گرامی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ علیہ السلام ید بیضاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہاداری

اور کبھی یہ کہا کہ جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ تسلیم کرتا ہے وہ "العیاذ باللہ" نبی اکرم ﷺ کی اس لئے توہین کرتا ہے کہ وہ بقید حیات نہیں رہے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھر ذات اقدس پر برتری حاصل ہو گئی۔

یہ مقولہ پہلے سے بھی زیادہ بے کیف اور بے معنی ہے بلکہ سر تا سر غلط بنیاد پر قائم، اس لے کہ کون اہل عقل اور ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ "زندگی" بھی فاضل و مفضول کے درمیان معیار فضیلت ہے اس لئے کہ زندگی کی قیمت ذاتی کمالات و فضائل سے ہے نہ اس لئے کہ وہ زندگی ہے پھر "معیار فضیلت" کی اس بحث سے قطع نظر اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے مسئلہ فضیلت کو درمیان میں لانا اس لئے بھی قطعاً بے محل ہے کہ جبکہ قرآن عزیز کی نصوص نے تمام کائنات پر آپ ﷺ کی برتری کو ثابت کر دیا اور آپ ﷺ کی سیرت نے زندہ شہادت بن کر ان قصوص کی تصدیق کر دی تو کسی بھی انسان کی "زندگی" یا "رفع آسمانی" یا اور کوئی "وجہ فضیلت" اس کے مقابلہ میں نہیں لائی جا سکتی، اور ہر ایک حالت و صورت میں "فضل کلی" اسی جامع کمالات ہستی کو حاصل رہے گا۔

ولکن شبہ لھم کی تفسیر

اس مسئلہ کو ختم کرنے سے پہلے اب ایک بات باقی رہ جاتی ہے کہ سورۂ نساء کی مسطورہ بالا آیت میں ولکن شبہ لھم کی کیا تفسیر ہے؟ یعنی وہ کیا اشتباہ تھا جو یہودیوں پر طاری کر دیا گیا تو قرآن عزیز کا جواب اس مقام پر بھی اور آل عمران میں بھی ایک ہی دیتا ہے اور وہ رفع الی السماء ہے آل عمران میں اس کو وعدہ کی شکل میں ظاہر کیا، و رافعك الیّ اور نساء میں ایفاء وعدہ کی صورت میں یعنی بل رفعہ اللہ جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ محاصرہ کے وقت جب منکرین حق گرفتاری کے لئے اندر گھسے تو وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا یہ دیکھا تو سخت حیران ہوئے اور کسی طرح اندازہ نہ لگا سکے کہ صورت حال کیا پیش آئی اور اس طرح ولکن شبہ لھم کا مصداق بن کر رہ گئے اس کے بعد قرآن کہتا ہے

وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○

تو یہی اشتباہ کے بعد جو صورت حال پیش آئی اسکا نقشہ بیان کیا گیا ہے اور اس سے دو باتیں بصراحت ظاہر ہوتی ہیں: ایک یہ کہ یہود اس سلسلہ میں اس طرح شک میں پڑ گئے تھے کہ گمان اور اٹکل کے ماسوا ان کے پاس علم و یقین کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی تھی اور دوسری بات یہ کہ انھوں نے کسی کو قتل کر کے یہ مشہور کیا کہ انھوں نے "مسیح علیہ السلام" کو قتل کر دیا پھر آیت زمانۂ نبوت محمدی کے یہود کا حال بیان کر رہی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پس قرآن عزیز کو ان واضح اعلانات کے بعد جو حضرت مسیح علیہ السلام کی حفاظت وصیانت کے سلسلہ میں کیے گئے ہیں اور جن کو تفصیل کے ساتھ سطور بالا میں بیان کر دیا گیا ہے ان دونوں باتوں کی جزئی تفصیلات کا تعلق آثار صحابہؓ اور تاریخی روایات پر رہ جاتا ہے اور اس سلسلہ میں صرف ان ہی روایات و آثار کو قابل تسلیم سمجھا جائے گا جو اپنی صحت روایت کے ساتھ ساتھ ان بنیادی تصریحات سے نہ ٹکراتی ہوں جنکا ذکر متعدد مقامات پر قرآن عزیز نے بصراحت کر دیا ہے اور القران یفسر بعضہ بعضا قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی خود ہی تفسیر کر دیتا ہے" کے اصول پر جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن ہاتھ تک نہ لگا سکے اور وہ محفوظ ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لئے گئے اور جیسا کہ حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام کی بحث میں ابھی نصوص قرآنی سے ثابت ہو گا کہ وہ وقوع قیامت کیلئے "نشان" ہیں۔ اور اسلئے دوبارہ کائنات ارضی میں واپس آکر اور مفوضہ خدمت انجام دے کر پھر موت سے دو چار ہوں گے۔

شخص مقتول و مصلوب سے متعلق آثار و تاریخ کی جو ملی جلی روایات ہیں انکا حاصل یہ ہے کہ "سبت کی شب" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے ایک بند مکان میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود تھے کہ بنی اسرائیل کی سازش سے دمشق کے بت پرست بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے لئے ایک دستہ بھیجا اس نے آکر محاصرہ کر لیا اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جب سپاہی اندر داخل ہوئے تو انھوں نے حواریوں میں ایک ہی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شبیہ پایا۔ اور اس کو گرفتار کر کے لے گئے اور پھر اس کے ساتھ وہ سب کچھ ہوا جس کا ذکر گذشتہ سطر میں ہو چکا ہے ان ہی روایات میں بعض اس کا نام یودس بن کریایوطا بیان کرتے ہیں اور بعض جرجس اور دوسرے داؤد بن لوزا کہتے ہیں۔

پھر ان روایات میں سے بعض میں ہے کہ یہ شخص مقتول اپنی خلقت ہی میں حضرت مسیح علیہ السلام کا مشابہ اور ان کا نقش ثانی تھا، اسرائیلیات انجیلی میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے یہودا اسخر لوطی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبیہ تھا اور بعض روایات میں ہے کہ جب یہ نازک گھڑی آ پہنچی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو دعوت و تبلیغ حق سے متعلق تلقین وہدایات کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھ کو مطلع کر دیا ہے کہ میں ایک مدت تک کے لئے ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جاؤں گا اور یہ واقعہ مخالفین اور متبعین دونوں کے لئے سخت آزمائش وامتحان میں جانے والا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس پر آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرا شبیہ بنا دے اور وہ خدا کی راہ میں جام شہادت پیے اس کو جنت کی بشارت ہے تب ایک حواری نے پہل کی اور خود کو اس کے لئے پیش کیا اور منجانب اللہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ہو گیا اور سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔[1]

یہ تفصیلات نہ قرآن میں مذکور ہیں اور نہ احادیث مرفوعہ میں اس لئے وہ صحیح ہوں یا غلط نفس مسئلہ اپنی جگہ اٹل ہے اور قرآن کی آیات میں منصوص اس لئے اصحاب ذوق کو اختیار ہے کہ وہ صرف قرآن کے اس اجمال پر ہی قناعت کریں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع الی السماء اور ہر طرح دشمنوں سے تحفظ نیز یہود پر معاملہ مشتبہ ہو کر کسی دوسرے کو قتل کرنا یہود و نصاریٰ کے پاس اس سلسلہ میں علم ویقین کی روشنی میں ظاہر کر دینا یہ سب حقائق

---

[1] واقعات کی یہ تفصیلات تاریخ ابن کثیر جلد ۲ اور کتب تفسیر میں منقول ہیں ۱۲

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ثابتہ ہیں ولکن شبہ لھم اور وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک کی تفسیر میں ان روایت کی تفصیلات کو بھی قبول کرلیں اور یہ سمجھ کر تسلیم کریں کہ زیر بحث آیات کی تفسیر ان تفصیلات پر موقوف نہیں ہے بلکہ یہ امر زائد ہے جو آیات کی تفسیر صحیح کیلئے مؤید ہے۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام

سورۂ آل عمران، مائدہ اور نساء کی زیر بحث آیات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حکمت الٰہی کا یہ فیصلہ صادر ہو کہ ان کو بقید حیات ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھالی جائے اور وہ دشمنوں اور کافروں سے محفوظ اٹھا لئے گئے۔ لیکن قرآن نے اس مسئلہ میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حسب موقع ان کی حیات امروز پر نصوص قطعیہ کے ذریعہ متعدد جگہ روشنی ڈالی ہے اور ان مقامات میں اس جانب بھی اشارات کیے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات طویل اور رفع الی السماء میں کیا حکمت مستور تھی تاکہ اہل حق کے قلوب تازگی ایمان سے شگفتہ ہو جائیں اور باطل کوش اپنی کور باطنی پر شرمائیں۔

لیؤمنن بہ قبل موتہ

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ○ (نساء پ ٦ ع ٢٢)

اور کوئی اہل کتاب میں سے باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ علیہ السلام پر اس (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان پر (اہل کتاب پر) گواہ بنے گا۔

اس آیت سے قبل آیات میں وہی مسطورۂ بالا واقعہ مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ قتل کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب اٹھالیا یہ یہود و نصاریٰ کے اس عقیدہ کی تردید ہے جو انھوں نے اپنے باطل زعم اور اٹکل سے قائم کرلیا تھا ان سے کہا جارہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صلیب پر چڑھائے جانے اور قتل کیے جانے کے دعویٰ قابل لعنت ہے کیونکہ بہتان اور لعنت توام ہیں اس کے بعد اس آیت میں امر اول کی تصدیق میں اس جانب توجہ دلائی جارہی ہے کہ آج اگر اس ملعون عقیدہ پر فخر کررہے ہو تو وہ وقت بھی آنے والا ہے جب عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہما السلام خدائے برتر کی حکمت و مصلحت کو پورا کرنے کے لئے کائنات ارضی پر واپس تشریف لائیں گے اور اس عینی مشاہد کے وقت اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) میں سے ہر ایک موجود ہستی کو قرآن کے فیصلہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا۔ اور پھر جب وہ اپنی مدت حیات ختم کرکے موت کی آغوش سے دوچار ہو جائیں گے تو قیامت کے دن پر امت (اہل کتاب) پر اسی طرح گواہ ہوں گے جس طرح تمام انبیاء و مرسلین اپنی اپنی امتوں پر شاہد بنیں گے۔

یہ حقیقت کچھ مخفی نہیں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اگر وہ یہود و نصاریٰ دونوں واقعہ صلیب و قتل پر متفق ہیں لیکن اس سلسلہ میں دونوں کے عقائد کی بنیاد قطعاً متضاد اصول پر قائم ہے، یہود، حضرت مسیح علیہ السلام کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مفتری اور کاذب کہتے اور دجال[1] سمجھتے ہیں اور اس لئے فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے یسوع مسیح علیہ السلام کا صلیب پر بھی چڑھایا اور پھر اس حالت میں مار بھی ڈالا۔ اس کے بر عکس نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کا پہلا انسان آدم علیہ السلام گنہگار تھا اور ساری دنیا گنہگار تھی اس لئے خدا کی صفت "رحمت" نے ارادہ کیا کہ دنیا کو گناہوں سے نجات دلائے اس لے اس کی صفت "رحمت" نے ابنیت (بیٹا ہونا) کی شکل اختیار کی اور اس کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ یہود کے ہاتھوں سولی پر چڑھے اور مارا جائے اور اس طرح ساری کائنات ماضی و مستقبل کے گناہوں کا "کفارہ" بن کر دنیا کی نجات کا باعث بنے۔

سورۂ نساء کی آیات میں قرآن عزیز نے صاف صاف کہہ دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے دعوی کی بنیاد کسی بھی عقیدہ پر مبنی ہو لائق لعنت اور باعث ذلت و خسران ہے۔ خدا کے سچے پیغمبر کو مفتری سمجھ کر یہ عقیدہ رکھنا بھی لعنت کا موجب اور خدا کے بندے اور مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا انسان کو خدا کو بیٹا بنا کر اور "کفارہ" کا باطل عقیدہ تراش کر مسیح علیہ السلام کو مصلوب مقتول تسلیم کرنا بھی گمراہی اور علم و حقیقت کے خلاف اٹکل کا تیر ہے اور اس سلسلہ میں صحیح اور مبنی بر حقیقت فیصلہ وہی ہے جو قرآن نے کیا ہے اور جس کی بنیاد "علم و یقین اور وحی الٰہی" پر قائم ہے۔

پس آج جبکہ تمہارے سامنے اس اختلاف کے فیصلہ کے لئے جو شک و ظن کی شکستہ بنیادوں پر قائم تھا علم و یقین کی روشنی آچکی ہے پھر بھی تم اپنے ظنون کاسدہ اور اوہام فاسدہ پر اصرار کر رہے ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق باطل عقیدہ کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہو تو قرآن کا ایک دوسرا فیصلہ اور وحی الٰہی کا یہ اعلان بھی سن لو کہ تمہاری نسلوں پر وہ وقت بھی آنے والا ہے جب قرآن کے اس صحیح فیصلہ اور اعلان حق کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام ملاءِ اعلیٰ سے کائنات ارضی کو واپس ہوں گے اور ان کی یہ آمد ایسی مشاہد ہو گی کہ یہود و نصاریٰ میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ رہے گا جو بادل خواستہ یا بادل ناخواستہ اس ذات گرامی پر یہ ایمان نہ لے آئے کہ بلا شبہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں خدا کے بیٹے نہیں برگزیدہ انسان ہیں مصلوب و مقتول نہیں ہوئے تھے بقید حیات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ۔

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ کی طرح اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے لفظ "توفی" نہیں بولا گیا کہ بصراحت لفظ "موت" استعمال کیا گیا ہے یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان دونوں مقامات پر جس حقیقت کا اظہار مقصود ہے اس کے لئے "توفی" ہی مناسب ہے جیسا کہ سورۂ آل عمران سے متعلق آیات کی تشریح و تفسیر میں گذر چکا اور سورۂ مائدہ سے متعلق آیت کی تفسیر میں عنقریب بیان ہو گا اور اس جگہ چونکہ براہ راست "موت" ہی کا تذکرہ مطلوب ہے اور اس حالت کا ذکر ہے جس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام بھی كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا مصداق بننے والے ہیں اس لئے یہاں "موت" کو بصراحت لانا ہی از بس ضروری تھا اور یہ مزید برہان ہے اس دعویٰ کے لئے کہ آل عمران اور مائدہ میں لفظ "موت" کی جگہ "توفی" کا اطلاق بلا شبہ خاص مقصد رکھتا ہے ورنہ جس طرح ان دونوں مقامات پر "توفی" کا اطلاق کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا یا

1: دجال دجل سے ماخوذ ہے جس کے معنی "فریب" ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جس طرح اس جگہ لفظ "موت" کا اطلاق کیا گیا ہے اسی طرح ان دونوں مقامات پر بھی لفظ موت ہی کا استعمال ہونا چاہیے تھا مگر قرآن عزیز کے ان دقیق اسالیب بیان کے فرق کا فہم طالبین حق کا ہی حصہ ہے نہ کہ مرزائے قادیانی اور مسٹر لاہوری جیسے اصحاب زیغ کا جو اپنی خاص اغراض ذاتی کے پیش نظر پہلے ایک نظریہ ایجاد کر لیتے ہیں اور بعد ازاں اس سلسلہ کی تمام آیات قرآنی کو اس کے سانچہ میں ڈھال کر اس کا نام "تفسیر قرآن" رکھتے ہیں۔

بہر حال جمہور کے نزدیک آیت زیر عنوان کی تفسیر یہی ہے جو سپرد قلم کی جا چکی، مشہور محدث، جلیل القدر مفسر اور اسلامی مؤرخ، عماد الدین بن کثیرؒ اس تفسیر کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بصریؒ سے بسند صحیح نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

> قتادہ، عبدالرحمٰن اور بہت سے مفسروں کا یہی قول ہے اور یہی قول حق ہے جیسا کہ عنقریب ہم دلیل قاطع سے اس کو ثابت کریں گے۔ (انشاءاللہ تعالیٰ) (ابن کثیر جلد اول)

اور سرتاج محدثین ابن حجر عسقلانی بھی اسی کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "اسی تفسیر پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یقین کیا ہے اور ابن عباسؓ کی اس تفسیر کو ابن جریر نے بروایت سعید بن جبیر اور ابو رجاء نے بھی حسنؒ سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا "قبل موتہ" یعنی قبل موت عیسیٰ علیہ السلام قسم بخدا بیشک و شبہ حضرت عیسیٰ بقید حیات ہیں اور جب وہ آسمان سے اتریں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ابن جریرؒ نے اسی تفسیر کو اکثر اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے اور ابن جریرؒ آسمان سے اتریں گے تو سب اہل علم سے نقل کیا ہے اور ابن جریرؒ وغیرہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔
> (فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۳۰۴)

مگر اس صحیح تفسیر میں احتمال عقلی کے طور پر دو قول اور بھی منقول ہیں۔ مگر وہ دونوں بلحاظ سند ضعیف اور ناقابل اعتماد اور بلحاظ سیاق و سباق (یعنی آیت زیر بحث سے قبل اور بعد کی آیات کے لحاظ سے) غلط اور ناقابل التفات ہیں یعنی ایسے احتمالات عقلی ہیں جو نقل اور آیات کے باہمی نظم و ترتیب کے خلاف ہیں۔

ان ہر دو معنی میں سے ایک معنی یہ ہے کہ "موتہ" میں جو ضمیر ہے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے اہل کتاب کی جانب لوٹایا جائے اور آیت کا ترجمہ یوں کیا جائے "اور اہل کتاب میں سے کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لے آتا ہو" یعنی اگرچہ یہود و نصاریٰ اپنی زندگی میں حضرت عیسیٰ سے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے عقیدہ پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے عقیدہ پر قائم رہتے ہیں لیکن جب ان کو "موت" آدباتی ہے تو اس آخری حالت میں "جو نزع کا وقت کہلاتا ہے" صحیح عقیدہ کے مطابق ایمان لے آتے ہیں اور اہل کتاب کے ہر ایک فرد پر بلا استثناء یہی حالت گذرتی ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ "اہل کتاب کا ہر ایک فرد اپنی موت سے پہلے محمد ﷺ پر ایمان لے آتا ہے" یعنی جب وہ عالم دنیا سے منقطع ہو کر عالم غیب سے وابستہ ہو رہا ہوتا ہے اس وقت اس پر اصل حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ محمد ﷺ بیشک خدا کے سچے پیغمبر تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پس اس بات سے قطع نظر کہ یہ دونوں تفسیریں نقل روایت کے اعتبار سے نا قابل اعتماد اور غیر صحیح اور آیات کے سیاق و سباق کے خلاف ہیں عقلی نقطۂ نظر سے بھی غلط ہیں۔ اس لئے کہ اگر آیت کے معنی یہ ہیں جو سطور بالا میں نقل کیے گئے تب یہ آیت اپنے مقصد بیان کے خلاف بے معنی اور بے نتیجہ ہو جاتی ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ قرآن عزیز دوسرے مقامات پر صاف کہہ چکا ہے کہ جب انسان عالم دنیا سے کٹ کر عالم غیب سے وابستہ ہو جاتا ہے اور نزع کی یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو معاملات اس ساعات سے قبل تک اس کے لئے جو غیب کے معاملات تھے وہ مشاہدہ میں آنے شروع ہو جاتے ہیں تو اس وقت اس کے اعمال و کردار کا صحیفہ لپیٹ دیا جاتا ہے اور اب تبدیلی اعتقاد کا کوئی نتیجہ اور ثمرہ نہیں ملتا یعنی اس وقت کا نہ اقرار و اعتراف معتبر اور نہ انکار مستند:

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ط سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُوْنَ ۝ (سورۂ مومن پ ۱۸ ع ۹)

پس جب آئے ان کے پاس پیغمبر واضح دلائل لے کر تو اس چیز خوش ہوئے جو ان کے پاس علم سے تھی اور گھیر لیا ان کو اس چیز نے جس کو وہ مذاق بناتے تھے پس جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انھوں نے کہا ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے اور جن چیزوں کو ہم اس کا شریک بناتے تھے اس سے منکر ہوئے پس نہیں نافع ہوا ان کا (یہ) ایمان جب انھوں نے ہمارے عذاب کا مشاہدہ کر لیا، یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں ہمیشہ جاری رہی اور اس موقع پر کافروں نے زیان پایا۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ط اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (نساء پ ٤ ع ۳)

لیکن ان لوگوں کی توبہ توبہ نہیں ہے جو (ساری عمر تو) برائیاں کرتے رہے لیکن جب ان میں سے کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سچی توبہ نہیں ہوئی) اس طرح ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں ہے جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو ایسی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا محمد ﷺ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا معنی رکھتا ہے انسان جب اس حالت پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے سامنے سے غیب کے پردے ہٹ جاتے ہیں اور برزخ ملائکۃ اللہ، عذاب یا راحت جنت و جہنم، غرض دین حق کی تعلیم کردہ غیب کی ساری حقیقتیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں اور اس میں یہود و نصاریٰ کی ہی خصوصیت کیا ہے یہ حالت تو ہر ایک ابن آدم پر گذرنے والی ہے نیز جب اس قسم کا ایمان قبول ہی نہیں ہے تو اس کا ذکر اسی سلوب کے ساتھ ہونا چاہیے تھا جو غرق فرعون کے وقت فرعون کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایمانی اعتراف واقرار کے لئے اختیار کیا گیا اور جس میں اس وقت کی ایمانی پکار کی بے وقعتی ظاہر کی گئی ہے نہ کہ ایسے اسلوب بیان کے ساتھ گویا مستقبل میں ہونے والے کسی ایسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی جارہی ہے جو مخاطبین (یہود و نصاریٰ) کے عقائد و عزائم کے خلاف حضرت عیسیٰ ﷺ سے متعلق قرآن کی تصدیق اور اس کے اٹل فیصلہ کی زندہ شہادت بن کر پیش آنے والا ہے ورنہ تو ایک عیسائی اور یہودی پنجۂ موت میں آجانے کے وقت جان عزیز سپرد کر دینے سے پہلے حضرت عیسیٰ ﷺ پر ایمان لایا تب کیا اور نہ لایا تب کیا اس کی یہ تصدیق کائنات انسانی کے علم وادراک سے باہر صرف اس کے اور خدا کے درمیان تعلق رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی بات کا ایسے موقع پر تذکرہ کرنا قطعاً بے محل ہے جہاں ایک قوم کو اس کے ایک خاص عقیدہ پر ملزوم و مجرم بنانے کے لئے فیصلۂ حق کی تائید کے لے ماضی اور مستقبل میں کائنات ارضی پر پیش آنیوالے واقعات کو پیش کیا جارہا ہے جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہو رہا ہے علاوہ ازیں ان احتمالات کی یہاں اس لئے بھی گنجائش نہیں ہے کہ غرغرہ کے وقت حضرت عیسیٰ ﷺ یا محمد ﷺ پر اس قسم کا ایمان تو ہر اس اہل کتاب سے متعلق ہے جو اس آیت کے نزول سے کچھ دن قبل یا صدیوں قبل گذر چکے اور مر کھپ چکے ہیں لہٰذا اگر آیت میں یہ مضمون بیان کرنا مقصود تھا تو اس کیلئے مؤکد مستقبل کی یہ تعبیر لیومنن فصاحت و بلاغت کلام کے بالکل خلاف ہے اس کیلئے تو ایسی تعبیر کی ضرورت تھی جو ماضی حال اور استقبال تینوں زمانوں پر حاوی ہوتی تاکہ قرآن کا مفہوم اپنے توسع کے لحاظ سے پوری طرح ادا ہوتا۔

نیز دوسرے معنی تو اس لئے بھی قطعاً غلط اور بے محل ہیں کہ اس آیت سے قبل اور بعد کی آیات میں یعنی سیاق و سباق میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کا ذکر ہی نہیں ہے کیوں کہ شروع آیات میں صرف حضرت مسیح ﷺ کا ذکر ہو رہا ہے اور اس آیت کے آخر میں یہ ارشاد ہوا ہے ویوم القیمۃ یکون علیہم شہیدا اور واضح ہے یہ بات کہ اس جگہ شاہد سے حضرت عیسیٰ ﷺ مراد ہیں اور علیکم کی ضمیر ان کی امت تو پھر نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیے بغیر درمیان کی ضمیر کا مرجع ذات اقدس کو قرار دینا نہ صرف یہ کہ فصاحت وبلاغت کے منافی ہے بلکہ قاعدۂ عربیت کے قطعاً خلاف اور انتشار ضمائر کا موجب ہے

غرض بے غل و غش صحیح معنی وہی ہیں جو جمہور نے اختیار کیے ہیں اور یہ دونوں خود ساختہ احتمالات آیت کی تفسیر تو کیا صحیح احتمال کہلانے کے بھی مستحق نہیں ہیں۔[1]

حیوۃ ونزول عیسیٰ ﷺ اور احادیث صحیحہ

قرآن عزیز نے جس معجزانہ اختصار کے ساتھ حضرت عیسیٰ ﷺ کے رفع سماوی، حیات امروز اور علامت

۱: اس مقام کے علاوہ سورۂ زخرف کی آیت وما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اور سورۂ آل عمران کی ابتداء سے بیاسی آیات تک جو وفدِ نجران سے تعلق رکھتی ہیں یہ سب مقامات دلالۃ النص یا اشارۃ النص کی شکل میں حضرت عیسیٰ ﷺ کی حیات کے لیے دلیل و برہان ہیں اور اگرچہ ان کی تفصیلات اور وجود استشہاد میرے پاس مدوّن و مرتّب ہیں تاہم کتاب کی طوالت کے خوف سے اس جگہ ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، بوقتِ فرصت انشاء اللہ مستقل مضمون کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہوگا، اور یا پھر حجۃ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی کتاب "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ ﷺ" اس مقصد کیلئے قابلِ مراجعت ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قیامت بن کر نزول من السماء کے متعلق تصریحات کی ہیں صحیح ذخیرۂ احادیث نبوی میں ان آیات ہی کی تفصیلات بیان کر کے ان حقائق کو روشن کیا گیا ہے چنانچہ امام حدیث بخاری اور مسلم نے صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) میں حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت متعدد طریقہائے سند سے نقل کی ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد وحتی یکون السجدۃ الواحدۃ خیر الہ من الدنیا ومافیھا ثم قال ابو ھریرۃ اقرؤا ان شئتم:

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (کتاب الانبیاء)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور وہ وقت آنے والا ہے کہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام بن مریم حاکم وعادل بن کر اتریں گے وہ صلیب کو توڑیں گے) اور جزیہ اٹھادیں گے (یعنی نشان الٰہی کے مشاہدہ کے بعد اسلام کے سوا کچھ بھی قبول نہیں ہوگا اور اسلامی احکام میں بارشاد رسول ﷺ جزیہ کا حکم اسی وقت تک کے لئے ہے) اور مال کی اس درجہ کثرت ہوگی کہ کوئی اس کو قبول کرنے والا نہیں ملے گا اور خدا کے سامنے ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے زیادہ قیمت رکھے گا (یعنی مالی کثرت کی وجہ سے خیرات وصدقات کے مقابلہ میں عبادت نافلہ کی اہمیت بڑھ جائے گی) پھر ابوہریرہؓ نے فرمایا اگر تم (قرآن سے اس کے استشہاد) چاہو تو یہ آیت پڑھو

وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النساء:۱۵۹)

اور کوئی اہل کتاب میں سے نہ ہوگا مگر (عیسیٰ علیہ السلام کی) موت سے پہلے اس پر (عیسیٰ علیہ السلام پر) ضرور ایمان لے آئیگا اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا۔

۲) بخاری اور مسلم میں بسند نافع مولی ابو قتادہ انصاریؓ حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بھی منقول ہے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم (کتاب الانبیاء)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور اس حالت میں اتریں گے کہ تم ہی میں سے ایک شخص تمہاری امامت کر رہا ہوگا۔

ان دونوں روایات کے علاوہ حضرت ابوہریرہ سے متعدد طریقہائے سند سے اور روایات بھی صحیحین: مسند احمد اور سنن[1] میں درج ہیں جو یہی مفہوم و معنی ادا کرتی ہیں، ان میں سے ایک زیادہ مفصل ہے اور مسئلہ زیر بحث کے بعض دوسرے پہلوؤں کو بھی نمایاں کرتی ہے مسند احمد میں ہے:

۳) ان النبی ﷺ قال "الانبیاء اخوۃ لعلات امھاتھم شتّٰی ودینہ واحد وانی اولیٰ الناس

۱: ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بیعیسیٰ بن مریم لم یکن نبی بینی و بینه انه نازل فاذا رایتموه فاعرفوه رجلٌ مربوع الی الحمرة والبیاض علیه ثوبان ممصر ان کأن راسه یقطر ان لم یصبه بلل فیدق الصلیب و یقتل الخنزیر ویضع الجزیة ویدعوا الناس الی الاسلام ویهلك اللّٰه فی زمانه المسیح الدجال ثم تقع الامانة علی الارض حتی ترتع الاسود مع الابل والنمار مع البقر والذئاب والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان بالحیات لا تضرهم فیمکث اربعین سنة ثم یتوفی و یصلی علیه المسلمون"

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "تمام انبیاء اصول دین میں علاتی بھائیوں کی طرح ہیں دین سب کا ایک اور فروع دین مختلف اور میں دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام بن مریم سے زیادہ قریب ہوں اس لئے ان کے اور میرے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور بلا شبہ وہ کائنات ارضی پر اتریں گے پس جب تم ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لینا: میانہ قد، سرخ و سپید رنگ ہوگا ان کے جسم پر دو سرخی مائل رنگ کی چادریں ہوں گی ایسا معلوم ہوگا گویا فی الحال غسل کر کے آرہے ہیں اور سر سے پانی کے قطرے موتی کی طرح ٹپک پڑنے والے ہیں۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے (موجودہ عیسائیت کا خاتمہ کردیں گے) اور جزیہ اٹھادیں گے اور لوگوں کو "اسلام" کی دعوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام ادیان و ملل کو مٹادے گا اور صرف ایک ہی دین "دین اسلام" باقی رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ ان ہی کے زمانہ میں مسیح و دجال کو ہلاک کرے گا پھر کائنات میں "امانت" (امر خیر) جگہ کرلے گی حتی کہ شیر اونٹوں کے ساتھ، چیتے گائے بیلوں کے ساتھ، بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چرتے نظر آئیں گے اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور ان کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، پس عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال اس زمین پر زندہ رہیں گے پھر وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز ادا کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل حدیث روایت کی گئی ہے اس میں خروج دجال کا ذکر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک مذکور ہے۔

فاذا جاؤ الشام خرج فبیناهم یعدون للقتال یسرون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰة فینزل عیسیٰ بن مریم .....الخ

پس جب مسلمان ملک شام پہنچیں گے تو دجال کا خروج ہوگا ابھی مسلمان اس کے مقابلہ میں جنگ کی تیاریاں کر رہے ہوں گے صفیں درست کرتے ہونگے کہ نماز کے لئے اقامت ہونے لگے گی۔ اس درمیان میں عیسیٰ بن مریم کا نزول ہوگا اور وہ مسلمانوں کی امامت کا فرض انجام دیں گے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت نواس بن سمعانؓ سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں یہ مذکور ہے:

اذا بعث اللّٰه المسیح بن مریم علیهما السلام فینزل عند المنارة البیضاء الشرقی دمشق بین مهرودتین واضعاً کفیه علی اجنحة ملکین اذا طأطأ رأسه قطر و اذا رفعه تحدر منه حمان کاللؤلؤ .....الخ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

(ابھی دجال ایک مسلمان پر اپنے شیطانی کرشموں کی آزمائش کر ہی رہا ہوگا) کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہما السلام کو بھیج دے گا وہ جب کائنات ارضی پر اتریں گے تو مسجد دمشق کے مشرقی جانب کے سپید منارہ پر اتریں گے اور ان کے بند پر (سرخی مائل) گہری زرد رنگ کی دو چادریں ہوں گے (یعنی ایک بدن کے اوپر کے حصہ پر اور دوسری زیریں حصہ، بدن پر لپٹی ہوں گی) اور دو فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا لئے ہوں گے جب سر جھکائیں گے تو سر سے پانی ٹپک پڑنے لگے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو پانی کے قطرے موتیوں کی طرح پھسلیں گے (یعنی غسل کیے آرہے ہوں گے)

اور مختلف طریقہائے سند سے امام احمد نے مسند میں اور ترمذی (رحمہ اللہ) نے سنن میں حضرت مجمع بن حارثہؓ سے بسند صحیح یہ روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

یقتل ابن مریم الدجال بباب لد[1]

ابن مریم، دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔

امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں ھذا حدیثٌ صحیحٌ اور اس کے بعد ان حضرات صحابہؓ کی فہرست شمار کراتے ہیں جن سے نزول عیسیٰ علیہ السلام بن مریم اور ان کے ہاتھوں قتل دجال سے متعلق روایات کتب حدیث میں منقول ہیں فرماتے ہیں۔

اور اس باب میں حضرت عمران بن حصین، نافع بن عینیہ، ابو برزہ اسلمی، حذیفہ بن اسید، ابو ہریرہ، کیسان، عثمان بن العاص، جابر بن عبد اللہ، ابو امامہ باہلی، ابن مسعود عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سمرۃ بن جندب، نواس بن سمعان، عمرو بن عوف حذیفہ بن الیمانؓ سے بھی روایت منقول ہیں۔ (ترمذی باب نزول عیسیٰ بن مریم)

اور امام احمدؒ نے مسند میں امام مسلمؒ نے صحیح میں اور اصحاب نے سنن میں، بروایت حضرت حذیفہ بن اسیدی، نبی اکرم ﷺ سے یہ روایت نقل کی ہے:

قال اشرف علینا رسول اللّٰہ ﷺ من غرفة و نحن نتذکر الساعة فقال:

لا تقوم الساعة حتی تروا عشر ایات: طلوع الشمس من مغربها و الدخان و الدابة و خروج یاجوج و ماجوج و نزول عیسیٰ بن مریم، و الدجال و ثلثة خسوف خسف بالمشرق و خسف بالمغرب و خسف بجزیرة العرب و نار تخرج من قعر عدن تسوق و تحشر الناس تبیت معهم حیث باتوا و تقیل معهم حیث قالوا۔[2]

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں ہم (صحابہ) ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے قیامت کے متعلق بات چیت کر رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے بالاخانہ سے جھانکا اور ارشاد فرمایا "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس نشان نہ دیکھ لو گے آفتاب کا مغرب سے طلوع، دخان (دھواں) دابۃ الارض، خروج یاجوج وماجوج، عیسیٰ بن

---

[1] شہر دمشق کی شہر پناہ کا ایک دروازہ ہے۔

[2] اس حدیث میں جن علامات کا ذکر ہے وہ سب تشریح طلب ہیں مگر یہاں ان کی تشریحات بے محل ہیں اس لیے نظر انداز کر دی گئیں، عام تشریحات کتب تفسیر و حدیث میں شاہ رفیع الدین دہلوی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "علامت قیامت" میں قابل مطالعہ ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مریم کا نزول، دجال کا خروج، تین مقامات میں خسوف کا پیش آنا۔ (زمین میں دھنس جانا) مشرق میں مغرب میں اور جزیرۃ العرب میں آگ کا قعر عدن سے نکلنا جو لوگوں کو سمیٹ لے جائے گی اور جب رات کو لوگ آرام کریں گے تو وہ بھی ٹھہر جائے اور جب دوپہر کو قیلولہ کریں گے تب بھی وہ ٹھیری رہے گی۔

اور محدث ابن حاتم نے اور جلیل القدر محدث و مفسر ابن جریر طبریؒ نے بروایت حسن بصریؒ بسند صحیح حیات ونزول بن مریم سے متعلق ایک روایت نقل کی ہے اس میں ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ لليهود ان عيسىٰ لم يمت و انه راجع اليكم قبل يوم القيمة

رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا: "عیسیٰ ؑ مرے نہیں اور بلا شبہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری جانب لوٹ کر آئیں گے۔

اسی طرح ابن ابی حاتم اور ابن جریر (رحمہما اللہ) نے سورۂ نساء کی آیات متعلقہ وفد نجران کی تفسیر کرتے ہوئے اصول حدیث کے نقطہ نظر سے بہ سند حسن ایک طویل روایت ربیع بن انسؒ سے نقل کی ہے اس میں بھی بصراحت یہ مذکور ہے:

فقال لهم النبى ﷺ الستم تعلمون ان ربنا حى لا يموت وان عيسىٰ يأتى عليه الفناء۔ (تفسیر ابن جریر ج ۵)

نبی اکرم ﷺ نے وفد سے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ بلا شبہ ہمارا پروردگار زندہ ہے جس کے لئے موت نہیں ہے اور بلا شبہ عیسیٰ ؑ کو فنا (موت) سے دوچار ہونا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس جگہ لفظ "یاتی" فرمایا ہے جو مستقبل کے لئے بولا جاتا ہے لفظ "اتی" نہیں فرمایا جو ماضی کے لئے مخصوص ہے۔

اور بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں اور محدث علی متقی گجراتی نے کنزالعمال میں باسناد حسن و صحیح اس سلسلہ میں جو روایات نقل فرمائی ہیں ان میں نزول عیسیٰ ؑ کے ذکر کے ساتھ "من السماء" کا لفظ بصراحت موجود ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۳۰۱ و کنزالعمال ج ۷ ص ۲۶۸)

یہ اور اسی قسم کا کثیر ذخیرۂ حدیث ہے جو حیات نزول عیسیٰ بن مریم پیغمبر بنی اسرائیل (علیہ الصلوۃ و السلام) سے متعلق کتب حدیث و تفسیر میں منقول ہے اور جو قوت سند کے لحاظ سے صحیح اور حسن سے کم رتبہ نہیں رکھتا اور باعتبار شہرت و تواتر روایت جن کا یہ حال ہے کہ حسب تصریح امام ترمذی، حافظ حدیث عماد الدین بن کثیر، حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی اور دیگر ائمہ حدیث اور سولہ جلیل القدر صحابہؓ نے ان کو روایت کیا ہے جن میں سے بعض صحابہ کا یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تصریحات سینکڑوں صحابہؓ کے مجمع میں خطبہ دے کر فرمائیں اور یہ صحابۂ کرامؓ بغیر کسی انکار و اجنبیت کے ان روایات کو خلفاء راشدینؓ کے دور خلافت میں علی رؤس الاشہاد سناتے تھے چنانچہ ان جلیل القدر صحابہؓ سے جن ہزار ہا شاگردوں نے سنا ان میں سے یہ عظیم المرتبہ ہستیاں قابل ذکر ہیں جن میں ہر فرد روایت حدیث میں ضبط و حفظ ثقاہت علمی تجربے کے پیش نظر امامت و قیادت کا درجہ رکھتا ہے مثلاً سعید بن المسیب، نافع مولیٰ ابو قتادہ، حنظلہ بن علی الاسلمی، عبدالرحمٰن بن آدم، ابو سلمہ، ابو عمرہ، عطاء بن یسار، ابو سہیل، موثر بن غفارہ، یحییٰ بن ابی عمرو، جبیر بن نضیر، عروہ بن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مسعود ثقفی، عبداللہ بن زید انصاری، ابوزرعہ، یعقوب بن عامر، ابونصرہ ابوالطفیل (رحمہم اللہ)۔

پھر ان علماء کبار اور محدثین اعلام سے جن بے شمار تلاندہ نے سنان میں سے راویان حدیث کے طبقہ میں جن کو حدیث اور علوم قرآن کا رتبہ بلند حاصل ہے اور جو اپنے اپنے وقت کے امام الحدیث اور امیر المومنین فی الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں: ابن شہاب زہری، سفیان بن عیینہ، لیث، ابن ابی ذئب، اوزاعی، قتادہ، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ، سہیل، جبلہ بن سہیم، علی بن زید، ابورافع عبدالرحمٰن بن جبیر نعمان بن سالم، معمر عبداللہ بن عبیداللہ (رحمہم اللہ)۔

غرض ان روایات و احادیث صحیحہ کا صحابہ تابعین تبع تابعین یعنی خیر القرون کے طبقات میں اس درجہ شیوع ہو چکا تھا اور وہ بغیر کسی انکار کے اس درجہ لائق قبول ہو چکی تھیں کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول سے متعلق ان احادیث کو مفہوم و معنی کے لحاظ سے درجہ "تواتر" حاصل تھا اور اسی لئے وہ بے جھجک اس مسئلہ کو احادیث متواترہ سے ثابت اور مسلم کہتے تھے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ روایت حدیث کے تمام طبقات و درجات میں ان روایات کو "تلقی بالقبول" کا یہ درجہ حاصل رہا ہے کہ ہر دور میں اس کے رواۃ میں "ائمہ حدیث" اور روایت حدیث کے "مدار" نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان مرفوع و موقوف بر صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث اور روایات کے ناقلین میں امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ جیسے اصحابِ صحیح و سُنن، آئمۂ حدیث کے اسماءِ گرامی شامل ہیں اور وہ باتفاق ان روایات کی صحت و حسن کے قائل ہیں، چنانچہ یہ اور اسی قسم کی احادیث صحیحہ کا ذکر کرتے ہوئے مشہور محدث و مفسر ابن کثیر اپنی تفسیر میں اول یہ عنوان قائم کرتے ہیں:

ذکر الاحادیث الواردۃ فی نزول عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوۃ والسلام الی الارض من السماء فی آخر الزمان قبل یوم القیمۃ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل ص ۵۸۳،۵۷۸)

ان احادیث کا ذکر جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آسمان سے زمین پر اترنے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اور اس کے بعد سلسلہ کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

فھذہ احادیث متواترۃ عن رسول اللّٰہ ﷺ من روایۃ ابی ھریرۃ و ابن مسعود و عثمان بن العاص و ابی امامۃ والنواس بن سمعان و عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص و مجمع بن حارثۃ وابی شریحۃ و حذیفۃ بن اسید رضی اللّٰہ عنھم و فیھا دلالۃ علی صفۃ نزولہ و مکانہ .....الخ (تفسیر ابن کثیر جلد اوّل ص ۵۸۳ و ۵۷۸)

پس یہ ہیں وہ احادیث جو رسول ﷺ سے تواتر کے درجہ تک منقول ہوئی ہیں اور یہ نقلِ روایت (آپ کے صحابہ) ابوہریرہ، ابن مسعود، عثمان بن العاص، ابوامامہ، نواس بن سمعان، عبداللہ بن عمرو بن العاص، مجمع بن حارثہ، ابی شریحہ، حذیفہ بن اسیدؓ سے ثابت ہے اور ان روایات میں عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کے طریقۂ نزول اور مکان نزول سے متعلق بھی رہنمائی موجود ہے۔

ظ حدیث ابن حجر عسقلانی (نوراللہ مرقدہ) علامہ ابوالحسین آبری (رحمہ اللہ) سے نزول عیسیٰ علیہ السلام

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے متعلق احادیث کے تواتر کو فتح الباری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

قال ابو الحسن الخسعی الابری بان المهدی من هذه الامة و ان عیسیٰ یصلی خلفه.....الخ

ابوالحسن خسعی ابری سے منقول ہے کہ احادیث رسول اس بارہ میں تواتر کو پہنچ چکی ہیں کہ مہدی اسی امت میں ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

اور تلخیص الحبیر کتاب الطلاق کے ضمن میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

و اما رفع عیسیٰ فاتفق اصحاب الاخبار و التفسیر علی انه ببدنه حیًّا

لیکن رفع عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ تو تمام علماء حدیث و تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ وہ اپنے جسد عنصری کے ساتھ ہنوز زندہ ہیں (اور وہی قریب قیامت نازل ہوں گے)۔

اور محدث عصر محقق وقت علامہ سید محمد انور شاہ عقیدۃ الاسلام" میں اس "تواتر" کی تائید میں یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وللمحدث العلامة الشوکانی رسالة سماها التوضیح فی تواتر ماجاء فی المنتظر والدجال والمسیح ذکر فیها تسعة و عشرین حدیثا فی نزوله علیہ السلام ما بین صحیح و حسن و صالح هذا و ازید منه مرفوع و اما الاثار فتفوت الاحصاء الخ۔[1]

اور محدث علامہ شوکانی نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس کا نام یہ رکھا ہے "التوضیح فی التواتر ماجاء فی المنتظر والدجال و المسیح" اس رسالہ میں انھوں نے انتیس احادیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق نقل کی ہیں جو اصول حدیث کے لحاظ سے صحیح، حسن، صالح تینوں درجات کو شامل ہیں اور مرفوع احادیث اس تعداد سے بھی زیادہ موجود ہیں اور آثار صحابہؓ تو بے شمار ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی اور حیات نزول من السماء پر امت محمدیہ علیہا الصلوٰۃ والسلام) کا اجماع منعقد ہو چکا ہے چنانچہ علم عقائد و کلام کی مشہور و مستند کتاب عقیدۂ سفارینی میں امت کے اس اجماع کی تصریح موجود ہے:۔

و منهما ای من علامات الساعة العظمی العلامة الثالثة ان ینزل من السماء سید (المسیح) عیسیٰ بن مریم (علیهما السلام) ونزوله ثابت بالکتاب والسنة واجماع الامة واما الاجماع فقد اجمعت الامة علیٰ نزوله ولم یخالف فیه احد من اهل الشریعة وانما انکر ذلك الفلاسفة والملاحدة مما لا یعتد بخلافه۔[2]

اور علامات قیامت میں سے تیسری علامت یہ ہے کہ حضرت مسیح (عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) آسمان سے اتریں گے اور ان کا آسمان سے اترنا کتاب (قرآن) سنت (حدیث) اور اجماع امت سے قطعاً ثابت ہے (قرآن

۱: صفحہ ۴ حضرت استاذ کا یہ رسالہ اپنے موضوع میں بے نظیر تصنیف ہے، عربی زبان میں تحریر ہے اور علماء و طلبہ دونوں کے لیے لائق مطالعہ ہے۔ مصنف قصص القرآن اس سلسلہ کے اکثر مباحث میں اسی رسالہ کا خوشہ چین ہے۔

۲: حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ کریں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وحدیث سے نزول ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں) جہاں تک اجماع امت کا تعلق ہے تو اس میں ذرا شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے پر امت کا اجماع ہے اور اس بارہ میں پیروانِ شریعت اسلامی میں سے کسی ایک کا بھی خلاف موجود نہیں البتہ فلسفیوں ملحدوں نے نزولِ عیسیٰ کا انکار کیا ہے اور اسلام میں ان کا انکار قطعاً بے وقعت ہے۔

حیات ونزول مسیح علیہ السلام کی حکمت

گذشتہ سطور میں حیات ونزول مسیح علیہ السلام کو دلائل وبراہین کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جو ایک منصف اور طالب حق کو علم یقین عطا کرتے ہیں اب مزید طمانیت قلب کے لئے ان چند حکمتوں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو علماء حق نے اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے لیکن اس کے مطالعہ سے قبل یہ حقیقت بہر حال پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اس کی مشیت کی مصلحتوں کا احاطہ عقل انسانی کے لئے ناممکن ہے اور مخلوق، خالق کائنات کے سر اور حکم پر عبور بھی کیسے کر سکتی ہے؟ تاہم علماء امت فراست مومن اور علم حق کی راہ سے دین اور احکام دین کے اسرار و مصالح پر قلم فرسائی کرتے اور اپنی محدود دسترس کے مطابق اس موضوع پر علمی حقائق آئیں ہیں۔

اسلامی دور کی علمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دور اول میں علم الاسراء کی امامت کا شرف عمر بن الخطاب علی بن ابی طالب اور صدیقہ عائشہؓ کو حاصل تھا اور اس کے بعد اگرچہ ہر ایک صدی میں دو چار علماء ربانی اس کے ماہر و محقق رہے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ خلیفہ اموی عمر بن عبدالعزیز، امام ابو حنیفہ، علامہ عزالدین بن عبدالسلام مصری، حافظ ابن تیمیہ، امام غزالی، روحی، سید مرتضیٰ زبیدی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو اس علم سے خاص مناسبت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ان کو فطری ملکہ عطا فرمایا تھا۔

بہر حال حکمت کی حیثیت لطائف و نکات کی ہوتی ہے اور اس کو دلیل و حجت کا مرتبہ نہیں دیا جا سکتا اس لئے زیر بحث مسئلہ میں بھی "حکمت و مصلحت" کا ذکر اسی نقطۂ نظر سے سمجھنا چاہیے واللہ اعلم بالصواب ولکل شئ عندہ فصل الخطاب۔

۱) یہود بنی اسرائیل اپنی مذہبی کتابوں کی پیشینگوئیوں اور بشارتوں میں یہ پڑھ چکے تھے کہ ان کو دو شخصیتوں "مسیح ہدات" اور "مسیح ضلالت" کہہ کر رفع کر دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ آمادۂ قتل ہو گئے اور چونکہ قتل انبیاء ان کا دستور رہا تھا اس لئے وہ اس پر ہر وقت جری رہتے تھے پس جبکہ وہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

۲: صحابہ، تابعین اور تبع تابعینؒ کے تین زمانوں کو "خیر القرون" کہا جاتا ہے چونکہ نبی معصوم ﷺ نے ان تینوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

خیر القرونی قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم

سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا اس زمانہ سے قریب ہیں اور پھر اُن کا جو اس دوسرے زمانہ سے متصل ہیں۔

اور اس کے بعد فرمایا: "پھر جھوٹ کی کثرت ہو جائے گی"

یعنی ان ہر سہ ادوار کے بعد اکثریت کے اندر دینی انحطاط پیدا ہو جائے گا اور اسلامی خصوصیات اخلاق ٹ جائے گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرح ان کے قتل کے بھی قائل ہوگئے تو یہ تعجب خیز بات نہ ہوئی کہ جب مسیح ضلالت (دجال) کا خروج ہو تو یہود اس کو مسیح ہدایت کہہ کر قومی حیثیت سے اس کے پیرو ہو جائیں کیونکہ مذہبی تعلیم کے پیش نظر ان پر مسیح ہدایت کا اتباع ضروری تھا اور جب وہ مسیح ہدایت کو مسیح ضلالت کہہ کر قتل کر چکے تو اب مسیح ضلالت کو ہی اس دعوے کے مطابق مسیح ہدایت تسلیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے مگر مشیت الٰہی فیصلہ کر چکی تھی کہ مسیح ضلالت کی گمراہی کا فتنہ چونکہ عظیم الشان ہوگا اور وہ اول خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے بعد مسیح ہدایت بنے گا اس لئے اس کا خروج قیامت کے قریب ہی ہونا چاہیے جو دور فتن یعنی فتنوں کی آماجگاہ ہوگا اس لئے حکمت الٰہی کا یہ بھی منشاء ہوا کہ "مسیح ہدایت" کو یہود کے فتنہ سے اس طرح بچالیا جائے کہ وہ اس کو ہاتھ بھی نہ لگا سکیں اور جب وہ وقت آپہنچے کہ مسیح ضلالت اپنی گمراہی کا علم بلند کرے تو مسیح ہدایت ملاء اعلیٰ سے کائنات ارضی پر اترے اور یہود بنی اسرائیل کو جو کہ بہ تعداد کثیر مسیح ضلالت کے پیرو ہو رہے ہوں گے اپنی آنکھوں سے حق و باطل کا مشاہدہ کرلیں اور جب مسیح ہدایت کے مقدس ہاتھوں سے مسیح ضلالت کا خاتمہ ہو جائے تو جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق الیقین بن کر ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے اور اس طرح قبول حق کے ماسوا ان کے لئے دوسرا چارہ کار باقی ہی نہ رہے اور یا پھر وہ بھی مسیح ضلالت کے ساتھ "فی النار" کر دیے جائیں۔

نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ادیان و ملل کی تاریخ میں صرف یہود ہی ایک ایسی جماعت ہے جس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کرنے سے ہاتھ نہیں روکا لیکن حضرت موسیٰ ؑ کے بعد یہود نے جن انبیاء کے خون ناحق سے ہاتھ رنگے تھے وہ صرف "نبی" ہی تھے جو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مصداق تھے مگر کوئی صاحب شریعت رسول ان کے اس قتل ناحق کا مظلوم نہیں بنا تھا اس لئے یہ پہلا موقع تھا کہ انھوں نے ایک جلیل القدر رسول (عیسیٰ بن مریم علیہم السلام) کو قتل کرنے کا نہ صرف ارادہ کیا بلکہ دنیوی اسباب کے لحاظ سے مکمل تیاری کرلی تھی تب مشیت حق نے یہ فیصلہ کیا کہ مسیح ہدایت کو اس طرح بچالیا جائے کہ خود یہود کو بھی محسوس ہو جائے کہ وہ مسیح بن مریم علیہم السلام پر دسترس نہ پاسکے لہٰذا فیصلۂ مشیت بروئے کار آیا اور حضرت مسیح ؑ کو ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھالیا گیا اور تمام دنیوی اسباب ہیچ ہو کر رہ گئے لیکن اس احساس کے باوجود چونکہ حقیقت حال تک نہ پہنچ سکے اور ظن و گمان ہی کے قعر میں پڑے رہے گو اپنی بات رکھنے کے لئے مشہور یہی کرتے رہے کہ ہم نے مسیح بن مریم کو قتل کر دیا۔ ادھر متبعین مسیح ہدایت (نصاریٰ) کی بدبختی دیکھئے کہ کچھ عرصہ کے بعد پولوس رسول نے ان میں عقیدۂ تثلیث و کفارہ کی بدعت پیدا کر کے یہود کے گھڑے ہوئے افسانہ صلیب کو بھی داخل عقیدہ کر دیا اور اب یہود و نصاریٰ دونوں جماعتیں اس گمراہی میں مبتلا ہو گئیں کہ عیسیٰ بن مریم علیہم السلام صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیے گئے تب قرآن عزیز نے نازل ہو کر حق و باطل کے درمیان فیصلہ سنایا اور حضرت مسیح ؑ کے متعلق دونوں جماعتوں نے جو دو الگ الگ رخ اختیار کیے تھے اور پھر ایک مسئلہ میں دونوں کا اتفاق بھی ہو گیا تھا ان سب کے متعلق علم یقین کے ذریعہ حقیقت حال کو واشگاف اور دونوں کی گمراہی کو واضح کر کے قبول حق کے لئے دعوت دی مگر جماعتی حیثیت سے دونوں نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انکار کر دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق اپنے اپنے گمراہ کن عقیدہ پر قائم رہے مگر عالم الغیب والشہادہ چونکہ ان حقائق کا ان کے وقوع سے قبل عالم و دانا تھا، اسلئے اس کی حکمت کا یہ تقاضہ ہوا کہ مسیح ہدایت کو کائنات ارضی پر اس وقت دوبارہ بھیجا جائے جب مسیح ضلالت کا بھی خروج ہو چکے تاکہ یہود و نصاریٰ کے سامنے حقیقت حال مشاہدہ کے درجہ میں روشن ہو جائے یہود آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جس کے قتل کے مدعی تھے قدرت الٰہی کے کرشمے کی بدولت وہ بقید حیات موجود ہے اور نصاریٰ نادم ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی سچی پیروی چھوڑ کر جو گمراہ کن عقیدہ اختیار کیا تھا وہ سر تاپا باطل اور ہیچ تھا اور اس طرح ہدایت و ضلالت کے معرکہ میں حق کی سربلندی اور باطل کی پستی کا دونوں مشاہدہ کر کے قرآن عزیز کی تصدیق پر مجبور ہو جائیں اور دونوں جماعتیں "ایمان حق" کو برضاء و رغبت اختیار کر لیں اور اپنے باطل عقائد پر شرمسار و سرنگوں ہو جائیں اور چونکہ ان دونوں جماعتوں کے علاوہ ہدایت و ضلالت کا یہ مشاہدہ و مظاہرہ دوسرے اہل باطل بھی کریں گے اس لئے وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے اور اس طرح احادیث صحیحہ کے مطابق اس زمانہ میں کائنات ارضی کا صرف ایک ہی مذہب ہوگا اور وہ "اسلام" ہوگا۔

هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○

ادیان و ملل کی تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور معاندین حق کے درمیان "سنۃ اللہ" یہ رہی کہ جب قوموں نے اپنے پیغمبر کو ایذا دی اور ان کے ساتھ تمسخر کو اپنا نصب العین بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کرنے کی بجائے اپنے پیغمبروں کو یہ حکم دیا کہ وہ خدا کی راہ میں وطن چھوڑ دیں اور ہجرت کر جائیں چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر وہ ہیں جنہوں نے قوم[1] کے سامنے یہ اعلان کیا اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور عراق سے شام کی جانب ہجرت فرما گئے۔

پھر یہی صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آئی اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے شام کو ہجرت کر گئے مگر فرعون اور اس کے لشکریوں نے چونکہ مزاحمت کی اور ہجرت کے بھی آڑے آئے اس لئے وہ بحر قلزم میں غرق کر دیے گئے۔

اور یہی صورت نبی اکرم محمد ﷺ کو پیش آئی کہ جب قریش مکہ نے اذیت تمسخر دین حق کے ساتھ تصادم اعمال دین کی مزاحمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تب مشیت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ آپ ﷺ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر جائیں چنانچہ ہر قسم کی نگرانی اور مکان کے ہر طرف محاصرہ کے باوجود کرشمۂ قدرت سے آپ ﷺ محفوظ و مامون مدینہ ہجرت کر گئے۔

"سنت اللہ" کے اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور ان کی قوم بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ اور ان کی دعوت حق کے ساتھ بھی وہ سب کچھ کیا جو معاندین حق اور دشمنان دین اپنے پیغمبروں کے

۱: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم نہیں تھی اسلئے کہ یہ بنی سام (سامی) تھے اور نمارودۂ عراق اور ان کی قوم بنی حام (حامی) تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ساتھ کرتے رہے تھے اور ان میں ایک یہ خصوصیت زیادہ تھی کہ وہ حضرت مسیح سے قبل چند انبیاء کو قتل تک کر چکے تھے اور اب حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کے درپے تھے اسی کے ساتھ یہ مسطورۂ بالا حقیقت بھی فراموش نہیں رہنی چاہیے کہ یہود مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت دو مسیح کے منتظر تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن مریم کو مسیح ضلالت قرار دے کر آج بھی مسیح ہدایت کے منتظر ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہجرت کائنات ارضی کی بجائے ملاء اعلیٰ کی جانب ہو تاکہ مقررہ وقت آنے پر وہ مسیح ہدایت اور مسیح ضلالت کے درمیان مشاہدہ سے امتیاز کر سکیں اور ایک جانب اگر مسیح ہدایت کو سمجھیں تو دوسری جانب قرآن کے فیصلۂ حق کو صداقت و حقانیت کو دیکھ کر دین حق "اسلام" کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور ساتھ ہی نصاریٰ کو بھی اپنی جہالت اور یہود کی کورانہ تقلید پر ندامت ہو اور وہ بھی تعلیم قرآن کی صداقت پر یقین و اعتقاد کے ساتھ شہادت دینے پر آمادہ ہو جائیں۔

کچھ عجیب صورت حال ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے درمیان دعوت و تبلیغ حق اور معاندین کی جانب سے حق کی معاندت و مخالفت اور پھر اس کے نتائج و ثمرات میں بہت ہی زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے دونوں کی اپنی قوم نے دونوں کو جھٹلایا دونوں کی قوموں نے سازش قتل کے بعد مکانوں کا محاصرہ کیا قدرت حق کے کرشمۂ اعجاز نے دونوں کو دشمنوں کی دسترس سے ہر طرح محفوظ رکھا دونوں کے لئے ہجرت کا معاملہ پیش آیا البتہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت چونکہ بعثت عامہ تھی اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لئے ذات اقدس ﷺ کا کرۂ ارضی پر قیام مسلسل ضروری تھا، اس لئے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کا حکم ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہما السلام چونکہ قوم کو دعوت حق پہنچا چکے تھے اور ایک خاص مقصد عظیم کے پیش نظر ان کا مدت مدید کے بعد کائنات ارضی پر موجود ہونا ضروری تھا اس لئے ان کو ہجرت ارضی کی بجائے ہجرت سماوی پیش آئی پھر جس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانہ کے قائد ضلالت امیہ بن خلف کو اپنے حربہ سے قتل کیا عیسیٰ بن مریم علیہم السلام بھی قوم کے مسیح ضلالت دجال کو قتل کریں گے اور جس طرح نبی اکرم ﷺ کو ہجرت کے بعد آپ کے وطن مکہ پر قدرت حق نے اقتدار عطا فرمادیا، عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کا نزول بھی شام ہی کے اس مشہور شہر میں ہو گا جس سے اپنی قوم کی معاندانہ سازشوں کی بناء پر ملاء اعلیٰ کی جانب ہجرت پیش آئی تھی اور بیت المقدس، دمشق اور شام کے پورے ملک پر یہود کے علی الرغم ان کی حکومت ہو گی۔ (خلاصہ از عقیدۃ الاسلام)

۳) حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے قتل انبیاء علیہم السلام نے یہود کو اس درجہ گستاخ اور بے باک بنادیا تھا کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کسی ہستی کے متعلق یہ فیصلہ کہ وہ نبی صادق ہے یا متنبّی کاذب ہمارے ہاتھ میں ہے اور جس کو ہم اور ہمارے فقیہ کاذب قرار دیدیں وہ واجب القتل ہے چنانچہ اسی زعم باطل میں انھوں نے عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو مسیح ضلالت کہا اور ان کے فقیہوں نے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا حالانکہ یہ وہ جلیل القدر ہستی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں اس پایہ کا کوئی پیغمبر مبعوث ہی نہیں ہوا تھا اور اس نے جدید پیغام حق (انجیل) کے ذریعہ روحانیت کی مردہ کھیتی میں دوبارہ جان ڈال دی تھی تب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے اس زعم باطل کو پاش پاش کر دیا جائے اور دکھایا جائے کہ رب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

العالمین خالق کائنات جس کی حفاظت کا وعدہ کر لے کائنات کی کوئی ہستی یا مجموعہ کائنات بھی اس پر دسترس نہیں پا سکتی چنانچہ یدِ قدرت نے اس وقت اس مقدس ہستی کو کو جسد عنصری کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جبکہ مکان کے محاصرہ کے ساتھ دشمنوں نے اس کی حفاظت جان کے تمام وسائل دنیوی مسدود کر دیے تھے۔

پھر اس واقعہ نے ایک نئی صورت پیدا کر دی وہ یہ کہ مذاہب کی تاریخ میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی شخصیت ایسی ہے جن کے قتل و عدم قتل کے متعلق حق و باطل کے درمیان سخت اختلاف پیدا ہوا اور یہود و نصاریٰ کے باہم واقعہ صلیب و قتل پر اتفاق کے باوجود باطل اور متضاد عقائد کی کشمکش نظر آنے لگی۔

یہود قتل و صلیب کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک وہ "مسیح ضلالت" تھے اور نصاریٰ وجہ صلیب یہ بتاتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے تھے جو کائنات کے گناہوں کا کفارہ بننے کے لئے بھیجے گئے تھے تاکہ پاپی دنیا پاپ سے پاک ہو جائے اور صدیوں بعد جب قرآن نے "امر حق" کو واضح اور مسیح بن مریم علیہم السلام سے متعلق حقیقت حال کو روشن کیا تب بھی دونوں جماعتوں نے جماعتی حیثیت سے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا قدرت حق کا فیصلہ ہوا کہ خود مسیح بن مریم علیہم السلام ہی وقت موعود پر نازل ہو کر قرآن کے فیصلہ کی تصدیق کر دیں اور یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا خود بخود اس طرح خاتمہ ہو جائے اور اس کے بعد مدعیان اہل کتاب کو شرک و باطل کی پیروی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور خدا کی حجت ان پر تمام ہو جائے نیز جبکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات ہست و بود کے لئے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ خدا کی ہستی کے ماسوا ہر ایک وجود کو فنا اور موت ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ، كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ اور یہ ظاہر ہے کہ ملاء اعلیٰ و رعالم قدس مقام موت نہیں ہے بلکہ مقام حیات ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہم السلام بھی موت کا ذائقہ چکھیں اور اس کے لئے کائنات ارضی پر اتریں تاکہ زمین کی امانت زمین ہی کی سپرد ہو اس لئے "حیات و رفع" کے بعد "نزول ارضی" مقدور ہوا۔ (فتح الباری ج ۱)

علماء حق نے حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو "اسرار و حکم" بیان فرمائے ہیں یہاں ان کا احاطہ مقصود نہیں ہے اس لئے مختصر چند حکمتوں کا ذکر کر دیا گیا ورنہ محدث عصر علامہ سید محمد انور شاہ نور اللہ مرقدہ نے اس سلسلہ میں ایک طویل مقالہ عقیدہ الاسلام میں سپرد قلم فرمایا ہے جو لائق مطالعہ ہے حضرت استاد نے نہایت لطیف مگر دقیق پیرایۂ بیان میں کائنات عالم کو "انسان کبیر" اور انسان کو "عالم صغیر" قرار دے کر ان ہر دو عالم کی حیات و موت جو بحث فرمائی ہے اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع اور قربِ قیامت میں کائناتِ ارضی کی جانب رجوع کی حکمت بہت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے لیکن یہ کتاب چونکہ اس دقیق بحث کی متحمل نہیں ہے اس لیے اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہے۔

آخر میں اب اپنی جانب سے چند جملے اس سلسلہ میں اضافہ کر کے اس مبحث کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:-

۴: قرآن عزیز میں "میثاقِ انبیاء" سے متعلق یہ ارشادِ باری ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ قَالُوْٓا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشَّاهِدِيْنَ ○

(سورۂ آل عمران پ ۳ ع ۹)

اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ اللہ نے نبیوں سے (یہ) عہد لیا کہ جب تمہارے پاس (خدا کی جانب سے) کتاب اور حکمت آئے پھر ایسا ہو کہ تمہاری موجودگی میں ایک رسول (محمد ﷺ) آئے جو تصدیق کرتا ہو ان کتابوں کی جو تمہارے پاس ہیں ضرور تم اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، اللہ نے کہا: کیا تم نے اقرار کیا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، "ہم نے اقرار کیا" اللہ نے کہا: پس تم اپنے اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

آل عمران کی ان آیات میں حسبِ تفسیر حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اس عہد و پیمان کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے متعلق انبیاء و رسل علیہم السلام سے لیا، قرآن کے اسلوبِ بیان کے مطابق اگرچہ یہ خطاب انبیاء و رسل کی معرفت ان کی امتوں سے تھا کہ ان میں سے جو امتیں خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانۂ مبارک پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور دعوتِ حق میں ان کی نصرت و یاوری کریں چنانچہ ہر ایک پیغمبر نے اپنے اپنے دور میں تعلیم حق کے ساتھ ساتھ خدا کے اس وعدہ کو بھی یاد دلایا اور ان میں سے اہلِ حق نے وعدہ دیا اور اقرار کیا کہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اور پیغام حق میں ان کی مدد کریں گے۔

تو یہ "میثاق النّبیین" اگرچہ اس طرح پورا ہوتا رہا تاہم ازل میں چونکہ اس عہد و میثاق کے اول مخاطب حضراتِ انبیاء و رسل تھے اس لیے اس میثاق کی عملی حیثیت کا تقاضا تاکہ خود انبیاء و رسل میں سے بھی کوئی نبی یا رسول اس عہد و میثاق کا عملی مظاہر کر کے دکھائے تاکہ یہ خطاب اولین براہ راست بھی مؤثر ثابت ہو مگر "ثم جاء کم رسول" بقاعدۂ عربیت خطاب تھا ان تمام انبیاء و رسل سے جو ذاتِ اقدس ﷺ سے پہلے اس کائناتِ ارضی میں مبعوث ہونے والے تھے کیونکہ ازل ہی میں محمد ﷺ کی صفت "خاتم النّبیین" اور ازل سے مقدر "میثاق النّبیین" کا اجتماع صرف اسی ایک شکل میں ممکن تھا کہ انبیاءِ سابقین میں کوئی ایک پیغمبر بعثت محمد ﷺ کے بعد نزول فرمائیں اور وہ اور ان کی امت دنیاءِ انسانی کے سامنے خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائیں اور "دینِ حق" کی مدد و نصرت کا مظاہرہ کریں تاکہ لَيُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ کا وعدۂ حق پورا ہو۔

گذشتہ صفحات میں یہ حقیقت بخوبی عیاں ہو چکی ہے کہ اگرچہ تمام انبیاء و رسل اپنے اپنے زمانہ میں محمد ﷺ کی بشارات دیے چلے آتے تھے لیکن یہ خصوصیت حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام ہی کے حصہ میں آئی کہ وہ ذاتِ اقدس

۱: عن علی و ابن عباس فی تفسیر اٰیة " ما بعث اللّٰه نبیاً من الانبیاء الا اخذ علیه المیثاق لئن بعث اللّٰه محمداً و هو حی لیؤمنن به ولینصرنه و امره ان یأخذ المیثاق علی امته لئن بعث محمد و هم احیاء لیؤمنن به ولینصرنه۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے جس نبی کو بھی کسی قوم کی رشد و ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا تو اس سے یہ عہد ضرور لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اس وقت زندہ ہو جبکہ محمد ﷺ کی بعثت ہو گی تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا اور ان سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی اپنی امتوں سے بھی یہی عہد و پیمان لیں کہ ان میں سے جو اس وقت موجود ہوں وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی مدد کریں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ﷺ کی بعثت کے لیے تمہید اور براہ راست منادا ور مُبشّر بنے اور بنی اسرائیل کو تعلیم حق دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ

اور حقیقت یہ ہے کہ خاتم انبیاءِ بنی اسرائیل ہی کا یہ حق تھا کہ وہ خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کی بعثت کا "منادا اور مبشّر" ہو اس لیے حکمتِ ربانی کا یہ فیصلہ ہوا کہ میثاق النّبیین کے وقار کے لیے ان ہی کو منتخب کیا جائے اور اس معاملہ میں وہی تمام انبیاء ورسل کی نمائندگی کریں تاکہ امتوں کی جانب سے ہی نہیں بلکہ براہِ راست انبیاء ورسل کی جانب سے وفاءِ عہد کا عملی مظاہر ہو سکے، اسی حقیقت کے پیشِ نظر نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

"انا اولی الناس بعیسیٰ ابن مریم و الانبیاء اولاد علات لیس بینی و بینه نبیّ"

مگر قرآن چونکہ خدا کا آخری پیغام ہے اور إِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدۂ الٰہی نے رہتی دنیا تک اس کو تحریف سے محفوظ کر دیا ہے اس لیے تدریجی طور پر کی تعلیم کے ثمرات دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلہ میں مدتِ طویل تک اپنا کام کرتے رہیں گے اور اس کی روشنی سے قلوب کو گرمانے اور طاعت ربانی کے لیے مشتعل کرنے کے لیے "علماءِ امت" انبیاءِ بنی اسرائیل کی طرح خدمتِ حق انجام دیتے رہیں گے۔ لیکن جب بعثت محمد ﷺ کو گذرے ہوئے بہت ہی طویل عرصہ ہو جائے گا اور امتِ مرحومہ کے عملی قویٰ اور اجتماعی اعضاء میں انتہائی اضمحلال پیدا ہو کر یہ کیفیت ہو جائے گی کہ ان کی بیداری اور تیز روی کے لیے صرف علماءِ حق کی روحانیت ہی کافی ثابت نہیں ہو گی وہ وقت اس کا متقاضی ہو گا کہ کوئی "قائم بالحجۃ" ان کو سنبھالے اور اس لیے مشیتِ الٰہی نے مقدر کیا کہ جو ہستی (عیسیٰ بن مریم علیہما السلام) انبیاء ورسل کے مثاقِ ازل کی نمائندگی کے لیے مامور ہے اس کا ایسے ہی وقت نزول ہو اور وہ امت محمد ﷺ کے درمیان رہ کر ذات اقدس کی نیابت اور امت کی امامت کا فرض انجام دے اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ کا عملی مظاہرہ کر کے دکھائے۔

اب کرشمۂ قدرت دیکھیے کہ ازل کے ان مقدرات نے جو کہ ملاءِ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے کائناتِ ارضی میں کس طرح اپنی بساط بچھائی؟ اور بنی اسرائیل اپنے جلیل القدر پیغمبر کے قتل کے لیے سازش مکمل کر چکے ہیں، شاہی دستہ چہار جانب سے مکان کو محصور کیے ہوئے ہیں، مگر قدرتِ حق اپنا کام اس طرح نہیں کرتی کہ معجزانہ کرشمہ کے ذریعہ ان کو محفوظ وہاں نکال کر خدا کی وسیع زمین کے دوسرے حصہ میں "ہجرت" کر دیتی، نہیں بلکہ ہوا یہ کہ ان کو ملاءِ اعلیٰ کی ہجرت کے لیے محفوظ و مامون زندہ اٹھالیا اور سازش و محصور کرنے والوں کو ظن وریب کی دلدل میں پھنسا کر ان کو خسر الدنیا و الآخرۃ کا نشان عطا کر دیا اور پھر ارضی انسان کے ارضی احکام کے لیے وہ وقت مقرر کر دیا جو "میثاق النّبیین" کی نمائندگی کے لیے موزوں تھا، یہی وہ حقیقت ہے جس کو زبانِ وحی ترجمان نے اس طرح ظاہر فرمایا:

و الذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا

اور اسی کو نصِ قرآن نے یوں واضح کیا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ السَّاعَةِ

پھر یہ ہستی میثاق انبیاء ورسل کی نمائندگی کا اس طرح حق ادا کرے گی کہ جب اس کا نزول ہو گا تو اس کرشمۂ قدرت کو دیکھ کر مسلمانوں کے قلوب تصدیق قرآن اور تازگی ایمان سے روشن ہو جائیں گے اور وہ حق الیقین کے درجہ میں یقین کریں گے کہ بلاشبہ راہِ مستقیم صرف "اسلام" ہی ہے، اور مخبرِ صادق کی جس طرح یہ "خبر" صادق نکلی عالم غیب سے متعلق اس کی تمام خبریں اسی طرح اور بلاشبہ حق ہیں، اور نصاریٰ بحیثیتِ قوم اپنے باطل عقیدۂ "تثلیث" و "کفارہ" پر نادم وشرمسار ہوں گے اور قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لانے کو اپنے لیے راہِ نجات اور راہِ سعادت یقین کریں گے اور یہود جب مسیح ہدایت اور مسیحِ ضلالت کے معرکۂ حق وباطل کا مشاہدہ کر لیں گے اور مسیحِ ہدایت کے نزول سے اپنے دعوئے قتل وصلیب کے ملعون عقیدہ کو باطل پالیں گے تو اب ان کو بھی "ایمان بالحق" کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا اور مسیح ضلالت کے رفقاء کے علاوہ وہ سب ہی "مسلم" بن جائیں گے یہی ہے قرآن کی وہ خبرِ صادق:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ

مسلمانوں میں ایمان کی تازگی و شگفتگی، نصاریٰ اور یہود میں تبدیلی عقائد کا حیرت انگیز انقلاب دیکھ کر اب مشرک جماعتوں پر بھی قدرتی اثر پڑے گا اور ساتھ ہی خدا کے مقدس پیغمبر کے زبردست روحانی اثرات کارفرما ہوں گے اور نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو جائیں گے اور اس طرح وحی ترجمان، حامل قرآن محمد ﷺ کا یہ ارشاد اپنی صداقت کو نمایاں کرے گا:

ویدعوا الناس الی الاسلام و یهلك اللّٰه فی زمانه الملل کلها الا الاسلام و یهلك اللّٰه فی زمانه الدجال۔

اس تفصیل سے یہ بھی روشن ہو گیا کہ قرآن اور احادیث کی تصریحات ثابت کر رہی ہیں کہ اگر اس فرض کی انجام دہی کے لیے کوئی جدید نبی مبعوث ہوتا تو ایک جانب نبی اکرم ﷺ کا خصوصی شرف "خاتم النّبیین" باقی نہ رہتا اور دوسری طرف "میثاق النّبیین" کے خطاب اولین کا عملی مظاہر عالم وجود میں نہ آتا، کیونکہ وہ ہستی بہر حال محمد ﷺ کی امت ہی میں سے ہوتی۔ البتہ سابقہ نبی کی آمد نقلاً اور عقلاً دونوں حیثیت سے شرفِ خصوصی "خاتم النّبیین" کے لیے بھی قادح نہیں ہے اور میثاق النّبیین" کو بھی پورا کرتی ہے۔

واقعاتِ نزول صحیح احادیث کی روشنی میں

گذشتہ صفحات میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق جو صحیح احادیث ذکر کی گئیں اور ان سے اور بعض دوسری صحیح احادیث سے جو تفصیلات ظاہر ہوتی ہیں ان کو ترتیب کے ساتھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:-

قیامت کا دن اگرچہ معین ہے مگر ذاتِ باری کے ماسوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے اور اس کا وقوع اچانک ہو گا،

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

اور قیامت کو علم خدا ہی کو ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً
حتیٰ کہ ان پر اچانک قیامت کی گھڑی آجائے گی
لَا تَأْتِيكُمْ اِلَّا بَغْتَةً
قیامت ان پر نہیں آئے گی مگر اچانک

اور حدیث جبرئیل میں ہے "ماالمسئول عنها باعلم من السائل" (آپؐ نے کہا) "قیامت کے بارہ میں آپ سے زیادہ مجھے بھی علم نہیں، جو اجمالی علم آپ کو ہے اُسی قدر مجھ کو بھی ہے"۔ اور ایک اور حدیث میں ہے:

سمعت رسول ﷺ يقول قبل ان يموت بشهر: تساء لون عن الساعة و انما علمها عند الله۔

تم مجھ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہو تو اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے

البتہ قرآن عزیز اور احادیثِ صحیح نے چند ایسی علامات بیان کی ہیں جو قیامت کے قریب پیش آئیں گی اور ان سے صرف اس کے نزدیک ہو جانے کا پتہ چل سکتا ہے، انِ "اشراطِ ساعت" میں سے ایک بڑی علامت حضرتِ مسیح علیہ السلام کا ملاءِ اعلیٰ سے نزول ہے جس کی تفصیلات یہ ہیں:-

"مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان سخت معرکۂ جنگ بپا ہو رہا ہو گا اور مسلمانوں کی قیادت و امامت سُلالۂ رسول ﷺ میں سے ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو گی جس کا لقب "مہدی" ہو گا۔ اس معرکہ آرائی کے درمیان ہی میں مسیحِ ضلالت "دجال" کا خروج ہو گا، یہ نسلاً یہودی اور یک چشم ہو گا، کرشمۂ قدرت نے اس کی پیشانی پر (ک،ا،ف،ر) کافر لکھ دیا ہو گا جس کو اہل ایمان فراستِ ایمانی سے پڑھ سکیں گے اور اس کے دجل و فریب سے جدا رہیں گے۔ یہ اول خدائی کا دعویٰ کرے گا اور شعبدہ بازوں کی طرح شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی جانب توجہ دلائے گا، مگر اس سلسلہ کو کامیاب نہ دیکھ کر کچھ عرصہ کے بعد "مسیح ہدایت" ہونے کا مدعی ہو گا، یہ دیکھ کر یہود بکثرت بلکہ قومی حیثیت سے اس کے پیرو ہو جائیں گے، اور یہ اس لیے ہو گا کہ یہود، مسیحِ ہدایت کا انکار کر کے ان کے قتل کا ادعاء کر چکے ہیں اور مسیح ہدایت کی آمد کے آج تک منتظر ہیں، اسی حالت میں ایک روز دمشق (شام) کی مسجد جامع میں مسلمان منہ اندھیرے نماز کے لیے جمع ہوں گے، نماز کے اقامت ہو رہی ہو گی اور مہدی موعود امامت کے لیے مصلے پر پہنچ چکے ہوں گے، کہ اچانک ایک آواز سب کو اپنی جانب متوجہ کر لے گی، مسلمان آنکھ اٹھا کر دیکھیں گے تو سپید بال چھایا ہوا نظر آئے گا اور تھوڑے سے عرصہ میں یہ مشاہدہ ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام دو زرد حسین چادروں میں لپٹے ہوئے اور فرشتوں کے بازوؤں پر سہارا دیے ہوئے ملاءِ اعلیٰ سے اتر رہے ہیں، فرشتے ان کو مسجد کے منارۂ شرقی پر اتار دیں گے اور واپس چلے جائیں گے، اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق کائناتِ ارضی کے ساتھ دوبارہ وابستہ ہو جائے گا اور وہ عام قانونِ فطرت کے مطابق صحن مسجد میں اترنے کے لیے سیڑھی کے طالب ہوں گے، فوراً

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تعمیل ہو گی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز کی صفوں میں آ کھڑے ہوں گے، مسلمانوں کا امام (مہدی موعود) ازراہِ تعظیم پیچھے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے امامت کی درخواست کرے گا، آپ فرمائیں گے کہ یہ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے اس لیے تم ہی نماز پڑھاؤ، فراغت نماز کے بعد اب مسلمانوں کی امامت حضرتِ مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں میں آجائے گی اور وہ حربہ لے کر مسیح ضلالت (دجال) کے قتل کے لیے روانہ ہو جائیں گے اور شہر پناہ سے باہر اس کو بابِ لُدّ پر مقابل پائیں گے، دجال سمجھ جائے گا کہ اس کے دجل اور زندگی کے خاتمہ کا وقت آپہنچا، اس لیے خوف کی وجہ سے رانگ کی طرح پگھلنے لگے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ کر اس کو قتل کر دیں گے اور پھر یہود، دجال کی رفاقت میں قتل سے بچ جائیں گے وہ اور عیسائی سب "اسلام" قبول کر لیں گے اور مسیحِ ہدایت کی سچی پیروی کے لیے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آئیں گے، اس کا اثر مشرک جماعتوں پر بھی پڑے گا اور اس طرح اس زمانہ میں اسلام کے ماسوا کوئی مذہب باقی نہیں رہے گا۔

ان واقعات کے کچھ عرصہ بعد یاجوج وماجوج کا خروج ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھیں گے، حضرت مسیح علیہ السلام کا دورِ حکومت چالیس سال[1] رہے گا اور اس درمیان وہ ازدواجی زندگی بسر کریں گے اور ان کے دورِ حکومت میں عدل وانصاف اور خیر وبرکت کا یہ عالم ہو گا کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے اور بدی اور شرارت کے عناصر دب کر رہ جائیں گے۔

(ماخوذ از صحیح احادیث عن ابن عساکر فی تاریخہ)

وفات مسیح علیہ السلام

چالیس سالہ دورِ حکومت کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو جائے گا اور نبی اکرم ﷺ کے پہلو میں دفن ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی طویل حدیث میں ہے:

فیکمث اربعین سنة ثم یتوفیٰ و یصلّٰی علیه المسلمون و یدفنونه۔[2]

پھر وہ کائنات ارضی پر اتر کر چالیس سال قیام کریں گے اور اس کے بعد وفات پا جائیں گے اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے اور اس کو دفن کریں گے۔

اور ترمذی نے بسند حسن محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام کے سلسلہ سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:

قال مکتوبٌ فی التوراة صفة محمد و عیسیٰ ابن مریم یدفن معه۔

۱: اور مسلم میں ہے کہ دورِ حکومت سات سال رہے گا۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب مسیح علیہ السلام کا رفع سماوی ہوا اُس وقت ان کی عمر تینتیس سال تھی اور نزول کے بعد سات سال مزید بقیدِ حیات رہیں گے، اس طرح کائنات ارضی میں کل مدتِ حیات چالیس سال ہو جائے گی۔

۲: اس سے قبل یہ حدیث مکمل نقل کی گئی ہے۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، امام احمد نے مسند میں، ابوداؤد نے سنن میں ابن جریر نے تفسیر میں اور ابن حبان نے صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے ۱۲۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عبداللہ بن سلامؓ نے فرمایا، تورات میں محمد ﷺ کی صفت (حلیہ و سیرت) مذکور ہے اور یہ بھی مسطور ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام ان کے ساتھ (پہلو میں) دفن ہوں گے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

سورۂ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے مختلف حالات کا تذکرہ کیا گیا ہے پھر آخر سورۃ بھی ان ہی کے تذکرہ پر ختم ہوتی ہے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اول قیامت کے اس واقعہ کا نقشہ کھینچا ہے جب انبیاء علیہم السلام ان کی امتوں کے متعلق سوال ہو گا اور وہ غایت ادب سے اپنی لا علمی کا اظہار کریں گے اور عرض کریں گے خدایا! آج کا دن تو نے اس لئے مقرر فرمایا ہے کہ ہر معاملہ میں حقائق امور کے پیش نظر فیصلہ سنائے اور ہم چونکہ صرف ظواہر ہی پر کوئی حکم لگا سکتے ہیں اور قلوب اور حقائق کا دیکھنے والا تیرے سوا کوئی نہیں اس لئے آج ہم کیا شہادت دے سکتے ہیں صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تو علام الغیوب ہے اس لئے تو ہی سب کچھ جانتا ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

وہ دن (قابل ذکر ہے) جبکہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر کہے گا تم (اپنی اپنی امتوں کی جانب سے) کیا جواب دیئے گئے؟ وہ (پیغمبر) کہیں گے (تیرے علم کے سامنے) ہم کچھ نہیں جانتے بلاشبہ تو ہی غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا "لا علم لنا" فرمانا علم حقیقی کی نفی پر ہی مبنی ہو گا یہ مطلب نہیں ہو گا کہ وہ در حقیقت اپنی امتوں کے جواب سے لا علم ہیں کہ کس نے ایمان کو قبول کیا اور کس نے انکار کیا کیونکہ جواب کا مقصد اگر یہ ہو تو یہ صریح جھوٹ کذب بیانی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی جانب اس عمل بد کی نسبت ناممکن ہے اس لئے انبیاء علیہم السلام کا یہ جواب مسطورۂ بالا حقیقت کے ہی پیش نظر ہو گا ظاہر حالات کے علم سے انکار پر مبنی نہیں ہو گا اس کے لئے خود قرآن عزیز ہی شاہد عدل ہے کیونکہ وہ متعدد جگہ یہ کہتا ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں پر شہادت دیں گے کہ ہم نے ان تک خدا کا پیغام پہنچا دیا تھا اور یہ کہ انہوں نے ہماری دعوت کو قبول کیا یا رد کر دیا۔ تو ان ہر دو مقامات پر نظر رکھنے کے بعد یوں کہا جائے گا کہ پاس ادب کے طریقہ پر اول انبیاء علیہم السلام کا یہی جواب ہو گا جو مائدہ میں مذکور ہے لیکن جب ان کو خدائے برتر کا یہ حکم ہو گا کہ وہ صرف اپنے علم کے مطابق شہادت دیں گے تب وہ شہادت دیں گے

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○

پھر (اے پیغمبر!) کیا حال ہو گا اس دن (یعنی قیامت کے دن) جب ہم ہر ایک امت سے ایک گواہ طلب کریں گے (یعنی اس کے پیغمبر کو طلب کریں گے جو اپنی امت کے اعمال و احوال پر گواہ ہو گا) اور ہم تمہیں بھی ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے طلب کریں گے۔

وَجِآئَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور لائے جائیں گے (قیامت کے دن) انبیاء اور شہداء اور فیصلہ کیا جائے گا ان لوگوں کے درمیان اچھائی اور برائی کا حق کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی "لا علم لنا" کی ہی تفسیر فرمائی ہے۔

عن ابن عباس یوم یجمع اللّٰہ (الآیة) یقولوا الرب عزوجل لا علم لنا الا علم انت اعلم به منا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ آیت یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ (الآیہ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام رب عزوجل سے عرض کریں گے ہم کو کوئی علم نہیں ہے مگر ایسا علم کہ جس کے متعلق تو ہم سے بہتر جانتا ہے۔

۱۰۔ شیخ المحققین علامہ انور شاہ (رحمہ اللہ) آیت کے جملہ "لَا عِلْمَ لَنَا" کو علم حقیقی کے انکار پر "محمول کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ بات مسلم ہے کہ ایک انسان کو خواہ وہ کسی درجہ اور رتبہ کا ہو دوسرے انسان کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہوتا ہے وہ علم حقیقی کے لحاظ سے "ظن" کے درجہ سے آگے "علم" تک نہیں پہنچتا اسی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، نحن نحکم با لظواهر واللّٰه متولی السرائر "ہم ظاہر معاملات پر حکم لگاتے ہیں اور بھیدوں اور حقیقتوں پر تو صرف خدا کو ہی قابو حاصل ہے نیز ایک دوسری حدیث میں ہے ذات اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو اور بعض تم میں سے زیادہ چرب زبان ہوتے ہیں اور مجھ کو علم غیب نہیں ہے کہ حقیقت سے آگاہ ہو جایا کروں اس لئے جو بھی فیصلہ دیتا ہوں ظاہر حالات پر ہی دیتا ہوں تو یاد رہے کہ جو شخص بھی اپنی چرب زبانی سے کسی بھائی کا ادنیٰ سا ٹکڑا بھی ناحق حاصل کرے گا وہ بلا شبہ جہنم کا ٹکڑا حاصل کرلے گا۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۱۶۵)

بہر حال قرآن عزیز، احادیث رسول ﷺ، آثار صحابہؓ، اور اقوال علماء سب یہی ظاہر کرتے ہیں کہ اس موقع پر انبیاء علیہم السلام کا جواب "عدم علم" کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ از راہ پاس ادب "حقیقی علم پر انکار" کو واضح کرتا ہے۔

غرض ذکر یہ تھا کہ اصل مقام پر اصل تذکرہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کا ہو رہا ہے جو قیامت میں پیش آئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے انعامات شمار کرانے کے بعد ان سے ان کی امت کے متعلق سوال کرے گا اور وہ حسب حال جوابات پیش کریں گے مگر سابق آیات میں چونکہ دوسرے مطالب ذکر ہوئے تھے اس لئے ان سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے تمہید اً قیامت میں ہونے والے ان سوال وجواب کا ذکر ضروری ہوا جو عام طور پر انبیاء علیہم السلام سے ان کی امتوں کے متعلق کیے جائیں گے اور اس لئے بھی یہ تذکرہ ضروری تھا کہ اگلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کا پیرایہ بیان بھی انبیاء علیہم السلام کے جواب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے:

وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَاعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (مائدہ، پ ۷ ع ۱۶)

اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام بن مریم علیہا السلام سے کہے گا کیا تو نے لوگوں (بنی اسرائیل) سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو دونوں کو اللہ کے ماسوا خدا بنا لینا" عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے پاکی تجھ کو ہی زیبا ہے میرے لئے کیسے ممکن تھا کہ میں وہ بات کہتا جو کہنے کے لائق نہیں۔ اگر میں نے یہ بات ان سے کہی ہوتی تو یقیناً تیرے علم میں ہوتی (اس لئے کہ) تو وہ سب کچھ جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں تیرا بھید نہیں پا سکتا بلاشبہ تو غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے میں نے اس بات کے ماسوا جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا ان سے اور کچھ نہیں کہا" وہ یہ کہ صرف اللہ ہی کی پوجا کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے اور میں ان پر اس وقت تک کا گواہ ہوں جب تک میں ان کے درمیان رہا پھر جب تو نے مجھ کو قبض کر لیا تب تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے اگر تو ان سب کو عذاب چکھائے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو بخش دے پس تو ہی بلاشبہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اپنا جواب دے چکیں گے تب اللہ تعالیٰ یہ ارشاد فرمائے گا:

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ط رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

(مائدہ پ ۷)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ایسا دن ہے کہ جس میں راستبازوں کی راستبازی ہی کام آسکتی ہے ان ہی کے لئے بہشت ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی (کا مقام اعلیٰ پائیں گے) یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ایک جلیل القدر پیغمبر کی عظمت شان کے عین مطابق ہے وہ پہلے بارگاہ رب العزت میں عذر خواہ ہوں گے کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی نامناسب بات کہتا جو قطعاً حق کے خلاف ہے

سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ

پھر پاس ادب کے طور پر خدا کے علم حقیقی کے سامنے اپنے علم کو ہیچ اور بے علمی کے مرادف ظاہر کریں گے،

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

إِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ

اور اس کے بعد اپنے فرض کی انجام دہی کا حال گذارش کریں گے،

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَآ أَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ

اور پھر امت نے اس دعوت حق کا جواب کیا دیا؟ اس کے متعلق ظاہر امور کی شہادت کا بھی اس اسلوب کے ساتھ ذکر کریں گے جس میں ان کی شہادت خدا کی شہادت کے مقابلہ میں بے وقعت نظر آئے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ

اور اس کے بعد یہ جانتے ہوئے کہ امت میں مومنین قانتین بھی ہیں اور منکرین جاحدین بھی وقوع عذاب اور طلب مغفرت کا اس انداز میں ذکر کریں گے جس سے ایک جانب خدا کے مقررہ کردہ پاداش عمل کے قانون کی خلاف ورزی بھی مترشح نہ ہو اور دوسری جانب امت کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبہ کا جو تقاضا ہے وہ پورا ہو جائے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرضداشت یا جواب کے مضمون کو ختم کر چکے تو رب العالمین نے اپنے قانون عدل کا یہ فیصلہ سنا دیا تاکہ مستحق رحمت و مغفرت کو مایوسی نہ پیدا ہو بلکہ مسرت و شادمانی سے ان کے قلوب روشن ہو جائیں اور مستحق عذاب غلط توقعات قائم نہ کر سکیں،

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ

ان تمام تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ آیات زیر بحث کا سیاق و سباق صراحت کرتا ہے۔ کہ یہ واقعہ قیامت کے روز پیش آئے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملاء اعلیٰ پر اٹھا لئے جانے کے وقت پیش نہیں آیا۔ اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی ابتداء يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ سے کرنا اور انتہاء واقعہ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (الآیہ) پر ہونا روز قیامت کے ماسوا اور کسی دن پر صادق نہیں آسکتا اور اس ایک قطعی بات کے علاوہ دوسرے کسی احتمال کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔

نیز یہ تفصیلات واضح کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے قبول و انکار کے حالات سے آگاہی کے باوجود آیات مائدہ میں مذکور اسلوب بیان اس لئے اختیار فرمائیں گے کہ دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام بھی مقام کی نزاکت حال اور رب العزت کے دربار میں غایت پاس ادب کے لئے یہی اسلوب بیان اختیار فرمائیں گے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور انبیاء علیہا السلام کے جوابات اسلوب بیان کی یکسانیت کے باوجود اجمال و تفصیل کا فرق صرف اس لئے ہے کہ زیر بحث آیات میں اصل مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے قبول و انکار اور ان کے نتائج و ثمرات کا تذکرہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کا ذکر صرف واقعہ کی تمہید کے طور پر ہے۔

حقیقتِ حال کے اس انکشاف کے بعد اب جمہور امت مسلمہ کے خلاف خلیفہ قادیانی مسٹر محمد علی لاہوری کی تحریف معنوی بھی قابل مطالعہ ہے کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پروردگار عالم کا یہ سوال و جواب اس وقت پیش آچکا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نعش ملنے پر شاگردوں نے ان کا علاج کر کے چنگا کر لیا اور پھر وہ شام سے فرار ہو کر مصر اور مصر سے کشمیر پہنچے اور گمنامی کی حالت میں انتقال فرما گئے مسٹر لاہوری نے اپنے دعوے میں دو دلائل پیش کئے ہیں ایک یہ کہ عربیت کے قاعدے سے لفظ اذ ماضی کے لئے مستعمل ہے نہ کہ مستقبل کے لئے اور دوسری دلیل یہ کہ اگر جمہور کے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا انتقال نہیں ہوا اور وہ قیامت کے قریب نازل ہوں گے تو ضروری ہے کہ ان کو اپنی امت (نصاریٰ) کے عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام اور تثلیث کا علم ہو چکا ہو گا کیونکہ نصاریٰ نے ان کے رفع کے زمانہ تک تثلیث کو نہیں اپنایا تھا اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جواب ایسے اسلوب پر نہ ہوتا جس سے ان کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے۔

مسٹر لاہوری نے قرآن کی تحریف معنوی پر یہ اقدام یا تو اس لئے کیا کہ اپنے مرشد متنبّی قادیان (علیہ ماعلیہ) کے دعوئے مسیحیت کو قوت پہنچائیں اور مغالطہ اور سفسطہ سے کام لے کر "خسران مبین" کا سامان مہیا کریں اور یا پھر وہ قواعد عربیت سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ نہ ان کو نحو کے معمولی استعمالات ہی کا علم ہے اور نہ وہ آیات قرآنی کے سیاق و سباق کا ہی کچھ درک رکھتے ہیں اور صرف جاہلانہ دعاوی پر دلیر نظر آتے ہیں۔

جن قوانین عربیت میں "اذ" اور "اذا" کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا کہ "اذ" اگر فعل مستقبل پر داخل ہو تب بھی "ماضی" کے معنی دیتا ہے اور "اذ" اگرچہ فعل ماضی پر بھی داخل ہو تب بھی مستقبل کے معنی دیا کرتا ہے ان ہی قوانین میں علماء معانی و بلاغت یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی گذرے ہوئے واقعہ کو اس طرح پیش کرنے کے لئے گویا وہ زمانۂ حال میں پیش آرہا ہے صیغۂ مستقبل سے تعبیر کر لیا کرتے ہیں یعنی اس کے لئے "اذ" کا استعمال جائز رکھتے بلکہ مستحسن سمجھتے اور اس کو "استحضار" اور "حکایۃ الحال" کہتے ہیں اور اسی طرح مستقبل میں ہونے والے ایسے واقعہ کو جس کے وقوع سے متعلق یہ یقین دلانا ہو کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا اور ناممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو سکے اکثر ماضی کے صیغہ سے تعبیر کرنا مستحسن سمجھتے بلکہ بلاغت تعبیر کے لحاظ سے ضروری اور مفید یقین کرتے ہیں کیونکہ اس طرح مخاطب اور سامع کے سامنے ہونے والے واقعہ کا نقشہ اس طرح آجاتا ہے گویا وہ ہو گذرا ہے اور یہ بھی "استحضار" ہی کی ایک صورت سمجھی جاتی ہے دور کیوں جایئے لفظ "اذ" کا استعمال مستقبل کے لئے خود قرآن عزیز متعدد مقامات پر ثابت ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سورۂ انعام میں قیامت کے دن مجرموں کی کیا کیفیت ہوگی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا گیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور کاش کہ تو دیکھے جس وقت کہ وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ (جہنم) کے اوپر پس کہیں گے اے کاش کہ ہم لوٹا دیے جائیں دنیا میں اور نہ جھٹلائیں ہم اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔

اور اسی سورۂ انعام میں روز قیامت مجرموں کی حال کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ط قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○

اور کاش کہ تو دیکھے، جب وہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو (پروردگار) کہے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ وہ کہیں گے قسم ہے پروردگار کی یہ (روز حشر) حق اور سچ ہے پس پروردگار کہے گا تو چکھو اس کے بدلہ میں عذاب جو تم کفر کیا کرتے تھے۔

اور ان ہی مجرمین کی روز قیامت حالت کا نقشہ سورۂ سبا میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَلَوْ تَرٰى إِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ○ وَّقَالُوْا آمَنَّا بِهٖ

اور کاش کہ تو دیکھے جبکہ وہ (منکرین) گھبرائیں گے پس نہیں بھاگ سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب سے اور کہیں گے ہم (اب) اس پر ایمان لے آئے۔

سورۂ سجدہ میں اس حقیقت کو ان الفاظ کے ساتھ بیا کیا ہے۔

وَلَوْ تَرٰى إِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط

اور کاش کہ تو دیکھے جبکہ مجرم اپنا سر نیچے ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے۔

یہ اور اسی قسم کے متعدد مقامات ہیں جن میں مستقبل کے واقعات کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور اس لئے لفظ "اذ" کا استعمال مفید سمجھا گیا پس جس طرح ان مقامات میں "اذ وقفوا" ۔ قال، قالوا، اذ فزعوا، واخذوا، اذا المجرمون ناکسوا تمام افعال لفظ "اذ" کے باوجود مستقبل کے معنی دے رہے ہیں اسی طرح اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى کے استعمال کو مستقبل کے لئے سمجھئے اور جس طرح ان تمام مقامات کے سیاق و سباق دلالت کر رہے ہیں کہ ان واقعات کا تعلق روز قیامت سے ہے ٹھیک آیات مائدہ کی زیر بحث آیات کا سیاق و سباق صراحت کر رہا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق قیامت کے دن سے ہے۔

قاعدۂ عربیت کی اس حقیقت افروز تحقیق کے بعد مسٹر لاہوری کی دوسری دلیل پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے بھی زیادہ لچر نظر آئے گی اس لئے کہ گذشتہ تحقیق سے یہ واضح ہو چکا کہ سورۂ مائدہ کی آیات زیر بحث میں حضرت عیسیٰ ؑ کا جواب ہرگز اس بات پر مبنی نہیں ہے کہ ان کو اپنی امت کی گمراہی کا علم نہیں ہوگا اور وہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے ایک مرتبہ ان آیات پر پھر غور کرو گے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل جواب صرف یہ ہے مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ اور اول و آخر باقی آیات ہیں یا جواب کے مناسب حال تمہید ہے اور یا اللہ تعالیٰ کی جلالت و جبروت اور اپنی بیچارگی و درماندگی بلکہ عبودیت کا اظہار ہے جس میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی شان کے مناسب حضرۃ القدس کے سامنے شہادت پیش کی گئی ہے علاوہ ازیں اگر مسٹر لاہوری کا یہ قول صحیح مان لیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی تک نصاریٰ نے چونکہ تثلیث کا عقیدہ نہیں اختیار کیا تھا اس لئے انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ سوال کیا معنی رکھتا ہے۔ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کیا العیاذ باللہ اس کا یہ مطلب نہ ہوا کہ خدا نے عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر جھوٹا الزام لگایا؟ پھر یہ کیا کم حیرت کی بات ہے کہ قادیانی اور لاہوری ایک جانب تو یہ کہہ رہے ہیں مگر اس کے قطعاً متضاد آئینہ کمالات میں قادیانی نے یہ کہا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو یہ معلوم ہوا اور اس کو بتایا گیا کہ اس کی امت کس طرح شرک میں مبتلا ہو گئی تب عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی خدایا! تو میرا مثیل نازل فرما تا کہ میری امت اس شرک سے نجات پائے اور تیری سچی پرستار بنے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حقیقت یہ ہے کہ قادیانی اور لاہوری کی تفسیر کا معیار نہیں ہے کہ وہ قرآن کی آیات کے مطالب قرآن کی زبان سے سننا چاہتے ہیں بلکہ پہلے سے ایک باطل عقیدہ کو عقیدہ بتاتے ہیں اور پھر اس کے سانچہ میں قرآن کو ڈھالنا چاہتے ہیں اور جب قرآن اس سانچہ میں ڈھلنے سے انکار کرتا ہے تو تحریف کے حربہ سے زبردستی اس پر مشق ستم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ ایسا کرتے وقت حقیقت فراموش کر دیتے ہیں کہ قرآن امت کی ہدایت کے لئے رہتی دنیا تک امام الہدیٰ ہے۔ اس لئے کوئی "ملحد و زندیق" خواہ کتنی ہی تحریف معنوی کی کوشش کرے ہمیشہ ناکام اور خاسر رہے گا اور خود قرآنی اطلاقات ہی اس کے عقیدہ و فکر کے بطلان کے لئے ناطق ہوں گے بلکہ بمصداق دروغ گو را حافظہ نہ باشد وہ اکثر اپنے ہی متضاد اقوال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر اپنی کذب بیانی اور تفسیری افترا پر مہر لگا لیتا ہے جس کی تازہ شہادت ابھی سطور بالا میں نقل ہو چکی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ

حیات و رفع علیہ السلام سے متعلق گذشتہ مباحث میں "توفی" کی حقیقت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے اور سورۂ مائدہ کی آیات مسطورۂ بالا کی تفسیر کے بھی تمام پہلو واضح ہو چکے ہیں تاہم قرآن کے اعجاز بلاغت اور اسلوب بیان کی لطافت سے مستفید ہونے کے لئے چند سطور اس مسئلہ پر بھی سپرد قلم کر دینا مناسب ہے کہ اس مقام پر قرآن عیسیٰ علیہ السلام کے قیام ارضی کو مَا دُمْتُ فِیْهِمْ سے اور کائنات ارضی سے انقطاع تعلقات کو تَوَفَّیْتَنِیْ سے کیوں تعبیر کیا۔

گذشتہ سطور میں لغت اور معانی کے حوالوں سے یہ تو ثابت ہو چکا کہ "توفی" کے حقیقی معنی "اخذ و تناول" (لے لینے اور قبضہ میں کر لینے) کے ہیں اور موت کے معنی میں بطور کنایہ اس کا استعمال ہوتا ہے اور یہ کہ کنایہ میں حقیقی معنی برابر ساتھ ساتھ رہتے ہیں مجاز کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ حقیقی معنی سے جدا ہو کر لفظ غیر موضوع لہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں استعمال ہونے لگے پس اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن کا عقیدہ یہ ہوتا کہ ان کو موت آچکی اور سوال وجواب کا یہ سلسلہ موت کے اسی وقت سے متعلق ہے نہ کہ قیامت کے دن سے تو پھر بلاغت ومعانی کا تقاضا یہ تھا کہ اس موقع پر "حیات" اور "موت" ایک دوسرے کے متضاد الفاظ کو استعمال کیا جاتا تاکہ یہ حیثیت واضح ہو سکتی کہ سوال وجواب کا معاملہ "موت" کے ہم قریں ہے اور پھر لفظ "موت" کی صراحت اپنے مقابل لفظ "حیات" کی طالب ہوتی مگر قرآن نے ان دونوں الفاظ کی بجائے ما دُمتُ فیھم کو "حیوۃ" کی اور "توفّی" کو "موت" کی جگہ استعمال کیا ہے تو یہ کس لئے اور کس مقصد سے یا بغیر کسی حکمت ومصلحت کے یہ اسلوب اختیار کر لیا؟ جمہور امت تو اسکا ایک ہی جواب رکھتی ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے دوسرے مقامات کی طرح اس مقام پر بھی اعجاز وایجاز سے کام لیا ہے اور ان لفظوں میں وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی، رفع، نزول اور موت تمام مراحل کو نمود دینا چاہتا ہے وہ گر یہ کہتا "ماحییت" میں جب تک زندہ رہا اور "فلما امتنی" پس جب تو نے مجھ کو موت دے دی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی عام حالات کے مطابق دو ہی مراحل پیش آئے ہیں "زندگی" اور "موت" ان دونوں مراحل کے درمیان کوئی خاص صورت حال پیش نہیں آئی، لیکن جبکہ یہ خلاف واقعہ تھا اور ان کی زندگی اور موت کے درمیان دو اہم مراحل پیش آچکے ہوں گے: ایک "ملاء اعلیٰ کی جانب بقید حیات رفع اور دوسرے کائنات ارضی پر دوبارہ رجوع (نزول) اس لئے از بس ضروری ہوا کہ حیات اور موت کی جگہ دو ایسے الفاظ اختیار کیے جائیں جو ان چاروں مراحل پر صادق آسکیں اور جبکہ متعدد مقامات پر حسب حال ان مراحل کی تفصیل بیان ہو چکی ہے تو اعجاز بلاغت کا یہی تقاضہ ہے کہ اب ان کو ایجاز واختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

صورت حال کا یہی نقشہ تھا جس کے لئے قرآن عزیز نے "ماحییت" کی جگہ ما دُمتُ فیھم استعمال کیا تاکہ یہ جملہ اختصار کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے دونوں حصوں پر حاوی ہو جائے اس حصہ پر بھی جو ابتداء زندگی سے شروع ہو کر رفع الی السّماء پر ختم ہوتا ہے اور اس حصہ پر بھی جو "نزول ارضی" سے شروع ہو کر "موت" پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی طرح قرآن نے فلما امتنی کا اسلوب بیان اختیار کیا تاکہ یہ جملہ بھی پہلے کی طرح باقی دونوں مرحلوں کو اپنے اندر سمو لے اس مرحلہ کو بھی جو رفع الی السّماء کی صورت میں پیش آیا اور اس مرحلہ کو بھی جو نزول کے بعد "موت" کی صورت میں نمودار ہوا کیونکہ موت سے تو صرف ایک ہی حقیقت ظاہر ہو سکتی تھی مگر "توفی" میں بیک وقت دونوں حقیقتیں موجود تھیں حقیقی معنی کے لحاظ سے صرف "اخذ وتناول" کے ساتھ ساتھ "موت" جیسا کہ سطور بالا میں "کنایہ" اور "مجاز" کے باہمی فرق سے معلوم ہو چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے خدایا! جو وقت میں نے ان کے درمیان گذارا اس کے لئے تو بے شک میں شاہد ہوں لیکن "توفی" کے اوقات میں ان پر فقط تو ہی نگہبان رہا۔ باقی تیری شہادت تو ہر حالت میں ہر وقت ہر شے پر حاوی ہے

مسئلہ متعلقہ کی یہ پوری بحث اس سے قطع نظر کہ نبی اکرم ﷺ نے آیات کی تفسیر میں کیا ارشاد فرمایا ہے لغت، معانی، بلاغت کے پیش نظر تھی ورنہ ان آیت کی تفسیر میں ایک مومن صادق کے لیے تو وہ صحیح مرفوع احادیث کافی ہیں جن کو محدثین نے بسند صحیح روایت کیا ہے مثلاً مشہور محدث حافظ بن عساکرؒ نے بروایت ابوموسیٰ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اشعریؓ نبی اکرم ﷺ سے جو حدیث نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

جب قیامت کا دن ہو گا تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی امتوں کو بلایا جائے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی بلائے جائیں گے اللہ تعالیٰ اول ان کے سامنے اپنی ان نعمتوں کو شمار کرائے گا جو دنیا میں ان پر نازل ہوئی رہیں اور عیسیٰ علیہ السلام ان سب کا اعتراف کریں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا۔ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکار فرمائیں گے پھر نصاریٰ بلائے جائیں گے اور ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ دروغ بیانی کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو یہی تعلیم دی تھی یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سخت خوف طاری ہو جائے گا بدن کے بال کھڑے ہو جائیں گے اور خشیت الٰہی سے ان کا رواں رواں بارگاہ صمدی میں سجدہ ریز ہو جائے گا اور یہ مدت ایک ہزار سال معلوم ہو گی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کر دیجائیگی اور ان کی خود ساختہ صلیب پرستی کا راز فاش کر دیا جائے گا اور پھر ان کو جہنم میں جھونک دیے جانے کا حکم ہو جائے گا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۱ سورۂ مائدہ)

اور محدث ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی امت کے متعلق سوال کرے گا تو اپنی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام پر جواب بھی القاء کر دیگا" اور اس القاء کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر القاء ہو گا کہ وہ یہ جواب دیں۔ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ سورۂ مائدہ)

اور صحیحین (بخاری و مسلم) اور سنن میں جو حدیث شفاعت منقول و مشہور ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح قیامت میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں سے متعلق اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے اور معاملہ کے پیش آنے سے قبل خائف و ہراساں ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے ایک ہوں گے اور ان پر یہ خوف طاری ہو رہا ہو گا کہ جب ان سے امت کی مشرکانہ بدعت پر سوال ہو گا تو وہ درگاہ صمدی میں کس طرح اس سے عہدہ برآ ہو سکیں گے؟

الحاصل سورۂ مائدہ کی ان آیات کی تفسیر وہی صحیح ہے جو جمہور امت کی جانب سے منقول ہے اور قادیانی اور لاہوری کی تفسیر بالرائے الحاد و زندقہ سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت اصلاح اور بنی اسرائیل کے فرقے

گذشتہ مباحث میں پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی تھی اور یہ الہامی کتاب دراصل توراۃ کا تکملہ تھی یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمی اساس اگرچہ توراۃ ہی پر قائم تھی مگر یہود کی گمراہیوں مذہبی بغاوتوں اور سرکشیوں کیوجہ سے جن اصلاحات کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے یہود کی اعتقادی اور عملی گمراہیاں اگرچہ بے شمار حد تک پہنچ چکی تھیں اور حضرت مسیح علیہ السلام

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے مبعوث ہو کر ان سب کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا تاہم چند اہم بنیادی باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل اصلاح تھیں جن کی اصلاح کے لئے حضرت مسیح ﷺ بہت زیادہ سرگرم عمل رہے۔

۱) یہود کی ایک جماعت کہتی تھی کہ انسان کے اعمال نیک و بد کی سزا اسی دنیا میں مل جاتی ہے باقی قیامت، آخرت آخرت میں جزا و سزا حشر و نشر، یہ سب باتیں غلط ہیں یہ "صدوقی" تھے۔

۲) دوسری جماعت اگرچہ ان تمام چیزوں کو حق سمجھتی تھی مگر ساتھ ہی یہ یقین رکھتی تھی کہ وصول الی اللہ کے لئے از بس ضروری ہے کہ لذات دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش ہو کر "زہادت" کی زندگی اختیار کی جائے چنانچہ وہ بستیوں سے الگ خانقاہوں اور جھونپڑیوں میں رہنا پسند کرتے تھے مگر یہ جماعت حضرت مسیح ﷺ کی بعثت سے کچھ پہلے اپنی یہ حیثیت بھی کھو چکی تھی اور اب ترک دنیا کے پردہ میں دنیا کی ہر قسم کی گندگی میں آلودہ نظر آتی تھی، ظاہر رسم و طریق زاہدوں کا سا ہوتا مگر خلوت کدوں میں وہ سب کچھ نظر آتا جن سے رندان بادہ خوار بھی ایک مرتبہ حیا سے آنکھیں بند کر لیں یہ "فریسی" کہلاتے تھے۔

۳) تیسری جماعت مذہبی رسوم اور خدمت ہیکل سے متعلق تھی لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ جن رسوم اور خدمات کو لوجہ اللہ کرنا چاہیے تھا اور جو اعمال کے نیک نتائج خلوص پر مبنی تھے ان کو تجارتی کاروبار بنا لیا تھا اور جب تک ہر ایک رسم اور خدمت ہیکل پر بھینٹ اور نذر نہ لے لیں قدم نہ اٹھائیں حتیٰ کہ اس مقدس کاروبار کے لئے انھوں نے توراۃ کے احکام تک میں تحریف کر دی تھی یہ "کاہن" تھے۔

۴) چوتھی جماعت ان سب پر حاوی اور مذہب کی اجارہ دار تھی اس جماعت نے عوام میں آہستہ آہستہ یہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ مذہب اور دین کے اصول و اعتقادات کچھ نہیں ہیں مگر وہ جن پر وہ صادر کر دیں ان کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیں، احکام دین میں اضافہ یا کمی کر دیں جس کو چاہیں جنت کا پروانہ لکھ دیں اور جس کو چاہیں جہنم کی سند تحریر کر دیں۔ خدا کے یہاں ان کا فیصلہ اٹل اور ان مٹ ہے، غرض بنی اسرائیل کے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنے ہوئے تھے۔ اور تورات کی لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف میں اس درجہ جری تھے کہ اس کو دنیا طلبی کا مستقل سرمایہ بنا لیا تھا اور عوام و خواص کی خوشنودی کے لئے ٹھہرائی ہوئی قیمت پر احکام دین کو بدل ڈالنا ان کا مشغلۂ دینی تھا یہ "احبار" ای "فقیہ" تھے۔

یہ تھیں وہ جماعتیں اور یہ تھے ان کے عقائد و اعمال جن کے درمیان حضرت مسیح ﷺ مبعوث ہوئے اور جن کی اصلاح حال کے لئے ان کی بعثت ہوئی انھوں نے ہر ایک جماعت کے فاسد عقائد و اعمال کا جائزہ لیا رحم و شفقت کے ساتھ ان کے عیوب و نقائص پر نکتہ چینی کی، ان کو اصلاح حال کے لئے ترغیب دی اور ان کے عقائد و افکار اور ان کے اعمال و کردار کی نجاستوں کو دور کر کے ان کا رشتہ خالق کائنات اور ذات واحد کے ساتھ دوبارہ قائم کرنے کی سعی کی۔ مگر ان بد بختوں نے اپنے اعمال سیاہ کی اصلاح سے یکسر انکار کر دیا اور نہ صرف یہ بلکہ ان کو "مسیح ضلالت" کہہ کر ان کی دعوت حق و ارشاد کے دشمن اور ان کے خلاف سازشیں کر کے ان کی جان کے درپے ہو گئے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اناجیل اربعہ

حضرت مسیح علیہ السلام پر جو انجیل نازل ہوئی تھی کیا موجودہ چاروں انجیلیں وہی ہیں یا یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کی تصانیف ہیں؟اس کے متعلق تمام اہل علم کا جن میں نصاریٰ بھی شامل ہیں اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل نہیں ہے اور نہ اس کا ترجمہ ہے لیکن پھر ان موجودہ انجیلیوں کے متعلق عیسائی کیا کہتے ہیں اور ناقدین کی رائے کیا ہے یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے:

یہ بات بہر حال تسلیم شدہ ہے کہ موجودہ چاروں انجیلیوں کے متعلق نصاریٰ کے پاس کوئی ایسی سند موجود نہیں جس کی بناء پر وہ یہ کہہ سکیں کہ ان کی روایات کا سلسلہ یا ان کی ترتیب و تالیف کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے شاگردوں (حواریوں) تک پہنچتا ہے نہ اس کیلئے کوئی مذہبی سند ہے اور نہ تاریخ بلکہ اس سے خلاف خود عیسائیت کی مذہبی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک عیسائیوں میں اکیس سے زیادہ انجیلیں الہامی یقین کی جاتی اور رائج و معمول بہا تھیں لیکن ۳۲۵ء میں نایسیا کی کونسل نے ان میں سے صرف چار کو منتخب کر کے باقی کو متروک قرار دیدیا اور سخت حیرت کا مقام ہے کہ کونسل کا یہ انتخاب کسی تاریخی اور علمی بنیاد پر نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کی فال نکالی گئی اور اس کو الہامی اشارہ تسلیم کر لیا گیا چنانچہ ان اکیس سے زائد انجیلوں میں سے بعض یورپ کے قدیم کتب خانوں میں پائی گئی ہیں مثلاً انیسویں صدی میں ڈیٹیکان کے مشہور کتب خانہ سے متروک اناجیل کا ایک نسخہ بر آمد ہوا تھا جس میں موجودہ چاروں انجیلیوں سے بہت کچھ زائد موجود ہے موجودہ نسخوں میں سے سینٹ لوقا کی انجیل میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ تفصیل سے درج ہے لیکن سورۂ مریم میں قرآن عزیز نے اس واقعہ کو جس طرح حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ہیکل میں تربیت کے ذکر سے شروع کیا ہے نہ لوقا کی انجیل میں اس کا ذکر ہے اور نہ باقی تینوں انجیلوں میں ویٹیکان کے اس نسخہ میں یہ واقعہ ٹھیک سورۂ مریم میں مذکور واقعہ کی طرح درج ہے۔ (ترجمان القرآن جلد دوم)

اسی طرح سولہویں صدی میں روما کے مشہور پوپ سکٹس کے قدیم کتب خانہ میں ایک اور متروک انجیل کا نسخہ بر آمد ہوا جس کا نام انجیل برنایا ہے یہ نسخہ پوپ کے مقرب لاٹ پادری فرامرینو نے پڑھا اور پوپ کی اجازت کے بغیر کتب خانہ سے چرالایا چونکہ اس میں ختم الانبیاء محمد ﷺ سے متعلق کثرت سے واضح اور صاف بشارتیں موجود تھیں حتیٰ کہ "احمد" نام تک مذکور تھا، نیز الوہیت مسیح علیہ السلام کے خلاف عقیدہ کی تعلیم پائی جاتی تھی اس لئے وہ لاٹ پادری مسلمان ہو گیا حال ہی میں اس کا عربی ترجمہ مصر میں علامہ سید رشید رضا مرحوم نے المنار پریس سے شائع کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے ڈاکٹر سعادہ نے اس کے مقدمہ میں جو قابل قدر علم کی تحقیق پیش کی ہے اس میں ہے کہ اس انجیل کا پتہ پانچویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس تاریخی منشور (حکمنامہ) سے چلتا ہے جو خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائیوں کے پوپ گلیسیوس کی جانب کلیسائیوں کے نام بھیجا گیا تھا اور جس میں ان کتابوں کے نام درج تھے جن کا پڑھنا پڑھانا عیسائیوں پر حرام کیا گیا تھا ان ہی میں انجیل برنایا کا نام بھی شامل تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

علاوہ ازیں محققین یورپ بھی آج اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سو سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں جو بعد میں چار کو چھوڑ کر باقی متروک کر دی گئیں اور کلیسہ کے فیصلہ کے مطابق ان کا پڑھنا حرام کر دیا گیا اس لئے آہستہ آہستہ وہ سب مفقود ہوتی چلی گئیں اور کہتے ہیں کہ ان مفقود نسخوں میں ایک مشہور انجیل، انجیل ایلنٹس (انجیل اغنطسی) بھی تھی جواب ناپید ہے۔

نیز یہ بات بھی خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ سینٹ پال (پولوس رسول) کے جو خطوط ہیں اور جن پر موجودہ عیسائیت کی بنیادیں قائم ہیں ان کے مطالعہ سے جگہ جگہ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگوں کو خبر دار کرتا اور ڈراتا ہے کہ وہ ان انجیلیوں کی جانب توجہ نہ دیں جو مسیح علیہ السلام کے نام کی بجائے دوسرے ناموں سے منسوب ہیں کیونکہ مجھ کو روح القدس نے اسی کے لئے مامور کیا ہے کہ میں انجیل مسیح علیہ السلام کی حمایت کروں اسی کو اسوہ بناؤں اور اس کی تعلیم کو تمام عیسائی دنیا میں پھیلاؤں چنانچہ حسب ذیل جملے اس کی صراحت کرتے ہیں کہ اس کے نزدیک مسیح علیہ السلام کی انجیل عیسائیوں میں متروک ہو چکی تھی اور بعد کی بے سند انجیلیوں کا عام رواج ہو گیا تھا اور ان ہی میں سے یہ چار ہیں جو نایسیا کی کونسل نے بغیر کسی سند کے فال کے ذریعہ صحیح تسلیم کر لیں۔

اب ان چاروں کا حال بھی سنیے ان میں سے سب سے قدیم متی کی انجیل تسلیم کی جاتی ہے بایں ہمہ اس کے متعلق نصاریٰ میں سے علماء متقدمین تو بالاتفاق اور علماء موجودہ میں سے اکثر اس کے قائل ہیں کہ موجودہ انجیل متی اصل نہیں ہے بلکہ اس کا ترجمہ ہے اس لئے کہ اصل کتاب عبرانی میں تھی جواب ناپید ہے اور ضائع ہو گئی لیکن یہ اصل کا ترجمہ ہے یا اس میں بھی تحریف ہوئی ہے اس کے متعلق کوئی تاریخ سند موجود نہیں حتی کہ مترجم کا نام تک معلوم نہیں اور نہ یہ پتہ کہ کس زمانہ میں یہ ترجمہ ہوا اور مشہور عیسائی عالم جرجیس زوبن الفتوحی الانبانی نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس میں بیٹھ کر ۳۹ء میں عبرانی میں تصنیف کی تھی جیسا کہ مقدس ایرونیموس نے کہا کہ اوسیبوس نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ متی کی انجیل کا یونانی ترجمہ اصل نہیں ہے اور جب بانیتوس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ ہندوستان جا کر عیسائیت کی تبلیغ کرے تو اس نے متی کی انجیل کو عبرانی میں مکتوب اسکندریہ کے کتب خانۂ قیصر میں محفوظ دیکھا تھا مگر وہ نسخہ مفقود ہو گیا اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس زمانہ میں کس شخص نے یونانی زبان میں موجودہ ترجمہ کو روشناس کر لیا۔

(الفارق بین المخلوق والخالق جلد اول ص ۲۰ ماخوذ از کتاب جرجیس زوبن لبنانی مطبوعہ بیروت)

دوسری انجیل مرقس کی ہے اس کے متعلق مشہور عیسائی عالم پطرس گواماگ اپنی کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار میں مرقس کی سوانح حیات پر لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ نسلاً یہودی لاوی اور پطرس حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا رومیوں نے جب عیسائیت اختیار کر لی تو ان کے مطالبہ پر یہ انجیل تصنیف کی یہ الوہیت مسیح علیہ السلام کا منکر تھا اور اس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو بھی نہیں لیا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام پطرس کی مدح کرتے ہیں یہ ۶۸ء میں اسکندریہ کے قید خانہ میں قتل ہوا بت پرستوں نے اس کو قتل کر دیا[1] اور عیسائی دنیا کو اس بارے میں اختلاف ہے کہ مرقس کی انجیل کب تصنیف ہوئی چنانچہ الفارق کے مصنف مرشد الطالبین ۷۰ اص کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ علماء نصاریٰ کا خیال یہ ہے کہ یہ پطرس کی نگرانی میں ۶۱ھ میں تصنیف ہوئی۔ (الفارق ص ۳۵۱)

1: قصص الانبیاء للنجار۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تیسری انجیل سینٹ لوقا کی انجیل ہے جس قدر اختلاف علماء نصاریٰ میں متی کی انجیل سے متعلق ہے اس سے بھی زیادہ لوقا کی انجیل کی صحت وعدم صحت کے متعلق اختلاف ہے چنانچہ الفارق کے مصنف نے اس سلسلہ میں خود علماء نصاریٰ کے ہی اقوال نقل کیے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسٹر گڈل اپنے رسالہ "الہام" میں دعویٰ کرتا ہے کہ لوقا کی انجیل الہامی نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ لوقا نے خود اپنی انجیل کی ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ یہ (انجیل) اس نے ثاد فیلس کے ساتھ خط وکتابت کی بناء پر لکھی ہے وہ کو مخاطب کر کے لکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی باتیں جن لوگوں نے آنکھوں سے دیکھی تھیں انھوں نے ہم تک جس طرح پہنچائی ہیں ان کو بہت سے لوگ ہم سے نقل کر رہے ہیں اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ خود ہی صحیح طریقہ پر جمع کر دوں تاکہ تم کو صحیح حقیقت معلوم ہو جائے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ نہیں پایا اور محققین نصاریٰ یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ لوقا کی انجیل مرقس کی انجیل کے بعد وجود میں آئی ہے اور پطرس اور پولوس کے مرنے کے بعد تصنیف کی گئی ہے۔ (قصص الانبیاء النجار ص ۴۷۷۔۴۷۹)

اصل بات یہ ہے کہ لوقا انطاکیہ میں طبابت کرتا تھا اس نے مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور مسیحیت کو سینٹ پال (پولوس) سے سیکھا ہے اور پولوس کے متعلق یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ دراصل متعصب یہودی اور عیسائیت کا بدترد شمن تھا اور نصاریٰ کے خلاف علی الاعلان اپنی جدوجہد جاری رکھتا تھا مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی ہمہ قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسیحیت کو ترقی ہوتی جارہی ہے اور رد کے نہیں رکتی تب اس نے یہودیانہ مکر وفریب سے کام لیا اور اعلان کیا کہ عجب معجزہ ہوا، میں بحالت صحت تھا کہ ایکدم اس طرح زمین پر گر اجیسا کہ کوئی کشتی میں پچھاڑ دیتا ہے اس حالت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مجھ کو چھوا اور پھر سخت زجر وتوبیخ کی کہ آئندہ تو ہرگز میرے پیروں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنا پس میں اسی وقت حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے حکم سے میں مسیحی دنیا کی خدمت کے لئے مامور ہو گیا انھوں نے مجھ کو فرمایا کہ میں لوگوں کو مسیح علیہ السلام کی انجیل کی بشارت سنادوں اور اس کے اتباع کی ترغیب دوں چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ "کلیسہ" پر ایسا قبضہ کیا کہ دین عیسوی کی اصل صداقتوں کو مٹا کر بدعتوں اور برائیوں کا مجموعہ بنادیا الوہیت مسیح علیہ السلام، تثلیث وابنیت اور کفارہ کی بدعت ایجاد کر کے مسیحیت کو وثنیت میں تبدیل کر دیا اور شراب مردار اور خنزیر سب کو حلال بنادیا۔ یہی وہ مسیحیت ہے پولوس کے صدقہ میں جس سے آج دنیا روشناس ہے اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ پولوس کے شاگرد لوقا کی انجیل الہامی انجیل ہے اور جیروم کہتا ہے کہ بعض قدیم علماء نصاریٰ اس کے قائل ہیں کہ لوقا کی انجیل کے ابتدائی دو باب الہامی نہیں الحاقی ہیں کیونکہ یہ اس نسخہ میں موجود نہیں ہیں جو مارسیون فرقہ کے ہاتھوں میں ہے اور مشہور نصرانی عالم اکہارن لکھتا ہے کہ لوقا کی انجیل کے باب ۲۲ آیات ۴۳۔۴۴ الحاقی ہیں، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ معجزات سے متعلق جو بیان ہے اس میں کذب بیانی اور شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جو غالباً کاتب کی جانب سے اضافہ ہیں لیکن اب صدق کا کذب سے امتیاز حد درجہ دشوار ہے اور کلی میش... لکھتا ہے کہ متی اور مرقس کی انجیلیں بہت جگہ آپس میں مخالف اور متضاد واقعات کی حامل ہیں لیکن جس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

معاملہ میں دونوں کا اتفاق ہوا اس کو لوقا س کی انجیل کے بیان پر ترجیح حاصل ہے[1] اور یہ واضح رہے کہ لوقائی انجیل میں بیس سے زیادہ مواقع پر متی انجیل سے اضافہ ہے اور مرقس کی انجیل سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ[2]۔ پس ان تمام دلائل سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ لوقائی انجیل ہرگز الہامی نہیں ہے اور نہ کسی حواری کی تصنیف ہے۔

چوتھی انجیل یوحنا کی ہے اس کے متعلق نصاریٰ کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے محبوب شاگرد یوحنا زبدی کی ہے زبدی صیاد، یوحنا کے والد کا نام تھا جلیل کے بیت صیدا میں ولادت ہوئی اور حواری عیسیٰ علیہ السلام کا شرف حاصل ہوا اور نصاریٰ میں مشہور بارہ حواریوں میں سے سب سے زیادہ ان ہی کو تقدیس حاصل ہے جرجیس زوبیں اللبنانی لکھتا ہے کہ جس زمانہ میں شیر نیطوس اور بیسوں اور ان کی جماعت اپنے عقیدہ کی تشہیر کر رہی تھی کہ الوہیت مسیح علیہ السلام کا عقیدہ باطل ہے وہ بشر تھے اور حضرت مریم علیہا السلام کے باطن سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام سے قبل وہ عالم وجود میں نہیں تھے اس زمانہ میں ۹۶ء میں پادریوں، لاٹ پادریوں کی مجلس مشاورت ہوئی اور انھوں نے یوحنا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی باتیں تحریر کریں اور جو باتیں دوسری انجیلیوں میں پائی جاتی ہیں ان کے ماسوا جو کچھ معلوم ہو وہ لکھیں خصوصیت سے الوہیت مسیح کا مسئلہ ضرور لکھیں تاکہ شیر نیطوس وغیرہ کی جماعت کے خلاف ہمارے ہاتھ مضبوط ہوں تب یوحنا ان کی بات نہ ٹال سکے اور یہ انجیل لکھنے پر مجبور ہوئے۔[3] مگر اس کے باوجود مسیحی علماء زمانۂ تصنیف کی تعیین میں مختلف نظر آتے ہیں، بعض کہتے ہیں ۶۵ء میں تالیف ہوئی اور بعض ۹۶ء اور بعض ۹۸ء میں تصنیف ہونا بیان کرتے ہیں۔

مگر ان کے مقابلہ میں ان مسیحی علماء کی تعداد کم نہیں ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یوحنا کی انجیل، حواری یوحنا کی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ کیتھولک ہیرالڈ[4] جلد نمبر ۷ میں پروفیسر لن سے منقول ہے کہ انجیل یوحنا از ابتداء تا انتہا مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے اور برٹش نیدر لکھتا ہے کہ انجیل یوحنا اور رسائل یوحنا ان میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگرد یوحنا کی تصنیف نہیں ہے بلکہ کسی شخص نے دوسری صدی کے اوائل میں اس کو تصنیف کر کے اس لئے یوحنا کی جانب منسوب کر دیا تاکہ وہ لوگوں میں مقبول و مشہور بن جائے اور صاحب الفارق کہتے ہیں کہ مشہور مسیحی عالم کروٹیس کا بیان ہے کہ یہ انجیل شروع میں بیس ابواب پر مشتمل تھی بعد میں افاس کے کنیسہ نے اس میں اکیسویں باب کا اضافہ کر دیا جبکہ یوحنا کا انتقال ہو چکا تھا۔[5] ان حوالجات سے یہ بخوبی آشکارا ہوتا ہے کہ بلاشبہ یوحنا حواری کی انجیل نہیں ہے اور صرف اس مقصد سے تصنیف کر کے یوحنا کی جانب منسوب کی گئی کہ الوہیت مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کنیسہ کو قوت پہنچائی جائے اور اصلاحِ عقیدہ کی جو آواز کبھی کبھی مسیحی دنیا میں اٹھتی تھی اس کو دبایا جائے۔

چہار گانہ اناجیل کے متعلق مختصر تنقیدات کے علاوہ ان کے الہامی نہ ہونے کی دو واضح دلائل یہ بھی ہیں

۱: قصص الانبیاء ص ۴۷۷۔
۲، ۳: ایضاً ص ۴۷۷۔
۴: مطبوعہ ۱۸۴۴ء۔
۵: الفارق ص ۳۴۲۔۳۴۱۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ ان چاروں انجیلوں میں حضرت مسیح کی زندگی کے وقائع درج ہیں حتی کہ نصاریٰ کے زعم کے مطابق ان کی گرفتاری صلیب قتل مر کر جی اٹھنے اور حواریوں پر ظاہر ہونے وغیرہ تک کے حالات بھی موجود ہیں پس اگر یہ اناجیل انجیل مسیح علیہ السلام یا اس کا کوئی حصہ ہوتیں تو ان میں ان باتوں کا قطعاً تذکرہ نہیں ہونا چاہیے تھا وہ واقعات تو مسیح علیہ السلام کے بعد ان کے شاگرد جمع کرتے اور ان کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوتی نہ کہ وہ کتاب اللہ کہلانے کے مستحق ہوتے اور یہ کہ جس طرح ان انجیلوں کے مصنّفین کے بارہ میں اختلاف ہے اسی طرح ان تصنیفات کے باہم واقعات میں بھی تناقض اور سخت اختلاف پایا جاتا ہے یعنی بعض معجزات و عجیب واقعات ایسے ہیں جو ایک انجیل میں پائے جاتے ہیں اور دوسری انجیل میں ان کا اشارہ تک نہیں ہے یا بعض میں ایک واقعہ جس طرح مذکور ہے دوسری میں کچھ زیادتی یا کمی کے ساتھ ایسے طریقہ پر بیان ہوا ہے کہ پہلی انجیل کے بیان میں اور اس میں صریح تضاد اور خلاف نظر آتا ہے مثلاً صلیب مسیح علیہ السلام کا واقعہ اناجیل میں تضاد بیان کے ساتھ منقول ہے۔

یہ بات بھی کم حیرت کے لائق نہیں ہے کہ یہ اناجیل اربعہ جن جن زبانوں میں منقول ہوئی ہیں ان کی عبارات و کلمات کے بقاء و تحفظ کی کبھی پرواہ نہی کی گئی بلکہ ایک ہی زبان کے مختلف ایڈیشنوں اور اشاعتوں میں بہ کثرت الفاظ اور جملوں کی تبدیلی کمی اور بیشی موجود ہے خصوصاً جن مقامات پر علماء نصاریٰ اور علماء اسلام کے درمیان بشارات کے سلسلہ میں یہ بحث آگئی ہے کہ ان کا مصدق خاتم الانبیاء ﷺ ہیں یا حضرت مسیح علیہ السلام یا کوئی اور نبی نیز جن مقامات پر الوہیت مسیح علیہ السلام کی صراحت میں فرق پڑتا نظر آتا ہو ان کو کافی تختۂ مشق بنایا جاتا رہا ہے۔.....اگر تحریفات لفظی و معنوی اور تضاد بیان کی تفصیلات و تشریحات کو بہ نظر وسیع مطالعہ کرنا ہو تو اس کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی اظہار الحق و حافظ ابن قیم کی ہدایۃ الحیاری، باجہ جی زادہ کی الفارق بین المخلوق و الخالق اور مولانا آل نبی امروہی کی اظہار حق لائق دید کتابیں ہیں۔

غرض موجودہ چاروں انجیلیں الہامی انجیلیں نہیں ہیں نہ ان کے الہامی ہونے کی روایتی سند ہے اور نہ تاریخی، نہ ان کے مصنّفین کے متعلق قطعی اور یقینی علم حاصل ہے اور نہ زمانہائے تصانیف ہی متعین ہیں بلکہ اس کے خلاف پولوس کے بیانات ان کتابوں کی تاریخی حیثیت مضامین و مطالب کا باہمی تضاد و تخیر اسی پر شاہد ہیں کہ یہ ہرگز انجیل مسیح علیہ السلام یا اس کا حصہ نہیں ہیں اور یہ کہ انجیل مسیح علیہ السلام نصاریٰ کے ہی ہاتھوں اول تحریف لفظی و معنوی کا شکار ہوئی اور اسکے بعد مفقود ہو گئی بلکہ ان چہارگانہ انجیلوں میں سے کوئی بھی اصل نہیں ہے بلکہ یونانی اور اس سے منقول دوسری زبانوں کے تراجم ہیں جو تبدیلی و تغیر اور نقص و ازدیاد کا برابر شکار ہوتے رہے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ یہ اناجیل اربعہ انجیل مسیح علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ کسی علمی تاریخی اور مذہبی سند سے ان کا شاگردان مسیح علیہ السلام کی تصنیف ہونا بھی ثابت نہیں ہے بلکہ بعد کے مصنّفین کی تصانیف ہیں البتہ ان تراجم میں مواعظ و نصائح اور مقامات حکمت کے سلسلہ میں ایک حصہ ایسا ضرور ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات عالیہ سے ماخوذ ہے اس لئے نقل میں کہیں کہیں اصل کی جھلک نظر آجاتی ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن اور انجیل

قرآن عزیز کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ جس طرح خدا ایک ہے اسی طرح اس کی صداقت بھی ایک ہی ہے اور وہ کبھی کسی خاص قوم، خاص جماعت اور خاص گروہ کی وراثت نہیں رہی بلکہ ہر قوم اور ہر ملک میں خدائی رشد و ہدایت کا پیغام ایک ہی احساس و بنیاد پر قائم رہتے ہوئے اس کے سچے پیغمبر و یا ان کے نائبوں کے ذریعے ہمیشہ دنیا کے لئے راہ مستقیم کا داعی اور منادر ہا ہے اور اسی کا نام ''صراط مستقیم'' اور ''اسلام'' ہے اور قرآن اسی بھولے ہوئے سبق کو یاد دلانے آیا ہے اور یہی وہ آخری پیغام ہے جس سے تمام مذاہب ماضیہ کی صداقتوں کو اپنے اندر سمو کر کائنات ارضی کی ہدایت کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس لئے اب اس کا انکار گویا خدائی تمام صداقتوں کا انکار ہے اسی بنیادی تعلیم کے پیش نظر اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی عظمت شان کو سراہا اور یہ اعتراف کیا کہ بلاشبہ انجیل الہامی کتاب اور خدا کی کتاب ہے لیکن ساتھ ہی جگہ جگہ یہ بھی بہ دلائل بتلایا کہ علماء اہل کتاب نے اس کی سچی تعلیم کو مٹا ڈالا بدل ڈالا اور ہر قسم کی تحریف کر کے اس کی تعلیم کو شرک و کفر کی تعلیم بنا دیا مگر بعض مقامات پر اہل کتاب کو توراۃ و انجیل کے خلاف عمل پر ملزم بناتے ہوئے موجودہ تورات و انجیل کے حوالے بھی دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے وقت اصل نسخے بھی اگرچہ محرف شکل میں ہی کیوں نہ ہوں پائے جاتے تھے بہر حال اس وقت بھی یہ دونوں کتابیں لفظی اور معنوی دونوں قسم کی تحریفات سے اس درجہ مسخ ہو چکی تھیں کہ وہ تورات موسیٰ اور انجیل مسیح علیہما السلام کہلانے کی مستحق نہیں رہی تھیں۔

چنانچہ قرآن نے اصل کتابوں کی عظمت اور اہل کتاب کے ہاتھوں ان کی تحریف اور ان کا مسخ دونوں کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ

اے محمد ﷺ اللہ نے تجھ پر کتاب کو اتارا حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے ان کتابوں کی جو اس کے سامنے ہیں اور اتارا اس نے تورات اور انجیل کو (قرآن سے) پہلے جو ہدایت ہیں لوگوں کے لئے اور اتارا فرقان (حق و باطل میں فرق کرنے والی)۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝

اور سکھاتا ہے وہ کتاب کو حکمت کو توراۃ کو انجیل کو۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

اے اہل کتاب! تم کس لئے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑتے ہو اور حال یہ ہے کہ توراۃ اور انجیل کا نزول نہیں ہوا مگر ابراہیم علیہ السلام کے بعد پس کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ آثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○

اور پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو سامنے ہے تورات اور دی ہم نے اس کو انجیل جس میں ہدایت اور نور ہے اور جو اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتی ہے اور سر تاسر ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے مطابق فیصلہ دیں جو ہم نے انجیل میں اتار دیا ہے اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے موافق فیصلہ نہیں دیتا پس یہی لوگ فاسق ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ط مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ○

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے (تحریف کر کے ان کو مسخ نہ کر ڈالتے) اور اس کو قائم رکھتے جو ان کی جانب ان کے پروردگار کی جانب سے ہوا ہے تو البتہ وہ (فارغ البالی کے ساتھ) کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے نیچے سے بعض ان میں میانہ رو صلاح کار ہیں اور اکثر ان کے بد عمل ہیں۔

قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے محمد ﷺ! کہ دیجئے: اے اہل کتاب تمہارے لئے ٹکنے کی کوئی جگہ نہیں ہے جب تک تورات اور انجیل اور اس شے کو جس کو تمہارے پروردگار نے تم پر نازل کیا قائم نہ کرو (تاکہ اس کا نتیجہ قرآن کی تصدیق نکلے)

وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ

اور جب میں نے تجھ کو (اے عیسیٰ) سکھائی کتاب حکمت تورات اور انجیل۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ

(نکوکار) وہ شخص ہیں جو پیروی کرتے ہیں رسول کی جو نبی امی ہے اور جسکا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ

بلا شبہ اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات پر کہ ان کیلئے جنت ہے وہ اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں پس قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں ان کیلئے اللہ کا وعدہ سچا ہے جو تورات اور انجیل میں کیا گیا ہے۔

غرض یہ مدح و منقبت ہے اس تورات اور انجیل کی جو تورات موسیٰ اور انجیل عیسیٰ علیہما السلام کہلانے کی مستحق اور در حقیقت کتاب اللہ تھیں لیکن یہود و نصاریٰ نے ان الہامی کتابوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا اس کا حال بھی قرآن ہی کی زبان سے سنیے۔

أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اس کو بدل ڈالتا تھا باوجود اس بات کے کہ وہ اس کے مطالب کو سمجھتا تھا اور دیدہ دانستہ تحریف کرتے تھے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○

پس افسوس ان (مدعیان علم) پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس کے معاوضہ میں ایک حقیر سی قیمت دنیوی فائدہ کی حاصل کریں پس افسوس اس پر جو کچھ وہ لکھتے ہیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس ذریعہ سے کماتے ہیں وہ اہل کتاب کتاب اللہ (تورات و انجیل) کے کلمات کو ان کے محل و مقام سے بدل ڈالتے ہیں یعنی تحریف لفظی اور معنوی دونوں کرتے ہیں

ان کے علاوہ ثمن قلیل (معمولی پونجی) کے عوض آیات اللہ کی فروخت کرنے کے متعلق تو بقرہ، آل عمران، نساء توبہ میں متعدد آیات موجود ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ، تورات و انجیل کی بیع دونوں طرح کیا کرتے تھے تحریف لفظی کے ذریعہ بھی اور تحریف معنوی کے سلسلہ سے بھی گویا سیم و زر کے لالچ سے عوام کی خواہشات کے مطابق کتاب اللہ کی آیات میں لفظی و معنوی تحریف ان کے فروخت کرنے کی حیثیت رکھتی ہے جس سے بڑھ کر شقاوت بد بختی کا دوسرا کوئی عمل نہیں اور جو ہر حالت میں موجب لعنت ہے۔

انجیل اور حواری عیسیٰ

مفسرین عام طور پر حواری کو "حور" سے ماخوذ کہتے ہیں جس کے معنی کپڑے کی سپیدی کے ہیں جب کپڑا دھل جانے کے بعد سپید ہو جاتا تو اہل عرب کہا کرتے ہیں "حار الثوب" اس لئے دھوبی کو "حوارئ" کہتے ہیں اور "حواریون" اس کی جمع آتی ہے اس معنی کے پیش نظر حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں کو بھی اسی لئے حواری کہتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیں کہ ان میں سے اکثر دھوبی اور مچھیرے کا پیشہ کرتے تھے اور یا اس لئے کہ جس طرح دھوبی کپڑا صاف کر دیتا ہے یہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے لوگوں کے قلوب کو روشن کر دیا کرتے تھے حواری کے معنی ناصر مددگار اور ناصح کے بھی آتے ہیں اور عبد الوہاب نجار فرماتے ہیں کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو "شاگرد" کہتے ہیں یہی تعبیر بے اصل نہیں ہے بلکہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ اصل کے اعتبار سے "حبور" عبرانی لفظ ہے جس کے معنی شاگرد کے ہیں اور اس کی جمع جبوریم آتی ہے یہی جیوریم ہے جو عربی میں جا کر حواری اور حوار بن کہلایا۔

حوارین عیسیٰ علیہ السلام کا گذشتہ صفحات میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے لیکن قرآن عزیز نے صرف "حواریوں" کہہ کر مجمل تذکرہ کیا ہے کسی کا نام مذکور نہیں ہے انجیل نے البتہ ان کے نام بھی بتلائے ہیں اور تعداد بھی چنانچہ متی کی انجیل کے باب میں بارہ نام شمار کیے ہیں کیے ہی اور چار انجیلوں سے خارج برنایا کی متروک انجیل کے باب ۱۴ میں بھی یہی تعداد مسطور ہے البتہ چند ناموں میں اختلاف پایا جاتا ہے نقشہ حسب ذیل ہے۔

انجیل متی		انجیل برنابا	
شمار	نام	شمار	نام
۱	پطرس (سمعان)	۱	بطرس الصیاد (سمعان)
۲	اندراوس (پطرس کا بھائی)	۲	اندراوس
۳	یعقوب بن زبدی	۳	برنابا
۴	یوحنا (یعقوب کا بھائی)	۴	یعقوب بن زبدی
۵	فیلپس	۵	یوحنا بن زبدی
۶	برثولماوس	۶	فیلپس
۷	توما	۷	برثولماوس
۸	متی العشار	۸	تدادس
۹	یعقوب بن حلفی	۹	یعقوب بن حلفی
۱۰	لبادس (ملقب بہ تدادس)	۱۰	یہودا
۱۱	سمعان القانوی	۱۱	متی العشار
۱۲	یہودا اسخریوطی	۱۲	یہودا اسخریوطی[1]

دونوں انجیلوں کے درمیان صرف دو ناموں میں اختلاف ہے متی میں توما اور سمعان قانوی ہیں اور برنابا میں ان کی جگہ خود برنابا اور تداوس ہیں ان میں کون صحیح کہتا ہے؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے لیکن دلیل کی روشنی

۱: قصص الانبیاء للنجار ص ۴۸۲۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں یہ کہنا بہت آسان ہے کہ کلیسہ کی کونسل نے بے دلیل اور بے سند صرف اس بنا پر برناباا ور اس کے رفیق تداوس کے نام منظور کر دیے کہ ان دونوں کی روایات الوہیت مسیح علیہ السلام اور کفارہ کے خلاف پکی عیسائیت پر مبنی تھیں اور کلیسہ کے اس عقیدہ کے قطعاً خلاف تھیں جو سینٹ پال کی طرف عیسائیت کا مقبول عقیدہ تھا اور ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ اگر چہ برناباکا نام موجودہ عیسائیت میں حواریوں سے خارج سمجھا جاتا ہے تاہم ان رسولوں کی جنھوں نے ملکوں میں خدائی بادشاہت کا اعلان کیا اور مسیحی دین کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور موجودہ مسیحیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم حق کا خلاصہ گذشتہ بیانات میں سپرد قلم ہوچکا ہے وہ خدا کے سچے پیغمبر حق و صداقت کے داعی دین مبین کے ہادی و مبلغ تھے اور خدا کے تمام سچے پیغمبروں کی طرح ان کی تعلیم بھی پہلی صداقتوں کی موید اور وقت کی انفرادی اواجتماعی ضروریات کے انقلابات وحوادث کے مناسب حال انجیل کی شکل میں اصلاح وانقلاب کے لئے منادتھی توحید خالص، معرفت کردگار کے لئے کردگار سے ہی بلاوسیلہ، تقرب محبت وشفقت، رحمت وعفو کی اخلاقی برتی ان کی اپک تولیم کا نچوڑ تھا لیکن انسانی انقلابات کی ذہنی تاریخ میں اس سے زیادہ حیرت اور تعجب کی غالبًا کوئی بات نہ ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مقدس تعلیم ہی کے نام پر موجودہ مسیحیت، توحید کی جگہ تثلیث، معرفت حق کے لئے ابنیت کا عقیدہ، نجات کے لئے علم و عمل کی درستکاری کی جگہ کفارہ پر ایمان جیسی مشرکانہ اور جاہلانہ بدعات کی تبلیغ اور نشرواشاعت میں سرگرم عمل ہے۔

تثلیث؟ بستانی نے دائرۃ المعارف (ENCYCLOPADIA) میں اس مسئلہ پر مسیحی نقطہ نظر سے سیر حاصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسائی مذہب نے سب سے پہلے تثلیث کا نام "رسولوں کے عہد" میں سنا اس سے قبل مسیحیت اس عقیدہ سے قطعاً نا آشنا تھی اور رسولوں کا عہد سینٹ پال (پولوس رسول) سے شروع ہوتا ہے یہ وہی حضرت ہیں جن کی بدولت دین مسیح نے نیا جنم لیا اور جن کی یہودیت نے ازراہ تعصب مسیحی صداقت و توحید کے عقیدہ کو وثنیت اور شرک سے آلودہ کر کے کامیابی کا سانس لیا یہ عقیدہ دراصل وثنی (بت پرستانہ) فلسفہ کی موشگافیوں کی پیداوار اور صنم پرستانہ عقیدہ "اوتار" کی صدائے بازگشت ہے اور اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ذات یا صفات خداوندی بشکل انسانی کائنات ارضی میں وجود پذیر ہو سکتی ہے گویا یہ عقیدہ فلاسفہ ہیلانیسن اور غنوسطینین کے عقائد فلسفیانہ کا ایک معجون مرکب ہے چنانچہ تاریخ قدیم سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں انطاکیہ کے بشپ (BUSHAP) تھیوفیلوس نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں ایک یونانی کلمہ "ٹریاس" کا استعمال کیا اس کے بعد ایک دوسرے بشپ ترتلیانوس نے اس کے قریب قریب ایک لفظ تیرنیتاس ایجاد کیا، یہی وہ یونانی لفظ ہے جو موجودہ مسیحی عقیدہ "ثالوث (تثلیث) کے مرادف اور ہم معنی ہے اگر اس مسئلہ کی حقیقت کو ذرا اور گہری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی جائے تو تاریخی حقائق سے یہ بات نمایاں نظر آئے گی کہ ثالوث کا عقیدہ در اصل مسیحیت کی وجہ سے پیش آیا، خصوصاً جب مصری بت پرستوں نے اس مذہب کو قبول کیا تو انھوں نے اس عقیدہ کو بہت ترقی دی اور فلسفیانہ دقیقہ سنجیوں کے ساتھ اس کو علمی بحث بنادیا۔ مسیحیت قبول کر لینے کے بعد بت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پرستوں پر جو رد عمل ہوا اس کے نتیجہ میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ ان کی خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ وہ کس طرح گذشتہ وثنیت کی موجودہ مسیحیت کے ساتھ مطابقت پیدا کریں؟ تاکہ اس طرح قدیم و جدید دونوں ادیان کے ساتھ ربط قائم رہ سکے چنانچہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد "اسکندریہ کے فلسفہ اصنامی تخیل سیر اپیز (SERAPIS) سے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی اور ایزیز (ISIS) کی جگہ حضرت مریم علیہا السلام کو اور ہورس (HORS) کی حضرت مسیح ؑ کو دی گئی اور اس یونانی اور مصری فلسفیانہ وثنیت کی بدولت موجودہ مسیحیت میں الوہیت مسیح ؑ اور تثلیث کلیسہ کا مقبول عقیدہ بن گیا۔

یہ عقیدۂ تثلیث ابھی سن طفولیت ہی میں تھا کہ علماء نصاریٰ میں اس کے رد و قبول پر معرکۃ الآراء بحثیں شروع ہو گئیں "نیقاد" کی کونسل میں مشرقی گرجاؤں میں اور خصوصی اور عمومی مجالس میں جب بحث نے طول کھینچا تو کلیسہ نے فیصلہ دیا کہ مسئلہ ثالوث (تثلیث) حق اور اس کے خلاف "الحاد" ہے ان ملحد جماعتوں اور فرقوں میں نمایاں فرقہ بیونین ہے جو کہتا ہے کہ حضرت مسیح انسان محض تھے دوسرا "سابلین" ہے جس کا خیال ہے کہ خدا ذات واحد ہے اور ابن روح القدس یہ مختلف صورتیں ہیں جن کا اطلاق مختلف حیثیتوں سے ذات واحد ہی پر ہوتا ہے تیسرا فرقہ "آریوسین" ہے اس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح ؑ اگرچہ "ابن اللہ" ہیں مگر "اب" کی طرح ازلی نہیں ہیں بلکہ کائنات بلند و پست سے قبل "اب" کی تخلیق سے مخلوق ہوا ہے اور اس لئے وہ "اب" سے نیچے اور اس کی قدرت کے سامنے مغلوب و خاضع ہے اور چوتھا فرقہ "مقدونیین" ہے ان کا کہنا ہے کہ "اب" اور ابن دو ہی اقنوم ہیں "روح القدس" اقنوم نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے۔

کلیسہ نے ان کو اور اسی قسم کے دوسرے فرقوں کو "ملحد" قرار دے کر نیقادی کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء اور قسطنطنیہ کی کونسل منعقدہ ۳۸۱ء کے مطابق ثالوث (تثلیث) کو مسیحی عقیدہ کی بنیاد تسلیم کیا اور فیصلہ دیا کہ "اب" اور روح القدس" تینوں جدا جدا مستقل اقنوم (اصل ہیں) اور عالم لاہوت میں تینوں کی وحدت ہی خدا ہے گویا اس طرح ریاضی اور علم ہندسہ کے اٹل اور ناقابل انکار بدیہی مسئلہ خلاف یا یوں کہیے کہ بداہتہً عقل کے خلاف یہ تسلیم کر لیا کہ "ایک" اور "تین ہے اور "تین" ایک اور یہ بھی کہا کہ "ابن" ازل ہی میں "اب" سے ہوا ہے اور پھر ۵۸۹ء میں طلیطلہ کونسل نے یہ ترمیم منظور کر لی کہ "روح القدس" کا صدور "اب" سے ہی نہیں بلکہ "اب اور "ابن" دونوں سے ہوا ہے اس ترمیم کو "لاطینی کلیسہ" نے تو بغیر چون وچرا تسلیم کر یا اور اس کلیسہ کا عقیدہ بنا لیا لیکن "یونانی کلیسہ" اول تو خاموش رہا مگر اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس ترمیم کو بدعت قرار دے کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس باہمی اختلاف نے اس قدر شدید صورت اختیار کر لی کہ "یونانی کلیسہ" اور کیتھولک لاطینی کلیسہ کے درمیان کبھی اتفاق واتحاد پیدا نہ ہو سکا۔

ثالوث یا تثلیث کا یہ عقیدہ دین مسیحی کے رگ وپے میں خون کی طرح ایسا سرایت کر گیا کہ مسیحی کے بڑے فرقوں رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کے درمیان سخت بنیادی اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس میں اتفاق ہی رہا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قابل حیرت ہے یہ بات لوتھر کی جماعت اور اصلاح پسند کلیساؤں نے بھی ایک عرصہ دراز تک اس کیتھولک عقیدہ کو ہی بغیر کسی اصلاح و ترمیم کے عقیدہ تسلیم کر لیا البتہ تیرھویں صدی عیسوی میں فرقہ لاہوتی کی اکثریت نے اور جدید فرقوں سوسینیائی، جرمانی، موحدین اور عمومیین وغیرہم نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس عقیدہ کو نقل و عقل کے خلاف کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ (دائرۃ المعارف للبستانی جلد ۶ ص ۵۰۳ مکملہ (عاملے))

یہ ہے مسیحیت میں عقیدہ تثلیث کی وہ مختصر تاریخ جس سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے کہ دین مسیحی کی حقیقی صداقت کی تباہی کا راز اسی الحاد اور مشرکانہ بدعت کے اندر پوشیدہ ہے جو صنم پرستانہ تخیل کا رہین منت ہے۔

عقیدۂ ثالوث کیا شے ہے اور "اب" ابن روح القدوس" کی تعبیرات کی حقیقت کیا ہے یہ مسئلہ بھی مسیحیت کے ان مباحث میں سے ہے جن کا فیصلہ کن جواب کبھی نہ مل سکا اور جس قدر اسکو صاف اور واضح کرنیکی کوشش کی گئی اس میں الجھاؤ اور پیچیدگی کا اضافہ ہی ہوتا گیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ جس عقیدہ کو مسیحیت میں اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل تھی وہی "معمہ" بن کر رہ گیا اور قدیم و جدید علماء نصاریٰ کو یہ کہنا پڑا کہ تثلیث میں توحید اور توحید میں تثلیث یہ مذہب کا ایسا مسئلہ ہے جو دنیا میں حل نہیں ہو سکتا اور دوسرے عالم میں پہنچ کر ہی یہ عقیدہ حل ہوگا۔ اسلئے یہاں اسکو عقل سے سمجھنے کی کوشش کرنا فضول ہے بلکہ خوش عقیدگی کے ساتھ قبول کر لینا ہی نجات کی راہ ہے چنانچہ اواخر انیسویں صدی کے مشہور عیسائی عالم پادری فنڈر نے "میزان الحق" میں یہی بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

تاہم اس صنم پرستانہ فلسفہ کی جو تشریحات کی گئی ہیں ان کو مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس کائنات ہست و بود کو جس میں ہم بس رہے ہیں "عالم ناسوت" کہا جاتا ہے اور ملاء اعلیٰ کہ جس کا تعلق عالم غیب سے ہے وہ اور اس سے ماوراء جہاں نہ زمین و زماں کا گزر اور نہ مکین و مکاں، جہاں سب کچھ ہے لیکن مادیت سے بالاتر اور وراء الوراء ہے اس کا نام "عالم لاہوت" ہے تو جب زیر و بالا اور بلند و پست کچھ بھی نہ تھا اور ازل کی غیر محدود وسعت میں "وقت" ایک بے معنی لفظ تھا اس وقت تین اقنوم تھے "باپ"، "بیٹا"، "روح القدس" اور ان ہی تین اقانیم کی مجموعی حقیقت کا نام "خدا" ہے رومن کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور ان دونوں سے جدا کلیسہ شرقی تینوں ہی اس پر متفق ہیں اور اسی کو دین مسیحیت کی روح یقین کرتے ہیں اور بڑی جسارت کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کی کتاب مقدس کی تصریحات اسی کا اعلان کرتی ہیں مطالعہ کرنے سے دیدہ حیرت اور چشم عبرت کے لئے بہت سا سامان مہیا ہو جاتا ہے، بڑی بڑی مذہبی کونسلوں، بڑے بڑے کلیساؤں کے بشپوں اور پاپاؤں نے اس عقیدہ کی تشریح میں یہ عجیب و غریب مباحث پیدا کیے کہ "اقنوم اول" باپ سے کس طرح اقنوم ثانی بیٹے کی ولادت ہوئی اور پھر باپ سے یا باپ اور بیٹے دونوں سے کس طرح اقنوم ثالث "روح القدس" پھوٹ کر نکلی یا کس طرح اس کا صدور ہوا اور یہ ان کے باہم نسبت کیا ہے اور ان کے جدا جدا کیا القاب و صفات ہیں جو ایک دوسرے کو آپس میں متمائز کرتے ہیں اور پھر جب یہ تثلیث توحید بن جاتی ہے تو اس کی صفات و القاب کی کیا صورت ہو سکتی ہے، نیز یہ کہ جس کو ہم خدا کہتے ہیں اس میں تینوں اقانیم برابر کے شریک ہیں یا کوئی ایک پورا اور دوسرے دو جزوی حصہ دار ہیں اور جزوی شرکت ہے اور کس نسبت اور تعلق سے ہے؟ غرض خدائے برکت کی مقدس اور پاک ہستی کو معاذ اللہ کمہار کے چاک پر رکھا ہوا برتن فرض کر کے جس طرح اس کو بنایا اور تیار کیا ہے اور توحید خالص کو تباہ برباد کر کے جس طرح شرک و ترکیب کا نیا سانچہ ڈھالا ہے دنیائے مذاہب و ادیان کی تاریخ میں ایسا مذہبی تغیر و انقلاب چشم فلک نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا ان ھذا لشیء عجاب بہر حال

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"باپ" "بیٹا" "روح القدس" کی جدا جدا تفصیلات و تشریحات اور پھر وحدت سے ترکیب اور ترکیب سے وحدت کی عجوبہ زا تعبیرات کی ایک بھول بھلیاں ہے جس کا کہیں اور چھور نظر نہیں آتا اور جب کہنے والا ہی لفظی تعبیرات کے علاوہ "حقیقت" سمجھنے سے عاری ہے تو سننے والا کیا خاک سمجھ سکتا ہے۔

باپ

اقانیم ثلاثہ میں "اب" پہلا اقنوم ہے۔اسی سے اقنوم ثانی کی ولادت ہوئی اور "عالم لاہوت" یہ کبھی بھی دوسرے اور تیسرے اقانیم سے جدا نہیں ہوتا۔ مگر مسیحی فرقوں میں کنیسہ کی تعلیم کے مطابق اکثر فرقے یہ کہتے ہیں کہ وحدت لاہوت میں تینوں کا درجہ مساوی ہے اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے اور آلوسی کہتے ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ دوسرا اقنوم "بیٹا" اقنوم اول کی طرح ازلی نہیں ہے البتہ عالم بالا و پست سے غیر معلوم مدت پہلے اقنوم اول سے پیدا ہوا ہے اس لئے اس کا درجہ "باپ" کے بعد اس سے کم ہے اور، مقدونی فرقہ کہتا ہے کہ صرف دو ہی اقنوم ہیں "باپ" اور "بیٹا" اور "روح القدس" مخلوق ہے اور فرشتوں میں سے ایک فرشتہ جس کا پایہ تمام ملائکۃ اللہ سے بلند ہے اور طلیطلہ کی کونسل کا فیصلہ یہ ہے کہ روح القدس "باپ" اور "بیٹا" دونوں سے پھوٹ کر نکلی ہے یا دونوں سے ہی اس کا صدور ہوا ہے مگر قسطنطنیہ کی کونسل روح القدس کی صرف باپ ہی سے صادر ہونا بتلاتی ہے اور قدیم و جدید فرقوں میں سے ایک بڑی جماعت اقنوم ثالث مریم (علیہا السلام) کو تسلیم کرتی اور روح القدس کے اقنوم ہونے کا انکار کرتی ہے۔

بیٹا

عربی میں "ابن" فرنچ میں "فی"----اور انگریزی میں سن (SON) اور اردو میں "بیٹا" کہتے ہیں، یہ اس شکل انسانی پر بولا جاتا ہے جو عام قانون قدرت کے مطابق مرد و عورت کے جنسی تعلقات کا نتیجہ ہوتا ہے مگر عقیدۂ ثالوث کے مطابق وہ عالم لاہوت میں "باپ" سے جدا بھی نہیں اور پیدا بھی ہے اور پھر بعض کے نزدیک اس کی پیدائش ازلی ہے اور بعض کے نزدیک غیر ازلی، آگے چل کر کہتے ہیں کہ جب "باپ" کی مشیت کا فیصلہ ہوا تو اقنوم ثانی "بیٹا" عالم ناسوت (کائناتِ ہست و بود) میں مریم کے بطن سے پیدا ہو کر "مسیح" کہلایا اور بعض کا تو یہ دعویٰ ہے کہ خود باپ ہی عالم ناسوت میں بیٹا بن کر مریم کے بطن سے تولد ہوا اور مسیح کی شکل میں روشناس ہوا اور طرفہ تماشا یہ کہ بعض کے نزدیک تو اقنوم ثانی "ابن" کو اقنوم اول "اب" پر برتری اور تفوق حاصل ہے۔

روح القدس

اسی طرح "روح القدس" کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے: کوئی کہتا ہے کہ وہ اقنوم ہی نہیں ہے اس لیے عالم لاہوت میں اس کو الوہیت حاصل نہیں ہے چنانچہ مکدونی اور آریوسی کہتے کہ وہ ملائکۃ اللہ میں سے ہے اور ان میں سب سے برتر و بلند ہے اور مار تونیوس کہتا ہے کہ روح القدس کی تعبیر مجاز ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال پر مجازاً اس کا اطلاق کیا جاتا ہے ورنہ الگ سے کوئی حقیقت نہیں، اس بناء پر اس قول کے قائلین کا "مجازئین" کہا جاتا ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور علماء جدید میں کلارک کہتا ہے کہ الہامی کتابوں عہد نامہ قدیم و جدید میں کسی ایک جگہ بھی "الوہیت" کا درجہ نہیں دیا گیا، فرقہ مکدونی نے الوہیت روح القدوس کا انکار کرتے ہوئے شدومد سے یہ کہا ہے کہ اگر جوہر الوہیت میں روح القدوس کو بھی دخل ہوتا تو یاوہ غیر مولود، اگر مولود ہے تو اس کے اور "ابن" کے درمیان کیا فرق رہا اور اگر غیر مولود ہے تو اس کے اور "ب" کے درمیان کیا امتیاز ہے۔

ان کے مقابلے میں دوسری جماعتیں کہتی ہیں کہ "روح القدوس" کو بھی الوہیت حاصل ہے بوسیو رومانی کہتا ہے کہ روح القدس کا صدور "اب" اور "ابن" دونوں سے ہوا اور وہ ان کے جوہر نفس سے ہے اور دونوں کیساتھ وحدت لاہوت میں "الٰہ" ہے اور اثناسیوس کہتا ہے کہ روح القدس کی الوہیت ناقابل انکار ہے اور کتب سماویہ میں روح پر "الٰہ" کا اور "الٰہ" پر "روح" کا اطلاق ثابت و مسلم ہے اور اس کی جانب ان ہی امور کی نسبت کی گئی ہے جن کا تعلق ذات خدا کے ماسوا اور کسی سے نہیں ہے مثلاً تقدیس ذات، معفرت جمیع حقائق وغرہ اور یہ عقیدہ سے چلا آتا ہے جیسا کہ نظم سولجیا سے ثابت ہے جس کی قدامت تالیف سب کے نزدیک مسلم ہے اس میں الوہیت روح القدس کا اعتراف موجود ہے اور مولٹ لفیلو پیٹرس نے انکار الوہیت روح پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک خدائے حقیقی کی توحید کا تثلیث میں مضمر ہونا ایک مسلم حقیقت ہے پھر روح کو الوہیت سے خارج کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور مکدونیوں کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مار اثناسوس کہتا ہے کہ کتب سماوی میں روح کو ابن نہیں کہا گیا بلکہ روح الاب اور روح الابن کے اطلاقات پائے جاتے ہیں لہٰذا اس کو "ابن" یا "اب" کہنا صحیح نہیں اور نہ اس کو الوہیت سے نکال کر مخلوق کہنا درست ہو سکتا ہے اور ادراک بشری عاجز ہے کہ کان فلسفیانہ بحثوں سے "روح القدس" کی حقیقت تک پہنچ سکے البتہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فقط تولید (پیدا ہونا) ہی تنہا ایسا واسطہ نہیں جو "اب" کے ساتھ قائم ہو بلکہ انبثاک (صدور یا پھوٹ نکلنا) بھی ایک شکل ہو سکتی ہے مگر ہم اس دنیا میں تولید و انبثاق کے درمیان فرق ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہیں البتہ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کی تولید و انبثاق دونوں کا "اب" کے ساتھ ازلی وابدی اور تلازم کا تعلق ہے پس ہمارے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ فلاسفہ قدیم (فلاسفہ یونان) کی طرح "روح القدس" اور "اب" کے درمیان فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ وہ اعتقادات قبول کر لیں جو انھوں نے خدا سے صدور ارواح کے متعلق پیدا کر لیئے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ وہ اختلافات بھی پیش نظر رہنے چاہیں جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکے ہیں کہ بعض کلیسہ "روح القدس" کا فقط اقنوم اول (باپ) سے صادر ہونا مانتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں باپ اور بیٹا دونوں سے اس کا صدور ہوا ہے، یہ اختلاف بھی عیسائی فرقوں کے درمیان سخت کشمکش کا سبب رہا ہے کیونکہ ۳۸۱ء میں منعقدہ کونسل قسطنطنیہ نے "منشور ایمانی" میں یہ واضح کر دیا تھا کہ روح القدس کا صدور "باپ" ہی سے ہوا ہے اور عرصہ تک یہی عقیدہ مسیحی دنیا میں نافذ رہا لیکن ۴۴۷ء میں اول ہسپانیہ کے کلیسہ نے پھر فرانس کے کلیسہ نے اور اس کے بعد تمام لاطینی رومن کلیساؤں نے اس ترمیم کو جزء عقیدہ بنایا کہ "روح القدس" کا صدور اقنوم اول (باپ) اور اقنوم ثانی "بیٹا" دونوں سے ہوا ہے، عیسائی علماء کہتے ہیں کہ دراصل یہ بحث ۸۶۶ء میں سب سے پہلے شرق کے بطرق فوتیوس نے اس لئے پیدا کی کہ اس کی اور اس کی جماعت کی یہ خواہش تھی کہ کسی شرق (یونان) کے کلیسہ کو غرب (روم) کے کلیسہ سے جدا کر دیا جائے اور مشرق و مغرب کی کلیساؤں کا اتحاد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

باقی نہ رہنے دیا جائے اسی خیال کی تائید و تقویت کے لئے ۱۰۴۳ء میں بطریق میخائیل کرولاریوس نے اس عقیدہ کو بہت جلد شائع کیا اور آخر کار صدیوں تک ان اختلافات نے کلیسہ ہائے مشرق و مغرب کے درمیان مخالفانہ کشمکش کو قائم رکھا اور دونوں کلیسہ ایک دوسرے پر یہ الزام عائد کرتے رہے کہ مخالف کلیسہ نے مسیحیت میں الحاد و بدعت کی آمیزش کر کے حقیقی مذہب کو مٹا ڈالا ہے اور رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کی بالعموم اور کلیساؤں کے مختلف فرقوں کی بالخصوص کشمکش کا یہ سلسلہ اس وقت تو انتہائی شدت اختیار کر چکا تھا اور باہم ہولناک خونریزیوں او بہیمانہ مظالم کا جہنم بن چکا تھا جبکہ اسلام اعتقادات کی سادگی اعمال صالحہ کی پاکیزگی اور اپنی علمی و عملی روحانیت کی شگفتگی کی بدولت ''امن عام'' اور ''رحمت'' کا نیر درخشاں بنا ہوا تھا۔

زمنہ مظلمہ اور اصلاحِ کنیسہ کی آواز

یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائیوں کے مذہبی کلیسہ معمولی معمولی اختلافات کی بنا پر پوپ کی حکومت اور پیروان پوپ کی حکومتوں کے ذریعہ ایک دوسری جماعت کو گردن زدنی اور کشتنی قرار دیتی اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کو وحشت ناک عذابوں میں مبتلا کر کے قتل کر دیا کرتی تھیں اسی بناء پر مورخین تاریخ کے اس دور کو ازمنۂ مظلمہ (زمانہائے تاریک) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جس حقیقت اور صداقت کا اظہار کیا تھا پوپ اور کلیسا سے مرعوبیت نے اگرچہ ایک مدت مدید تک عیسائیوں کو اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ مگر پھر بھی یہ صدائے حق اثر کئے بغیر نہ رہ سکی، اس کی تفاصیل اگرچہ خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مذکور ہوں گی لیکن یہاں صرف اس قدر اشارہ کرنا مقصود ہے کہ رومن کیتھولک، پراٹسٹنٹ اور دوسرے فرقوں نے بغیر کسی جھجک کے سینٹ پاک کی تحریف (تثلیث) مسیحیت کا بنیادی عقیدہ تسلیم کر لیا تھا اور اگرچہ بعض چھوٹی چھوٹی جماعتوں یا افراد نے کبھی کبھی اس کے خلاف آواز اٹھائی، مگر وہ آواز دب کر رہ گئی اور نقار خانہ میں طوطی کی صدا سے زیادہ اس کی حیثیت نہ بن سکی۔ مثلاً ۳۲۵ء اور ۳۸۱ء میں جب نیقادی کونسل اور قسطنطنیہ کونسل نے تثلیث کو دین مسیحی کی بنیاد قرار دیا اس وقت ابوینین نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف انسان ہیں اور الوہیت کا ان سے کوئی علاقہ نہیں اور سابلئین کہتے تھے کہ اقانیم ثلاثہ، تین مختلف جوہر نہیں ہیں بلکہ وحدتِ لاہوتی کی مختلف صورتیں اور تعبیریں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ صرف اپنی ذاتِ واحد کے لیے اطلاق کرتا ہے تاہم اس وقت تک چونکہ پوپ اور کلیسہ کے فیصلے خدائی فیصلے سمجھے جاتے تھے بشپ اور پاپا یقین کیے جاتے تھے اس لیے ان اصلاحی آوازوں کو ''الحاد'' کہہ کر دبا دیا گیا۔ مگر جب صلیبی جنگوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے اتنے قریب کر دیا کہ انہوں نے اسلام کے اعتقادی اور عملی نظام کا بہت کچھ نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسلام سے متعلق بطارقہ (BATARIQA) بساقفہ (BISHAQIFA) کی غلط بیانی اور بہتان ان پر ظاہر ہونے لگی تب ان میں بھی آزادیٔ فکر نے کروٹ لی اور کورانہ تقلید کو شکست و ریخت کرنے کا جذبہ پیدا ہوا، چنانچہ لوتھر کی آواز پہلی صدائے حق تھی جس نے جرأت کے ساتھ ''ارباباً من دون اللہ'' کے بتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور پوپ کے مقابلہ میں کتابِ مقدس کی پیروی کی دعوت دی مگر آپ کو تعجب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو گا یہ سن کر کہ پوپ کی جانب سے لوتھر کی خلاف جو الحاد اور بد دینی کے الزامات لگائے تھے ان میں سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ در پردہ "مسلمان" ہو گیا ہے اور پاپا کے خلاف اس کی صدا قرآن کی صدائے بازگشت ہے۔

بہر حال یہی وہ صدائے اصلاح تھی جو بلاشبہ اسلام کی دعوتِ تفکّر و تعقّل سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ "اصلاح کنیسہ" کے نام سے مسیحی دنیا میں گونج اٹھی اور آگ کی طرح ہر طرف اس کے شعلے نظر آنے لگے۔ ان ہی اصلاحات میں سے ایک اہم اصلاحی تخیّل یہ بھی تھا کہ عقیدۂ ثالوث کتابِ مقدس (عہد نامۂ جدید) کے قطعاً خلاف ہے۔ چنانچہ تیرھویں صدی عیسوی میں قدیم لاہوتی فرقہ کے جمہور نے نسطوری فرقہ کے جماعتی فیصلہ نے اور جدید جماعتوں میں سے سوشنیانیں ---- جرمانیین --- موحدین ----اور عمومیین اور دوسری جماعتوں نے تعلیم کلیسا کے خلاف مذہبی بغاوت کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ تثلیث کا عقیدہ نقل و عقل دونوں کے خلاف اور ناقابل تسلیم ہے اور اگرچہ قومی و مذہبی عصبیت نے ان کو اسلامی عقیدہ کا پیرو ہونے سے باز رکھا تاہم انہوں نے عقیدۂ ثالوث باطل ہو کر توحیدِ الٰہی کے پاک اور مقدس جراثیم ہونے لگے۔ مثلاً سوئڈنبرگ نے کہا:

"اقانیم ثلاثہ "باپ" "بیٹا" "روح القدس" کا تعلق حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات کے ماسواذات احدیت میں انسانی شکل کی تقید کی وجہ سے "بیٹا" اور "اقنوم ثانی" ہے اور اس حیثیت سے کہ روح القدس کا صدور اس سے ہوا ہے وہ اقنوم ثالث "روح" ہے۔ غرض "ثالوث" کا تعلق صرف حضرت مسیح علیہ السلام سے ہے۔

اور کانٹ (CANT) کہتا ہے کہ:

عقیدۂ ثالوث کے یہ معنی نہیں ہیں کہ "باپ" "بیٹا" "روح القدس" بلکہ یہ عالم لاہوت میں خدائے برتر کی تین بنیادی صفات کی جانب اشارہ ہے جو باقی تمام صفات کے لیے مصدر اور منبع کی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ "قدرت" (اب) حکمت (ابن) اور "محبت" (روح) ہیں یا اللہ کے ان تین افعال کی جانب اشارہ ہے جو "خلق" "حفظ" "ضبط" کے نام سے بھی تعبیر کیے جاتے ہیں۔

اور ہیگن اور شیلنگ نے اس خیال کی کافی اشاعت کی کہ عقیدۂ ثالوث حقائق کی طرح کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک تخیلی نظریہ ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے خدائے برتر کی ذاتِ وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے اور مسیح علیہ السلام، مخلوقِ خدا، لیکن عام خیال و تصور میں جب ہم لاہوتی علم کی جانب پرواز کرتے ہیں تو ہمارا خیال اس عالم میں خدا، مسیح علیہ السلام اور روح القدس کو "اب" "ابن" اور "روح" کی تعبیرات دیتا اور ان کی باہم تعلق کو اقانیم ثلاثہ کی حیثیت میں دیکھتا ہے۔

"عقلیین" "لوتھرین" اور موحدین" اور "جرمانیین" کے علاوہ بھی بہت لوگ ہیں جو سابلیین کے عقیدہ کو اختیار کر کے ایک بڑی جماعت کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یورپ کی نشاۃِ جدید میں بھی عام طور پر تمام کلیساؤں کا ثالوث (تثلیث) پر ہی عقیدہ ہے اور ان کے نزدیک اس کلمہ کی تعبیر وہی ہے جو چوتھی صدی عیسوی میں متعدد مذہبی کونسلوں نے کی اور جو بلاشبہ شرکِ جلی اور توحید کے یکسر منافی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن اور عقیدۂ تثلیث

نزول قرآن کے وقت جمہور مسیحی جن بڑے فرقوں میں تقسیم تھے ثالوث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پر مبنی تھا، ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین خدا ہے اور خدا ہی بشکلِ مسیح دنیا میں اتر آیا ہے اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ مسیح ابن اللہ (خدا کا بیٹا ہے) اور تیسرا کہتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے:- باپ، بیٹا، مریم۔ اور اس جماعت میں بھی دو گروہ تھے اور دوسرا گروہ حضرت مریم کی جگہ "روح القدس" کو اقنوم ثالث کہتا تھا۔ غرض وہ حضرت مسیح کو ثالث ثلاثہ (تین میں تیسرا) تسلیم کرتے تھے اس لیے قرآن کی صدائے حق نے تینوں جماعتوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے اور یکجا بھی اور دلائل و براہین کی روشنی میں مسیحی دنیا پر یہ واضح کیا ہے کہ اس بارہ میں راہ حق ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ مسیح مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا شدہ انسان اور خدا کا سچا پیغمبر اور رسول ہے، باقی جو کچھ بھی کہا جاتا ہے وہ باطلِ محض ہے ----- خواہ اس میں تفریط ہو جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے کہ العیاذ باللہ وہ شعبدہ باز اور مفتری تھے یا افراط ہو جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہیں اور خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں کے تیسرے ہیں۔

قرآن عزیز نے صرف یہی نہیں کیا کہ نصاریٰ کے تردیدی پہلو کو ہی اس سلسلہ میں واضح کیا ہو بلکہ اس کے علاوہ حضرت مسیح کی شانِ رفیع کی اصل حقیقت کیا ہے اور عنداللہ ان کو کیا قربت حاصل ہے، اس پر بھی نمایاں روشنی ڈالی ہے تاکہ اس طرح یہود کے عقیدہ کی بھی تردید ہو جائے اور افراط و تفریط سے جدا راہِ حق آشکارا نظر آنے لگے۔

حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے مقرب اور برگزیدہ رسول ہیں

قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ○

مسیح نے کہا" بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس نے مجھ کو نبی بنایا ہے اور مجھ کو مبارک ٹھہرایا جہاں بھی رہوں اور اس نے مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی جب تک بھی زندہ رہوں اور اس نے مجھ کو میری والدہ کے لیے نکوکار بنایا اور مجھ کو سخت گیر اور بد بخت نہیں بنایا مجھ پر سلامتی ہو جب میں پیدا ہوا، جب میں مر جاؤں اور جب میں حشر کیلئے زندہ اٹھایا جاؤں۔ (سورہ مریم)

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلَآئِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُوْنَ وَإِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○

وہ (مسیح) نہیں ہے مگر ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور میں نے اس کو مثال بنایا ہے بنی اسرائیل کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لیے، اور اگر ہم چاہتے تو کر دیتے ہم تم میں سے فرشتے زمین میں چلنے پھرنے والے اور بلاشبہ وہ (مسیح) نشان ہے قیامت کے لیے۔ پس اس بات پر تم شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔
(سورۂ زخرف)

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط

اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے کہا اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے تورات اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام "احمد" ہے۔ (سورۂ صف)

حضرت مسیح علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ط وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ط يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

بلاشبہ ان لوگوں نے کفر اختیار کر لیا جنھوں نے یہ کہا "بیشک اللہ وہی مسیح بن مریم ہے" کہہ دیجئے کہ اگر اللہ یہ ارادہ کر لے کہ مسیح بن مریم مریم اور کائنات زمین پر جو کچھ بھی ہے سب کو ہلاک کر ڈالے تو کون شخص ہے جو اللہ سے (اسکے خلاف) کسی شے کے مالک ہونے کا دعویٰ کر سکے اور اللہ کے لئے ہی بادشاہت ہے آسمانوں کی اور زمین کی وہ جو چاہتا ہے اس کو پیدا کر سکتا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ○ (المائدہ)

بلاشبہ ان لوگوں نے کفر اختیار کیا جنھوں نے کہا بلاشبہ اللہ وہی مسیح بن مریم ہے۔ حالانکہ مسیح نے یہ کہا: اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے بیشک جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھراتا ہے پس یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مدد نہیں ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ○

اور انھوں نے کہا: اللہ نے "بیٹا" بنا لیا ہے وہ ذات تو ان باتوں سے پاک ہے، بلکہ (اس کے خلاف) اللہ کے لئے ہی ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے ہر شئے اللہ کیلئے تابعدار ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

إِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ ط خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ط إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ ط اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهٗ ۚ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○

اے اہل کتاب اپنے دینی معاملہ میں حد سے نہ گزرو اور اللہ کے بارے میں حق کے ماسوا کچھ نہ کہو بلاشبہ مسیح علیہ السلام ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ میں جس کو اس نے مریم پر ڈالا (یعنی بغیر باپ کے اس کے حکم سے مریم کے بطن میں وجود پزیر ہوئے) اور اس کی روح ہیں پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین (اقانیم) نہ کہو اس سے باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہو گا بلاشبہ اللہ خدائے واحد ہے پاک ہے اس سے کہ اس کا بیٹا ہو، اسی کے لئے ہی (بلا شرکت غیرے) جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین میں اور کافی ہے اللہ "وکیل" ہو کر۔

بَدِيْعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ط أَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ط وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

وہ (خدا) موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے لئے بیٹا کیسے ہو سکتا ہے اور نہ اس کی بیوی ہے اور اس نے کائنات کی ہر شے کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ط

مسیح بن مریم نہیں ہیں مگر خدا کے رسول بلاشبہ ان سے پہلے رسول گذر چکے ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں، یہ دونوں کھانے کھاتے تھے (یعنی دوسرے انسانوں کی طرح کھانے پینے وغیرہ امور میں وہ بھی محتاج تھے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ط وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا ○

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہرگز مسیح اس سے ناگواری نہیں اختیار کرے گا کہ وہ اللہ کا بندہ کہلائے اور نہ مقرب فرشتے حتیٰ کہ روح القدس "جبرئیل" ناک بھوئیں چڑھائیں گے اور جو عبادت سے ناگواری کا اظہار کرے اور غرور اختیار کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی جانب اکٹھا کرے گا یعنی جزا و سزا کے دن سب حقیقت حال کھل جائے گی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہستی، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کائنات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

قرآن نے اس سلسلہ میں اپنی صداقت اور اصلاح عقائد و اعمال کا جو مدلل اور واضح اعلان کیا اس کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ موجودہ کتابِ مقدس کے محرف اور مسخ کر دیئے جانے کے باوجود جس شکل و صورت میں آج موجود ہے وہ کسی ایک مقام پر بھی "ثالوث" کے اس عقیدہ کا پتہ نہیں دیتی جسکی تفصیلات و تشریحات ابھی سطور بالا میں علماءِ نصاریٰ، مذہبی کونسلوں اور کلیساؤں سے نقل ہو چکی ہیں اور بجز تعبیر کے جگہ جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے خدا کو "باپ" اور خود کو "بیٹا" ظاہر کیا گیا ہے اس کیلئے اور کوئی ثبوت واضح اور مصرح طور پر مہیا نہیں ہے پس اگر ہم اس سے قطع نظر بھی کر لیں کہ یہ تعبیرات "تحریفی" اور صنم پرستی کے تخیل کی رہین منت ہیں اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیں کہ خدائے برتر کی جانب سے سچی الہامی انجیل میں بھی یہ تعبیرات موجود تھیں تب بھی ان سے نصاریٰ کا عقیدۂ "تثلیث" کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ "ابن" کا لفظ اگرچہ حقیقی معنی کے لحاظ سے اس انسان پر بولا جاتا ہے جو کسی کی صلب یا کسی کے بطن سے مادۂ منویہ کے ذریعہ پیدا ہوا ہو۔ تاہم محاوراتِ زبان اور اہل زبان کے استعمالات و اطلاقات شاہد ہیں کہ یہ لفظ کبھی مجاز کے طور پر اور کبھی تشبیہ یا کنایہ کے طریق۔ اور کبھی مختلف معانی پر بولا جاتا ہے، مثلاً ایک بڑی عمر کا شخص اپنے سے چھوٹے کو مجازاً "ابن" (بیٹا) کہہ دیا کرتا ہے یا بادشاہ اپنی رعایا کو اولاد کہہ کر خطاب کرتا ہے یا استاد اپنے شاگردوں کو "بیٹا" کہہ دیا کرتا ہے یا جو شخص کسی علم و ہنر کا ماہر یا اس کی خدمت میں سرشار ہوتا ہے تو اس کو کنایۃً اس علم و ہنر کا بیٹا کہہ کر یاد کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں "ابن القانون" "ابن الفلسفہ" "ابن الفلاحۃ" "ابن الحدادہ" یا دنیا طلبی کی حرص و آرزو میں اگر حد سے گزر چکا ہے تو اسکو "ابن الدراہم" "ابن الدنانیر" کہہ دیا کرتے ہیں، اسی طرح مسافر کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"ابن السبیل" مشہور شخصیت کو "ابن جلا" بڑے ذمہ دار انسان کو "ابن لیلہا" آنے والے دن سے بے پرواہ شخص کو "ابن یومیہ" دنیا ساز ہستی کو "ابن الوقت" کہتے ہیں یا جس کے اندر کوئی وصف نمایاں طور پر موجود ہوتا ہے تو اس وصف کی جانب لفظ ابن کو منسوب کر کے ذات موصوف کو یاد کرتے ہیں مثلاً صبح کو "ابن ذکاء" کہتے ہیں اور ان تمام مثالوں سے زیادہ یہ کہ انبیاء بنی اسرائیل اپنی امتوں کو ابناء اور اولاد کے ساتھ ہی خطاب کرتے اور نصائح و مواعظ میں یہ ظاہر فرماتے ہیں کہ امم و آقا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحانی اولاد ہوتی ہیں۔

اور یہی حال "اب" اور "باپ" کے اطلاقات واستعمالات کا ہے۔ ایک چھوٹا اپنے بڑے کو، ایک ضرورت مند اپنے مربی کو، ایک شاگرد اپنے استاد کو، ایک امتی اپنے نبی رسول کو "اب" اور "باپ" کہنا فخر سمجھتا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تمام اطلاقات مجاز، کنایہ اور تشبیہ کے طور پر کیئے جاتے ہیں اسی طرح بے نظیر مقرر اور خطیب کو "ابوالکلام" بہترین انشاء پرداز کو "ابوالقلم" ماہر نقاد کو "ابوالنظر" ڈراؤنی اور ہیبت ناک شے کو "ابوالہول" سخی کو "ابوالنجاد" فن کاشتکاری کے ماہر کو "ابوالفلاحہ" صنعت و حرفت کے حاذق کو "ابو الصنع" شب و روز بولتے رہتے ہیں۔

تو ان اطلاقات کے پیش نظر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتاب مقدس میں ذات احدیت پر اب (باپ) کا اطلاق رب حقیقی کی حیثیت میں اور حضرت مسیح پر ابن (بیٹا) کا اطلاق محبوب و مقبول الٰہی کی حیثیت میں ہوا ہے۔ یعنی جس طرح باپ اور بیٹے کے درمیان محبت و شفقت کا رشتہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ محبت و شفقت کا وہ رشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اور اسکے مقدس پیغمبر مسیح علیہ السلام کے درمیان قائم ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے اس سے استعارہ اور تشبیہ کو استعمال فرماتے ہوئے کہا ہے "الخلق عیال اللہ" (تمام مخلوق خدا کا کنبہ ہے)

پس روز مرہ کے محاورات واطلاقات کو نظر انداز کر کے کتاب مقدس کے لفظ "اب" اور "ابن" کے ایسے معانی و مطالب مراد لینا جو صریح شرک کے مرادف ہوں بلکہ اس سے بھی زیادہ قباحت و شناعت کے ساتھ خدا کی ہستی کو تین اقانیم سے مرکب ظاہر کرتے اور خدا کے حصے بخرے بناتے ہوں" کسی طرح بھی جائز نہیں ہو سکتا اور صریح ظلم اور اقدام شرک ہے تعالیٰ اللہ علوا کبیرا بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ان ہی اناجیل میں بصراحت حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان اور مخلوق خدا ہونے پر نصوص موجود ہوں مثلاً یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد مذکور ہے:۔ (باب ۸ آیت ۵۱)

"میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم آسمان کو کھلا ہوا اور خدا کے فرشتوں کو اوپر جاتے ہوئے اور ابن آدم (مسیح) پر اترتے دیکھو گے"۔

اور باب ۱۳ میں بصراحت خود کو "رسول" کہا ہے:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوتا اور نہ "رسول" اپنے بھیجنے والے سے"۔

اور باب ۴ میں ہے:۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

''کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ ''نبی'' اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا''۔

اور باب ۳ میں ہے:۔

'اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوائے اسکے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے''۔

اور باب ۶ میں ہے:۔

''پس جو معجزہ اس نے دکھایا وہ لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا وہ فی الحقیقت یہی ہے''۔

اور انجیل متی میں[1] ہے۔

''لیکن ایسے کہ تم جان لو کہ ابن آدم (مسیح) کو زمین پر گناہوں کے معاف کرنے کا اختیار ہے''۔

علاوہ ازیں اگر عہد نامۂ جدید میں حضرت مسیح ؑ کیلئے ''ابن'' کا اطلاق موجود ہے تو نکو کار انسانوں پر بھی ''ابناء اللہ'' اور بدکاروں کیلئے ''ابناء ابلیس'' کا اطلاق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انجیل متی میں ہے:۔ (باب ۵ آیت ۹)

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے''۔

اور انجیل یوحنا میں ہے: (باب ۸ آیت ۴۰،۴۱)

''یسوع نے ان سے کہا: اگر تم ابراہیم کے فرزند ہوتے تو ابراہیم کے سے کام کرتے''..... انہوں نے اس سے کہا ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا''۔

لہٰذا عقیدۂ تثلیث میں نصاریٰ کیلئے موجودہ کتاب مقدس سے بھی کوئی حجت و دلیل نہیں ملتی اور اسلئے بغیر کسی شک و ریب کے یہ کہنا حق ہے کہ یہ عقیدۂ تثلیث صنم پرستانہ عقائد کے امتزاج کا نتیجہ ہے۔

لائق توجہ بات

یہ بات کبھی فراموش نہیں ہونی چاہئے کہ ادیانِ ملل سابقہ کے مسخ و تحریف میں تحریف کرنے والوں کو اس سے بہت زیادہ مدد ملی کے بنیادی عقائد میں صراحت اور وضاحت کی جگہ وقت کے معبروں، مفسروں اور ترجمانوں نے کنایات، استعارات اور تشبیہات سے بہت زیادہ کام لیا۔ ان تعبیرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب ان مذاہب حق کا صنم پرستوں اور فلسفیوں سے واسطہ پڑا اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح اس دین حق کو قبول کر لیا تو اپنے فلسفیانہ اور مشرکانہ افکار و خیالات کیلئے ان ہی استعارات اور تشبیہات کو پشت پناہ بنایا اور آہستہ آہستہ ملت حقیقی کی شکل و صورت بدل کر اس کو معجونِ مرکب بنا ڈالا۔ اسی حقیقت کے پیش نظر قرآن عزیز نے وجود باری، توحید، رسالت، الہامی کتب، ملائکۃ اللہ، غرض بنیادی عقائد میں ذو معنی الفاظ، پر پیچ تشبیہات و رتوحید میں خلل انداز استعارات و کنایات کی بجائے واضح صریح اور غیر مبہم اطلاقات کو اختیار کیا ہے تاکہ کسی ملحد، زندیق اور مشرک فلسفی کو توحید خالص میں شرک اوہام و ظنون کی نکتہ آفرینیوں کا موقع ہاتھ نہ آنے پائے اور اگر کوئی شخص اس کے باوجود بھی بے جا جسارت کرے تو خود قرآن عزیز کی نصوص صریحہ ہی اس کے الحاد

[1] باب ۹ آیت ۶۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو پاش پاش کر دیں۔

کفارہ

موجودہ مسیحیت کا دوسرا عقیدہ جس نے دین مسیحیت کی حقیقت کو برباد کر ڈالا "کفارہ" کا عقیدہ ہے اس کی بنیاد اس تخیل پر قائم ہے کہ تمام کائنات "جس میں نیکو کار اور انبیاء و رسل سب ہی شامل ہیں" ابتداء آفرینش سے ہی گنہگار ہے، آخر رحمت الٰہی کو جوش آیا اور اس کی مشیت نے ارادہ کیا کہ ؑ کو کائناتِ ارضی میں بھیجے اور وہ مصلوب ہو کر اول و آخر تمام کائنات کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور اس طرح دنیا کو نجات او رمکتی حاصل ہو سکے لیکن اس عقیدے کے قوام بنانے کیلئے چند ضروری اجزاء کی ضرورت تھی جن کے بغیر یہ عمارت کھڑی نہیں کی جا سکتی تھی اسلئے "عہد رسول میں سب سے پہلے مسیحیت نے یہودیت کے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا کہ ان کو صلیب پر بھی چڑھایا گیا اور مار بھی ڈالا گیا اور اس کو شرف قبولیت دینے کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ "الوہیت" کے باوجود مسیح ؑ کا صلیب پانا اور قتل ہونا اپنے لیئے نہیں بلکہ کائنات کی نجات کیلئے تھا۔ چنانچہ جب اس پر یہ حادثہ گذر لیا تو اس نے پھر الوہیت کی چادر اوڑھ لی اور عالم لاہوت میں باپ اور ؑ کے درمیان دوبارہ لاہوتی رشتہ قائم ہو گیا۔

پس جب مذہب میں خدائے برتر کے ساتھ صحت عقیدہ اور نیک عملی مفقود ہو کر نجات کا دارومدار عمل و کردار کی بجائے "کفارہ" پر قائم ہو جائے اس کا حشر معلوم؟

قرآن نے اسی لیئے جگہ جگہ یہ واضح کیا ہے کہ نجات کیلئے عقیدہ کی صحت یعنی صحیح خدا پرستی اور نیک عملی کا ماسوا کوئی دوسری راہ نہیں ہے اور جو شخص بھی اس "راہِ مستقیم" کو ترک کر کے خوش عقیدگی اور اوہام و ظنون کو اسوہ بنائے گا اور نیک عملی اور صحیح خدا پرستی پر گامزن نہ ہو گا بلا شبہ گمراہ ہے اور راہِ مستقیم سے یکسر محروم:

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصَارٰى وَالصَّابِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

جو لوگ اپنے کو مومن کہتے ہیں اور جو یہودی ہیں اور جو نصاریٰ ہیں اور جو صابی ہیں ان میں سے جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لے آیا اور اس نے نیک عمل کیئے تو یہی وہ شخص ہیں جن کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے، نہ ان پر خوف طاری ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی قرآن کی دعوت و اصلاح ادیان و ملل کا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہودی، نصرانی، صابی گروہوں کی طرح ایک نیا گروہ مومنوں کے نام سے اس طرح اضافہ کر دے کہ گویا وہ بھی ایک قومی، نسلی یا ملکی گروہ بندی ہے کہ خواہ اس کی خدا پرستانہ زندگی اور عملی زندگی کتنی ہی غلط اور برباد ہو یا سرے سے مفقود ہو۔ مگر اس گروہ بندی کا فرد ہونے کی وجہ سے ضرور کامیاب اور خدا کی جنت و رضا کا مستحق ہے۔ قرآن کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ وہ یہ اعلان کرنے آیا ہے کہ اس کی دعوت حق سے پہلے کوئی شخص کسی بھی گروہ اور مذہبی جماعت سے تعلق رکھتا ہو اگر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے (قرآن کی تعلیم حق) کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی کو اختیار کر لیا ہے بلاشبہ وہ نجات یافتہ اور کامیاب ہے ورنہ تو وہ اگر مسلمان گھر میں پیدا ہوا اور پلا اور بڑھا اور اسی سوسائٹی میں زندگی گزار کر مر گیا۔ مگر قرآن کی دعوت حق کے مطابق خدا پرستی اور نیک عملی دونوں سے محروم رہا یا مخالف تو اس کیلئے نہ کامیابی ہے اور نہ فوز و فلاح۔ باقی رہا مسیحیت کے کفارہ کا خصوصی مسئلہ تو قرآن نے اس کے ابطال اور تردید کیلئے یہ راہ اختیار کی کہ جن بنیادوں پر اس کو قائم کیا گیا تھا ان کی ہی جڑ کاٹ دی۔ چنانچہ گذشتہ سطور میں صلیب اور قتل مسیح علیہ السلام کے انکار، رفع الی السماء کے اثبات کے مبحث میں اس پر کافی روشنی پڑ چکی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حضرت محمد ﷺ

- محمد ﷺ اور قرآن
- صبح صادق
- نسبِ مبارک یتیمی
- خلوت پسندی اور عبادت الٰہی کا ذوق
- صاحب وحی کی معرفت کی وجدانی دلیل
- حدیث بخاری
- نبی اور مصلح
- نزول وحی کا پہلا دور
- دعوت وارشاد کی پہلی منزل
- دعوت وارشاد کی تیسری منزل (بعثت عامہ)
- قرآن اور تجدیدِ دعوت
- یوم آخرت
- ہجرت
- غزوۂ بدر
- غزوۂ خندق یا احزاب
- معاہدۂ صلح
- حاطب بن بلتعہ کا واقعہ
- خطبہ غزوۂ حنین
- غزوات اور نتائج وبصائر
- خرافی داستان
- بنو نضیر
- واقعہ افک
- بشارات النبی ﷺ
- تاریخ ولادت کی تحقیق
- بت پرستی سے نفرت
- حقیقتِ وحی
- بعثت
- بشریت اور نبوت کا باہمی تعلق
- کیفیت وحی اور بعض مستشرقین کی گمراہی
- نزول وحی کا دوسرا دور
- دعوت وارشاد کی دوسری منزل
- دعوتِ اسلام کا مجمل خاکہ
- توحید ورسالت
- اسراء (معراج)
- غزوات
- غزوۂ احد
- واقعہ حدیبیہ
- فتح مکہ (الفتح الاعظم)
- بت شکنی
- غزوۂ تبوک اور قبول توبہ کا عجیب کا واقعہ
- تبنی
- بصائر
- بصیرت
- موعظت بناء فاسق

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

- موعظت
- مسجد ضرار
- وفات یا وصل بالرفیق الاعلیٰ
- عبرت و موعظت

محمد ﷺ اور قرآن

قرآن کلام الٰہی ہے اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ اس کے مہبط ہیں، وہ ان پر نازل ہوا ہے، قرآن، علم و یقین کی روشنی ہے اور ذات اقدس ﷺ اس کا عملی نمونہ اسوہ اور نقشہ ہیں: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ قرآن رشد و ہدایت ہے اور محمد ﷺ راشد و ہادی، قرآن حق و صداقت کیلئے دعوت و پیغام ہے اور نبی اکرم ﷺ اس کے داعی اور پیغمبر، اسلئے قرآن کا ہر ایک جملہ اور اس کی ہر ایک آیت کسی نہ کسی حیثیت میں ذات قدسی صفات سے تعلق رکھتی ہے تو اب کس طرح یہ کہا جائے کہ قرآن میں اتنی جگہ اس مقدس ہستی کا ذکر۔ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے کچھ حالاتِ زندگی ہم کو سنائیں۔ صدیقہ عائشہؓ نے نگاہ تعجب سے دریافت کیا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے جو مجھ سے خلق نبی کے متعلق سوال کرتے ہو۔ "فان خلقه كان القرآن" آپ ﷺ کی تمام اخلاقی زندگی قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی تھی، قرآن جو کچھ کہتا ہے محمد ﷺ نے اس کو کر دکھایا۔ پس قرآن کے کسی حصہ کو سامنے لانا گویا حیات طیبہ کا پیش نظر لے آنا ہے۔

البتہ قرآن عزیز نے جن آیات میں آپ ﷺ کے اسمائے گرامی یا اوصاف عالی کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اور يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ کہہ کر مخاطب کیا، اس کی تفصیل مسطورہ ذیل نقشہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس نقشہ میں نبی اور رسول کے علاوہ جن اسماء اور اوصاف کی تفصیل مسطور ہے وہ یہ ہیں:۔

۱	محمد	۲	احمد	۳	عبداللہ
۴	شاہد	۵	بشیر	۶	نذیر
۷	مبشر	۸	مذکر	۹	عزیز
۱۰	رؤف	۱۱	رحیم	۱۲	امین
۱۳	مزمل	۱۴	مدثر	۱۵	منذر
۱۶	ہادی	۱۷	یٰسین	۱۸	رحمۃ
۱۹	نعمۃ	۲۰	طٰہٰ	۲۱	نور
۲۲	حق	۲۳	سراج منیر	۲۴	شہید
۲۵	داعی الی اللہ	۲۶	خاتم النّبیین	۲۷	نبی
۲۸	رسول	۲۹	عبدہٗ		

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نقشہ

نمبر شمار	نام یا صفت	سورۃ	آیات
۱	محمد	آل عمران	۱۴۴
		احزاب	۴۰
		محمد	۱
		الفتح	۱۹
۲	احمد	صف	۶
۳	عبد اللہ	جن	۱۹
۴	شاھد	الفتح	۸
		احزاب	۴۵
		مزمل	۱۵
۵	مبشر	احزاب	۴۵
		فتح	۸
		فرقان	۵۶
۶	بشیر	نساء	۱۹
		اعراف	۱۸۸
		ہود	۲
		سبا	۲۸
		فاطر	۲۴
۷	نذیر	بقرہ	۱۱۹
		عنکبوت	۵۰
		نساء	۱۹
		اعراف	۱۲۸
		ہود	۲
		حجر	۸۹

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

	فاطر	۴۶،۴۲،۳۷،۲۴،۲۳
	الفتح	۹
	الذاریات	۵۱،۵۰
	ملک	۲۶،۱۷،۹،۸
	فرقان	۵۶
	بقرہ	۱۱۹
	سبا	۴۶،۲۸
	ص	۷
	احقاف	۵
۸	الغاشیہ	۲۱
۹	فاطر	۴۶
۱۰	فاطر	۴۶
۱۱	یونس	۱۰۸
۱۲	توبہ	۱۲۸
۱۳	توبہ	۱۲۸
۱۴	توبہ	۱۲۸
۱۵	دخان	۱۹
۱۶	مائدہ	۱۵
۱۷	بقرہ	۲۳۱
	نمل	۸۱
۱۸	روم	۵۳
۱۹	انبیاء	۱۱۷
۲۰	طٰہٰ	۱
۲۱	یٰسین	۱
۲۲	مزمل	۱
۲۳	مدثر	۱

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۲۴	مسیح	نمل	۲۹
۲۵	خاتم النبیین	احزاب	۴۰
۲۶	نبی	آل عمران	۱۶۱
		اعراف	۱۵۶_۱۵۷
		مائدہ	۸۱
		انفال	۶۴،۶۵،۶۷،۷۰
		برأۃ	۶۱،۷۳،۱۱۳
		حجرات	۲
		احزاب	۱،۲۸،۳۲،۲۸،۴۶
		فاطر	۵۰،۵۲
		تحریم	۱،۳،۸،۹
		طلاق	۱
		ممتحنہ	۱۲
	رسول	بقرہ	۱۴۲،۲۵۰
		آل عمران	۲۳،۸۱،۸۶،۱۰۱،۱۳۲،۱۵۳،۱۷۲،۱۷۹،۱۸۳
		نساء	۱۴،۵۲،۶۱،۶۴،۶۹،۷۹،۸۰،۱۰۰،۱۱۵،۱۲۶،۱۷۰
		مائدہ	۱۵،۳۲،۴۱،۵۵،۵۶،۶۷،۸۶،۹۲،۹۹،۱۴۰
		اعراف	۱۵۷،۱۵۸
		انفال	۱،۱۲،۲۴
		توبہ	۱،۲،۷،۱۶،۲۴،۲۶،۲۹،۳۳،۵۴،۵۹،۶۳،۶۵،۸۰، ۸۱،۸۴،۸۶،۸۸،۹۱،۹۴،۹۷،۹۹،۱۰۵،۱۰۷،۱۲۸
		نحل	۱۱۳
		اسراء	۹۳
		حج	۷۸
		مومن	۷۸
		زخرف	۲۹

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنکبوت	۱۸
حجرات	۱، ۳، ۸، ۱۴، ۱۵
الفتح	۹، ۱۲، ۱۳، ۱۷، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۹۶
احزاب	۶، ۲۱، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۶، ۴۰
فاطر	۵۲، ۵۷، ۷۱
دخان	۱۴، ۱۹
حدید	۷، ۸، ۲۹
مجادلہ	۵، ۸، ۹، ۱۲، ۱۳، ۲۰، ۲۲
محمد	۳۲، ۳۳
منافقون	۱، ۷، ۸
تغابن	۸، ۱۲
فرقان	۷، ۲۷، ۳۰، ۴۱
طلاق	۱۱
جمعہ	۲
صف	۹، ۱۱، ۶۶
حشر	۴، ۶، ۷، ۸
ممتحنہ	۱
جن	۲۲، ۲۸
الحاقہ	۴۲
نور	۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۶، ۶۲، ۶۳
بقرہ	۱۴۳
نساء	۴۱
نحل	۸۹
حج	۷۸
الفرقان	۱
اسراء	۱

۲۸

۲۹

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حدید	۹
کہف	۱

قرآن عزیز اور صحیح احادیث میں نبی اکرم ﷺ کے جن اسماء و صفات کا ذکر ہے، علماء اسلام نے اس پر مستقل تصانیف کی ہیں اور ابن وحیہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس پر قلم اٹھایا۔ ان کے علاوہ ابن کثیر، بیہقی، ابن عساکر (رحمہم اللہ) جیسے محدثین نے ان تمام احادیث و آثار کو یکجا جمع کر دیا ہے جن میں آپ ﷺ کے اسمائے صفات اور القاب مذکور ہیں۔ مشہور محدث ابی بکر بن عربی نے شرح ترمذی میں ان کی شمار چونسٹھ کرائی ہے۔ بعض نے ننانوے بعض نے تین سو اور بعض اہل علم نے ان کو ایک ہزار تک[1] پہنچایا ہے۔ مگر یہ کثرت تعداد اسلئے صحیح نہیں ہے کہ اس شمار میں ان تمام انتسابات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جو کسی مناسبتِ حال سے آپ ﷺ کی جانب منسوب ہیں اگرچہ بحیثیت اسماء صفات یا القاب کے ان کا اطلاق ذات اقدس پر صحیح نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آپ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے درمیان صفتِ نبوت کے تعلق کو ظاہر اور ختم نبوت کو واضح کرنے کیلئے خود کو قصر نبوت کی آخری لبنہ (اینٹ) فرمایا ہے تو جن بزرگوں کو آپ ﷺ کے اسماء و صفات کی کثرت سے شغف تھا، انہوں نے صفات النبی میں "اللبنہ" کو بھی شمار کر لیا۔ (فتح الباری ج۶ ص۴۳۶)

الشاہد، البشیر، النذیر، المبین، الداعی الی اللہ، السراج المنیر، المذکر، الرحمۃ، النعمۃ، الہادی، الشہید، الامین، المزمل، المدثر۔ لیکن ہماری فہرست کے مقابلہ میں یہ فہرست ناقص ہے۔ جن اسماء و صفات کا ذکر نقشہ میں ہے وہ بھی جمہور کے نزدیک مسلم، حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ) یہ بھی لکھتے ہیں کہ احادیث میں مذکور اسماء و صفات میں سے حسب ذیل صفات بہت مشہور و معروف ہیں:۔

"المتوکل، المختار، المصطفیٰ، الشفیع المشفع، الصادق المصدوق"

بہر حال محمد اور احمد ﷺ دو اسماء علم (نام) ہیں اور باقی اسماء صفات و القاب ہیں اور قرآن میں آپ ﷺ کے نام پاک کے انتساب سے ایک سورۃ کا نام سورۂ محمد ہے جس کے شروع میں ہی آپ کا اسم گرامی مذکور ہے۔ اور صرف ایک جگہ سورۂ صف میں احمد منقول ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کی اس بشارت کے تذکرہ میں یہ نام آیا ہے جو آپ ﷺ کی آمد سے متعلق انہوں نے بنی اسرائیل کو سنائی تھی:

یہ حقیقت بھی قابل فراموش نہیں ہے کہ آپ کے اسماء و صفات محض رسمی نہیں ہیں کہ والدین نے جو چاہا نام رکھ دیا اور احباب و اصحاب نے جس صفت و لقب سے جی چاہا پکار لیا بلکہ ان سماءِ صفات کا آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے اخلاق و اعمال کے ساتھ بہت گہرا تعلق ہے جیسا کہ ابھی ماحی، حاشر اور عاقب کے متعلق خود زبانِ وحی ترجمان سے سن چکے ہو یا مثلاً محمد اس ہستی کو کہتے ہیں جس کے تذکرے ہمیشہ خوبی اور نیک گوئی کے ساتھ ہوتے ہوں۔ یہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) کی بشارات اور مستقبل میں تذکرہ ہائے حیات کی جانب اشارہ ہے اور احمد اس ذات پر اطلاق ہوتا ہے جو سب سے زیادہ حمد الٰہی کیلئے نغمہ سنج ہو۔ یہ ذات اقدس کی عبدیت کاملہ اور انسان

۱: فتح الباری ج۶ ص۴۳۵۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کامل ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ بلاشبہ آپ خدا پرست انسانوں کیلئے مبشر و بشیر اور فتنہ جو مفسدوں، کافروں او رمشرکوں کیلئے منذر و نذیر ہیں۔ روزِ قیامت، صادق وکاذب دونوں پر شاہد و شہید ہیں، چشم حق بین اور گوش حق نیوش کیلئے مذکر (ناصح) ہیں۔ راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کیلئے ہادی ور خدا سے بھاگے ہوؤں کیلئے داعی ہیں۔ ان کا وجود رحمۃ ہے کائناتِ عالم کیلئے اور ان کی ہستی نظام کائنات کیلئے نعمۃ ہے۔ جہل و شرک کیلئے نور ہیں اور پیغام الٰہی کیلئے نبی و رسول، مصائب و آلام میں عزیز ہیں اور نوعِ انسانی کے ہر ایک گوشۂ حیات کیلئے رؤف و رحیم، ان کی صدا، صدائے حق ہے اور ان کی ذات الصادق الامین، قرآن خدا کا آخری پیغام ہے، اسلئے وہ خاتم النبیین ہیں، ان کی بعثت عالمگیر ہے۔ اس لیئے طٰہٰ و یٰسین ہیں اور آسمان نبوت کے سراج منیر ہیں اور کائناتِ رسالت کے بشیر و نذیر، عالم ادیان و ملل کی سلطانی کے باجود گدائے کملی پوش ہیں۔ اسلئے مزمل ہیں اور مدثر، پھر باایں ہمہ حسن کمال اور کے مصداق ہیں اللھم صل و سلم و بارك علیه۔ خدا پر توکل اس کا شعار ہے اسلئے متوکل اس کا وصف عالی و قار ہے اور وہ خدائے برحق کا برگزیدہ و مختار ہے بارگاہِ الٰہی میں ابرار و مقربین سے بھی زیادہ مصطفیٰ، مجتبیٰ، نکوکار و صالحین کیلئے الشفیع المشفع اور ہر ایک شعبہ ہائے حیات میں الصادق المصدوق ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اظہارِ مقصد کیلئے یہ اشارات کافی نہیں ہیں بلکہ اپنے معنوی مناسبات کے لحاظ سے ہر ایک وصف و نام قرآن سے شہادت کا طالب ہے اور قرآن کی شہادت بلاشبہ ہر ایک گوشہ کی تفصیل کیلئے شاہد عدل لیکن افسوس کہ کتاب کا موجودہ ترتیبی نقشہ اس کا متحمل نہیں ہے۔ اسلئے صرف آیات کے حوالجات اور ارشادات پر ہی اکتفا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِيْ ط قَالُوْٓا أَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد کیا کہ میں تم کو جو کچھ کتاب اور حکمت عطا کروں اور پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں تم ضرور اس پر ایمان لانا ور ضرور اس کی مدد کرنا (پھر) اللہ نے فرمایا کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو تو انہوں نے کہا بیشک ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس آیت "میثاق" میں اس عہد و میثاق کا تذکرہ ہے جو ازل میں تمام انبیاء و رسل (علیہم السلام) سے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے متعلق لیا گیا، خطاب اگرچہ براہ راست انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ مگر مقصود و مراد میں ان کی امتیں بھی شامل ہیں کیونکہ عمومی طور پر ان ہی کے ذریعہ وفاءِ عہد کا مظاہرہ ہونے والا تھا۔

اس عہد میثاق کو اس درجہ اہمیت کیوں حاصل ہے؟ یہ بات کچھ تمہید کی محتاج ہے مادیات و روحانیت پر فاعل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مختار کا ایک ہی ہستی ہے اور وہ خدا ہے مگر مادیات میں خدائے برتر کے جاری قانون فطرت کا ہم شب و روز مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور ہم کو محسوس نظر آتا ہے اس کے برعکس عالم روحانیات حواسِ خمسہ سے بلند احساسات تعقل و تفکر کا محتاج ہے۔ یہاں وجدان و شعور جب عقل و فکر کو رہنما بناتے اور دونوں راہنما ریب و شک اور اوہام و ظنون سے محفوظ "سلیم" بن کر رہنمائی کا حق ادا کرتے ہیں تو انسان کے سامنے روز روشن کی طرح یہ حقیقت چمک اٹھتی ہے کہ خدائے واحد کی احدیت و یکتائی عالم مادیات روحانیت میں ایک ہی قسم کے قانون فطرت کو نافذ رکھتی ہے۔

اب ذرا دیدۂ عبرت کو وا کیجئے اور کائناتِ ہست و بود پر نظر ڈالیئے تو یہ حقیقت ہر جگہ ابھری ہوئی ملے گی کہ ذات واحد کے ماسوا یہاں کائنات کی ہر ایک شے کیلئے دو ہی سرحدیں مقرر ہیں آغاز و انجام اور درمیان کی تمام کڑیاں نشوونما ارتقاء کیلئے وقف ہیں ہر ایک چیز شروع ہوتی اور درمیان دور میں ترقی پذیر رہتی اور پھر حد کامل کر پہنچ کر اپنی ضرورت کو پورا کر دیتی ہے اس کو انجام اور شروع کو آغاز کہتے ہیں۔

روحانیت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے نسل انسانی کا جب آدم علیہ السلام سے آغاز ہوا تو مادی وجود کے ساتھ خدا کی معرفت یعنی خدا پرستی کی امانت کو بھی ساتھ لایا۔ وہ اگر ایک جانب نسل انسانی کے مادی باپ تھے تو دوسری جانب خدا کی بخشی ہوئی ہدایت و صداقت کیلئے "نبی" اور "ایلچی" بھی تھے اور جب کہ خدا کی ہستی ایک اور اس کی بنیادی صداقت و ہدایت کا پیغام بھی ایک ہے تو ضروری ہوا کہ نوع انسانی کی رشد و ہدایت اور خدا پرستی کی بنیادی تعلیم کا سلسلہ بھی ایک ہی لڑی میں پرویا جائے اور آغاز سے انجام تک اس سلسلہ کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب گویا پورے سلسلۂ روحانیت کی تکذیب کے مترادف ہو۔ چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن نے اس طرح ظاہر کیا ہے: لا نفرق بین احد من رسلہ ہم ایمان و تصدیق میں خدا کے کسی ایک پیغمبر کے درمیان بھی تفریق جائز نہیں رکھتے اور اسی کو زبانِ وحی ترجمان نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: نحن بنو علات ديننا واحد ہم تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات اصل و بنیاد میں اسی طرح ایک ہیں جیسا کہ علاتی بھائی کہ ان سب کا باپ ایک ہی ہے۔

پھر اس سلسلۂ روحانیت کی اگرچہ تمام کڑیاں ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہیں۔ مگر آغاز اور نشوونما اور دورِ کمال و انجام کے پیش نظر اسی طرح باہم فرق مراتب رکھتی ہیں جس کا مظاہرہ ہم کو عالم مادیات کے مختلف سلسلوں میں نظر آتا ہے اور جسکو ہم فطری (NATURAL) کہتے ہیں اور ان درجات و مراتب میں بھی درجہ کمال کو جس سے کہ انجام کی سرحد ملتی ہے (CENTER) اور قطب رحی (چکی کی کیلی) ہوتا اور وابستہ و پیوستہ کی منزل مقصود سمجھا جاتا ہے۔ گذرا ہے، اس وقت دنیائے انسانی ایک چھوٹے سے کنبے کی طرح آباد تھی اور نسل انسانی کا باپ ہی روحانی طبیب بھی تھا لیکن جب سلسلۂ بود و ماند آہستہ آہستہ خاندانوں، برادریوں قبیلوں سے آگے بڑھ کر قوموں اور جغرافیائی نسلوں میں تقسیم ہونے لگا اور وحدت نے کثرت کی ہی شکل نہیں اختیار کر لی بلکہ کثرت میں بھی تنوع پیدا ہونے لگا تو ان مادی نشوونما اور ترقیوں کے ساتھ ساتھ روحانی رشد و ہدایت نے بھی نقطۂ وحدت پر قائم رہتے ہوئے تنوع اور کثرت کی شکل اختیار کر لی یعنی ہر ایک قوم و ملک میں جدا جدا ہادی و رہنما اور پیغمبر مبعوث ہونے لگے بلکہ بعض حالات میں ایک قوم میں بیک وقت متعدد نبیوں نے دعوتِ حق میں ایک دوسرے کی اعانت کا فرض انجام دیا۔ اگرچہ ان کی دعوتوں کی بنیاد سر تا سر ایک ہی "اصل و بنیاد" پر قائم تھی:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

ابتداء میں ایسا تھا کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے نہیں تھے ایک ہی قوم و جماعت تھے (پھر ایسا ہوا کہ باہم دگر مختلف ہو گئے اور الگ الگ ٹولیاں بن گئیں) پس اللہ نے (یکے بعد دیگرے) نبیوں کو مبعوث کیا وہ (ایمان و عمل کی برکتوں کی) بشارت دیتے اور انکار و بد عملی کے نتائج سے) ڈراتے تھے نیز ان کے ساتھ کتابِ الٰہی نازل کی گئی تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرنے لگے تھے ان میں وہ فیصلہ کر دینے والی ہو اور تمام لوگوں کو راہِ حق پر متحد کر دے) جو لوگ باہم دگر مختلف ہوئے تو اسلئے نہیں ہوئے کہ ہدایت سے محروم اور حقیقت سے بے خبر تھے، نہیں وحی الٰہی کے واضح احکام ان کے سامنے تھے مگر پھر بھی محض آپس کی ضد اور مخالفت سے اختلاف کرنے لگے تھے بالآخر اللہ نے ایمان والوں کو (دین کی) وہ حقیقت دکھادی جس میں لوگ مختلف ہو رہے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے دین کی سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ط وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ (یونس، پ ۱۱ ع ۷)

اور (ابتدا میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ ہو گئے اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے سے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا۔

لیکن خدائے واحد کی جانب سے رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ اگرچہ وقتی تقاضہ کے پیش نظر ہزاروں برس تک قوموں اور ملکوں میں تنوع اختیار کیئے رہا۔ تاہم وہ اپنے مقصدِ وحدت کو فراموش نہ کر سکا اور بنیادی وحدت کے ساتھ اس عارضی کثرت کو بھی ایک ہی نقطۂ وحدت پر لانے کیلئے اس وقت تک برابر حرکت کرتا رہا جب تک کہ اپنے مرکزِ وحدت اور مقصدِ کمال کو نہ پا سکا۔

یعنی خدا کی صدقت کا پیغام اگرچہ جدا جدا قوموں اور ملکوں میں نبیوں اور پیغمبروں کی زبانی پہنچایا جاتا رہا اور گو ان تمام پیغامات میں فروعی اور وقتی تنوع سے قطع نظر اساسی اور بنیادی وحدت قائم رہی۔ مگر خدا کی وحدانیت اور اس کے پیغام کی اساسی وحدت کا تقاضہ یہی تھا کہ یہ مختلف دعوتیں اور پیغامات سمٹ کر ایک ایسے نقطہ اور مرکز پر آ جائیں کہ وہ تمام کائنات کیلئے بیک وقت اور رہتی دنیا تک ایک ہی پیغام بن کر اپنی نمود دکھلائے اور ایک ایسا پیغمبر مبعوث ہو جس کی بعثت، بعثتِ عام ہو اور جس کی دعوت، عالمگیر دعوت ہو تاکہ پھر اس تنوع اور کثرت کی ضرورت باقی نہ رہے۔

عالم روحانیات کی اپنی "مثل اعلیٰ" یا اپنے محور و مرکز کی جانب یہ حرکت جب کہ عالم مادیات کے نشو و ارتقاء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے متناسب حالات سے وابستہ تھی اور خالق کائنات کا قانون فطرت جب کہ دونوں سمتوں میں ایک ہی اصل پر کار فرما ہے تو یہ بھی از بس ضروری ہوا کہ انسانی کے ارتقاءِ دماغی و عقل کی استعدادات اپنے رشد و کمال کے ایسے نقطہ پر پہنچ جائیں کہ حجابِ مستقبل میں میں مستور تمام ترقیاں اسی ارتقاء کا نتیجہ کہلائیں اور گو اس سلسلہ میں ایک مدت کیوں نہ ہو جائے مگر کائناتِ ارضی کا یہ پورا مادی کارخانہ اسباب مادی کی بناء پر ایک کنبہ اور ایک خاندان بن کر رہ جائے اور ملکوں اور قوموں کی بہتات و کثرت کے باوجود کسی ایک گوشہ کے حرکت و سکون کے اثر سے تمام کائنات متاثر ہونے پر مجبور ہو جائے تاکہ اس وقت عالم روحانیات کا آخری ارتقاء کائناتِ انسانی کے عقل و دماغ کو اپنی دعوت کی یکتائی و وحدت سے متاثر کر سکے اور دنیا دانستہ یا نادانستہ اسی کے بتلائے ہوئے سوسائٹی کے نظام کو آہستہ آہستہ اپنا کر عملاً خدا کا ایک کنبہ بن جائے اور مساواتِ عالم اور اخوت ہمہ گیر کا مظاہرہ کر دکھائے اور نتیجہ یہ نکلے کہ یدن حق صرف تعلیم قرآن ہی میں منحصر ہو کر رہ جائے۔

تاریخ اقوام و ملل شاہد ہے کہ قرآن کی دعوت و اصلاح کی صدائے حق نے جب چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کو پکارا ہے اس وقت دنیا کے تمام مذاہب و ادیان خود اصحاب مذاہب کی تاریخی اقوال کے مطابق اپنی حقیقی روشنی کو یکسر فراموش کر چکے تھے اور دنیا کے ہر گوشے اور ہر سمت میں مذہبن و دھرم اور نظام سوسائٹی تنگی و تاریکی اختیار کر چکا تھا۔ اس وقت قرآن کی آواز پہلی آواز تھی جس نے دنیا کے مذاہب اور ان کی سوسائٹی کے ابتر نظام میں نیا انقلاب پیدا کر دیا اور اقوام و امم نے بہ عجلت یا بہ دیر، اعتراف و اقرار کے ساتھ یا حاسدانہ انکار کے ساتھ مذہب اور سوسائٹی دونوں میں اسی کی اصلاحات کو اپنایا اور قبول اصلاحات کے بغیر آنے والی دنیا میں اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے۔

توحید کامل اور خالص خدا پرستی، نسل و خاندان یا کفارہ کی جگہ خدا پرستی اور نیک عملی پر مدار نجات، نسلی غرور و تفاخر کا انہدام، کاسٹ سسٹم کا خاتمہ، حقوقِ انسانیت میں تمام افراد انسانی کی مساوات، اخوت عام کی داغ بیل، رواجی غلامی کے خلاف اصلاح و انقلاب کی تشکیل، عورتوں کیلئے حقوق انسانیت میں مساوات کا اعلان اور حقوق صنفی میں امتیازی احکامات، انقلاب و اصلاح، وراثت، ازدواجی زندگی میں ظالمانہ رواج کا خاتمہ اور جدید مفید اصلاحات (خلع و طلاق وغیرہ) زکوٰۃ کے وجوب، سود و قمار کی حرمت اور دوسری اصلاحات کے ذریعہ اقتصادی نظام میں "بنیادی انقلاب، انفرادی اور اجتماعی ملکیت کی تسلیم اور دونوں کے مابین تجدیدی اعتدال کا اعلان، سیاسی اور ملکی نظام میں بادشاہت شخصی اور پارٹی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ شوروی نظام کی تشکیل ایسے اہم امور ہیں کہ آج کی دنیا میں ہر ایک انصاف پسند عاقل کے نزدیک ان کی صداقت و افادیت تسلیم ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو بلاشبہ یورپ و ایشیا میں افریقہ و امریکہ میں سوسائٹی کے نظام اور مذہب و دھرم کی اصلاح کے نام سے جو صدائیں بھی اس تعلیم اور اعلانِ حق کے بعد اٹھیں اگر بغیر کسی تعصب کے تاریخی انقلابات پر غور کیجئے گا تو ان میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی صدا کی بازگشت پائیں گے جو چھٹی صدی عیسوی میں فاران کی چوٹی سے بلند ہوئی اور جس نے ﷺ کو تاریخ عالم میں سچ کر دکھایا۔

۱: اس سلسلہ کے حوالجات آئندہ تعلیم الاسلام اور مسئلہ ختم النبیین کے مبحث میں ذکر ہوں گے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تاریخی حقائق کی روشنی میں اب پھر ہم کو گذشتہ مضمون کی جانب واپس جانا چاہئے کہ جبکہ مادی استعدادات نشو و نما پا رہے تھے اور چند صدیوں بعد جو قوموں کے انقلابات و اصلاحات کیلئے چند برسوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ مادی اسباب کی بدولت یہ سارا کارخانۂ عالم ایک کنبہ بن جانے والا تھا۔ اس وقت از بس ضروری ہوا کہ "وحدتِ مذہب" کی روحانی صدا بلند ہو اور اس کی صدائے حق کسی خاص قوم اور ملک کی بجائے کائنات کے ہر گوشہ کیلئے یکساں حیثیت رکھے۔

پس منشائے تقدیر الٰہی یہ ہوا کہ ایسے پیغام اور پیغمبر کی نصرت و حمایت کیلئے ازل ہی میں انبیاء و رسل سے عہد و میثاق لیا جائے اور ان کو مطلع کیا جائے کہ جب وہ پیغامِ کامل اور "آخری صدائے حق" بلند ہو جس کا تعلق رہتی دنیا تک تمام کائنات ارضی کے ساتھ یکساں طور پر وابستہ ہے تو وہ اور ان کی امتیں اسکو قبول کریں اور اس کی مدد فرض سمجھیں کیونکہ کائناتِ روحانی کا یہی مرکز وحدت اور نقطۂ مثل اعلیٰ ہے چنانچہ یہ وہ عہد میثاق ہے جس کو تمام امتوں نے اپنے اپنے دور میں اپنے پیغمبروں اور نبیوں کی معرفت "بشارات" کی شکل میں سنا اور آج بھی دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میں خواہ وہ امتداد زمانہ کی بناء پر شرک کی آلودگیوں سے قطعاً منحرف ہو چکے ہوں یا ان میں تحریف و صداقت کا امتزاج قریبی دور سے وابستہ ہو۔ اوتار یا نبی مرسل کی معرفت کے ساتھ ایک "منتظر ہستی" کا مشترک عقیدہ پایا جاتا ہے۔ "یہود مسیح" کے علاوہ بھی "ایلایا" یا وہ نبی کہہ کر اس کی آمد کے منتظر ہیں، نصاریٰ بھی ہر قسم کی تحریف کے باوجود مسیح کے بعد فارقلیط (پیراکلیوطاس) بمعنی (احمد) یا "روحِ حق" یا "ناصر" وغیرہ صفات کے تعارف سے اسی کے انتظار میں ہیں۔ مجوس آج تک ایک "نجات دہندہ" کا انتظار کر رہے ہیں اور ویدک دھرم (سناتن دھرم) ہندوؤں میں بھی ایک "اوتار" کا انتظار ہو رہا ہے۔ اور آج عقلیت کے نام پر اس "ہستی منتظر" کے عقیدہ کتنا ہی مضحکہ خیز سمجھا جائے اور خود مذہبی افراد اپنے اپنے مذہب کے اس عقیدہ کو کیسا ہی غیر معقول کیوں نہ ٹھہرائیں لیکن ان کے پاس اس کا جواب کچھ نہیں ہے کہ مذاہب و ادیان کے موجودہ اختلافات کے باوجود چھوٹے سے ناستک گروہ کو چھوڑ کر ہزار ہا برس کائناتِ انسانی میں اس عقیدہ کو کسی نہ کسی شکل میں مشترک عقیدہ بنا رہنا اس کے "حقیقت" ہونے کی ناقابل انکار دلیل ہے۔ البتہ یہ بات جدا ہے کہ جس طرح یہود نے ازراہِ حسد "مسیح ہدایت کے انتظار کے باوجود" حضرتِ عیسیٰ ﷺ کو قبول نہ کیا اسی طرح مذاہب عالم کی اقلیت کو چھوڑ کر جو کہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئی ان کی اکثریت نے محمد ﷺ کو قومی و ملکی عصبیت اور گروہ بندی کی بندشوں کی وجہ سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا یا ان کی دعوتِ حق کو عرب کیلئے محدود قرار دے کر خود کو اس سے علیحدہ کر لیا۔

بہر حال ہندوستان کا قدیم مذہب چونکہ حقیقتِ مذہب کو فراموش کر چکا اور اس کی موجودہ شکل نے کسی طرح قدیم شکل و صورت کو بدل کر نیا رخ اختیار کر لیا اور اس کی تاریخ خود اس کے اپنے پاس بھی نہیں ہے اور اب اس کی تمام بنیاد صرف آبائی رسوم پر یا چند مخصوص فلسفیانہ عقائد پر قائم ہے۔ اسلئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ "منتظر ہستی" کے متعلق جو روایات رکھتے ہیں، ان کی اصل حقیقت کیا تھی اور یہ حال بدھسٹ کا بھی ہے۔ اسلئے ہم ابو ریحان بیرونی اور بعض دیگر مفسروں اور مؤرخوں کے ان بیانات سے قطع نظر کرتے ہیں۔ جو انہوں نے ہندوؤں کے عقیدہ "کلنکی اوتار" کے "شنبلی" میں نزول کو محمد ﷺ پر منطبق کرنے کی سعی کی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور یہاں صرف یہود و نصاریٰ پر نازل کتب سماویہ تورات، زبور اور انجیل سے ہی ان بشارات کو پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ جن میں تحریف کے باجود اب بھی اصل کتاب کی چمک باقی ہے اور علمائے یہود و نصاریٰ کے پاس انطباق کے انکار کی موجہ دلیل موجود نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ (نور اللہ مرقدہٗ) کی میزان الحق اور حافظ ابن قیم کی ہدایۃ الحیاریٰ اور باجہ جی زادہ کی الفارق وغیرہ کتب سے اور ان مناظراتِ مطبوعہ سے ظاہر ہوتا ہے جو علماءِ نصاریٰ اور علماء اسلام کے درمیان ان بشارات سے متعلق پیش آئے ہیں اور جن کے متعلق بعض علماء نصاریٰ کو اقرار و اعتراف کے ماسوا کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔

تورات اور بشارات

تورات کتاب استثناء میں ہے:۔

خداوند تیرا خدا تیرے لیئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی طرف کان دھریو، اس سب کی مانند جو تو نے خداوند اپنے خدا سے جوب میں مجمع کے دن مانگا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ میں خداوند اپنے خدا کی پھر سنوں اور ایسی شدت کی آگ پھر دیکھوں تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے (بنی اسرائیل نے) جو کچھ کہا سو اچھا کیا۔ "میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا"۔ اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی میری باتوں کو کہ جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ لیکن وہ بھی اگر ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔ (باب ۱۸، آیت ۱۵۔۲۱)

نشان زدہ جملوں کو غور سے پڑھئے اور پھر ہر ایک جملہ کی حقیقت کو تاریخی روشنی میں دیکھئے تو تاریخ کا بے لاگ فیصلہ ایک اور صرف ایک ہی ہو گا اور وہ یہ کہ اس بشارت کا مصداق ذات اقدس محمد ﷺ کے ماسوا دوسری کوئی ہستی نہیں ہے۔

بشارت کا پہلا جملہ یہ ہے: "میں ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا"۔ تاریخ کہتی ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں بنی اسمٰعیل کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں جو اس کا مصداق بن سکے اور بنی اسمٰعیل میں محمد ﷺ کے ماسوا کوئی نبی ہی نہیں ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کی مانند کہلایا جا سکے اور دوسرا جملہ ہے: "میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اس سے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا"۔ اس جملہ کو ایک بار پھر غور سے پڑھئے اور اس کے بعد قرآن کی ان آیات کا مطالعہ کیجئے کہ جن میں بعینہٖ یہی صفات نبی اکرم ﷺ کیلئے مذکور ہیں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ○

وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں خدا کی وحی سے کہتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ○

پس بے شبہ ہم نے اس (قرآن) کو تیری زبان پر آسان کر دیا تاکہ تو اس کے ذریعہ متقیوں کو بشارت دے اور کج راہوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈرائے۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ وَإِنَّهُ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ ○

اور یقیناً یہ جہانوں کے پروردگار کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے قلب پر اتارا تاکہ تو گمراہوں کو (اعمال بد کے نتائج سے) ڈرانے والوں میں سے ہو یہ ہے صاف عربی زبان میں اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

بشارات کے جملوں اور قرآن کی ان آیات کے اسلوبِ بیان کا مطالعہ کرنے کے بعد کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ دونوں کسی ایک ہی ہستی کی صفات کا ذکر ہے۔ اب تیسرے جملہ کو پڑھتے: "جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا"۔ اور ساتھ ہی ان آیاتِ قرآنی کا مطالعہ کیجئے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْدًا ○ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ ط وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ○

اور پھر (اے پیغمبر) کیا حال ہو گا اس دن (قیامت کے دن) جب کہ ہم ہر ایک امت میں سے ان پر ایک گواہ طلب کریں گے، اور ہم تم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے سو جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول (محمد ﷺ) کی نافرمانی کی وہ اس دن یہ پسند کریں گے کاش کہ (وہ دھنس جائیں اور) زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے اور اس دن یہ اللہ سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہ رکھ سکیں گے۔

غور کیجئے کہ دونوں عبارتوں میں کس درجہ مطابقت ہے اور سب کے بعد اس فقرے کو بامعانِ نظر دیکھئے: لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ اور پھر قرآن کی اس آیت کو بھی پڑھئے اور فرمائیے کہ یا یہ دونوں مضامین ایک ہی حقیقت کے دو نقش نہیں ہیں؟

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ○ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

اور یہ پیغمبر بعض باتوں کو اپنی جانب سے گھڑ کر ہماری جانب منسوب کر دے تو بے شبہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیں اور پھر اس کی گردن کی رگ کاٹ ڈالیں (قتل کر دی) اور اس وقت تم میں سے کوئی بھی اس کو ہماری گرفت سے باز نہیں رکھ سکتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تورات کی پیش گوئی اور آیات قرآنی کے مسطورۂ بالا تطابق کے بعد تحدی (چیلنج) کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ بشارات میں ذکر کردہ مجموعۂ صفات کا مصدق ذات اقدس محمد ﷺ کے ماسوا کوئی دوسری ہستی تاریخی دنیا میں نہیں پائی جاتی، یہ مجموعۂ صفات نہ حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتے ہیں نہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام پر اور نہ حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام پر اور نہ دوسرے انبیاء بنی اسرائیل پر صادق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب علماءِ یہود سے اس کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے تو وہ ایک "منتظر ہستی" کے مزید انتظار کے ماسوا دوسرا کوئی جواب نہیں رکھتے اور خاتم الانبیاء ﷺ کو اس کا مصداق نہ سمجھنے میں بے دلیل انکار اور خموشی کے علاوہ ان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ اسی طرح نصاریٰ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس بشارت کا مصدق ثابت کرنے میں مجموعۂ صفات کے پیش نظر عاجز و درماندہ نظر آتے اور صاف اور واضح باتوں کو دور از کار تاویلات کا جامہ پہنا کر اعترافِ حقیقت سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔

اور تورات استثناء ہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک نغمہ باب ۳۱ میں مذکور ہے جو انہوں نے موت سے چند لمحات قبل بحکم الٰہی بنی اسرائیل کو سنایا۔ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ میدان تیہ میں اپنی قوم کو جمع کرو اور خدا کا یہ پیغام سناؤ کہ جب بنی اسرائیل خدا کے وعدے کے مطابق شہروں میں جا بسیں گے تو حکومت، تمول اور رفاہیت میں بدمست ہو کر خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو جائیں گے حتیٰ کہ بت پرستی سے بھی باز نہیں رہیں گے۔ پس جب ان کی حالت اس درجہ ابتر ہو جائے گی تو میں ان سے خفا ہو جاؤں گا اور ان سے اپنا منہ چھپالوں گا اور اس کے بعد میری غیرتِ حق حرکت میں آئے گی اور میں بھی ان (بنی اسرائیل) کو ایک ایسی قوم کے ذریعہ خفا کروں گا اور ان سے اپنی نعمت (نبوت) چھین کر اس قوم کو بخش دوں گا جو ان[1] پڑھ اور تمدن سے دور، بے عقل، خانہ بدوش ہو گی جس کو تم اور دنیا کی قومیں "متمدن جماعت" نہ سمجھیں گی۔ اسکے بعد باب ۳۲ میں اس نغمہ کی تکمیل ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے:۔

> اور اس خدا کو جس نے تجھے صورت بخشی بھول گیا اور جب خداوند نے یہ دیکھا تو ان سے (بنی اسرائیل سے) نفرت کی اسلئے کہ ان کے بیٹوں اور بیٹیوں نے اسے غصہ دلایا، اور اس نے یہ فرمایا کہ میں ان سے اپنا منہ چھپاؤں گا تا کہ میں دیکھوں کہ ان کا انجام کیا ہو گا۔ اس لیئے وہ کج نسل ہیں ایسے لڑکے کہ جن میں امانت نہیں۔ انہوں نے اسکے سبب سے جو کہ خدا نہیں ہے مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصہ دلایا۔ سو میں بھی انہیں اس سے جو گروہ نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور ایک ان پڑھ قوم سے ان کو خفا کروں گا۔" (آیات ۱۸۔۲۱)

تم اس بشارت یا پیغمبرانہ پیشین گوئی کیلئے تاریخِ ماضی پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ بنی اسرائیل کی متمردانہ

۱: کتابِ مقدس کے قدیم نسخوں میں "ان پڑھ" کا لفظ تمام زبانوں میں موجود ہے مگر بعد کے ایڈیشنوں میں اس کی جگہ کہیں "بے عقل اور کہیں اسی کے مرادف الفاظ پائے جاتے ہیں، حاصل اگرچہ پھر بھی یہی رہتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن میں محمد ﷺ کی صفت امی اور آپ کی قوم کی "امیین" مذکور ہے جس کا لفظی ترجمہ "ان پڑھ قوم" ہوتا ہے اسلئے محض اسلئے کہ پیشین گوئی کا یہ صاف تطابق باقی نہ رہے قدیم لفظ کو بدل کر اس قسم کے الفاظ رکھے گئے۔ مختلف ایڈیشنوں کی اس قسم کی لفظی تحریفات کیلئے میزان الحق کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سرگرمیاں، باغیانہ اور سرکشانہ شر انگیزیاں جب حد سے زیادہ متجاوز ہو گئیں اور انہوں نے مسیح ہدایت جیسی جلیل القدر ہستی کو بھی رد کر دیا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے مقدس پیغمبر کو قتل کر ڈالا تو ان کی جگہ خدا نے کس قوم کو پسند کیا۔ کس کو شرف رسالت سے نوازا اور کس نے ساری کائنات میں حیرت زا انقلاب بپا کر کے سچی خدا پرستی اور نیک عملی کا غلغلہ بلند کر دیا اور بنی اسرائیل نے کس کے عظمت و جلا کو دیکھ کر حاسدانہ اس کے روکنے کی سعی کی۔ کیا یہ عرب قوم نہیں تھی اور کیا یہ محمد ﷺ کی مقدس ہستی اور ان کی قوم نہ تھی جس پیغمبر نے دنیوی وسائل و اسباب کی نظر میں امی "ان پڑھ" ہونے کے باوجود متمدن قوموں کے ظالمانہ و جابرانہ تمدن کو فنا کے گھاٹ اتار کر اس عظیم الشان عادلانہ تمدن کی بنیاد ڈالی کہ ہر قسم کے اسباب و وسائل کے فقدان اور موانع کے با وجود جس کی عظمت و سرعت رفتار نے ماہرین فلسفۂ تاریخ کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ اسلام کی دعوت و اصلاح اور انقلاب، دنیائے تاریخ کی مستثنیات میں سے ہے۔ یہی وہ امی اور گلہ بان قوم تھی جو ایک "امی" کی خدا پرستانہ تعلیمات سے تربیت پا کر چند ہی برسوں میں دنیا کی قوموں کی تربیت و اصلاح کیلئے "بہترین معلم" ثابت ہوئی اور اونٹوں اور بکریوں کے چرانے والے دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کے چرواہے بن گئے اور بنی اسرائیل کی ہمہ قسم کی حاسدانہ اور معاندانہ جدوجہد اس کی راہ ترقی میں پر کاہ کی برابر بھی سنگ راہ نہ بن سکی تو کیا تاریخ کے ان ابھرے ہوئے نقوش کے بعد بھی اس انکار کیلئے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ توراۃ کی اس پیشین گوئی کا مصداق محمد ﷺ اور بنی اسمٰعیل علیہ السلام کے ماسوا کوئی اور ہستی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

یہی وہ صاف اور واضح حقیقت ہے جس کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ن الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

۱: امی لفظ امّ کی جانب منسوب ہے، جسکے معنی ماں کے ہیں، اہل عرب یہ لفظ اس شخص کیلئے بولتے ہیں جس نے پڑھا لکھا نہ ہو گویا وہ ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے، اہل عرب چونکہ عام طور سے ان پڑھ تھے۔ اسلئے "اُمّیین" کہلائے اور پیغمبر اسلام نے بھی چونکہ "وحی الٰہی" کے ذریعہ تعلیم و تربیت کے ماسوا دنیا کے اسباب تعلیم تعلم کے لحاظ سے کسی کے سامنے زانوے ادب تہہ نہیں کیا۔ اسلئے ان کی صفت بھی امی رہی، آپ ﷺ نے خود بھی یہ ارشاد فرمایا ہے: "نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب"۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

(پس میں ان کیلئے رحمت لکھ دوں گا) جو الرسول (محمد ﷺ) کی پیروی کریں گے کہ وہ نبی امی ہو گا (یعنی دنیا کے سلسلۂ تعلیم و تعلم کے لحاظ سے ان پڑھ ہو گا اور) اس کے ظہور کی خبر وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا اور پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا اور گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا اور اس بوجھ سے نجات دے گا جس کے تلے وہ دبے ہوں گے اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اس کے مخالفوں کیلئے روک ہوئے (راہِ حق میں) اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہوئے جو اس کے ساتھ بھی جی گئی ہے (یعنی قرآن) سو وہی ہیں جو کامیابی پانے والے ہیں (اے پیغمبر!) تم لوگوں سے کہو: اے افرادِ نسل انسانی! میں تم سب کی طرف بھیجا ہوا آیا ہوں، وہ خدا کہ آسمانوں کی اور زمینوں کی بادشاہت اسی کیلئے ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہی ایک ذات، وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول اور نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے، اس کی پیروی کرو تاکہ کامیابی کی راہ تم پر کھل جائے۔

اور تورات استثناء میں ہے:۔

"اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سیناسے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کیلئے تھی"۔

موسیٰ ؑ نے یہ بشارت بنی اسرائیل کو اپنی موت سے قبل ایسی حالت میں سنائی تھی کہ وہ موسیٰ ؑ کی وداعی حالت کو دیکھ کر دل تنگ اور دلگیر ہو رہے تھے اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب خداوند خدا موسیٰ ؑ جیسا کوئی پیغمبر مبعوث نہ کرے گا۔

سینا جو طور کے نام سے مشہور اور وادی سینا میں واقع ہے اور زبانِ حال سے شہادت دے رہا ہے کہ آگ کی جستجو کے بہانے موسیٰ کو یہیں خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا تھا اور وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا کا مظاہرہ میرے ہی سینہ پر ہوتا رہا ہے اور شعیر (ساعیر یا سراۃ) اس پہاڑی سلسلہ کا نام ہے جو عرب میں سب سے زیادہ طویل اور شام سے یمن تک شمالاً و جنوباً پھیلا ہوا ہے اور القدس (یروشلم) کے سامنے ہو کر گزرتا ہے، یہیں وہ جگہ ہے جو بیت اللحم کے نام سے آج بھی حضرت مسیح ؑ کی ولادتِ مبارک کی گواہ اور بعثت مسیح کا منادہے اور فاران عبرانی (جرو) میں عرب کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو حجاز کے نام سے مشہور ہے، یہی مقام اس وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی سرزمین) کو اپنے آغوش میں لیئے ہوئے ہے جس کو "مکہ" کہتے ہیں اور جو بہت مشہور و معروف ہے اور مقام ولادت و بعثت ہے خاتم الانبیاء محمد ﷺ کا۔

اس تفصیل کے بعد پیشین گوئی کا مطلب واضح ہے حضرت موسیٰ ؑ نے فرمایا خدائے برتر کی صداقت و ہدایت کا پیغام نور ہدایت بن کر سینا سے حضرت موسیٰ ؑ کی شکل میں نمودار ہوا اور سراۃ (شعیر) پر حضرت مسیح ؑ کی صورت میں طلوع افروز ہوا اور فاران پر محمد ﷺ کا رخ انور بن کر جلوہ گر ہوا۔

فراعنۂ مصر کی طویل مدید غلامی سے اس خانوادۂ نبوت (بنی اسرائیل) کے قلوب میں یاس و حرمان نے ایسے جگہ کر لی تھی کہ اب ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس بنجر زمین پر خدا کی رحمت کی بارش ہو گی اور تو بر تو جا بہائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تریک سے "نورِ ہدایت" اپنی نمود دکھلائے گا۔ اسلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صدائے حق گویا نورِ ہدایت کی وہ نمود تھی جس نے صدیوں بعد پھر ان کے گھرانے پر رونمائی کی اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد اگرچہ بہت انبیاء علیہم السلام احیائے حق کیلئے مبعوث ہوئے۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے وجود گرامی نے جس شان و عظمت کے ساتھ اس درمیان کی پیدا شدہ اندھیروں کا پردہ چاک کر کے ہدایت و رشد کی روشنی چمکائی گویا وہ طلوع تھا اس نور ہدایت کے افق میں صبح سعادت نے شب ظلمت سے جھانکنا شروع کر دیا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ یہی نور ہدایت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر جب بنی اسمٰعیل تک پہنچا تو خاتم الانبیاء محمد ﷺ میں اس طرح جلوہ گر ہوا کہ فاران کی چوٹیوں سے جب اس کی کرنیں کائنات کے چہار جانب پھیلیں تو تمام عالم انسانی کو روشن و منور بنا دیا اور ظلمتِ شرک و کفر کو مٹا کر نورِ توحید سے ہر گوشۂ عالم کو تاباں و درخشاں کر دیا چنانچہ تورات میں مذکور اس حقیقت کو قرآن عزیز نے اس سے زیادہ بہتر اور معجزانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ ادا کیا:۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ○ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○

شاہد ہے (وہ مقام جو مرکز ہے) انجیر و زیتون کے باغوں کا (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ولادت "بیت اللحم" اور شاہد ہے طورِ سینا اور شاہد ہے یہ بلدِ امین "مکہ" یقیناً ہم نے انسان کو بہترین مخلوق بنایا پھر اس کو انتہائی پستی میں پھینک دیا ماسوا اُن انسانوں کے جو ایمان لائے اور کام کئے نیک پس اُن کے لیے اجر ہے بے منت (یعنی خدا کا فضل اور رضا اور جنت)۔

الواو للشہادۃ، واؤ کا استعمال شہادت کے لیے بھی ہوتا ہے، عربیت کا مشہور قاعدہ ہے اور اس قسم کی شہادت اکثر ایسے مواقع کے لیے مخصوص ہے کہ متکلم جس حقیقت کو ظاہر کرنا چاہتا ہے مختلف وجوہ کی بنا پر مخاطب کو اس کے سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے تب بعض بدیہی اور محسوس مثالیں دے کر مخاطب کے لیے اس حقیقت کا سمجھنا آسان بنا دیتا ہے سورۂ والتین کی آیات میں بھی صورتِ حال ایسی ہی ہے اس لیے کہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو بہترین مخلوق بنایا ہے اس کے باوجود اگر سچا خدا پرست اور نیک کردار نہیں ہے تو انجام کار وہ انتہائی پستی میں پھینک دیا جائے گا اور اس کی حقیقت چوپاؤں سے بھی بدتر ہو جائے گی اولٰئک کالانعام بل ھم اضل مگر یہ کہ سچا خدا پرست اور نیک اعمال ثابت ہو تو پھر انسانیت کے بلند سے بلند درجہ کا مستحق اور بے حساب و بے منت خدا کی نعمتوں کا مستوجب ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات کافی تفکر و تدبر کی محتاج ہے۔ ایک ہستی تمام مخلوقات سے اپنی تخلیق و تکوین میں "احسن" بھی ہو اور پھر قعرِ مذلت کی گہرائیوں میں بھی پھینک دی جائے اس لیے بطورِ شہادت نہایت لطیف پیرایہ میں تین مشہور اور نمایاں دورِ ہدایت کا ذکر کر کے اس جانب توجہ دلائی کہ اگر تاریخ کا مقصد یہ ہے کہ ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی تصویر دیکھی جا سکے تو ان ہر سہ ادوارِ تاریخ کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ خدائے برتر نے کائنات کی رشد و ہدایت کا شرف "انسان" ہی کو بخشا اور پھر غور کرو کہ وہ بھی انسان ہی تھے جنہوں نے خدا کے پیغمبروں کی پیروی میں سچی اور خدا پرستی اور نیک عملی اختیار کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ روزِ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قیامت کے فیصلہ سے قبل بھی اسی دنیا میں انہوں نے عزت، شرافت، حکومت سب کچھ پایا اور آخرت کا اجر تو بے منت و حساب الگ رہا اور وہ بھی انسان ہی تھے جو سرکشی، بغاوت اور پیغمبرانہ تعلیم کے خلاف فساد انگیزی کی بدولت آخرت سے پہلے ہی ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کے قعرہائے مذلت سے دوچار ہوئے اور جہنم کے اسفلِ سافلین سے جو واسطہ آئندہ پڑنے والا ہے وہ جدا ہے پس اگر ان حقائق کو پیش نظر رکھو گے اور تاریخ ماضی کے ان اوراق کو دیدۂ عبرت سے دیکھو گے تو پھر تمہاری یہ حیرت، اعترافِ حقیقت سے بدل جائے گی اور آئینہ عقل و فکر میں یہ سب کچھ روشن ہو جائے گا۔ تورات کی بشارت کے یہ الفاظ بھی خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ ہیں۔

"وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت ان کے لیے تھی"

قابل توجہ اس لئے ہے کہ جب ہم تاریخ کے اس واقعہ کا مطالعہ کرتے ہیں کہ رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء میں فتح مکہ کی غرض سے جب محمد ﷺ روانہ ہوئے ہیں تو دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم جلو میں تھے اور آتشی شریعت یعنی "جہاد بالسیف" کا حکم الٰہی —— ان کے ہاتھ میں تھی تو قدرتِ الٰہی کے اس اعجاز کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ جس ذاتِ برتر نے موسیٰ علیہ السلام کی لسانِ حق سے ان جلوں کو ادا کرایا۔ اسی نے محمد ﷺ کے حق میں اس کو کر دکھایا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تو کیا کسی حق پرست حق آگاہ کو ذرا سا بھی تامل ہو سکتا ہے کہ بلاشبہ موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق خاتم الانبیاء محمد ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔

تورات کی یہ اور اسی قسم کی دوسری بشارات ہیں جن کے پیش نظر بعثتِ محمد ﷺ سے صدیوں پہلے یہود کو نبی آخر الزمان کا انتظار تھا اور وہ یقین رکھتے تھے کہ اب وہ وقت دور نہیں ہے کہ نورِ ہدایت "آفتاب عالمتاب" بن کر جلوہ گر ہونے والا ہے، اسی لیے جب کبھی ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ پیش آجاتی تو کہا کرتے تھے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے کہ نبی آخر الزمان مبعوث ہوں گے اور ہم ان پر ایمان لا کر ان کی قیادت میں تم سے حق و باطل کی جنگ کریں گے اور کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ جب قومی اور نسلی تعصب اور بغض و حسد کی بناء پر انہوں نے آفتابِ ہدایت کی روشنی سے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں تو قرآن عزیز نے ان کو (یادِ ایام) کے ساتھ ملزم و مجرم بناتے ہوئے یہ کہا:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ○

چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اللہ کی طرف سے انکی ہدایت کے لیے ایک کتاب نازل ہوئی اور وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے تو باوجودیکہ وہ (تورات کی پیشین گوئیوں کی بناء پر اس ظہور کے منتظر تھے اور) کافروں کے مقابلہ میں اس کا نام لے کر فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے تھے، لیکن جب وہی جانی بوجھی ہوئی بات سامنے آگئی تو صاف انکار کر گئے اور مخالفت پر کمر باندھ لیں پس ان لوگوں کے لیے جو دیدہ دانستہ کفر کی راہ اختیار کریں اللہ کی لعنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے ایک دفعہ قبیلۂ غطفان اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہود کے درمیان جنگ ہوئی تو خیبر کے یہود ان کے مقابلہ میں فتح و نصرت کیلئے یہ دعاء مانگتے تھے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ عن البیہقی)

اللھم انا نسئلك بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه فی آخر الزمان ان نصرتنا علیھم۔

خدایا! ہم تجھ سے اس نبی امی کا واسطہ دے کر دعا مانگتے ہیں جس کے متعلق تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں ہوں گے۔" کہ تو ہم کو ان پر فتح و نصرت عطا فرما۔

اور علی ازدی سے منقول ہے کہ "یثرب" (مدینہ) کے یہود ہمارے مقابلہ کے وقت اکثر یہ دعا کرتے تھے:

اللھم ابعث ھذا النبی یحکم بیننا و بین الناس۔

خدایا! اس نبی موعود کو مبعوث فرما جو ہمارے اور لوگوں (مشرکوں) کے درمیان حق کا فیصلہ کر دے۔

(بدائع الفوائد جلد ۲ از مسند بزار)

اور عقبۂ ثانیہ میں جب مدینہ کے ستر اشخاص آپ ﷺ سے دعوتِ اسلام کی حقیقت معلوم کرنے آئے اور آپ ﷺ نے ان پر حقیقتِ حال ظاہر فرمائی تو انہوں نے اسی وقت ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، بلاشبہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی بعثت سے متعلق ہم اکثر یہودی علماء سے سنا کرتے ہیں[1] اور کیا اس تاریخی پہلو سے ان نقول کی صداقت پر روشنی نہیں پڑتی کہ جب رومیوں کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی آخری اور فیصلہ کن تباہی عمل میں آئی تو آخر شام، فلسطین، شرقِ اردن یمن جیسے شاداب و زرخیز علاقوں کو چھوڑ کر وہ کون سی اہم وجہ تھی جس نے یہود کے نمایاں اور مشہور قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر (وغیرہ) کو یثرب اور نواحِ یثرب میں ہو گا۔ مگر وائے بد بختی کہ قبولِ حق کا سب سے بڑا مانع ان کو یہ پیش آیا کہ قومی، جماعتی اور نسلی حسد نے ان کو اس کی اطاعت سے باز رکھا۔ حتیٰ کہ جب انصار رضی اللہ عنہم میں سے بعض حضرات علماءِ یہود کے سامنے یہ کہہ کر گزرتے کہ ہم نے تو اس نبی امی پر ایمان لانے کی بات سب سے پہلے تمہاری ہی زبانی سنی تھی اور اس کے ظہور سے قبل تم ہی اسکے چرچے کیا کرتے اور ان کتابوں سے متعلق بشارات سنایا کرتے تھے، پھر اب کیا ہوا کہ جب اس کا ظہور ہوا تو تم انکار کر بیٹھے تو وہ علانیہ جھوٹ بول دیتے اور کہتے کہ ہم کو یاد نہیں کہ کب ہم نے تم سے ایسی باتیں کہی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۱)

توراۃ کی طرح عہد نامۂ جدید (اناجیل) میں بھی تحریفِ لفظی و معنوی کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے متعلق یہ بشارات ملتی ہیں۔ متی کی انجیل میں ہے:-

لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول کیونکہ آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انہیں اپنے باغ میں بھیج دیا۔ پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمہیں دوں گا پس وہ چلے گئے پھر اس نے دوپہر اور سہ پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۱۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑا پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے، انہوں نے اس سے کہا اس لیے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا، تم بھی باغ میں چلے جاؤ، جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلاؤ اور پچھلوں سے لیکر پہلوں تک انہیں مزدوری دے دو جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انہیں ایک ایک دینار ملا جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمیں زیادہ ملے گا اور ان کو بھی ایک ہی دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ شکایت کرنے لگے کہ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انہیں ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے (ہم نے) دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی، اس نے جواب دے کر ان سے کہا: ''میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا، کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا، جو تیرا ہے اٹھالے اور چلا جا، میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں، کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے، اس طرح، آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔

اس بشارت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مثالی رنگ میں اقوام وامم عالم کی عملی زندگی اور خدا کی جانب سے ان پر اجر و ثواب کا مرقع پیش فرمایا ہے۔ پہلے مزدور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل کی دنیا کے لوگ ہیں اور دوسری جماعت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت بنی اسرائیل مراد ہیں، تیسرا گروہ نصاریٰ ہیں اور چوتھی جماعت خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی امت ہے، کائناتِ ارضی کی عمر کے لحاظ سے پہلی، دوسری اور تیسری جماعت کے مقابلہ محمد ﷺ کی امت کا زمانۂ حیات یوں سمجھئے گویا دن کا آخری حصہ ہے اور اجر و ثواب میں اس آخری امت کو پہلی امتوں کے مقابلہ میں برابر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے یہاں ان کو دوسری تمام امتوں پر برتری حاصل ہے، اسلئے کہ اگرچہ ان کا وجودِ حیات امتوں کے آخر میں ہوا ہے لیکن چونکہ یہ خدا کے آخری پیغام ''قرآن'' کی حامل اور ''سر خیل انبیاء ورسل'' کی امت ہیں اور تمام امتوں سے ان ہی کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا وعدہ میثاق لیا گیا ہے۔ لہٰذا حیاتِ دنیا کے لحاظ سے گو انکا زمانہ آخر ہے۔ مگر مرتبہ اور عظمت کے اعتبار سے وہ سب سے اول ہیں۔ یہی ہے مراد بشارت کے پہلے اور آخری جملہ کی یعنی ''بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول اور اس طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر''۔

نبی آخر الزماں ﷺ نے بھی ٹھیک اسی طرح ایک مثال بیان فرمائی ہے جو بخاری میں منقول ہے:۔

دوسری امتوں کے مقابلہ میں دنیا کے اندر تمہاری مثال ایسی ہے جیسا کہ دن کے طویل عرصہ میں عصر (شام) سے غروب آفتاب کے وقت کی اہل تورات (یہود) کو تورات عطا کی گئی اور انہوں نے اسپر عمل کیا حتیٰ کہ وہ دوپہر ڈھلے عاجز رہ گئے (یعنی خدا کی تعلیم حق کو فراموش کر بیٹھے) تب ان کو مالک نے ایک قیراط مزدوری دے دی اور پھر اہل انجیل (نصاریٰ) کو کام پر لگایا اور انہوں نے دوپہر ڈھلے سے عصر (شام) تک کام کیا اور پھر وہ بھی عاجز رہ گئے تب ان کو بھی

www.ahlehaq.org
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مالک نے ایک ایک قیراط مزدوری دے دی۔ آخر میں ہم کو قرآن ملااور ہم نے دنیا کی زندگی کے دن، غروب ہونے تک کام کیا۔ تب مالک ہم کو دو دو قیراط عطا کیئے اس پر پہلوں نے شکایت کی کہ ہم نے زیادہ محنت کی مگر تو نے ان کو اور ہم کو برابر کر دیا۔ مالک نے کہا میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کم نہیں کیا۔ تب مالک نے فرمایا: تو پھر میری یہ مرضی ہے کہ میں اپنے پاس سے جسکو چاہوں (مزدوری کی کیفیت و نوعیت کے فرق اور کام کی صلاحیت و استعداد کے پیش نظر) زیادہ دوں۔ "فھو فضل اوتیہ من اشاء"۔

اور امم ماضیہ و اقوام سابقہ کے مقابلہ میں امت محمدیہ کی یہی فضیلت ہے جس کو قرآن نے بصراحت اس معجزانہ اسلوب میں بیان کیا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم (تمام امم و اقوام میں) بہترین امت ہو جو کائناتِ انسانی (کی خدمت) کیلئے وجود میں لائی گئی ہے تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے باز رکھتے ہو۔

بہر حال آخری جماعت کا اول ہو جانا اگر اس کا مصداق امت محمد نہیں تو اور کون ہے جس کا ذکر توراۃ کی ان بشارات میں ہو رہا ہے اور جس کی تصدیق "نبی امی" اور قرآن دونوں کر رہے ہیں، عقلاً بھی یہ فرق مراتب واضح ہے اسلئے کہ جبکہ محمد ﷺ تمام انبیاء و رسل کے بعد مبعوث ہوئے اور آپ ﷺ کے قبول کرنے والوں میں آپ ﷺ کی قوم سے بھی زیادہ دنیا کی دوسری اقوام و امم کے افراد شامل ہیں تو یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی فرد یا جماعت پہلے سے کسی مذہبی جماعت میں شامل ہے تو اس کیلئے جدید دعوت حق کو قبول کرنے میں قومی، جماعتی اور نسلی عصبیت و غرور سب سے بڑی رکاوٹ بن کر سامنے آجاتا ہے۔ پس جو شخص اس رکاوٹ کو پاؤں تلے روند کر دعوت حق پر "لبیک" کہتا ہے وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اپنے اپنے زمانہ میں پہلی صداقتوں پر ایمان لانے والوں کے مقابلہ میں اس کو دو چند بلکہ چند در چند اجر و ثواب عطا ہو۔

اور انجیل یوحنا میں ایک بشارت اس طرح مسطور ہے:۔

اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے "کاہن" اور "لیوی" یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے۔ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا کہ میں تو مسیح علیہ السلام نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا کہ پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا نہیں ہوں کیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا نہیں پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو کون ہے تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں کہ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ (باب ۱ آیات ۱۹۔۲۲)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس پیشین گوئی کا تاریخی زمانہ وہ ہے جب حضرت یحییٰ (یوحنا[1] علیہ السلام) اپنی صدائق حق سے بنی اسرائیل کو مسحور کر رہے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کی بشارت دیتے تھے۔ اس وقت یہود کے ءمقدسین کی ایک جماعت ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ سوالات کیئے۔

سوالات میں تین پیغمبروں کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا کہ وہ ان میں سے کون ہیں مگر انہوں نے انکار کیا کہ وہ ان تینوں میں سے کوئی نہیں ہیں تو یہ سوالات ظاہر کرتے ہیں کہ یہود تین یا دو پیغمبروں کے ظہور کے منتظر تھے، حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت ایلیا[2] کے اور ایک ایسے پیغمبر کے جس کا ذکر ان کے درمیان اس درجہ مشہور تھا کہ انہوں نے سوالات کے وقت دو ناموں کی طرح نام لینا ضروری نہیں سمجھا اور صرف "وہ نبی" کہنا ہی کافی خیال کیا۔

یہ بشارت اس درجہ واضح اور صاف ہے کہ نصاریٰ بجز بے دلیل انکار کے تاریخ کے اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہیں کہ اگر محمد ﷺ "وہ نبی" کا مصداق نہیں ہیں تو پھر کون ہے؟ کیا معاملہ کی صورت یہ نہیں ہے کہ جس طرح یہود، ظہورِ مسیح علیہ السلام کے منتظر تھے مگر ان کی آمد پر از راہِ حسد ان کو رد کر دیا۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ دونوں "وہ نبی" کی شہرت عام کے پیش نظر اس کے ظہور کے سخت منتظر ہونے کے باجود اس کی بعثت و ظہور کے بعد نسلی و قومی عصبیت کی بدولت منکر ہو گئے چنانچہ اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ تم کو اس طرح "پیغمبر حق" پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بلا شبہ ان میں سے ایک فریق حق کو چھپاتا ہے اور وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ حق کو چھپا رہے ہیں۔

یوحنا کی انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی وصیت بھی محمد ﷺ کی بشارت کیلئے شاہدِ عدل ہے، فرماتے ہیں:۔

"تم میں سے کوئی مجھ سے نہیں پوچھتا کہ تو کہاں جاتا ہے؟ بلکہ اسلئے کہ میں نے یہ باتیں تم سے کی ہیں تمہارا دل غم سے بھر گیا۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی سے اور عدالت کے بارہ میں قصور وار ٹھہرائے گا۔ (باب ۱۶)

۱: یوحنا عبرانی میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام ہے اور حضرت عیسیٰ کے ایک حواری کا نام بھی ہے جن کی جانب انجیل یوحنا منسوب ہے۔

۲: کہا جاتا ہے کہ کتب قدسیہ میں ایلیا بھی محمد کی صفت منقول تھی اور اس لئے خواص علماءِ یہود ایلیا اور فارقلیط کو ایک ہی تسلیم کرتے تھے۔ مگر بعد کو تحریفات کی بدولت ایک اور "منتظر ہستی" کا اضافہ ہو گیا اور وہ الیاس میں یہود نے اب یہ گھڑ لیا کہ حضرت الیاس کا دوبارہ ظہور ہو گا اور اسلئے اب اناجیل میں بھی دو کی جگہ تین کے ظہور کا ذکر نظر آتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ بشارت حضرت مسیح علیہ السلام کی وصیت ہے اور تمثیلی استعاروں اور تشبیہوں کی بجائے واضح الفاظ میں ایک "موعود پیغمبر" کی خبر دیتی ہے اور موعود ہستی کی جن صفات کا اس میں ذکر ہے وہ حرف بحرف خاتم الانبیاء محمد ﷺ پر صادق آتی ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام حواریوں اور شاگردوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ ان کی جدائی سے کس درجہ متاثر ہیں، دل غم سے بھرے ہوئے ہیں، آنکھیں پرنم ہیں۔ حسرت ویاس چہرے سے ٹپک رہی ہے کیوں؟ کیا اسلئے کہ ایک انسان انسے جدا ہو رہا ہے نہیں، نہیں بلکہ خدا کا ایک ہادی، نبی و رسول، پیغمبر صداقت کی وداعی گھڑیاں قریب ہیں اور اب نہیں کہا جاسکتا کہ دنیا ایسی مقدس ہستیوں سے بہرہ ور ہوگی یا نہیں کیونکہ منکروں اور باطل پرستوں نے خدا کی اس نعمت کی کوئی قدر نہ کی اور اس کو رد کر دیا۔ اس غم آگیں منظر میں حضرت مسیح علیہ السلام ان کو تسلی و تشفی دیتے اور یقین دلاتے ہیں کہ "میرا جانا تمہارے لیئے "فائدہ مند" ہے اور پھر اس کی معرفت کیلئے مزید باتیں بیان فرمائی کہ وہ دنیا کو گناہوں (برائیوں) سے باز رکھے گا، راست بازی کا حکم کرے گا اور افراط و تفریط کی ان روشوں کے خلاف جو انسانی دنیا کے ہر معاملہ میں رگ وریشہ کی طرح پھیلی ہوں گی "عدل" سے گریز پر مجرم اور قصوروار ٹھہرائے گا۔

قدرتی طور پر اب یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ ہستی کون ہے جو ان مجموعۂ صفات کا مصداق بن سکے۔ علماءِ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اس سے مراد "روح القدس" ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قبر میں جی اٹھنے اور آسمان پر باپ کے پاس چلے جانے کے بعد شاگردوں پر نمودار ہوئی لیکن جب اس باطل تاویل پر ان سے یہ کہا گیا کہ ماضی یا مستقبل میں کون سا زمانہ آچکا ہے یا آئے گا جس پر بشارت کا یہ جملہ صادق آسکے جو دراصل پوری وصیت کی روح ہے وہ آکر دنیا کو گناہ سے اور راستبازی سے اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا" اور کس طرح یہ عبارت صرف اس نور پر صادق آسکتی ہے جو شاگردوں پر (روح القدس) ایک کبوتر کی شکل میں نازل ہو کر دکھلائی گئی۔

یہ وصیت تو اس تاویل کے برعکس صاف یہ ظاہر کر رہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک ایسے عظیم المرتبہ جلیل القدر پیغمبر کے ظہور کی بشارت سنا رہے ہیں جس کی آمد کائناتِ انسانی کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی سے بھی زیادہ سود مند ثابت ہوگی اور جو ایک مرتبہ پھر کائنات کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلائے گی اور اس کی تعلیم حق کا معیار سراسر "عدل" پر مبنی ہوگا کہ یہ تمام اخلاقِ کریمانہ اور شعبۂ حیات کیلئے اساس اور بنیاد کار ہے اور اس حقیقت پر نظر رکھتے ہوئے جب ہم تاریخی مذاہب سے دریافت کرتے ہیں کہ اس کا مصداق کون ہے تو اس کے ماسوا اور کوئی جواب نہیں ملتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد وصیت میں مذکور اوصاف کی مصداق ہستی محمد ﷺ کے ماسوا کوئی ظہور میں نہیں آئی۔ یہی مقدس ہستی ہے جس نے ایسے زمانہ میں جبکہ دنیا کی قوموں اور ان کی سوسائٹیوں میں "عدل" ایک بے معنی شے رہ گئی تھی اور جب کہ سچی نیک عملی اور خداپرستی، قومی اور اجتماعی زندگی سے خارج ہو چکی تھی۔ دنیاءِ انسانی کو یہ پیغام سنایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○

بے شک اللہ حکم دیتا ہے "عدل" کا "احسان" کا قرابت داروں کے ساتھ سلوک کا اور یقیناً منع کرتا ہے فحش کاموں، اور باتوں سے اور بغاوت و سرکشی سے وہ تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

اور یہی وہ مقدس ہستی ہے جسکے ظہور کی بدولت اس کی امت کا مقصدِ حیات یہ ظاہر کیا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ ○

(اے امت محمد ﷺ) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی خدمت) کیلئے عالم وجود میں لائی گئی ہے تم لوگوں کو بھلائی اور نیکیوں کا حکم کرتے اور ان کو برائیوں سے باز رکھنے کی تلقین کرتے ہو۔

مضمونِ وصیت کے اس نمایاں پہلو کے ماسوا ایک اور روشن اور واضح بات اس وصیت کی بشارت میں وہ جملہ ہے جس میں موعود ہستی کو ایک خاص وصف کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔ یہ وصف اگرچہ جدید ایڈیشنوں میں "مددگار"، "وکیل"، "معزی" اور "شفیع" ہے، لیکن قدیم یونان، فرنچ، لیٹن اور انگریزی تراجم میں "پیراکلیوتاس" اور عبرانی (جبرو) اور عربی تراجم میں "فارقلیط" پایا جاتا ہے جو عربی لفظ احمد کے ہم معنی اور مرادف ہے،

یہ بات تو علماءِ نصاریٰ اور ہر ایک تاریخ داں کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم ہے کہ موجودہ اناجیل میں سے کوئی ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی اصل انجیل نہیں ہے بلکہ جن ناموں سے یہ منسوب ہیں ان کے بھی اصل نسخے نہیں بلکہ تراجم ہیں اور یہ کہ مسیح کی انجیل کا اور یجنل (اصل) نسخہ قدیم جبرو (عبرانی) زبان میں تھا اسلئے یہ دعویٰ بسہولت کیا جا سکتا ہے کہ اور یجنل نسخہ میں یہ لفظ بلاشبہ احمد ہی ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ صف میں قرآن عزیز نے حضرت مسیح کا یہ قول نقل کیا ہے: وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ أَحْمَدُ اور دلیل یہ ہے کہ موجودہ انجیل کے تراجم میں فارقلیط اسی لفظِ احمد کا ہم معنی اور مرادف لفظ اختیار کیا گیا۔ مگر جب علماءِ نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ صداقت خاتم الانبیاء محمد ﷺ کیلئے کتابِ مقدس سے بصراحت تام بہت بڑی دلیل ہاتھ آئی اور علماء اسلام کی جانب سے ہم پر قوی حجت قائم ہوئی جاتی ہے تو بعد کے ایڈیشنوں میں لفظ فارقلیط یا پیراکلیوتاس نکال دیا گیا اور اب اس کی جگہ کبھی ناصر (مددگار) کبھی وکیل، کبھی شفیع اور کبھی معزی (تسلی دینے والا) لکھا جانے لگا۔ تاکہ واضح نام کی بجائے ایک ایسی صفت آجائے جس کا اطلاق بغیر کسی تعیین کے ہر ایک ذات حق پر ہو سکے۔ اناجیل کے قدیم و جدید نسخوں اور پھر قدیم و جدید کے مختلف ایڈیشنوں میں لفظ فارقلیط اور اسی قسم کی دوسری گوناگوں تحریفات کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کیلئے میزان الحق اور الفارق کا مطالعہ از بس مفید ہے۔ یہاں اس حقیقت کو ثابت کرنے کیلئے کہ اناجیل کے عربی تراجم میں مسطورہ بالا الفاظ کی بجائے فارقلیط تھا صرف یہ ایک ثبوت کافی ہے کہ ایک صدی قبل کے عربی نسخہ میں جو لندن سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا تھا یہ لفظ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ میں موجود تھا و اللھلب من الاب فیعطیکم فارقلیطا..... آخر۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تاہم علماءِ نصاریٰ کی اس واضح تحریف کے بعد بھی ان کا مقصد حل نہیں ہو سکتا اور ایک مرتبہ انسے پھر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس بشارت میں لفظ فارقلیط (احمد) کی جگہ مسطورۂ بالا الفاظ میں سے ہی کوئی لفظ سہی مگر جبکہ اس بشارت کا مصداق "روح القدس کا کبوتر کی شکل میں شاگردوں پر نمودار ہو جانا" کسی طرح نہیں بنتا تو پھر حضرت مسیح ؑ کے بعد تاریخ ادیان میں وہ کون سی ہستی ہے جس کو اس کا مصداق سمجھا جائے۔ کیا علماءِ نصاریٰ اس بے دلیل انکار کے ساتھ کہ اس کا مصداق ذاتِ اقدس محمد ﷺ نہیں ہیں جرأت کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں ہستی اس مجموعۂ صفات کا مصداق تھی یا آج ہے یا آئندہ آئے گی۔ نہیں وہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ان کے پاس اس انکار کیلئے صرف یہی ایک مثبت دلیل ہے کہ روح القدس اس کا مصداق ہے۔ کاش کہ وہ قدرت بھی رکھتے کہ روح القدس کو انسانی شکل میں کائنات کی ہدایت کیلئے لا سکتے کہ وہ پیغمبرانہ صداقت کے ساتھ لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی، برائیوں سے روکتی اور عدل ترک کر کے افراط و تفریط کی راہ بد اختیار کرنے پر لوگوں کو قصور وار ٹھہراتی تب شاید ان کا یہ قول الفاظِ بشارت کی مطابقت کر سکتا۔ ورنہ تو یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس بشارت کو ذات اقدس ﷺ کے حق میں تسلیم نہ کرنا صرف نسلی، قومی اور جماعتی گروہ بندی سے پیدا شدہ عصبیت و حسد کا نتیجہ ہے۔

اس سے قطع نظر ہم تسلیم کیئے لیتے ہیں کہ مسیح ؑ کی انجیل میں احمد (فارقلیط) کی بجائے مسطورۂ بالا الفاظ ہی میں سے کوئی لفظ تھا تب بھی اس کا مصداق خاتم الانبیاء ﷺ کے ماسوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ قرآن عزیز نے مختلف مقامات پر نبی اکرم ﷺ کے جو اوصافِ حمیدہ بیان کیئے ہیں وہ ان ہی مسطورۂ بالا الفاظ کے ہم معنی ہیں مثلاً سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کو عزیز، رؤف، رحیم کہا گیا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

(ایمان والو!) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے وہ ایمان والوں کیلئے شفقت رکھنے والا، رحمت والا ہے (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لیئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اس کی ذات، میں نے اس پر بھروسہ کیا وہ تمام عالمِ ہستی کی جہانداری کے عرشِ عظیم کا خداوند ہے۔

اور سورۂ انبیاء میں ارشاد ہے:۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر جہان والوں کیلئے رحمت بنا کر۔

اور اگر صحیح احادیث کی تصریحات کو بھی ان آیات کی تفسیر کے طور پر شامل کر لیا جائے تب تو اناجیل کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تراجم میں مذکورہ صفت بعینہٖ آپ کو مل جائیں گے مثلاً الشافع المشفع الشفیع، الناصر (مددگار) وغیرہ۔

پھر اسی باب کی آیت ۱۳ کو اس مضمون کے ساتھ اگر ملایئے تو معاملہ اور زیادہ واضح اور صاف ہو جائے گا، حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا اسلئے کہ اپنی طرف سے نہ کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

غور فرمایئے کیا یہ مضمون "روح القدسؑ" پر صادق آسکتا ہے جس نے چند شاگردوں پر ظاہر ہو کر اپنی نمود دکھلائی یا ایسی ہستی پر جو لوازمِ بشریت سے متصف ہونے کے باوجود کائنات انسانی میں رہ کر سچائی کی راہ دکھلائے اور امور غیب سے متعلق خدا نے جو کچھ بتلایا ہے، (علاماتِ قیامت، جنت و جہنم، حشر و نشر وغیرہ کی تفصیلات) اسکو مخلوقِ خدا تک پہنچائے اور پھر معلوم کرو تاریخ ماضی سے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ کے علاوہ کون آیا جس نے خدا سے بھٹکے ہوئے انسانوں کا رشتہ دوبارہ خدا سے ملایا اور ادیان و ملل کی گم شدہ صداقتوں کو قرآن کے ذریعہ روشن و نمایاں کیا۔ کیا موافق و مخالف دونوں شہادتیں اس پر متفق نہیں ہیں کہ اس کی قوم دوست و دشمن سب ہی اس کو "الصادق الامین" کہہ کر پکارتے تھے اور کیا انجیل کا یہ فقرہ "اسلئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا" اور قرآن کی یہ آیت وما ینطقُ عن الھوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وحیٌ یُّوحٰی o وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، جو کچھ کہتا ہے اس وحی سے کہتا ہے جو خدا کی جانب سے اتاری جاتی ہے۔ ایک ہی مقدس ہستی کی تقدیس حیات اور صداقت قول و عمل کے دو عکس نہیں ہیں پس سچائی کی روح میں لفظ "روح" سے فائدہ اٹھا کر اور بقیہ تمام مضمون بشارت سے آنکھ بند کر کے اس کو "روح القدسؑ" کہہ دینا عملی دیانت ہے؟ ہرگز نہیں۔

غرض وصیت یا بشارت حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب سے واضح اور صاف اعلان ہے ظہور قدسی صفات ﷺ کا اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے اور تعصب بے جا کی دلیل۔[1]

بشارات النبی ﷺ کا یہ باب بہت وسیع ہے اور چھٹی صدی ہجری میں ایک مسیحی عالم سعید بن حسن اکندرانی نے جب کتاب مقدس میں ان بشارات کو دیکھ کر اسلام قبول کیا تو محیط النظر ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر تصنیف کی اور ہمیشہ سے علماءِ اسلام بھی اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے ہندوؤں کی قدیم کتابوں اور مجوس کے قدیم نوشتوں میں بھی "منتظر ہستی" سے متعلق جو کچھ مذکور ہے اس کو بشارات النبی میں شامل کیا ہے۔ مگر ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہوئے قرآن عزیز کی ان آیات پر اس مضمون کو ختم کر دینا چاہتے ہیں جو نزول قرآن کے وقت سے یہود و نصاریٰ کے سامنے برابر اعلان کرتی رہی ہیں کہ قدیم سماوی کتابوں میں اس مقدس پیغمبر کا تذکرہ برابر رہا ہے اور چونکہ خدا کی تقدیر یہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اس کا آخری اور کامل و مکمل قانون اسی ذات اقدس ﷺ کے ہاتھوں کائناتِ ہست و بود تک پہنچے گا۔ اسلئے از بس ضروری تھا کہ اس کا ذکر پہلے نوشتوں میں ہو تاکہ جب اس کے ظہور کا وقت آپہنچے تو تمام صادق ادیان و ملل سے متعلق امتیں میثاقِ الٰہی کے مطابق اس پر ایمان لائیں اور اس کی پیش کردہ صداقت اور قانونِ ہدایت "قرآن" کو

---

[1] اس پیشین گوئی میں فارقلیط سے متعلق مفصل محققانہ بحث کیلئے میزان الحق از مولانا رحمۃ اللہ (نور اللہ مرقدہٗ) الفارق، ہدایۃ الحیاری اور رسالہ تہذیب الاخلاق مضمون فارقلیط قابل مراجعت ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اپنے لیئے راہِ عمل بنائیں چنانچہ سورۂ الفتح میں ارشاد ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ (صحابہ) ان کے ساتھ ہیں وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھے گا (خدا کے سامنے) جھکنے والے سجدہ کرنے والے اور اس طریقہ سے خدا کے فضل اور اس کی رضاء کے خواہش مند ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں (پیشانیوں) پر سجدے کے نشانات ہیں تورات اور انجیل میں ان کا ذکر اسی طرح ہے۔

یہ ذکر انجیل برنایا میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور آپ ﷺ کی صفات بہت نمایاں الفاظ میں مذکور ہیں لیکن وہ نصاریٰ کے نزدیک متروک ہے مگر جیسا کہ سابق میں کہا جا چکا ہے اس کا ترک کسی دلیل پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ اور بعض دوسری اناجیل کا ترک محض ایک فال کی بناء پر ہوا جو اسی غرض سے نکالی گئی تھی۔

اور سورۂ شعراء میں ہے۔

وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ وَإِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ ○

اور یقیناً یہ (قرآن) جہانوں کے پروردگار کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین (جبرئیل علیہ السلام) نے (خدا کی جانب سے) تیرے قلب پر نازل کیا تاکہ تو (خدا کے نافرمانوں کو) ڈرانے والوں سے ہو یہ صاف عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلوں (گذشتہ پیغمبروں) کی کتابوں میں ہے۔

اور ایک مرتبہ خود نبی اکرم ﷺ نے انہی بشارات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

دعوۃ ابی ابراھیم و بشریٰ عیسیٰ

"یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ؤں اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بشارت ہوں (یعنی) دعاء خلیل اور نوید مسیحا"

قرآن عزیز نے دعاء ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس طرح کیا ہے

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

اے ہمارے پروردگار! ان (اہل عرب) ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو (ہر قسم کی برائیوں سے) پاک کرے۔ بے شبہ تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اور بشارت مسیح علیہ السلام کا ذکر سورۂ صف میں اس طرح منقول ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے جب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے کہا "اے بنی اسرائیل میں تمہاری جانب اللہ کا رسول (ایلچی) ہوں تصدیق کرنے والا ہوں توراۃ کی جو میرے سامنے موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد (فارقلیط) ہوگا پس جب ان کے پاس وہ (خدا کا پیغمبر) دلائل لے کر آیا تو یہ کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔

صبح سعادت

تاریخ ادیان و ملل شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر تقریباً چھ صدیاں گزر چکی ہیں اور معمورۂ عالم خدا کے پیغمبروں کی معرفت حاصل کی ہوئی صداقت حق کو فراموش کر چکا ہے تمام کائناتِ انسانی خدا پرستی کی بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا ہے اور ہر ملک میں نوع انسانی سے لے کر نوع جمادات تک کی پرستش سرمایۂ نازش بنی ہوئی ہے کوئی انسان کو اوتار (خدا) کہہ رہا ہے تو کوئی خدا کا بیٹا۔ ایک اگر مادہ پرست ہے تو دوسرا خود اپنی آتما (روح) کو ہی خدا سمجھ رہا ہے سورج کی پوجا ہے چاند تاروں کی پرستش ہے حیوانوں درختوں اور پتھروں کی عبادت ہے، آگ پانی، ہوا، مٹی کے سامنے ناصیہ فرسائی ہے غرض کائنات کی ہر شے پرستش اور پوجا کے لائق ہے اور نہیں ہے تو صرف ذات واحد قابل پرستش نہیں ہے نہ اس کی احدیت کا تصور خالص ہے اور نہ صمدیت کا۔ اس کو اگر مانا بھی جاتا ہے تو دوسروں کی پرستش اور عبادت کے ذریعہ ہو اگر خالق موجودات ہے تو دوسروں کے واسطہ اور احتیاج کے ساتھ مادہ، روح اور ترکیب سب ہی باتوں کا محتاج ہے وہ اگر مالک موجودات ہے بھی تو انسان، حیوان، درخت پتھر کے بل بوتہ پر غرض ساری دنیا میں اصل کارفرمائی مظاہر کی تھی اور "ذات حق" صرف نام کے لئے حقیقت سے چشم پوشی تھی مگر مجاز کے ساتھ ذوق عشق ذات حق سے بعد تھا مگر مظاہر سے قربت، سرمایہ سعادت حق سے بیگانگی تھی مگر مخلوقات کی عبادت گزاری شعار عام تھا اور ہر طرف مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفَى ہم ان کو نہیں پوجتے مگر اس لئے تاکہ وہ خدا کی جانب ہماری قربت کا ذریعہ بن جائیں کا مظاہرہ نظر آتا تھا۔

یہی وہ تاریک دور تھا جس میں "سنۃ اللہ" یعنی خدا کے قانون ہدایت وضلالت نے ماضی کی تاریخ کو پھر دہرایا اور غیرت حق نے فطرت کے قانون رد عمل (RE ACTION) کو حرکت دی یعنی آفتاب ہدایت برجِ سعادت سے نمودار ہوا اور چہار جانب چھائی ہوئی شرک وجہالت اور رسم ورواج کی تاریکیوں کو فنا کر کے عالم ہست وبود کو علم ویقین کی روشنی سے منور کر دیا۔

۹ ربیع الاول مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کی صبح، وہ صبح سعادت تھی جب مدنیت وحضارت سے محروم بن کھیتی کی سرزمین مکہ کے ایک معزز قبیلۂ قریش (بنی ہاشم) میں عبد اللہ بن عبد المطلب کے یہاں آمنہ بنت وہب کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مشکوئے معلیٰ سے آفتاب رسالت محمد ﷺ نے ظہور کیا۔

خدایا! وہ صبح کسی سعادت افروز تھی جس نے کائنات ارضی کو رشد و ہدایت کے طلوع کا مژدۂ جانفزاء سنایا اور وہ ساعت کسی مبارک و محمود تھی جو معمورۂ عالم کیلئے پیغام بشارت بنی عالم کا ذرہ ذرہ زبان حال سے نغمے گا رہا تھا کہ وقت آ پہنچا کہ اب دنیاء ہست و بود کی شقاوت دور اور سعادت مجسم سے عالم معمور ہر ظلمت شرک و کفر کا پردہ چاک ہو اور آفتاب ہدایت روشن و تابناک ہو۔ مظاہر پرستی باطل ٹھہرے اور خدائے وحد کی توحید مقصد حیات قرار پائے۔

دنیا تو کیا ملک قبیلہ اور خاندان کو بھی یہ علم نہ تھا کہ مذاہب عالم جس آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کے منتظر ہیں وہ اس غیر متمدن سرزمین اور عبدالمطلب کے گھرانے سے جلوہ گر ہو گا کہ اس کی ولادت باسعادت کو خاص اہمیت دیتے اور تاریخ ولادت کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھتے مگر جس خالق کائنات کے نوشتۂ تقدیر نے اس کو مقدس ہستی بنانے کا فیصلہ کیا اسی کے ید قدرت نے ولادت باسعادت کیلئے ایک معجزانہ تاریخی نشان بھی ظاہر کر دیا اور وہ اصحاب الفیل کا واقعہ تھا۔

معتبر اور مستند روایات شاہد ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت اس واقعہ سے چند ماہ بعد ہوئی۔[1]

یہ واقعہ جن خصوصیات کا حامل ہے ان کے پیش نظر یہ عرب کے لئے عموماً اور اہل حجاز کے لئے خصوصاً نہایت عجیب اور حیرت زا تھا اور اس لئے وہ کبھی اس کو فراموش نہیں کر سکتے تھے اس لئے انھوں نے اس کا نام ہی عام الفیل (یعنی ہاتھیوں والا سال) رکھ دیا۔ مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ دراصل یہ واقعہ ایک (نشان) ہے اس جلیل القدر ہستی کے ظہور کا جو ایک روز تمام معمورۂ انسانی کو مرکز توحید اور قبلۂ ابراہیمی پر جمع کر دے گی اور اس کو غیر اللہ (بتوں) کی آلودگیوں سے پاک کر کے توحید الٰہی کے نغموں کیلئے مخصوص کرائے گی۔ کیونکہ یہی وہ پہلا مقام ہے جو صرف خدائے واحد کی پرستش کیلئے بنایا گیا۔ یہ مندر نہیں تھا کہ مورتی کی پوجا کی جائے، یہ گرجا اور کلیسا بھی نہ تھا کہ یسوع مسیح علیہ السلام اور کنواری مریم علیہا السلام کے مجسموں کے سامنے سر جھکایا جائے نہ یہ آتش کدہ تھا کہ آگ کو نور کا مظہر قرار دے کر اس کی پرستش کی جائے اور نہ یہ صلوات یہود تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنا کر اس کی تقدیس کے نغمے گائے جائیں بلکہ یہ تو خدا اور صرف ایک خدا کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔

غرض بعثت کے بعد جب قدرت کے اعجاز نما ہاتھوں نے عام الفیل میں آپ ﷺ کی ولادت کا راز سربستہ آشکارا کر دیا تب دنیا نے یہ سمجھا کہ ابرہۃ الاشرام اور اس کے لشکر سے کعبۃ اللہ کی یہ حفاظت اس لئے تھی کہ وہ وقت قریب آ پہنچا جب دوبارہ یہ مقدس مقام خدائے واحد کی عبادت اور توحید خالص کی مرکزیت کا شرف حاصل کرنے والا ہے پس جو طاقت بھی اس مقصد عظمیٰ سے متصادم ہو گی خود ہی پاش پاش ہو کر رہ جائے گی۔

ابرہہ عیسائی تھا اور اہل عرب (قریش) مشرک، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ابرہہ اور اس کے لشکر کی بربادی قریش کی نصرت و حمایت کے لئے تھی نہیں! بلکہ اس لئے سب کچھ ہوا کہ مشیت الٰہی کے خلاف ابرہہ کی

1: واقعہ کی تفصیلات قصص القرآن جلد ۳ میں گزر چکیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خواہش تھی کہ یمن (صنعاء) میں جو خوبصورت گرجا (القلیس) باپ، بیٹا، روح القدس (تثلیث) کے فروغ دینے کو بنایا گیا تھا مرکز "توحید کعبۃ اللہ" کی جگہ وہ مرجع حلائق بنے اور اس مقصد کی خاطر اس نے انہدام کعبہ کے لئے لشکر کشی کی ادھر قریش یعنی سارا عرب اس کی مقاومت سے عاجز و درماندہ تھا ابرہہ وقت کے تمام جنگی اسلحہ اور سر و سامان کا مالک اور قریش ان سب سے یکسر محروم تب غیرت حق حرکت میں آئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ دنیوی طاقت کے گھمنڈ پر مشیت الٰہی سے ٹکرانے والا خود ہی فنا کے گھاٹ اتر گیا اور محور توحدی "کعبہ" خدائی حفاظت کے سایہ میں اسی طرح قائم رہا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ (بلا شبہ اس بات میں بڑی ہی عبرت ہے اس شخص کیلئے جو خوفِ خدا رکھتا ہے) قرآن عزیز نے سورۃ الفیل میں اسی حقیقت کو معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ نقل کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ○ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ○ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ○ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ○

(اے پیغمبر!) کیا تجھے نہیں معلوم کہ تیرے پروردگار نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انکے فریب کو ناکام نہیں بنادیا؟ اور ان پر فوج در فوج پرند بھیج دیئے وہ پرندان پر کنکریاں پھینکتے تھے پھر (خدا نے) ان ہاتھیوں والوں کو کھائے ہوئے بھس کے مانند کر دیا۔

بہر حال عام الفیل نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کا سال ہے اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے ظہور قدسی کا سب سے بڑا قریبی نشان ہے اور یہ حقیقت اس شخص پر بخوبی عیاں ہے، لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ جس کے پاس قبول حق کیلئے دل ہے یا وہ حاضر دماغی کے ساتھ امر حق کی جانب کان لگائے ہوئے ہے۔"

تاریخ ولادت کی تحقیق

تمام ارباب تاریخ و سیر کا تین باتوں پر کلی اتفاق ہے ایک یہ کہ ولادت کا سال "عام الفیل" تھا چنانچہ سیرت و مغازی کا مشہور امام محمد بن اسحٰقؒ اور جلیل القدر محدث و مؤرخ حافظ ابن کثیرؒ جمہور کی یہی رائے نقل کرتے ہیں:

و کان مولوده علیه الصلوٰة و السلام عام الفیل و هذا هو المشهور عن الجمهور و قال ابراهیم بن منذر الخرامی و هو الذی لا یشك فیه احد علماء نا انه علیه الصلوٰة و السلام ولد عام الفیل۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۶۱)

و المجتمع علیه انه علیه الصلوٰة و السلام ولد عام الفیل۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۶۱)

جمہور کے نزدیک یہی قول مشہور ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ السلام کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور ابراہیم بن

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

منذر کہتے ہیں کہ اس بات میں کسی عالم کو بھی شک وشبہ نہیں کہ نبی ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔
اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ محمد ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔
اور دوسری اور تیسری بات یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول کہ مہینے میں شنبہ (پیر) کے دن صبح صادق کے وقت ہوئی:

وهذا ما لا خلاف فيه انه ولد صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين ثم الجمهور على ان ذلك كان فى شهر ربيع الاول۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۶۱)

اور اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپ ﷺ دوشنبہ (پیر) کے دن پیدا ہوئے پھر جمہور کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

قال ابو قتادة رضى الله عنه ان اعرابيا قال يا رسول الله ما تقول فى صوم يوم الاثنين فقال، ذلك يوم ولدت فيه و انزل علىَّ فيه۔ (مسلم)

ابو قتادہؓ فرماتے ہیں گاؤں کے ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ پیر کے دن کے متعلق کیا فرماتے ہیں آپ ﷺ ارشاد فرمایا یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور جس میں مجھ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی۔

لیکن اہل سیر و تاریخ اس باب میں مختلف الرائے ہیں کہ ربیع الاول کی کون سی تاریخ تھی عوام میں تو مشہور قول یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول تھی اور بعض کمزور روایات اس کی پشت پر ہیں اور اکثر علماء ۸ ربیع الاول کہتے ہیں لیکن صحیح اور مستند قول یہ ہے کہ ۹ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے اور مشاہیر علماء تاریخ و حدیث اور جلیل المرتبہ ائمہ دین اسی تاریخ کو صحیح اور "اثبت" کہتے ہیں چنانچہ حمیدی، عقیل، یونس، بن یزید، ابن عبد اللہ ابن حزم، محمد بن موسیٰ خوارزمی ابو الخطاب ابن دحیہ، ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، شیخ بدر الدین عینی جیسے مقتدر علماء کی یہی رائے ہے۔

محمود پاشا فلکی نے (جو قسطنطنیہ کا مشہور ہیئت داں اور منجم گذرا ہے) ہیئت کے مطابق جو زائچہ اس غرض سے مرتب کیا تھا کہ محمد ﷺ کے زمانہ سے اپنے زمانہ تک کسوف و خسوف (سورج گرہن و چاند گرہن) کا صحیح حساب معلوم کرے پوری تحقیق کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سن ولادت باسعادت میں کسی حساب سے بھی دوشنبہ (پیر) کا دن ۱۲ ربیع الاول کو نہیں آتا بلکہ ۹ ربیع الاول ہی کو آتا ہے[1] اس لئے بلحاظ قوت و صحت روایات اور باعتبار حساب ہیئت و نجوم ولادت مبارک کی مستند تاریخ ۹ ربیع الاول ہے۔

اصحاب فیل کے واقعہ سے کس قدر عرصہ بعد ولادت ہوئی؟ متعدد اقوال میں سے مشہور قول یہ ہے کہ پچاس دن بعد ظہور قدسی ہوا ہے۔

وقيل بخمسين يوما وهو اشهر۔ (فتح الباری جلد ۲ و تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۶۰)

۱: ۸ اور ۹ کا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ مہینے کے ۲۹ اور ۳۰ کے حساب پر مبنی ہے اور جبکہ حساب سے ثابت ہو گیا کہ صحیح تاریخ ۲۱ اپریل تھی تو ۸ کے متعلق تمام اقوال دراصل ۹ کی تائید میں پیش ہو سکتے ہیں ۱۲

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک قول یہ ہے کہ اصحاب فیل کے واقعہ سے پچاس دن بعد ولادت باسعادت ہوئی اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔

نسب مبارک

نبی اکرم ﷺ عربی النسل ہیں اور عرب کے معزز قبیلہ قریش کی سب سے زیادہ مقتدر شاخ بنی ہاشم سے ہیں، قرآن عزیز اہل عرب کو خطاب کرتے ہوئے متعدد مقامات پر آپ ﷺ کے عربی نژاد ہونے کا ذکر کیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

(خدا) وہ ذات ہے جس نے امیین (ان پڑھ لوگوں) میں سے ہی ایک رسول بھیج دیا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو الکتاب (قرآن) اور حکمت سکھاتا ہے۔ (جمعہ پ۲۸ ع۲)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ

بلاشبہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) آیا۔ (توبہ)

إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ

جب کہ بھیج دیا اللہ نے ان میں ایک رسول جو بلحاظ نسب ان ہی میں سے ہے۔ (آل عمران پ۴ ع۱)

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

اسی طرح ہم نے آپ ﷺ پر قرآن کو بزبان عربی اتارا ہے تاکہ (اے محمد ﷺ) تم مکہ والوں اور ان کے گردو پیش کے بسنے والوں (برائیوں سے) ڈراؤ۔ (شوریٰ پ۲۵ ع۱)

أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ○

کیا (اس قرآن کو سکھا دیتا ہے کوئی عجمی اور حالت یہ ہے کہ یہ واضح عربی زبان میں ہے۔ (النحل پ۱۴ ع۱۴)

ماہرین انساب عرب کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اسلئے کہ قریش بغیر کسی اختلاف رائے کے عدنانی ہیں اور عدنان کے اسمٰعیلی ہونے میں دو رائے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

عرب کے علم الانساب کے مشہور عالم محدث ابن عبدالبر تحریری فرماتے ہیں:

واجمعوا ان محمدا رسول اللّٰه ﷺ من ولد عدنان وان عدنان من ولد اسمعيل وان ربيعة و مضر من ولد اسمعيل ۔ (القصد والامم ص ۲۲ والانباه علیٰ قبائل الرواة ص ٤٦)

اور علماء انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ عدنان کی نسل سے ہیں اور عدنان اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے اور ربیعہ اور مضر بھی اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

علماء انساب نے نسب نامہ کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اور والدہ کی جانب سے آپ ﷺ کا نسب نامہ کلاب پر جا کر پدری سلسلۂ نسب کے ساتھ مل جاتا ہے یعنی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کلاب کو حکیم بھی کہتے ہیں۔

البتہ عدنان اور حضرت اسمٰعیل کے درمیان سلسلہ کے ناموں سے متعلق ماہرین انساب کی آراء مختلف ہیں[1] اس لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کے متعلق ارشاد فرما کر کذب النسابون (نسب بیان کرنے والوں نے غلط بیانی کی ہے) کسی رائے کی توثیق نہیں فرمائی اور اپنے سلسلۂ نسب کے متعلق صرف اس قدر ارشاد فرمایا ہے:

ان اللّٰہ اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ہاشم واصطفانی من بنی ہاشم۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے کنانہ کو ممتاز بنایا اور کنانہ میں سے قریش کو عزت و عظمت بخشی اور قریش میں سے بنی ہاشم کو امتیاز عطا فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔

گویا اس طرح سلسلۂ نسب کے صرف ان حصوں کی تصدیق فرمائی جو ماہرین انساب کے درمیان بلا خلاف مسلم تھے۔

اسلام نے نسبی تفاخر اور اس پر مبنی سماجی رسم و رواج کو بہت بڑا گناہ اور جرم قرار دیا ہے وہ کہتا ہے خدا کے یہاں فضیلت کا معیار ایمان اور عمل صالح ہے اور وہاں حسب و نسب کی کوئی پرسش نہیں ہے نیز نسبی تفاخر اسلام کی بنیادی قانون "اخوت اسلامی" کے قطعاً منافی ہے اس لئے اسلام کے اجتماعی دستور میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے تاہم واقعاتی طور پر تاریخ یہ پتہ دیتی ہے کہ ہمیشہ انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی قوم اور اپنی ملک کے معزز خاندان میں سے ہوتے رہے ہیں حکمت خداوندی کا فیصلہ غالباً اس لئے ہوا کہ قوموں اور ملکوں کے رسم و رواج اور نسبی تفاخر کے خلاف ان کی دعوت حق اور ان کا پیغام صداقت کہیں ذاتی مفاد کے لیے نہ سمجھ لیا جائے اور اس طرح اس کا اخلاقی پہلو کمزور نہ ہو جائے مثلاً کسی سماجی زندگی میں ذات پات کی تقسیم اور کاسٹ سسٹم اس طرح موجود ہے کہ اس کی وجہ سے بعض انسان بعض کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگے ہیں تو اگر اس قوم یا ملک میں کوئی پیغمبر اس خاندان سے تعلق رکھتا ہو جس کو قومی اور ملکی رواج نے نیچے اور پست اقوام کا لقب دے رکھا ہے ایسی حالت میں اس ظلم صریح اور باطل کوشی کے خلاف اس پیغمبر کی صدائے حق اتنی سرعت کے ساتھ کامیاب نہ ہوتی جس قدر اس حالت میں ہو سکتی ہے جب کہ وہ خود اس قوم و ملک کے اونچے خاندان سے تعلق رکھتا ہو اور صرف ایک اسی خاص مسئلہ میں نہیں بلکہ اس کے پیغام حق کی تمام اصلاحات میں یہ فرق

1: البدایہ والنہایہ جلد ۲۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ضرور نظر آئے گا۔

بہر حال یہ حکمت ہر مقام اور ہر موقع پر مفید ہو یا نہ ہو عرب کے حالات و واقعات کیلئے از بس مناسب اور مفید ثابت ہوئی چنانچہ صدائے اسلام نے جب اپنی انقلابی اور اصلاحی گرج سے روحانیت کی خفتہ کائنات میں تہلکہ ڈال دیا تو ایک جانب نبی اکرم ﷺ نے اہل عرب کو یہ سنایا کہ یہاں تک خاندانی امتیاز کا تعلق ہے تو میں قریشی بھی ہوں اور ہاشمی بھی اور یہ امتیاز تمہارے نقطہ نظر سے بہت بلند ہے مگر میری نگاہ میں اس کی حیثیت صرف یہ ہے: ولا فخر یہ کوئی فخر کرنے کی چیز نہیں ہے۔" اور دوسری جانب نسبی تفاخر کی بنیادوں کے انہدام اور مساوات انسانی کی دعوت عام کے لئے اس خدائی فرمان کا اعلان کر کے کائنات انسانی کی تمام تاریک ذہنیت کے خلاف انقلاب عظیم برپا کر دیا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

لوگو! میں نے تم سب کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے (یعنی تخلیق انسانی کی ابتدا آدم اور اس کی بیوی حوا علیہا السلام سے ہوئی ہے) اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں صرف اس لئے بانٹ دیا ہے کہ آپس میں (صلہ رحمی کے لیے) پہچان اور معرفت کا طریقہ قائم کر لو (اور اصل یہ ہے کہ) بلا شبہ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو تم میں سے پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے والا ہے۔ (الحجرات پ۲۶ ع۱)

اور حجتہ الوداع کے موقع پر جب آپ ہزار ہا صحابہؓ کی موجودگی میں وداعی پیغام سنا رہے اور اسلام کے بنیادی اصول کے استحکام کیلئے اہم وصایا پیش فرما رہے تھے اس حکم خداوندی کی تائید میں یہ انقلاب آفریں پیغام بھی ارشاد فرمایا:

ان اللّٰہ یقول،

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا ط إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ط إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

فلیس لعربی علی عجمی فضل و لا لعجمی علی عربی فضل و لا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقویٰ ۔ یا معشر القریش لا تجیؤ بالدنیا تحملونها علی رقابکم و یجیٔ الناس بالآخرۃ فانی لا اغنی عنکم من اللّٰہ شیئاً.....الخ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اے افراد نسل انسانی! بلا شبہ ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے درمیان خاندان اور قبائل بنا دیے ہیں تاکہ (صلۂ رحمی کے لیے) تعارف پیدا کرو بلا شبہ تم میں اللہ کے نزدیک وہی برگزیدہ ہے جو زیادہ متقی (نیک کردار ہے) پس (خوب یاد رکھو کہ) نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے اور نہ گورے کو کالے پر کوئی بزرگی بلکہ ان سب کے لئے فضیلت کا معیار صرف تقوی (نیک عملی) ہے اے گروہ قریش ایسا نہ ہو کہ تم (خاندانی فخر کے زعم باطل کیوجہ سے قیامت میں) دنیا کو کاندھے پر لاد کر لاؤ اور دوسرے لوگ (نیک عملی کی بدولت) آخرت کا سامان لے کر آئیں، واضح رہے کہ (تمہارے محض قریشی ہونے کی وجہ سے) میں تم کو خدا کے فیصلے سے قطعاً بے پرواہ نہیں بنا سکتا (خدا کے یہاں تو صرف عمل ہی کام آئے گا) (مجمع الفوائد جلد ۱ از معجم طبرانی کبیر)

اور ایک مرتبہ نسبی فخر کے خلاف تبلیغ حق کرتے ہوئے اس کو جاہلی تعصب فرمایا اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کے لئے سخت تاکید فرمائی۔ رشاد فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ قد اذھب عنکم عبیة الجاھلیة و فخرھا بالآ بآء و انما ھو مؤمن تقی او فاجر شقی الناس کلھم بنو آدم و آدم خلق من تراب۔ (ابو داؤد۔ ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے (دعوت اسلام کے ذریعہ) تمہارے درمیان سے جاہلیت کے تعصب اور نسبی فخر کو مٹا دیا ہے اور اب انسان یا نکوکار مومن ہے اور یا بدکار پاپی سب انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے، (پھر فخر کرنے کا کیا موقع ہے)؟

اسی مقدس تسلیم کا نتیجہ تھا کہ اسلام کے دور اولین میں نہ ذات پات کا کوئی سوال باقی رہ گیا تھا اور نہ خاندانی تفاخر کی کوئی حیثیت سمجھی جاتی تھی اور اس صدائے حق نے غلاموں تک کو سروری بخش دی تھی، چنانچہ اسامہ بن زیدؓ کی سالاری لشکر اور امامت جہاد بلال حبشیؓ کے لئے صدیق اکبرؓ کا یہ ارشاد "سید ھذہ الامة" اس امت کا سردار قریش اور ہاشمی صحابہ کے درمیان ایک عجمی انسان ابو ہریرہؓ کی جلالت و عظمت، صہیب رومی اور سلمان فارسی کی رفعت و بلندی مرتبت اور اسی قسم کے ہزاروں واقعات تھے جو چشم فلک نے آنکھوں سے دیکھے اور تاریخ نے آغوش صفحات میں محفوظ رکھے ہیں مگر وائے بد بختی کہ بیرونی اثرات اور عرب سے باہر عجمی ماحول نے ایک عرصہ کے بعد مسلمانوں کو پھر اسی لعنت سے دوچار کر دیا جس کا مرثیہ اقبال مرحوم کو اس طرح کرنا پڑا:-

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں　　کیا زمانہ میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

سرور دو عالم ﷺ نے یہ فرما کر انما ھو مومن تقی او فاجر شقی اس مسئلہ کو اس درجہ صاف کر دیا تھا کہ مسلمان کی زندگی میں کبھی اس کے برعکس زندگی کا کوئی اثر پڑنا ہی نہیں چاہیے تھا، ذات پات تو صرف اس لئے تھیں کہ چھوٹے چھوٹے حلقوں میں باہمی تعارف صلہ رحمی اور حسن سلوک کا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ بآسانی ہو سکے ورنہ کسی ذات کہاں کا خاندان؟ کون برادری؟ یہاں تو صرف دو ہی فطری اور نیچرل تقسیمیں ہیں یا نکوکار یا بدکار کسی قوم کسی خاندان اور کسی ملک کا انسان ہو اگر سچی خدا پرستی اور نکوکاری رکھتا ہے تو وہ سب ایک برادری اور ایک قوم ہیں اور اگر مشرک و کافر اور بدکار پاپی تو یہ سب ایک گروہ اور ایک ٹولی ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یتیمی

خاتم الانبیاء محمد ﷺ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ اور والدۂ ماجدہ کا آمنہ تھا۔ ابھی آفتاب ہدایت نے کائنات ہست و بود میں طلوع نہیں کیا تھا اور حضرت آمنہ کی مشکوئے معلیٰ اس ودیعت کی امین ہی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور ارباب سیرت کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ (یثرب) پہنچا تو وہ بیمار ہو گئے اور اس لئے اپنے ننہال بنی نجار میں قیام پذیر رہے قافلہ جب مکہ پہنچا تو عبد المطلب نے بیٹے کے متعلق دریافت کیا قافلہ نے ان کی بیماری اور مدینہ میں قیام کا واقعہ کہہ سنایا۔ تب عبد المطلب نے اپنے بڑے لڑکے حارث کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا، حارث جب مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ نے ایک ماہ چند روز بیمار رہ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ دیا۔ واپس آکر جب حارث نے باپ کو حادثہ کی اطلاع دی تو عبد المطلب اور تمام خاندان کو اس صدمۂ جانکاہ نے بے حال کر دیا کیونکہ عبد اللہ اپنے باپ بھائیوں کے بہت چہیتے تھے۔

غرض جب ولادت باسعادت ہوئی تو اس سے قبل ہی آپ ﷺ کو یتیمی کا شرف حاصل ہو چکا تھا، چنانچہ قرآن نے آپ ﷺ کی یتیمی و دنیوی وسائل سے محرومی کے وجود آغوش رحمت کردگار میں نشو نما پا کر ہادی عالم بننے کا معجزانہ اختصار کے ساتھ سورۂ والضحیٰ میں تذکرہ کیا ہے:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝

(اے پیغمبر!) کیا تجھ کو خدا نے یتیم نہیں پایا پھر اپنی آغوش (رحمت) میں جگہ دی اور کیا تجھ کو ناواقف نہیں پایا پھر تجھ کو (کائنات کی ہدایت کے لیے) ہدایت مآب بنایا اور کیا تجھ کو (ہر قسم کے وسائل سے محروم و) محتاج نہیں پایا پھر تجھ کو (ہر قسم کی سروری دے کر) غنی بنا دیا۔

بقول حضرت ابو قتادہؓ ان آیات میں عجیب و غریب اعجاز اور اسلوب بیان کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام ارتقائی مدارج کا تذکرہ ہے تم سمجھتے ہو کہ فَآوَىٰ کے معنی یہ ہیں کہ پروردگار عالم نے آپ ﷺ کو رہنے سہنے کی صورت پیدا کر دی یا آپ ﷺ کو بے یار و مددگار نہیں رہنے دیا یہ بھی صحیح ہے مگر اس کلام ربانی کی اصل روح یہ ہے کہ اس نے ذات اقدس ﷺ کو ہر قسم کے مادی اسباب و وسائل سے بے پرواہ رکھ کر اپنی آغوش رحمت میں لے لیا اور آپ ﷺ کے نشو و ارتقاء کو خالص اپنی تربیت میں کامل و مکمل کیا۔[1] اور وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ کی تفسیر کو خود قرآن ہی نے دوسری جگہ روشن کر دیا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ میں ہے:

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۖ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۖ

اور اسی طرح ہم نے تیری جانب اپنے امر کی روح کا ارتقاء کیا (حالانکہ اس سے پہلے) نہ تو کتاب (قرآن) سے

1: تفسیر ابن کثیر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

واقف تھا اور نہ ایمان کی حقیقت سے لیکن ہم نے اس کو نور (روشنی) بنادیا ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں (اس کی صلاحیت و استعداد کے پیش نظر) اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں۔ (شوریٰ پ ۲۵ ع ۵)

اور آیت عائلاً فاغنی میں دنیوی احتیاج و غنی کا ذکر روح کلام نہیں ہے بلکہ اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قربت و کمال کا وہ مرتبۂ عظمیٰ عطا فرمایا ہے کہ مادی اور روحانی ہر قسم کی احتیاج سے بالاتر بنا کر صفات حمیدہ اور اخلاق کریمانہ کی مثل اعلیٰ غنی سے بہرہ ور بنادیا، یہی وہ غنی ہے جس کا خود ذات اقدس ﷺ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:

لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی عن النفس (تفسیر ابن کثیر)

غنی مالداری کی بہتات کا نام نہیں ہے حقیقی غنی نفس کا ماسوی اللہ سے مستغنی ہو جانا ہے۔

عمر مبارک ابھی چھ سال ہی کی تھی کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ کا بھی انتقال ہو گیا بی بی آمنہ آپ ﷺ کو آپ کے ننھیال (مدینہ) میں لے کر گئی تھیں واپسی میں مقام ابواء میں بیمار ہو گئیں اور چند روز علیل رہ کر وہیں انتقال فرمایا اور سن مبارک ابھی آٹھ منزلیں ہی طے کر پایا تھا کہ دادا عبدالمطلب نے بھی دنیا سے منھ موڑ لیا اور اس طرح عہد طفلی ہی میں وسائل تربیت اور دنیوی اسباب کفالت سے محرومی نے گویا مشیت الٰہی کی جانب سے یہ اعلان کر دیا کہ جس ذات قدسی صفات کو خدائے واحد نے خالص اپنی تربیت کے لئے منتخب کر لیا ہے کیسے ممکن ہے کہ اس کو دنیوی اسباب و وسائل تربیت کا محتاج بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک یتیم و یسیر اور مادی وسائل سے محروم ہستی کو اپنے لئے چن کر کس طرح اپنی ربوبیت کاملہ کا مظہر بنایا۔ سورۂ انشراح میں اس حقیقت کو اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِيٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○

کیا ہم نے (قبول حق و صداقت کے لیے) تیرا سینہ نہیں کھول دیا اور (معرفت الٰہی کی حقیقی طلب اور قوم اور کائنات انسانی کے بے راہ روی پر ان کی ہدایت کی تڑپ کا) وہ بوجھ ہم نے تجھ سے دور کر دیا جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے تیرے ذکر کو کائنات ہست و بود میں بلند کر دیا۔ (انشراح پ ۳۰)

"شرح صدر" یہ کہ اب وسائل تعلیم و تعلم کے ذریعہ حاصل ہونے والے تمام علوم و معارف اس عطاء الٰہی اور وہبی معرفت و علم کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئے ہیں جس کی سمائی کے لئے ہم نے تیرے سینہ کو کھول دیا ہے اب علوم و معارف کے بحر ناپیدا کنار بھی ہوں تو تیرے سینہ کا دامن وسیع ان کے لئے کافی و وافی ہے اور اسی "شرح صدر" نے معرفت الٰہی کے تمام پوشیدہ گنجینے تجھ پر وا کر دیے اور وہ سارا بوجھ تیرے سینہ پر سے ہٹ گیا جس نے تیری کمر کو اس لئے شکستہ کر رکھا تا کہ قلبی جستجو اور دلی تڑپ کے باوجود تو اس سے قبل نہیں جانتا تھا کہ معرفت الٰہی کی راہ مستقیم کون سی ہے اور گم کردہ راہوں کی راہنمائی کی سبیل کیا ہے؟ مگر اب یہ سب کچھ روشن ہو جانے کے بعد ہم نے عالم بالا و پست میں تیرے ذکر کو وہ بلندی اور رفعت عطا فرمائی کہ تیرا مقام، ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرار پایا چنانچہ نام احمد ﷺ و محمد ﷺ ہے اور مقام، مقام محمود، سورۂ الحمد وظیفۂ حیات ہے اور لواء حمد قیامت میں طغرائے امتیاز۔ ع

حسن یوسف ؑ دم عیسیٰ ؑ ید بیضا داری انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہی نہیں بلکہ قرآن کی تجدید دعوت کے ذریعہ تیری صدائے حق نے اعتقاد و عمل اور ایمان و کردار کی راہ سے تمام دنیا کے نظام ہائے اجتماعی و سماجی میں جو عظیم الشان انقلاب بپا کر دیا اور سوسائٹی کے ہر شعبہ کی پرانی اور فرسودہ بساط کو الٹ کر جو نئی بساط بچھادی اس نے تیرے ذکر وہ رفعت و برتری عطا کی کہ کوئی قوم، کوئی مذہب او رکوئی جماعت کسی نہ کسی شکل میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بت پرستی سے نفرت، خلوت پسندی اور عبادت الٰہی کا ذوق

عہد طفولیت سے ازدواجی زندگی کے ابتدائی مراحل تک کے حالات و واقعات تفصیل کے ساتھ کتب سیرت و حدیث میں منقول ہیں اس لئے وہیں لائق مراجعت ہیں مختصر یہ کہ دادا عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب آپ ﷺ کے ساتھ بہت انس رکھتے تھے اور زندگی بھر آپ ﷺ کی رفاقت کا حق ادا کرتے رہے انبیاء و رسل کی سنت کے مطابق آپ ﷺ نے اپنی روزی کا بار کسی پر نہیں ڈالا اور دنیوی مشاغل میں آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں اور تجارت بھی کی شام کے مشہور تجارتی شہر بصریٰ میں بھی اس غرض سے تشریف لے گئے اور پچیس سال کی عمر میں یہی سفر حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سے عقد کا باعث ہوا، آپ ﷺ خدیجہ ؓ کا مال تجارت مضاربت پر بصریٰ کی منڈی میں لے گئے، خدیجہ ؓ کا غلام میسرہ بھی رفیق سفر تھا، اس درمیان میں آپ ﷺ کی صداقت و امانت، ایک یہودی راہب کی بشارت اور بیش بہا منافع تجارت کا جو تجربہ اور مشاہدہ کیا تھا میسرہ نے وہ سب حضرت خدیجہ ؓ سے کہہ سنایا چنانچہ یہی تاثر ازدواجی رشتہ کا باعث بنا گیا۔

اب زندگی میں ایک اور انقلاب ہوا کہ آپ ﷺ کو خلوت گزینی کی طرف رغبت ہوئی اور غار حرا میں روز شب بسر ہونے لگے بت پرستی سے شروع ہی سے نفرت تھی اسلئے کبھی نہ کسی صنم کے آگے سر جھکایا اور نہ کسی ایسی مجلس میں شرکت فرمائی جو صنم پرستی کے میلے کہلاتے تھے، اب خلوت میں فطرت سلیم جس طرح راہنمائی کرتی خدائے واحد کی عبادت کرتے مگر ایک خلش سینہ میں ایسی تھی جو اس حالت میں بھی بے چین ہی رکھتی، اکثر یہ سوچ کر تڑپ جاتے تھے کہ میری قوم خصوصاً اور دنیاء انسانی عموماً کس طرح خدائے واحد کو چھوڑ کر صنم پرستی اور مظاہر پرستی میں مبتلا ہے اور یہ کہ اخلاق کی دنیا کس طرح الٹ گئی ہے آخر وہ کونسا نسخۂ کیمیا ہے جو اس حالت میں انقلاب پیدا کر دے اور سچی خدا پرستی اور نیک عملی پھر ایک مرتبہ اپنی نمود دکھلائے۔

یہی جذبات و تاثرات تھے جو قلب مضطرب میں موجزن تھے اور خلوت کدۂ حرا میں انہی کیفیات کے ساتھ ذات اقدس ﷺ مصروف یاد الٰہی رہتی اور جب کئی کئی دن اس طرح گزر جاتے تو کبھی حضرت خدیجہ ؓ حاضر ہو کر آذوقۂ حیات دے جاتیں اور کبھی خود بنفس نفیس جا کر چند روز کا سامان خورد و نوش لے آتے اور حرا میں پھر مشغول عبادت ہو جاتے چنانچہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج حراء زبان سے اس کیف آگیں منظر کا شاہد ہے جس کا لطف اس نے برسوں اٹھایا ہے مشہور محدث و مؤرخ حافظ عماد الدین ابن کثیر ؒ نے اس واقعہ کو ان مختصر الفاظ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حسن وخوبی کے ساتھ بیان کیا ہے:

و انما کان رسول اللّٰہ ﷺ یحب الخلا والانفراد علیٰ قومہ لما یراھم علیہ من الضلال المبین من عبادۃ الاوثان والسجود للاصنام و قویت محبۃ للخلوۃ عند مقاربۃ ایحاء اللّٰہ الیہ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۳ ص ۵)

اور رسول اللہ ﷺ (دور شباب میں) خلوت پسند ہو گئے تھے اور قوم سے الگ تنہائی میں وقت گزارتے تھے کیونکہ وہ قوم کی اس کھلی گمراہی کو دیکھ کر "کہ وہ بت پرستی میں مبتلا اور بتوں کے سامنے سجدہ گزار رہے" کڑھتے تھے اور جوں جوں آپ ﷺ پر وحی الٰہی کے نزول کا زمانہ قریب ہوتا جاتا تھا (مشیت الٰہی سے) اسی قدر آپ ﷺ کی خلوت پسندی میں اضافہ ہوتا جاتا، صلوٰت اللہ و سلامہ علیہ اس ذات اقدس ﷺ پر خدا کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو۔"

بہر حال یہی وہ خلوت کدۂ عبادت تھا جہاں ذات اقدس ﷺ پر سب سے پہلے وحی الٰہی کا نزول ہوا اور با لترتیب سورۂ اقرأ اور سورۂ مدثر کی چند آیات سنانے کیلئے بشیر ونذیر بنادیا۔

حقیقت وحی؟

یہ وحی و "تنزیل" کیا ہے جس کو نبوت و رسالت کے خصائص میں سے کہا جاتا ہے اور یہ منصب نبوت و رسالت کیا شے ہے جس کا وحی و تنزیل کے ساتھ اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہے کہ منطقی اصطلاح میں لازم و ملزوم کہا جاسکتا ہے اور اس اصطلاحی گفتگو سے قطع نظر سادہ الفاظ میں اس سوال کو کیوں نہ اس طرح کر دیا جائے کہ کائنات انسانی کے ہر معاملہ میں جبکہ حسن و قبح کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لئے فطرت نے ہم کو جوہر عقل عطا کر دیا ہے اور انسان کے اندر کی یہ سرچ لائٹ (SEARCH LIGHT) ہر ایک مادی شعبۂ حیات میں راہنمائی کرتی ہے تو پھر رسول و نبی کے ذریعہ پیغام الٰہی کی حاجت کیا ہے؟ اور عالم روحانیت کے مسائل اور معرفت الٰہی کے حصول میں تنہا عقل ہی کیوں کافی نہیں سمجھی جاتی؟ یہی وہ سوال ہے جس کے حل ہو جانے پر وحی اور نبوت دونوں کی حقیقت بھی خود بخود واضح ہو جاسکتی ہے۔

اس سوال کو حل کرنے کے لئے پہلے ایک تمہید قابل توجہ ہے اور دراصل وہی اس مسئلہ کی کلید ہے۔

تم جب کائنات کے وجود و خلق کو عمیق فکر و نظر سے مشاہدہ کرتے ہو تو یہ حقیقت ہر جگہ ابھری ہوئی نظر آتی ہے کہ خالق کائنات نے اپنی ربوبیت کاملہ کے فیض و عطاء سے ہر شے کو جس طرح وجود بخشا اور خلق کیا اس کو "ہدایت" ہر ایک جاندار پر زندگی اور معیشت راہ کھولتی، ان کی حیات کو مفید بناتی اور ضروریات حیات کی طلب و حصول میں راہنمائی کرتی ہے اور یہی ناموس فطرت کا وہ فیض عام ہے جس کے بغیر کوئی مخلوق بھی سامان حیات اور وسائل تربیت سے استفادہ نہیں کر سکتی اور نہ وجود حیات کی یہ گرمجوشیاں ہی ظہور پذیر ہو سکتیں۔

"مچھلی کے جائے کن تیرائے اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے وہ جب اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں تو خود بخود پانی میں تیرنے لگتے اور اپنی غذا کی جستجو میں مصروف ہو جاتے ہیں، پرندوں کے بچے انڈے سے باہر آتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہی ہوا میں اڑنے کی کیوں کوشش کرتے نظر آتے ہیں حیوان اور انسان کا بچہ جب اس کارگاہ ہستی میں قدم رکھتا ہے تو بھوک و پیاس دور کرنے کے لئے ماں باپ سے تعلیم حاصل نہیں کرتا بلکہ خود بخود ماں کے سینہ پر منھ رکھ کر غذا کے خزانہ سے دودھ کیوں چوسنے لگتا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے اور کیوں ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ فطرت کا قانون ہے جو ان سب کو فیض ہدایت سے فیضیاب کر کے مخلوق کی نشوونما کا سامان مہیا کرتا ہے یہ ہدایت ہے جو ہر حرکت حیات میں اپنا کام کر رہی ہے اور یہ فیض ہدایت ہے جو خالق کائنات کی جانب سے مخلوقات کی نشوونما کے لئے فیض عام ہوا ہے۔

لیکن ابھی وسعت نظر کو آگے بڑھنے دیجئے اور قدرت حق کے مشاہدہ کے لئے تیز گام ہو جیے تو کارگر قدرت اور نوامیس فطرت کی کرم فرمائیاں اور زیادہ جلوہ آرا نظر آئیں گی۔ اور تم دیکھو گے کہ یہ "ہدایت" بھی دوسری موجودات کی طرح ارتقائی درجات رکھتی ہے اور ہر ایک درجہ اپنی افادیت کی نمود جدا رکھتا ہے چنانچہ اس راہ میں سب سے پہلے وجدان کی ہدایت سامنے آتی ہے اور یہ طبیعت حیوانی کے فطری اور باطنی الہام کا نام ہے یہی وہ ابتدائی درجہ ہے جو بچہ کو قید ہستی میں آنے کے فوراً بعد ہی کسی خارجی تعلیم و تربیت کے بغیر اس کی غذا کا پتہ دیتا اور اسباب حیات کیلئے معلم بنتا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو انسان کی ارتقائی منزل پر پہنچ کر اور ضمیر کی آواز اندر کی صدا بن کر حقائق کی معرفت کیلئے خارجی دلائل و براہین سے زیادہ قوی حجت ثابت ہوتی ہے اس کے بعد ہدایت حواس کا درجہ یہ پہلے درجہ سے بلند ہے اور اس کی عطاء و بخشش سے ہر ایک ذی روح دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے چھونے کی قوتیں حاصل کرتا ہے اور ان کے ذریعہ کائنات عالم میں اپنی افادیت اور استفادہ دونوں کو ترقی دیتا ہے۔

قدرت حق کی جانب سے یہ دونوں درجے انسان اور حیوان دونوں سے بلند ایک درجہ اور ہے جو ہدایت عقل کہلاتا ہے اور صرف انسان ہی کے لئے مخصوص ہے اور یہ بھی پہلے دو درجوں کی طرح بدیہی اور فطرت کے قوانین و نوامیس میں نمایاں جگہ رکھتا ہے یہی وہ ہدایت ہے جو انسان کو بقیہ تمام حیوانات سے امتیاز بخشتی اس کے سامنے فکر و نظر اور ترقیوں کی راہیں کھولتی ہے اور اسی کی بدولت وہ اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

عطیہ الٰہی ہدایت کے یہ تینوں درجے اپنے اپنے حلقہ اثر میں حضرت انسان کی راہنمائی کا حق ادا کرتے رہتے ہیں چنانچہ وجدان اس میں سعی پیہم کا جوش و ولولہ پیدا کرتا ہے "حواس" اس کے لئے معلومات فراہم کرتے ہیں اور عقل اسکو جزئیات و کلیات کا علم بخشتی اور ان سے متعلق احکام و نتائج ترتیب دیتی ہے۔

غرض یہی وہ "ہدایت" ہے قرآن عزیز نے جس کا ذکر انسانی تخلیق و تربیت کے سلسلہ میں کیا ہے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے باہمی مکالمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدائے برحق کی ربوبیت کاملہ کا جس طرح اظہار فرمایا ہے اس کا ذکر یوں کیا ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں ہے:

رَبُّنَا الَّذِيٓ أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى

ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی بناوٹ دی پھر اس پر راہ عمل کھول دی۔

اور سورۂ اعلیٰ میں ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ○ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ○

وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی پھر اس کو درست کیا پھر ہر وجود کے لئے ایک اندازہ ٹھہرا دیا، پھر اس پر راہ عمل کھول دی۔[1]

اور سورۂ بلد میں ہے:

أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ○

کیا ہم نے اس کو (دیکھنے کے لیے) دو آنکھیں نہیں دیں اور کیا (بولنے کے لیے) زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور ہم نے اس کو اچھی اور بری دونوں راہیں دکھا دیں۔

اور سورۂ دہر میں ہے۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُوْرًا ○ (سورۃ الدھر) یا (سورۃ الانسان)

ہم نے انسان کو (مرد و عورت کے) ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا جس کو (ہم) مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں پھر اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی اب یہ اس کا کام ہے کہ شکر گزار بنے یا ناشکر گزار۔

مگر یہ بات بھی بہت صاف ہے کہ ہدایت کے ان ہر سہ مراتب وجدان حواس عقل کی راہ عمل اپنے اپنے دائرۂ عمل ہی تک محدود ہے یعنی وجدان ایک جاندار کے اندر زندگی کے لئے جوش عمل اور سعی مسلسل ولولہ تو پیدا کر سکتی ہے مگر حیوان یا انسان سے باہر محسوسات خارجیہ کا ادراک اور علم اس کے دائرہ عمل سے خارج ہے، اسی طرح ہدایت حواس محسوسات کا ادراک ضرور پیدا کر دیتی ہے لیکن یہ اس کے احاطۂ عمل سے ہے کہ وہ محسوسات کے نتائج و احکام اور جزئیات سے کلیات کا اور کلیات سے جزئیات کا استنباط کر سکے کیونکہ یہ کار فرمائی "ہدایت عقل" سے متعلق ہے جو عام حیوانات کے لئے نہیں بلکہ صرف انسان کے ساتھ ہی مخصوص ہے تو ہدایت عقل اگرچہ پہلی دونوں ہدایات کے مقابلہ میں بلند مرتبہ رکھتی اور کائنات کی بلند ترین ہستی (حضرت انسان) کی راہنمائی کرتی ہے تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ "عقل کا دائرہ" وسیع ہونے کے باوجود پھر محدود ہے کیونکہ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عقل جو کچھ اور جس قدر بھی نتائج و احکام کا استنباط و استخراج کرتی ہے اس کا دائرہ محسوسات ہی تک محدود رہتا ہے اور حواس خمسہ (قوت باصرہ، سامعہ، لامسہ، شامہ، ذائقہ) نے اپنی اپنی خدمات انجام دے کر جو کچھ ہمارے لئے فراہم کیا ہے عقل اسی پر اپنا تصرف کرتی اور کر سکتی ہے لیکن یہ بات کہ محسوسات کی سرحد سے پرے کیا کچھ ہے اور اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟ اس مقام

[1] اس آیت میں وجود کائنات کے چار مراتب بیان کر کے قرآن نے ایک عظیم الشان "حقائق علمیہ" کا باب کھول دیا ہے۔ یہ چار مراتب بالترتیب "خلق، تسویہ، تقدیر، ہدایت" ہیں اور یہی چار مراتب خلاصۂ حقائق ہیں، خلق یہ کہ وجود بخشا، تسویہ یہ کہ اسکی استعداد کے مطابق اس کی درست کاری کی، تقدیر یہ کہ ہر شے سے متعلق اس کے بدءِ خلق سے اس کے نتیجۂ حیات تک کے لیے پہلے سے ایک مقرر اندازہ طے کر دیا اور ہدایت یہ کہ اس پر ہر قسم کی راہِ عمل کھول دی۔ تفصیلات کتب تفاسیر میں مطالعہ فرمائیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پر پہنچ کر عقل بھی درماندہ ہو کر رہ جاتی ہے اور یہ درجۂ ہدایت'' بھی اس سلسلہ میں ہم کو کسی قسم کی روشنی پہنچانے سے معذور نظر آتا ہے۔

علاوہ ازیں اگر وجدان کی تکمیل کے لئے حواس اور حواس کی تکمیل کے لئے عقل کی ہدایت موجود نہ ہوتی تو انسان ہر گز ان مدارج ارتقاء اور مراتب رفیع پر نہ پہنچ پاتا جن تک آج پہنچا ہوا ہے اور آئندہ جن تک پہنچنے کے لئے میدان عمل میں گامزن ہے اگر انسان میں وجدان کی قوت نہ ہوتی تو کس طرح حواس کی دنیا تک اپنی حیات کو پہنچا سکتا اور اگر محسوسات کے ادراک کے لئے حواس کی قوتیں نہ ہوتیں تو انسان کس طرح اپنی ذات سے خارج اشیاء کا ادراک کر سکتا اور ترقی کے لئے کوئی قدم اٹھا سکتا اور جبکہ حواس کے وسائل ادراک محدود ہیں، اور نہ صرف محدود بلکہ بسا اوقات گمراہی اور غلطی میں مبتلا کر دیتے ہیں مثلاً ہم کو طویل فاصلہ کی بڑی سے بڑی چیز چھوٹی نظر آتی ہے یا خلط صفراء کے بڑھ جانے سے شیریں سے شیریں چیز ذائقہ میں تلخ معلوم ہوتی ہے یا فاصلہ ہونے کی وجہ سے ہم رنگوں کے امتیاز میں اکثر غلطی کر جاتے ہیں تو ان تمام حالتوں میں عقل کی ہدایت کام آتی اور صحیح راہنمائی کرتی ہے اور اصل حقیقت کو پیش نظر لاتی ہے وہ کہتی ہے کہ اگر طویل فاصلہ کی بنا پر تم کو جہاز ایک چھوٹی سی چیز نظر آتا ہے تو یہ نگاہ اور قوت باصرہ کا قصور ہے ورنہ جہاز ایک لمبی چوڑی ااور بڑی شے کا نام ہے اسی طرح شیریں اور تلخ کا فیصلہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ حقائق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی شیریں ہر حالت میں شیریں ہے اسلئے ذائقہ کی یہ تلخی مرض کی وجہ سے ہے غرض حواس کی غلطیوں سے محفوظ رکھ کر اصل حقیقت کو واضح کرنا عقل کی ہدایت کا فریضہ ہے اسلئے ہم ایک قدم اور آگے بڑھا کر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس سے قطع نظر کہ عقل محسوسات کی حدود سے آگے کچھ نہیں جانتی —— انسان کی عملی زندگی کے تمام حالات میں عقل کی ہدایت بھی کافی اور مؤثر ثابت نہیں ہوتی اسلئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نفس انسانی جذبات، رجحانات اور قسم قسم کی خواہشات سے متاثر و مغلوب ہے بلکہ اکثر یہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ جب عقل اور جذبات کے درمیان کشمکش ہوتی ہے تو فتح جذبات ہی کی ہوتی ہے اور عقل درماندہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

تو ان حالات میں عقل ہی تقاضا کرتی ہے کہ یہاں عقل سے بھی بلند اور کوئی درجہ ہونا چاہیے جو عقل سے زیادہ مؤثر رہنما اور ہر قسم کی کوتاہیوں سے پاک اور بے لوث ثابت ہو۔

اس تمہید کا حاصل یہ نکلا کہ انسان محسوسات کے دائرہ میں محدود رہ کر بھی اور ماوراء محسوسات کے ادراک کیلئے بھی ہدایت عقل سے بلند (ایک چوتھے) درجۂ ہدایت کا محتاج ہے تو اب لائق غور و فکر ہے یہ بات کہ جس رب العلمین نے اپنی ربوبیت کاملہ سے انسان کے ارتقائی کمالات کی حاجات و ضروریات کے پیش نظر ہدایت وجدان سے بلند ہدایت حواس اور ہدایت حواس سے رفیع ہدایت عقل عطا فرمائی تو جبکہ عقل کی ہدایت بھی خالص حدود سے آگے نہیں جا سکتی اور حصول کمالات اور اعمال کے صحیح ضبط و نظم کیلئے ہی کافی نہیں ہے نیز ماوراء محسوسات کے عدم علم کے باوجود اس کے انکار پر کوئی مثبت علمی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس وجدانی جذبات و احساسات اور شعور نفس اس کے حقیقت ہونے کا پتہ دیتے ہیں تو کیا اس خدائے برحق کی ربوبیت اور فیض رحمت کے لئے یہ منافی نہ تھا کہ وہ انسان کو ہدایت عقل سے بلند کوئی مرتبہ ہدایت عطا نہ کرے؟ ضرور منافی تھا اور اس لئے ایسا نہیں ہوا بلکہ اس نے اس کو ایک اور بلند مرتبہ ہدایت وحی بخشا یہ مرتبۂ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہدایت اپنی راہنمائی میں ہر قسم کی کوتاہیوں اور خطاء وقصور سے مامون و محفوظ ہے کیونکہ یہ خدا کی جانب سے ہر شے کی حقیقت کا علم ویقین عطا کرتا ہے اور ہدایت وحی کا افاضہ کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی مقدس ہستی کو جو ہر قسم کے گناہوں اور عیوب سے "معصوم" ہوتی ہے اس مقصد کے لئے چن لیتا ہے کہ وہ اس کی جانب لوازم بشریت کے ساتھ مقید رہ کر دوسرے انسانوں کی طرح انسان اور بشر کہلاتی ہے اور دوسری جانب عیوب ومآثم سے معصوم رہ کر خدا کے ساتھ وہ تعلق رکھتی ہے جو دوسرے مقتدا انسانوں کو بھی حاصل نہیں ہوتا اور اس طرح خدا اور اس کے بندوں کے درمیان افاضۂ ہدایت وحی کیلئے ایلچی اور واسطہ بنتی ہے ایسی حقیقت کا نام مذہب کی اصطلاح میں نبوت ورسالت ہے

قرآن حکیم نے ہدایت کے اس مرتبۂ عالی کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے حسب ذیل چند شواہد ملاحظہ ہوں:

وَأَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى

لیکن قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ حق وہدایت دکھلائی تھی لیکن اس نے اندھے پن کو پسند کیا اور ہدایت کی راہ نہ چلی۔ (فصلت)

قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ط وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور ہم سب کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ تمام کائنات عالم کے پروردگار کے آگے سر عبودیت جھکا دیں۔ (انعام)

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں سعی وجانفشانی کی تو ضرور ہے کہ ہم بھی ان پر اپنی راہیں کھول دیں اور بلاشبہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو نیک کردار ہیں۔ (العنکبوت)

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ○ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُوْلٰى ○

بلاشبہ یہ ہمارا کام ہے کہ ہم رہنمائی کریں (ہدایت وحی عطا کریں) اور یقیناً آخرت اور دنیا دونوں ہمارے ہی لئے ہیں۔ (اللیل)

ارتقائی نقطۂ نظر سے ہدایت وحی اور مسئلہ نبوت ورسالت کی وضاحت کے لئے اشہب فکر کو یوں بھی مہمیز کیا جا سکتا ہے کہ جب کہ یہ عقلی اور عملی نظریہ مسلمات میں سے ہے کہ بقاء انفع یا بقاء اصلح کے فطری قانون کے مطابق کائنات کی گوناگوں موجودات میں ہر ایک شے اپنے موجود رہنے کے لئے کوئی حکمت و مصلحت ضرور رکھتی ہے اور حکیم مطلق کا قانون فطرت کسی شے کو اسی وقت تک باقی رکھتا ہے جب تک اس کا وجود نافع اور مفید ہونے کی صلاحیت رکھتا اور جس غرض وغایت کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے اس کو پورا کرتا ہے اور اسی قانون بقاء انفع واصلح سے یہ بات بھی بہت واضح اور نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے کہ نفع اور افادیت کا سب سے اہم جزو یہ ہے کہ ہر شے اپنے سے بلند مخلوق اور سلسلۂ مخلوقات میں سے ہر نوع اپنے سے بلند نوع کی بقاء کے لئے مفید و معاون ثابت ہو پس جبکہ حضرت انسان کو عقل بھی موجودات عالم کی سب سے بلند مخلوق اور مدارج ارتقاء کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بلند ترین کڑی تسلیم کرتی ہے اور اسی قانون کی رو سے موجودات عالم کی ہر شے اس کی خدمت اس کے نفع اور اس کی افادیت میں مصروف عمل نظر آتی ہے تو یہ کیوں کر ممکن تھا کہ اشرف المخلوقات (انسان) کا وجدان، اس کے جذبات عالیہ اور اس کے افکار و خیالات کی پرواز جبکہ عالم مادیات سے کہیں زیادہ بلند اور رفیع ہیں اور اس کی عقل یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ماوراء مادہ سے ناواقف ہے پھر بھی اس پردہ کے پیچھے کچھ ہونے کا احساس رکھتی اور اس کی معرفت کے لئے چسک محسوس کرتی ہے فطرت الٰہی کا فیضان اور بقاء النفع کا ناموس اس کو عالم مادیات و محسوسات ہی کے اندر محصور رکھتا، اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ فطرت بخیل ٹھہرتی بلکہ یہ فطرت کا بہت بڑا ظلم ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ تنہا عقل اس کو اس منزل تک پہنچانے کے لئے قاصر و ناکام ہے لہٰذا از بس ضروری تھا کہ فطرت الٰہی اس کی رہنمائی کے لئے مزید کوئی سامان مہیا کرتی اور انسان کی ذہنی و فکری ترقیوں کو درجۂ تکمیل تک پہنچاتی۔ پس ماوراء مادہ علوم معارف اور کائنات انسانی کی فلاح و نجات کے مقصد عظمیٰ کے لئے عقل کی رہنمائی کا یہی وہ فیضان الٰہی ہے جس کو قرآن کی اصطلاح اور مذہبی بول چال میں وحی و نبوت کہا جاتا ہے اور آیات ذیل اسی حقیقت کا اعلان کرتی ہیں:

وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط

اس نے (خدا نے) مجھ پر اس قرآن کی وحی کی تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں (اہل عرب کو) اور انھیں جن تک اس کی تعلیم پہنچ جائے (ربع مسکون کو) انکار اور بد عملی کے نتیجہ سے ڈراؤں۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلٰى نُوحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَأَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهَارُوْنَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ط وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ○ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (سورۃ النساء پ ٦ ع ٢٣)

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری جانب اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح پر اور ان نبیوں پر جو نوح کے بعد ہوئے بھیجی تھی، اور جس طرح ابراہیم علیہ السلام، اسمٰعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ایوب علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام پر بھیجی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی، نیز خدا کے وہ رسول جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے سنا چکے ہیں اور وہ جن کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا اور (اسی طرح) اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا جیسا کہ واقعی طور پر کلام کرنا ہوتا ہے یہ تمام رسول (خدا پرستی اور نیک عملی پر) خوش خبری دینے والے اور (انکار حق پر) ڈرانے والے تھے (اور اس لئے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے جو وہ خدا کے حضور پیش کر سکیں (یعنی یہ عذر کر سکیں کہ ہمیں راہ حق کی طرف کسی نے دعوت نہیں دی تھی) اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خدا (اپنے کاموں میں) سب پر غالب ہے اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (سورۃ الزخرف پ ۲۵)

اور جب عیسیٰ (خدا کی) نشانیاں لے کر آیا، کہا میں تمہارے پاس حکمت و دانائی لے کر آیا ہوں اور اس کے لئے آیا ہوں کہ بعض ان باتوں کو جن کے متعلق تمہارے درمیان اختلاف ہے صاف صاف بیان کر دوں پس اللہ کے متقی بندے بن جاؤ اور میری پیروی کرو (اس بات میں کہ) بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ (سورہ نساء پ ۶ ع ۲۴)

(اے افراد نسل انسانی!) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے برہان (دلیل و حجت) آگئی اور ہم نے تمہاری طرف واضح اور آشکار روشنی بھیج دی پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کا سہارا مضبوط پکڑ لیا تو وہ انھیں عنقریب اپنی رحمت کے سایہ میں داخل کر دے گا اور ان پر اپنا فضل کرے گا اور انھیں اپنے تک پہنچنے کی راہ دکھائیگا۔ ایسی راہ جو بالکل سیدھی راہ ہے۔

قرآن نے ان آیات میں ہدایت وحی کو حکمت برہان (حجت و دلیل) اور نور مبین (آشکار روشنی) کہا ہے تاکہ یہ بخوبی واضح ہو جائے گا جس طرح محسوسات و مادیات کے لئے عقل کو روشنی اور دلیل راہ کہا جاتا ہے اسی طرح عقل کے دائرۂ حدود سے آگے کے لئے ہدایت وحی یہی حیثیت رکھتی اور یہی خدمات انجام دیتی ہے۔

ہدایت وحی کی ضرورت پر اب تک جو کچھ کہا گیا اگر اس کے علاوہ مزید اضافہ مطلوب ہو تو مبدء فیاض کے اس لطیف و حسین فیضان کے متعلق اس روشن پہلو سے بھی نظر کی جا سکتی ہے کہ جب ہم حواس کی قوتوں کا فکر عمیق سے مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت صاف نمایاں نظر آتی ہے کہ ناموس فطرت نے یہاں ایک قوت کے عملی نظام کو اس طرح سانچہ میں ڈھالا ہے کہ انسان کے اندر ودیعت کی ہوئی قوتِ حواس اس وقت تک اپنا صحیح عمل نہیں کر پاتی، جب تک خارج سے اس کی مدد نہ کی جائے مثلاً قوت باصرہ دیکھنے کی قوت کا نام ہے اور تم اس سے اپنی زندگی میں برابر کام لیتے رہتے ہو اور اس بحث سے قطع نظر کہ جو بے بہر موجود ہے وہ آنکھ کے باریک پردوں پر اپنا عکس ڈال رہی ہے یا آنکھ کے پردوں میں جو روشنی ہے وہ اندر سے بشکل شعاع نکل کر موجود خارجی کو متاثر کر رہی ہے اور اس کو ہم دیکھنا کہتے ہیں تم نے کبھی اس پر ضرور غور کیا ہوگا کہ جب تم کسی قسم کی بھی روشنی میں ہوتے ہو تو اپنی قوت باصرہ کی استعداد کے مطابق جس شے کو دیکھنا چاہتے ہو دیکھتے ہو لیکن جوں ہی تاریکی کا شکار ہو جاتے ہو اور شب دیجور کے ساتھ ابر سیاہ کے پردے روشنی پر چھا جاتے ہیں اس وقت حلقۂ چشم میں قوت باصرہ کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

موجودگی کے باوجود تم یہ کہا کرتے ہو کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تو آخر بینا ہوتے ہوئے ایسا کیوں کہتے ہو؟ تمہارا جواب اس وقت یہ ہوتا ہے کہ قانون قدرت نے یہی مقرر کر دیا ہے کہ باطنی قوائے عمل اس وقت تک اپنا صحیح کام نہیں کرتے جب تک خارج سے اسی سلسلہ کی مدد نہ پہنچے۔ اس لئے قوت باصرہ کی باطنی قوت بھی محتاج ہے کہ روپے (چراغ) کی روشنی سے لے کر ماہتاب و آفتاب تک جس حیثیت کی بھی روشنی ہو اس کی مدد کرے تو وہ اپنا عملی مظاہرہ کر سکے گی اور یہی حال دوسرے حواس کا بھی ہے۔

پس اگر یہ صحیح ہے اور بلا شبہ صحیح ہے کہ خدائے واحد کا قانون قدرت اور ناموس فطرت اپنی وحدت کی جلوہ نمائی کا مظاہرہ کائنات مادی اور عالم روحانی میں یکساں طور پر کرتا رہتا ہے۔ تو بے تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ عقل حضرت انسان کے اندر کی وہ روشنی ہے جس کو ید قدرت نے انسانیت کے ارتقائی منزل پر گامزن ہو کر انسانیت کی مثل اعلیٰ اور مقصد عظمیٰ کو پانے کے لئے ودیعت کیا ہے مگر مسطورۂ بالا قانون یہاں بھی اسی طرح کار فرما ہے جیسا کہ قوائے حواس میں کار فرما نظر آتا ہے یعنی اگر عقل عالم محسوسات و مادیات کے دائرے میں اپنا عملی مظاہرہ کرنا چاہتی ہے تو یہ وہ محسوسات خارجی کی مدد کی ضرور محتاج رہتی ہے مثلاً اس کا یہ فریضہ ہے کہ جزئیات کے ذریعہ کلی کا استخراج کرے لیکن وہ ایسا جب ہی کر سکے گی کہ خارج میں اس سلسلہ کی جزئیات کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے حقائق اصلیہ کو اس کے سامنے پیش کرے پس اگر عقل کی روشنی اور ان حقائق کے درمیان وہم، خیال اور ظن کے تاریک پردے حائل ہو جائیں تو عقل کی روشنی ہرگز اپنا صحیح کام نہیں کر سکتی۔ اسی طرح جب وہ ماوراء محسوسات (روحانیات) کی جانب اپنی روشنی کو متوجہ کرتی ہے تو یہی اوہام ظنون، خیالات اور جذبات فاسدہ کے تاریک پردے اس کے اور عالم روحانیات کے درمیان عموماً حائل ہو جاتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر ان سے مغلوب ہو کر گم کردہ راہ ہو جاتی اور معرفت حق اور معرفت باطل کے درمیان فرق و امتیاز سے عاجز نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں خالق کائنات کی رحمت کاملہ اور ربوبیت تامہ اس کو خاسر و ناکام نہیں چھوڑتی اور خارج سے اس کی پوری مدد کرتی ہے اور یہی وہ خارج کی روشنی ہے جو نبی اور پیغمبر کے ذریعہ کائنات انسانی تک پہنچی اور دین و مذہب کی زبان میں وحی روشنی ہو کہی جاتی ہے چنانچہ قرآن عزیز نے اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے جگہ جگہ وحی کو نور (روشنی) سے تعبیر کیا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ○

(اے افراد نسل انسانی!) تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان (دلیل و حجت) آگئی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور آشکارا روشنی (وحی الٰہی بشکل قرآن) بھیج دی۔" (النساء)

قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتَابٌ مُّبِينٌ ○

اللہ کی جانب سے تمہارے پاس (حق کی) روشنی آچکی اور ایسی کتاب آگئی جو (اپنی ہدایتوں میں نہایت) روشن کتاب ہے۔ (مائدہ پ۶ ع ۳)

يُرِيْدُوْنَ أَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّآ أَنْ يُتِمَّ نُوْرَهُ وَلَوْ كَرِهَ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الْكَافِرُوْنَ ○

یہ لوگ (مشرکین، یہود، نصاریٰ) چاہتے ہیں اللہ کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کیے بغیر رہنے والا نہیں اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے۔ (توبہ پ۱۰ ع۵)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيَاتِنَآ أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ

اور (دیکھو واقعہ یہ ہے کہ) ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ ؑ کو بھیجا تھا کہ اپنی کو تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے۔ (سورہ ابراہیم پ ۱۳ ع۱)

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ أَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (شوریٰ پ ۲۵ ع ۵)

اور اسی طرح ہم نے تیری جانب اپنے "امر" میں سے "روح امر" کی وحی بھیجی حالانکہ اس سے قبل تو نہیں جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب؟ اور نہیں جانتا تھا کہ کیا ہے ایمان؟ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ان کو اس کے ذریعہ راہ دکھاتے ہیں اور اے پیغمبر! بلاشبہ تو (لوگوں) کو سیدھی راہ کی جانب راہنمائی کرتا ہے۔"

پھر اس مسئلہ کی اہمیت پر ایک دوسرے پہلو سے بھی فکر و نظر کی ضرورت ہے وہ یہ کہ ہم اس عالم ہست و بود میں روز و شب کے مشاہدات و تجربات سے یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہوتے ہیں کہ یہاں ہر شے کی کیفیت و کمیت یا اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایک ترازو یا پیمانہ ضرور ہے اور یہ کہ ہر ایک پیمانہ اور ایک ترازو اپنے اندر ایک خاص صلاحیت رکھتا اور اپنی صلاحیت کے مطابق ہی اشیاء کے ناپ تول میں کام دے سکتا ہے مثلاً موتی اور جواہرات کے تولنے کے لئے ایک خاص ترازو (کانٹا) ہے، اب اگر ہم یہ چاہیں کہ اس میں شکر روئی، غلہ جیسی چیزوں کو تولیں تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے یہ نہیں بلکہ دوسری قسم کا ترازو کام دے گا یا مثلاً کپڑا، زمین وغیرہ جسی اشیاء کی پیمائش کے لئے ہم ایک خاص قسم کا پیمانہ (گز) استعمال کرتے ہیں پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس سے حرارت و برودت کی بھی پیمائش کر لیں تو اس کے لئے یہ نہیں بلکہ دوسرا پیمانہ تھرمامیٹر (THERMA METER) کام میں لانا ہوگا، اور اسی طرح ہوا کے دباؤ اور سطح کی اونچائی معلوم کرنے کے لئے بیرو میٹر (BARO METER) اور زلزلوں اور بھونچالوں کی حالت دریافت کرنے کے لیے سیس میٹر (SEISO METER) اور آواز کی مقدار و قوت کی پیمائش کے لئے فونو میٹر (PHONO METER) جدا جدا قسم کے پیمانے استعمال کرنے ہوں گے کیونکہ ان کی اپنی صلاحیت و استعداد کار یہی فطری تقاضا ہے کہ اگر اس کے خلاف ان کا استعمال کیا جائے گا یا تو قطعاً بیکار ثابت ہوں گے اور یا صحیح حقیقت نہ بتلا سکیں گے حالانکہ ان سب کا ایک ہی کام ہے یعنی ناپ تول اور ایک ہی نام ہے ترازو اور پیمانہ مگر ہر شے کی حقیقت اور اس کی کیفیت و کمیت کے پیش نظر چونکہ ان سب کی صلاحیت کار کی حدود متعین ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی ایک بھی اپنی حدود سے متجاوز ہو کر کار آمد ثابت نہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قانون قدرت کی کار فرمائی کو رہنما بنا کر اگر ہم اسی نقطۂ نظر سے آگے قدم بڑھائیں اور خالص مادیات سے گزر کر معنویات کی حدود پر جا پہنچیں تو یہاں بھی وہی کرشمۂ قدرت نظر آتا ہے یعنی انسان کی انفرادی و اجتماعی حیات کے لئے رحمت کردگار نے جو پیمانے مقرر کیے ہیں اور جن کو وجدان حواس اور عقل کہا جاتا ہے ان میں بھی جدا جدا صلاحیتوں کے اعتبار سے حدود متقسم ہیں مثلاً پیمانۂ وجدان "انسان کی صرف اسی کیفیت و حالت سے متعلق ہے جو قدرت کے ہاتھوں نے اس کے وجود کے ساتھ ساتھ اس میں ودیعت کر دی ہے اور حواس کا پیمانہ ان ہی اشیاء سے تعلق رکھتا ہے جو دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے میں آسکتی ہیں اور پیمانہ عقل ان دونوں سے آگے عالم مشاہدات و محسوسات کے حقائق اور ان کی کیفیات کے جانچنے، ان کے درمیان امتیاز پیدا کرنے، ان سے نتائج اخذ کرنے اور ان پر احکام صادر کرنے کی خدمت انجام دیتا ہے۔

پس اگر ہم چاہیں کہ وجدان سے حواس اور حواس سے عقل کا کام لیں تو خود عقل ہی کے نزدیک ایسا کرنا غلط ہو گا کیونکہ یہ قانون فطرت کی مقررہ حدود کی خلاف ورزی کے مرادف ہے جس کے اقدام پر ناکامی کے ماسوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

لیکن عقلِ انسانی اس کے آگے نہ جاننے کے باوجود پھر جاننے کی جو جستجو رکھتی اور اپنی ترقی کو اس کے اندر محدود نہیں سمجھتی، نیز تمام خارجی دلائل سے بڑھ کر انسان کے اندر کی قوی ترحجت و برہان وجدان ان ہر دو عالم سے بھی بلند تر عالم کے وجود کا جو پتہ دیتی ہے اس کے پیش نظر ہم وسعت نظر کا قدم اور آگے بڑھاتے اور مسطورۂ بالا عالم معنویات سے لطیف تر معنوی علم کا کھوج لگانا چاہتے اور اس کائنات سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہتے ہیں۔ جہاں حسن، صداقت اور محبت[1] (ذات حق کی صفات ربوبیت، عدالت اور رحمت) اپنی جلوہ آرائیوں سے اس کائنات کو بھی منور کر رہی ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں پہنچ کر پیمانہ عقل بھی کوتاہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کی رفعت پرواز وہاں تک رسائی نہیں کر پاتی، خصوصاً ایسی حالت میں کہ انسانوں کے درمیان عقل کا اس درجہ تفاوت موجود ہے کہ ایک شخص کی عقل اس کو نہ صرف ممکن الوقوع سمجھتی ہے بلکہ اس کو وجود پذیر کر دکھاتی ہے بلکہ تفاوت عقلی کی بوالعجبیوں کا تو یہ حال ہے کہ ایک ہی شخص کی عقل ایک وقت جس بات پر ناممکن کا فتویٰ صادر کر دیتی ہے دوسرے وقت میں اسی بات کو ممکن سمجھنے لگتی ہے تو جب پیمانہ عقل کا عالم محسوسات میں یہ حال ہے تو عالم غیب تک اس کی رسائی معلوم؟ اور پھر جس پیمانہ کے توازن کو غیر متوازن بنانے کے لئے وہم و خیال اور جذبات کا سیل رواں موجیں مارتا رہتا ہو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ خارج سے مدد و یاری کے بغیر عقل معرفت الٰہی اور علوم غیب تک رسائی حاصل کر سکتی ہے؟

پس انسان کی بیچارگی و درماندگی کے اس مقام پر بھی رحمت پروردگار اپنے فیضان سے اس کو محروم نہیں رکھتی اور معنوی و روحانی حقائق کی معرفت کے لئے ایک مقدس ہستی (پیغمبر) کے ذریعہ اس کو عقل سے بھی رفیع و لطیف پیمانہ ہدایت وحی عطا کر دیتی ہے تاکہ انسان سعادت و شقاوت میں امتیاز کرنے کے بعد حیات سرمدی اور

---

[1] آج کل علماء جدید میں یہ بحث جاری ہے کہ سائنس نے اپنی حدود کو اس طرح محدود رکھا کہ اس کے دائرہ میں حسن، صداقت اور محبت کی کوئی قدر و قیمت نظر نہیں آتی اور اس لیے وہ خدا کی ہستی کی معرفت ضروری نہیں سمجھتی مگر یہ سائنس کا کمال نہیں ہے بلکہ نقص ہے جو آج نہیں تو کل ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نجات ابدی کو پا سکے۔

قرآن عزیز نے وحی الٰہی کو یہی حیثیت دیتے ہوئے سورۂ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ

اللہ وہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب (قرآن) کو نازل کیا اور اتارا "میزان" (ترازو) کو یعنی دین حق کو جو حق و باطل کے لئے ترازو اور پیمانہ ہے۔ (شوریٰ پ ۲۵ ع ۲)

چنانچہ شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہ) موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"ترازو فرمایا دین حق کو جس میں بات پوری ہے نہ کم نہ زیادہ"

صاحب وحی کی معرفت کی وجدانی دلیل

"ہدایت وحی" یا نبوت و رسالت کی حقیقت و اہمیت پر گذشتہ سطور میں کوتاہ قلمی کے باوجود جو کچھ سپرد قرطاس کیا گیا اس کی تکمیل کیلئے اس سوال کو بھی حل کرنا از بس ضروری ہے کہ جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ حامل وحی ہے اور خدا کا پیغمبر اور ایلچی تو اس کے دعوئے صدق و کذب کی معرفت کا کونسا طریقہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم الکلام کے ماہرین (متکلمین) نے اس معرفت کے لئے بہت سے دلائل و براہین پیش کیے ہیں اور اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس پر معرکۃ الآراء بحثیں کی ہیں تاہم وہ اپنے طرز استدلال میں اصطلاحی فلسفیانہ اسلوب رکھتی ہیں جسم کو ہم مذہبیات و روحانیات میں خاص اہمیت دینے کو آمادہ نہیں ہیں کیونکہ اس راہ میں وہی اسلوب بیان مفید دلنشین اور جاذب قلوب ہو سکتا ہے جس کی بنیاد و نہاد وجدانی طرز استدلال پر رکھی گئی ہو اور عقلیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اصطلاحی فلسفہ و منطق کی قیود میں اس کو پابہ زنجیر نہ کر دیا گیا ہو اور یہ اس لئے کہ معرفت الٰہی اور معرفت علوم غیبیہ کے لئے دلیل "وجدان" سے زیادہ دوسری کوئی دلیل برہان مؤثر نہیں ہے اسی حکمت بالغہ کے پیش نظر قرآن عزیز کے تمام عقلی استدلالات ---- جن پر غور کرنے کے لئے "قرآن" عقل و فکر اور تدبر کو مخاطب بناتا ہے ---- کی بنیاد بھی "وجدان" پر قائم کی گئی ہے البتہ یہ قرآن حکیم کا اعجاز بلاغت ہے کہ ان وجدانی دلائل کو اگر کوئی فلسفی دقیق فلسفیانہ طریق استدلال کے سانچہ میں ڈھال کر زیر بحث لانا چاہے تو یہ وجدان پر مبنی استدلالات اسی اہمیت و قوت کیساتھ اپنی صداقت اور ثمرہ و نتیجہ کو اس رنگ میں بھی تسلیم کرا لیتے ہیں۔

غرض "وجدان" اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ تم مدعی نبوت کی زندگی کو صداقت کی کسوٹی پر خوب کسو اور اگر آج وہ ہستی تمہارے سامنے نہیں ہے تو تعصب اور نسلی و جماعتی حسد سے پاک اور بے لوث ہو کر بے لاگ تاریخی حقائق سے دریافت کرو، پس اگر تم پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ اس کی قبل از دعوئ نبوت زندگی کا ہر شعبۂ حیات صداقت و حقانیت کا مظہر ہے اور ہر ایک شعبۂ زندگی بے داغ صداقت کا پیکر اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اس کا وجود ہر قسم کی بداخلاقیوں، گناہوں اور آلودگیوں سے پاک اور معصوم ہے اور اخلاقی بلندیوں کا مخزن اور ان ہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیفیات و حالت کے ساتھ اس نے جانے بوجھے لوگوں میں زندگی کا بڑا حصہ گذارا ہے تو پھر اس کے دعوئے صداقت میں شک و شبہ کرنا عقل سلیم کے خلاف ہوگا کیونکہ عقل بآسانی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ جس ہستی نے اپنی مدت حیات کے طویل عرصہ میں نازک سے نازک موقعوں پر بھی کبھی ایک لمحہ کیلئے انسانی دنیا پر جھوٹ نہ بولا ہو، آخر دماغی و قلبی انقلابات کی وہ کونسی تاریخ ہے جس کی بنا پر ایسی باہوش و حواس ہستی کے متعلق یہ کہا جاسکے کہ وہ خالق کائنات خدائے برحق پر کذب بیانی اور افترا پردازی کیلئے یک بیک آمادہ ہو جائے، چنانچہ قرآن عزیز نے اسی حقیقت کو سورۂ یونس میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

قُلْ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرَاكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهٖ ط إِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ (سورۂ یونس پ ۱۱ ع ۲)

اور تم کہو اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا۔

صاحب وحی کی صداقت کی یہ ایسی بہترین کسوٹی اور دلیل ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ۶ھ میں بادشاہان دنیا کے نام اسلام کی دعوت و پیغام کے سلسلہ میں والا نامے بھیجے تو وقت کی سب سے بڑی طاقت (رومن امپائر) کے بادشاہ ہرکلیوس (ہرقل) کے پاس حضرت دحیہ کلبیؓ نامۂ مبارک لے کر پہنچے تب اس نے بھی جب آپ ﷺ کی صداقت کو پرکھنا چاہا تو سب سے پہلے اسی وجدانی دلیل کو معیار صداقت ٹھیرایا اور صورت حال یہ پیش آئی کہ کہ اس نے سرکاری حکام سے دریافت کیا یہاں کوئی حجازی قافلہ موجود ہے جس سے اس ہستی کے متعلق معلومات حاصل ہو سکیں؟ اتفاق سے ابوسفیانؓ (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک تجارتی قافلہ مقیم تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کو شاہی دربار میں طلب کیا گیا اور ہرکلیوس نے رئیس التجارۃ (ابوسفیان) سے نبی اکرم ﷺ کے متعلق چند سوالات کیے جن میں سب سے اہم سوال یہ تھا کہ وہ تمہارے اندر ہی پلا بڑھا رہا سہا ہے تو کیا تم نے اس کی زندگی کے اس طویل دور میں کبھی جھوٹ کا شائبہ پایا ہے؟" ابوسفیانؓ نے جواب دیا: "کبھی نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ اپنی قوم میں "الصادق الامین" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے" یہ سن کر ہرکلیوس نے یہ کہا:

و سألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال فذكرت ان لا فقد اعرف انه لم يكن ليذر الكذب على الناس و يكذب على اللّٰه۔ (بخاری ج ۱)

میں نے تجھ سے یہ بھی دریافت کیا: کیا کبھی اس کے اس دعوی سے قبل تم نے اس کو جھوٹا پایا ہے؟" تو نے کہا "کبھی نہیں" تب میں نے یقین کر لیا کہ جو ہستی انسانوں پر جھوٹ کہنے کو آمادہ نہ ہو وہ کبھی خدا پر جھوٹ بول سکتی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو ہستی انسانوں پر جھوٹ کہنے کو آمادہ نہ ہو وہ کبھی خدا پر جھوٹ نہیں بول سکتی"۔ دیکھئے یہ جملہ اس سلسلہ میں وجدان انسانی کا کس درجہ صحیح ترجمان ہے کہ ہرکلیوس نے بھی تمام عقلی و نقلی دلائل سے الگ ہو کر وجدان کے تقاضے سے پہلی دلیل جو پیش کی وہ وہی تھی جس کو وجدان کے خالق (خدائے برتر) نے اپنے پیغمبر سے (صداقت دعویٰ کیلئے) پیش کرائی۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ان آیات کی تفسیر اسی حقیقت کی روشنی میں اس طرح کی ہے:

پھر آیت (۱۶) میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے.....
فرمایا، ساری باتیں چھوڑ دو، صرف اس بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ہو، تم ہی میں سے ہوں اور اعلان وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں، یعنی چالیس برس تک جو عمر کہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی، بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لئے طیار ہو جاؤں اور جھوٹ بولوں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لئے طیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علماء اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصل زمانہ ہوتا ہے جو سانچہ اس عرصہ میں بن گیا پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا، پس اگر ایک شخص چالیس برس کی عمر تک صادق و امین رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب و مفتری بن جائے کہ انسانوں پر ہی نہیں بلکہ فاطر السموت والارض (آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے خدا) پر افترا کرنے لگے؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا: دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے جو شخص اللہ پر افتراء کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے اور شریر مفتری انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورت حال نے یہاں دونوں فریق پیدا کر دیئے۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑے گا اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے، فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ کا یہ فیصلہ صادر ہو گیا، جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا، جو صادق تھا اس کا کلمۂ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا۔ (ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۵۰)

بہر حال "صاحب وحی" کے دعوئے صداقت کی یہ وجدانی دلیل عقل سلیم اور فکر مستقیم کی نگاہ میں علم الیقین پیدا کرنے کے لئے کافی ووافی ہے تاہم بقیہ شرائط یعنی صداقت تعلیم نزول وحی کا ادعاء اور مخالفین کے مقابلہ میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تحدی (چیلنج) اور تحدی کا ایفاء مدعی نبوت و رسالت کے لئے یہ تمام امور بھی از بس ضروری ہیں اور اپنی جگہ تفصیل طلب اور قابل لحاظ ہیں اس لئے کہ ان شرائط کے پیش نظر ہی نبی اور مصلح کے درمیان امتیاز، نبی اور ساحر و شعبدہ باز کے مابین فرق بین اور نبی اور متنبّی میں تضاد قائم کیا جا سکتا ہے۔[1]

بعثت

غرض خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی حیات طیبہ کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں کا یہ حال تھا کہ ایک جانب خلوتہائے راز میں معرفت الٰہی کے لئے استغراق، صراط مستقیم کی جستجو، نوع انسانی کے اصلاح حال کی تڑپ اور طلب تھی اور دوسری جانب افراد قوم و ملک کے ساتھ راست گفتاری، صداقت شعاری، حسن معاملت اور اصابت فکر جیسے اخلاق کریمانہ و صفات حمیدہ سے متصف معاشرتی زندگی کا مظاہرہ تھا اور ان امتیازات کی وجہ سے ہر فرد کی نگاہ میں آپ ﷺ کی وہ قدر و منزلت تھی کہ باتفاق رائے الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے اور کل جو دشمنی ان کو محمد رسول اللہ ﷺ سے دعوئے نبوت کی بناء پر ہوئی وہ آج محمد بن عبداللہ کے ساتھ قطعاً نہیں تھی اور سب ہی ان کی تقدیس و تطہیر کے قائل تھے۔

یہی حالات و واقعات تھے جبکہ عمر مبارک چالیس منزلیں طے کر چکی تھی رمضان کا مہینہ تھا اور آپ ﷺ غار حراء میں مشغول عبادت تھے کہ اچانک آپ کے سامنے جبرئیل علیہ السلام فرشتہ نمودار ہوا اور اس نے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ثقلین کی رشد و ہدایت کے لئے چن لیا اور رسالت و پیغمبری کے منصب کبریٰ پر فائز کیا۔

یہ واقعہ چونکہ نوع انسانی کی تاریخ میں حیرت زا انقلاب کا باعث ثابت ہوا اور اس نے ذات اقدس ﷺ کو معراج رفعت کی اس حد پر پہنچا دیا جہاں عالم ادیان و ملل کے تمام اصلاحات و انقلابات اس ہستی کا فیض رحمت نظر آتے ہیں اس لئے تاریخ و حدیث کے روشن صفحات نے اس واقعہ کی تمام تفصیلات کو بسند صحیح اپنے سینہ میں محفوظ رکھا ہے۔ چنانچہ فن حدیث و تاریخ اسلام کے امام بخاریؒ نے اپنی مشہور و مقبول کتاب الجامع الصحیح میں صدیقہ عائشہؓ کی سند سے اس واقعہ کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے اس کا ترجمہ درج ذیل ہے عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

> نبی اکرم ﷺ پر شروع میں سچی خوابوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کوئی خواب آپ ﷺ نہیں دیکھتے تھے مگر وہ اپنی تعبیر میں اس درجہ روشن اور صحیح ثابت ہوتا تھا جیسا کہ طلوع صبح کے لئے سپیدۂ صبح کا ظہور ہوتا ہے پھر آپ ﷺ کو خلوت محبوب ہو گئی اور حراء میں مشغول عبادت رہنے لگے۔ گاہے گاہے آپ ﷺ اہل و عیال کے پاس بھی تشریف لے آتے تھے حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کے لئے کچھ توشہ تیار کرتیں اور آپ ﷺ اس کو لیکر پھر غار میں واپس تشریف لے جاتے اسی طرح حرا میں مشغول استغراق و عبادت تھے کہ اچانک ایک روز آپ ﷺ پر خدا کا فرشتہ نمودار ہوا اور

1: یہ مباحث علم کلام میں قابل مراجعت ہیں لیکن قصص القرآن کی تمام جلدوں کے مطالعہ سے یہ کل مبحث تسلی بخش تفصیلات کے ساتھ مل جائیں گے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہنے لگا اقراء پڑھئے نبی امی نے کہا ما انا بقاری میں پڑھنا نہیں جانتا پیغمبر ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جب میں نے فرشتہ سے یہ کہا تو اس نے مجھ کو گرفت میں لے لیا۔ جن کی شدت سے مجھ کو تکلیف محسوس ہونے لگی اور پھر چھوڑ کر مجھ سے دوبارہ کہا پڑھیے اور میں نے وہی جواب پھر دیا میں پڑھنا نہیں جانتا تب اس نے پھر وہی عمل کیا، اور گرفت چھوڑ کر تیسری مرتبہ پھر پہلا جملہ دہرایا اور میں نے بھی وہی سابق جواب دیا غرض تین مرتبہ یہی گفتگو اور یہی عمل ہوتے رہنے کے بعد چوتھی مرتبہ فرشتہ نے (سورۂ اقراء کی) یہ چند آیتیں تلاوت کیں،

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ○

پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا پروردگار بہت کرم کرنے والا ہے جس نے قلم (تحریر) کے ذریعہ (انسان کو) علم سکھایا، انسان کو وہ سب کچھ سکھایا جس سے وہ ناواقف تھا"۔[1]

غرض نبی اکرم ﷺ نے ان آیات کو دہرایا اور یہ آپ ﷺ کے ذہن نشین ہو گئیں اس کے بعد جب حراء سے فارغ ہوئے تو یہ حالت کہ قلب (شدت وحی سے) کانپ رہا تھا، آپ ﷺ کو سکون ہو تو خدیجہؓ کو تمام واقعہ سنایا اور پھر فرمایا: خشیت علی نفسی "مجھے جان کا خوف ہے"۔[2] (حضرت) خدیجہ نے سن کر عرض کیا "قسم بخدا! خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمانداری، بیچاروں کی چارہ گری فرماتے اور مفلس کیلئے ذریعۂ معاش مہیا کرتے ہیں اور حق رسی کی کڑی سے کڑی مصیبت میں مددگار بنتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد حضرت خدیجہؓ نبی اکرم ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ زمانۂ جاہلیت کے ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سچی عیسائیت کو قبول کر لیا تھا۔ عبرانی زبان سے واقف اور انجیل کی کتابت کیا کرتے تھے اور بہت ضعیف العمر اور نابینا تھے (حضرت) خدیجہؓ نے ورقہ سے کہا: برادر من آپ اپنے بھتیجے کا واقعہ تو سنیے ورقہ نے دریافت حال کیا، تب نبی اکرم ﷺ نے گذرا ہوا واقعہ سنایا، ورقہ نے سنا تو کہا هذا الناموس الذی کان ینزل علیٰ موسیٰ یہ وہ فرشتہ (جبرئیل ؑ) ہے جو حضرت موسیٰ ؑ پر وحی الٰہی لے کر آیا تھا کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تیری قوم تجھ کو تیرے وطن (مکہ) سے نکالے گی۔" آپ نے دریافت کیا: کیا میری قوم مجھ کو وطن سے بے وطن کرے گی ورقہ نے کہا: "بیشک ایسا ہوگا اور جس پیغام کے لئے خدا نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنایا ہے اس خدمت پر جو بھی مامور ہوا اس

۱: حضرت شاہ عبدالقادر (رحمۃ اللہ) اس آیت کی تفسیر میں بہت ہی لطیف بات ارشاد فرماتے ہیں، موضح القرآن میں لکھتے ہیں: اول جبرائیل ؑ وحی لائے تو یہی پانچ آیتیں، حضرت محمد ﷺ نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا اسلئے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ قلم سے بھی علم وہی دیتا ہے یوں بھی (یعنی بغیر وسائل بھی وہبی طور پر) وہی دے گا۔

۲: یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ شاید میں وحی کے بار کو برداشت نہ کر سکوں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیساتھ یہی صورت پیش آئی ہے پس اگر وہ وقت میری زندگی میں آیا تو میں پوری قوت کے ساتھ تیری حمایت کروں گا" مگر ورقہ کو یہ وقت نہیں آیا اس سے قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

(بخاری باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ ﷺ)

حدیث بخاری اور بعض مستشرقین کی کوتاہ اندیشی

صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں نزول وحی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ پر جو فوری تاثر ہوا اس کو خود زبان مبارک سے اس طرح ظاہر کیا گیا ہے انی خشیت علی نفسی اور پھر اس کے متصل ہی حضرت خدیجہؓ کے تسکین دہ الفاظ منقول ہیں تو یہ واقعہ کا ایسا پہلو ہے جس کی فطری صداقت اور غیر مصنوعی سادگی خود بخود دل میں اتر جاتی ہے اور واقعہ کا نقشہ اس طرح سامنے آجاتا ہے کہ ایک صادق و امین ہستی اپنی پاک اور بے لوث زندگی کے ساتھ ایک غار میں محو استغراق ہے اس کے قلب میں خدائے برتر کے لئے عشق سے سرشار جذبۂ عبودیت موجزن ہے، وہ شرک اور گناہوں کی آلودگیوں سے نفور و بیزار گوشۂ تنہائی کو پسند کر کے پہاڑ کے ایک غار میں سرگرم عبادت ہے یہ سلسلہ اگرچہ عرصہ سے جاری ہے مگر اچانک ایک روز خدا کا فرشتہ (جبرئیل) جو ہمیشہ سے خدا کے پیغمبروں کے پاس وحی لے کر آتا رہا ہے، اس پر ظاہر ہوتا ہے اور وحی الٰہی کی پیغام رسانی کرتے ہوئے اس کو نبوت و رسالت کی بشارت دیتا ہے یہ ہستی چونکہ اس سے قبل اس منصب جلیل کی حقیقت سے ناآشنا تھی اس لئے اس حیرت زا خبر اور وحی الٰہی کی عظیم ترین روحانی قوت کے زبردست اثر نے جو فوری انقلاب ذات اقدس ﷺ میں پیدا کیا اس کی وجہ سے تشویش اور گھبراہٹ کا رونما ہونا ایک فطری بات تھی "خشیت علی نفسی" کی مراد یہ نہیں تھی کہ جان کا خوف آپ ﷺ کو پریشان کئے ہوئے تھا، ایک عربی نژاد، قریشی الاصل اور شخصی شجاعت کے مالک سے اس قسم کی توقع کیسے ہو سکتی ہے؟ بلکہ مطلب یہ تھا کہ وہ اس بار عظیم کو برداشت بھی کر سکے گا یا نہیں چنانچہ اس تأثر کو اس مقدس انسان کی رفیقۂ حیات خدیجۃ الکبریٰؓ نے محسوس کرتے ہوئے اس کے اخلاق کریمانہ اور اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا اور کہا کہ ایسی ہستی ناکام زندگی کے لئے نہیں ہوتی اور خدا کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا اور پھر اس مقدس پیغمبر کو ورقہ کے پاس لے گئیں تاکہ ایک ایسے شخص سے جو عرصہ سے خدا کی وحی اور خدا کی کتاب کا ذکر کرتا رہتا ہے اس اجمال کی تفصیل معلوم کریں۔

اس صاف اور سادہ بات کو دیکھئے اور پھر بعض مستشرقین یورپ کی اس مضحکہ خیز نکتہ چینی پر نظر ڈالئے جو تعصب اور کوتاہ نظری کی عینک لگا کر کی گئی ہے:

> اگر پیغمبر اسلام پر حراء میں وحی الٰہی کا نزول اور فرشتہ کا ظہور ہوا ہوتا تو پھر آپ ﷺ وحی الٰہی سے فیضیاب ہو کر اور منصب رسالت کی بشارت سن کر یہ کیوں فرماتے انی خشیت علی نفسی اور خدیجہ کو تسکین دینے کی ضرورت پیش نہ آتی کیا آپ ﷺ کو خدا پر بھروسہ نہیں تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا، حقیقت حال کیا تھی اور اس کو رنگ و روغن دیکر کیا بنا دیا؟ یہاں نہ خدا پر عدم اعتماد کی کوئی جھلک ہے اور نہ فرشتہ کے ظہور اور وحی کے نزول پر ریب و شک کا معاملہ ہے بلکہ اس حقیقت کے اعتراف ہی کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس کا ایک فطری تأثر ہے جو آپ ﷺ کی صداقت کا مزید

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ثبوت فراہم کرتا ہے، کیونکہ اگر اس کے برعکس کہیں آپ اس واقعہ کو اس طمطراق کے ساتھ پیش فرماتے کہ گویا ذات اقدس کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جانی بوجھی بات ہے تب البتہ اس کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ اس شخص نے (دعوئے نبوت کے لیے) پہلے سے ایک منصوبہ قائم کر رکھا تھا، اور حراء کی خلوتیں بھی اسی مقصد کے لئے تھیں چنانچہ اب موقع دیکھ کر اس نے یہ اعلان کر دیا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے۔ بہر حال اس مسئلہ پر ہم نے مختصر طور پر جو کچھ لکھ ہے علماء اسلام نے مختلف اسالیب بیان کے ساتھ اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے مثلاً: مشہور محدث و مفسر حافظ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ثم قال "لقد خشیت علی نفسی" وذلك لانه شاهد امراً لم یعهده قبل ذلك ولا كان فی خلده۔

آپ ﷺ نے پھر فرمایا "لقد خشیت علی نفسی" یہ اس لئے فرمایا کہ آپ نے ایک اسی حقیقت کا آج مشاہدہ کیا کہ اس سے قبل اس سے واقف نہیں تھے اور نہ کبھی آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال گذرا تھا کہ ایسا کچھ پیش آئے گا۔

اور حکیم الامتہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی لطیف توجیہ کا حاصل یہ ہے

پھر آپ ﷺ پر غار حراء میں حق (وحی) کا نزول ہوا جب فرشتہ اور آپ ﷺ کے درمیان سلسلۂ کلام ختم ہو گیا تو آپ ﷺ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی جس کو ہم اپنی زبان میں تشویش و اضطرب سے تعبیر کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک نفسیاتی کیفیت تھی جس کا پیش آنا فطری تھا اس لئے کہ جب نزول وحی کی وجہ سے آپ ﷺ کے بشری قویٰ پر ملکوتی صفات نے اثر کیا تو دو متضاد قوتوں کے درمیان تصادم اور پھر ملکوتی قوت کے غلبہ کی وجہ سے آپ ﷺ کے اندر تشویش پیدا ہو جانا یقینی تھا یہی وجہ ہے کہ ابتداء نزول وحی کے بعد کچھ مدت تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا کیونکہ انسان بشریت اور ملکیت دو جہات کے درمیان محصور ہے پس جس ہستی کی بشریت پر ملکوتی صفات غالب آکر اس کو ظلمتوں سے نور کی جانب لے جاتی ہیں تو جس قوت کے ساتھ یہ غلبہ اپنا اثر کرتا ہے انسان اپنے اندر اسی شدت کے ساتھ بشریت و ملکیت کے درمیان تصادم اور تزاحم محسوس کرتا ہے اور شدت تصادم کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ملکوتی قوت و استعداد کو اس درجہ کامل و مکمل کر دے جو منصب نبوت و رسالت کے لئے ضروری حتی کہ اس کی قوت بشری (قوت بشری و جوانی) قوت ملکوتی کے ہاتھ پوری طرح تابع اور منقاد ہو جاتی ہے اور اب وہ ہستی جس کو فیضان نبوت سے سرفراز کیا گیا ہے مطمئن اور تصادم کی کشمکش سے بالاتر ہو کہ اس منصب جلیل (نبوت و رسالت) کی خدمت کے قابل ہو جاتی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۵۳)

بشریت اور نبوت کا باہمی تعلق

نبوت اور "بشریت" کے درمیان اس درجہ نازک رشتہ ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم سے قبل پیروان مذاہب و ادیان نے اس راہ میں بھی اعتدال کو ترک کر کے افراط اور تفریط کو اسوہ بنا لیا تھا اور اس بارہ میں ان کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سخت ٹھوکر لگی تھی چنانچہ بعض پیروان مذہب نے یہ دیکھ کر کہ نبی اور رسول باوجود اس امر کے کہ وہ انسان اور بشر کی شکل و صورت رکھتا ہے لیکن ساتھ ہی افراد انسانی سے جدا ایسی خصوصیات کا حامل نظر آتا ہے جو مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ سے بھی دوسروں کو حاصل نہیں ہوتیں۔ اس لئے دراصل وہ بشر نہیں بلکہ خدا یا خدا کا بیٹا ہے جس نے انسانوں کو نجات کے لئے جامۂ بشریت اختیار کر لیا ہے۔[1] اس کے برعکس دوسری جماعت نے یہ کہا کہ نبوت و رسالت کوئی منصب نہیں ہے کہ خدا کی جانب سے عطیۂ مناصب کی طرح دیا جاتا ہو بلکہ اخلاق کریمانہ اور صفات حمیدہ کا وہ اعلیٰ درجہ ہے جو ہر ایک انسان اپنی روحانی جدوجہد سے حاصل کر لے سکتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگرچہ عطاء بخشش ہر شے کے لئے اسی کی جانب (خدا کی جانب) سے ہے لیکن کسی شے کا بطور منصب عطا ہونے کی حدود میں محدود رہنا اور روحانی جدوجہد سے ہر شخص کے حاصل کر لینے کیلئے اس کا دروازہ کھلا رہنا دونوں باتوں کے درمیان جو فرق ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ نبوت بھی اور درجات روحانیت کی ہی طرح ہے اور عطاء منصب کی شکل میں خاص امتیاز نہیں رکھتی۔

قرآن حکیم نے اس افراط و تفریط کو ختم کرنے کیلئے نبوت و رسالت کی حقیقت کو بہت عمدہ طریقوں سے آشکارا کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کی راہنمائی کے لئے جو مختلف درجات ہدایت کا سلسلہ قائم کیا ہے اس کا اعلیٰ درجہ ہدایت وحی کا ہے اور یہ انسان کی روحانیت اور مقصد حیات کی کامرانی کا کفیل و ضامن ہے اور جبکہ ہدایت کا یہ سلسلہ انسانی راہنمائی کیلئے ہے تو عقل سلیم کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ درجہ انسان ہی کو بخشا جائے لیکن کیا ہر شخص کو جدا جدا بخش دیا جائے نہیں ایسا ہونا چاہیے اسلئے کہ یہاں درجات عقل مختلف ہیں اور درجات استعداد میں بھی تنوع موجود ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ کسی خاص ہستی کو اس کیلئے چن لیا جائے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس انتخاب کی نوعیت کیا ہونی چاہیے یہ کہ جو عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مجاہدات اور ریاضات کے ذریعہ نفس پر قابو پائے یا یہ کہ خدائے تعالیٰ جس کو یہ درجہ عطا فرمائے اس کی صلاحیتوں اور اس کی استعدادات کی تخلیق ہی اس طرح کر دے کہ صدق و امانت اس کا مایہ خمیر بنا ہوا ہو اور خارجی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہ ہو۔ یہ جدا امر ہے کہ خدائے برتر کے سامنے اظہار عبودیت اور تقرب الی اللہ کے لامتناہی فیض سے فیضیاب ہونے کیلئے اس سلسلہ کو بھی کلیۃً ترک نہ کرے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل و بصیرت اس فیصلہ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ یہاں دوسری شکل عمل میں آنی چاہیے اس لئے کہ جس طرح خدائے برتر کے مقررہ قانون قدرت نے ہدایت وحی سے پہلے کے مختلف درجات ہدایت کو انسان کے مجاہدہ ریاضت پر موقوف نہیں رکھا اور اس بخشش و فیض کو حسب حال عطیۂ الٰہی کی حیثیت میں رکھا ہے یعنی وجدان حواس اور عقل ان سب درجات ہدایات کا جب یہی حال ہے کہ وہ جدوجہد سے نہیں بلکہ عطیہ الٰہی سے ملتے ہیں تو ہدایت وحی بھی جس کو بخشا جائے وہ بطور منصب و عطیہ کے ہی عطا ہو، البتہ یہ از بس ضروری ہے کہ جس کو بھی بخشا جائے اس کی روحانی صلاحیتیں اور استعدادات ہر طرح اس منصب کی اہل ہوں اور ایسی ہستی کو عطا نہ ہو کہ اس کی صلاحیت و استعداد عطا کرنے والے کی بے سلیقگی پر چشمک زن ہو۔

۱: اوتار اور ابن اللہ کا عقیدہ دراصل ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غرض نبی اور رسول اس ہستی کو کہتے ہیں جو لوازم بشریت کے ساتھ اپنے تقدس و طہارت اور اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ کے اس بلند مقام پر فائز ہو اور اس کے صفات صدق و امانت اس درجہ مسلم ہوں کہ اس کو بشر معصوم کہہ سکیں وہ نہ خدا ہوتا ہے اور نہ ابن خدا بلکہ خدا کی جانب سے ہدایت وحی کا حامل مخلوق خدا کے لئے خدا کا ایلچی اور ان کی ہر قسم کی رشد و ہدایت کا کفیل ہو چونکہ وہ بشر ہے اس لئے افراد نسل انسانی سے تعلق رکھتا ہے، اور چونکہ ہر قسم کی آلودگیوں اور گناہوں سے پاک اور معصوم ہے اس لئے اس کو اللہ سبحانہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہے پس نبوت و رسالت کا بشریت کے ساتھ یہی وہ تعلق ہے جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے بری اور حقیقت حال کے لئے آئینہ دار ہے اور اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے خود زبان وحی ترجمان سے ظاہر فرمایا ہے "خدا دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔" یعنی ایک جانب خدا سے وحی ہدایت" حاصل کرتا ہوں اور دوسری جانب خدا کے بندوں تک اس کو پہنچا دیتا ہوں یہی میرا فریضہ رسالت و نبوت ہے اور اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے مختلف اسالیب بیان کے ساتھ اس سلسلہ کے غلط کار لوگوں کی ہدایت کے لئے اس طرح بیان کیا ہے:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

کہہ دیجئے، پاکی ہے میرے پروردگار کے لیے، میں نہیں ہوں مگر انسان اور خدا کا ایلچی (رسول)۔

قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ إِنْ أَنَا آَ إِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہتا ہے اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا اور (زندگی میں) کوئی گزند مجھے نہ پہنچتا، میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لئے گناہوں کی پاداش عمل سے) خبردار کرنے والا اور نیک عمل پر بشارت دینے والا ہوں۔

قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○ وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ

(عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھ کو (ہدایت انسانی کے لیے) کتاب دی اور مجھ کو نبی بنایا اور اس نے مجھ کو بابرکت کیا خواہ میں کسی جگہ ہوں۔

فَأْتِيَاهُ فَقُوْلَآ إِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ط قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ○

تم (موسیٰ و ہارون) اس (فرعون) کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دے اور ان پر سختی نہ کر۔ ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آگئے ان پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○

یہ تمام رسول (خداپرستی و نیک عملی کے نتائج کی) خوشخبری دینے والے اور (انکار حق کے نتائج سے) ڈرانے والے تھے اور اس لئے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے جو وہ خدا کے حضور پیش کر سکیں اور (خدا) (اپنے کاموں میں) سب پر غالب ہے اور (تمام کاموں میں) حکمت والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○

اے نبی! بلا شبہ ہم نے تجھ کو بھیجا ہے (حق پر) گواہی دینے والا اور نیکی کے انجام پر) بشارت دینے والا اور (بدی کے انجام سے) ڈرانے والا اور بلانے والا اللہ کی راہ کی طرف اس کے حکم سے اور بھیجا روشن چراغ بنا کر۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ○ لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ

وہ (خدا) غیب کی تمام باتوں کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے غیب (کے معاملات) پر کسی کو خبر دار نہیں کرتا مگر جس کو پیغمبر بنا کر چن لے، پس بلا شبہ وہ (خدا) اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان چلاتا ہے (یعنی اس کو اس بات سے محفوظ رکھتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی خبر میں شیطان یا اس کا نفس کوئی ملاوٹ کر سکے اور اس کو شبہ پڑ جائے کہ یہ خدا کی وحی ہے یا کچھ اور) تاکہ خدا یہ ظاہر کردے کہ انھوں نے (رسولوں نے) بلا شبہ اپنے پروردگار کے پیغام (ٹھیک ٹھیک) پہنچادے۔

ان آیات کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادر (نوراللہ مرقدہ) یہ تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی رسول کو خبر دیتا ہے غیب کی پھر چوکیدار (فرشتے) رکھتا ہے اس کے ساتھ کہ اس میں شیطان دخل نہ کرنے پاوے اور اپنا (رسول کا) نفس غلط نہ سمجھے یہی معنی ہیں اس بات کے کہ پیغمبروں کو عصمت ہے اوروں کو نہیں اور ان کا معلوم بے شک ہے اوروں کے معلوم میں شبہ ہے۔ ۱۲ منہ

"نبی" اور "رسول" سے متعلق مسطورۂ بالا افراط و تفریط کے ساتھ ساتھ مشرکین عرب ایک نئی گمراہی میں مبتلا تھے وہ کہتے تھے کہ اول تو "پیغمبر" کا وجود ہی ہمارے لئے اچنبھے کی بات ہے، اور اگر یہ اچنبھا ہونا ہی تھا تو اس کے لئے ہماری طرح کا ایک انسان ہی کیوں چنا گیا، کیوں ایک فرشتہ نہ بھیجا گیا اور اگر انسان ہی بھیجنا تھا تو یا تو مکہ اور طائف کی کسی متمول سرمایہ دار ہستی کو پیغمبر بنایا جاتا ورنہ اس کو ہی غیب سے خزانے اور بے نظیر باغات عطا کیے جاتے تب ہم سمجھتے کہ بیشک یہ خدا کا فرستادہ ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ أَوْ يُلْقٰى إِلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّأْكُلُ مِنْهَا

اور وہ (مشرکین) کہتے ہیں، یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ آسمان سے فرشتہ اترتا اور وہ خدا کے پیغام سے خبردار کرتا یا ایسا کیوں نہ ہوا کہ (ہماری آنکھوں دیکھتے) اس پر آسمان سے خزانہ اتر آتا یا قدرتی باغ ہوتا کہ وہ (ہر وقت مرضی کے مطابق) اس سے (پھل) کھاتا۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْأَسْوَاقِ ط وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط أَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ○

اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی ایسے ہی پیغمبر بھیجے تھے جو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے (یعنی پیغمبری کے لئے بشریت منافی نہیں ہے بلکہ انسانوں کے لئے انسان ہی کو پیغمبر ہونا چاہیے) اور ہم نے (انسانوں میں سے انسان ہی کو پیغمبر بنا کر) ایک دوسرے کی آزمائش کا سامان کر دیا کہ آیا تم صبر و استقامت کا ثبوت دیتے ہو یا نہیں اور تیرا پروردگار بلاشبہ (انسانوں کے کردار کا) دیکھنے والا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ط وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○

اور وہ کہتے ہیں اس پر (محمد ﷺ پر) کیوں فرشتہ نہیں اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو البتہ (نتائج اعمال کا) فیصلہ کر دیا جاتا اور پھر وہ مہلت نہ دیئے جاتے اور اگر ہم اس کو فرشتہ کہہ دیتے تو بھی (انسانوں کی ہدایت کیلئے) اس کو بصورت انسان ہی ظاہر کرتے اور (اسی طرح) ہم پھر ان لوگوں کو اس شبہ میں مبتلا کر دیتے جس میں اب مبتلا ہیں۔

اس جگہ ان کی گمراہی کو دو دلائل سے واضح کیا ہے ایک یہ کہ ایمان و اعتقاد کی زندگی سر تا سر غیب سے متعلق ہے پس اگر انسان کو اسی عالم میں عالم غیب کے معاملات کا مشاہدہ کرا دیا جائے اور پھر بھی وہ انکار پر جما رہے تو خدا کا قانون امہال (مہلت کا قانون) نافذ نہیں ہوگا بلکہ نتائج اعمال کا فوراً ہی ظہور ہو کر رہے گا اور یہ ان کے لئے بھی مضر ہے اور خدا کی حکمت رحمت و ربوبیت کے بھی خلاف ہے دوسری دلیل یہ کہ انسانی دنیا میں اگر فرشتہ کے ذریعہ ہدایت وحی کو بھیجا جائے تو انسان کس طرح اس سے مانوس ہو سکتے ہیں، پھر اگر اسے بھی انسان ہی کی شکل میں بھیجیں تو شبہ کرنے والوں کا شبہ اسی طرح قائم رہے گا۔ اس لئے عقل و نقل دونوں کا فیصلہ یہی ہے کہ ہدایت کے لئے انسان ہی کو مبعوث ہونا چاہیے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُّؤْمِنُوْٓا إِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○

اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے کسی بات نے نہیں روکا مگر اس نے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا خدا کسی بشر کو پیغمبر بنا کر بھیجے گا اے پیغمبر! کہہ دیجیے اگر زمین پر انسانوں کی جگہ فرشتوں کی آبادی ہوتی اور وہ اس پر چلتے پھرتے تو ہم ضرور ان کے لئے آسمان سے فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

وَ مَآ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ ○

اور اے پیغمبر! ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن پر وحی نازل کی ہے وہ انسانوں کے سوا اور کچھ نہیں تھے پس (معترضین) اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کر لو اور نہ ہم نے ان کو بے جان (دھڑ) بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ (خدا کی طرح) ہمیشہ رہنے والے تھے۔

بہر حال ان آیات میں قرآن عزیز نے علمی اور تاریخی دونوں قسم کے دلائل سے یہ صاف کر دیا کہ کائنات انسانی کی ہدایت کے لئے انسان کا نبی اور ہادی ہونا فطری بات ہے اور اس لئے اقوام ماضیہ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

پھر اس مسئلہ کی جانب بھی توجہ کی ہے کہ نبوت و رسالت کا تعلق سرداری، سرمایہ داری اور جتھ بندی سے کچھ نہیں ہے اور اس کے لئے جن فطری اعلیٰ ملکات و استعدادات کی ضرورت ہے ان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہے کہ کون اس منصب کا اہل ہے:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ أَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ط نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ط وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (زخرف پ ۲۵، ع ۳)

اور وہ کہتے ہیں یہ قرآن کیوں ان دو بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی سردار پر نازل نہیں ہوا (تو) کیا تیرے پروردگار کی رحمت کو یہ تقسیم کرنے والے ہیں نہیں بلکہ ہم نے ہی ان کے درمیان ان کی دنیوی معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ہم نے ہی بعض انسانوں کو بعض پر بلندی درجات عطا کی ہے تاکہ بعض بعض کے مسخر رہیں (یعنی بعض مقتدیٰ ہوں اور بعض مقتدی، بعض پیغمبر ہوں اور بعض امتی) اور تیرے پروردگار کی رحمت (نبوت) اس (دولت و ثروت) سے (کہیں زیادہ) بہتر ہے۔ جو وہ خزانہ کیے ہوئے ہیں۔

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ط اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ط (انعام پ ۸ ع ۱۵)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور جب ان کے پاس خدا کی جانب سے کوئی آیت آتی ہے تو یہ (مشرکین) کہتے ہیں ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کو بھی وہی چیز (وحی) نہ دی جائے جو خدا کے رسولوں کو دی گئی (لیکن ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ) اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنے منصب رسالت کو کس کے سپرد کرے۔

اور یہ بات تو بہت واضح اور صاف ہے کہ جس شخص کو کوئی منصب عطا کیا جائے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہر طرح اس کیلئے جوہر قابل اور اہل ہونا چاہیے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک جوہر قابل کو وہ منصب ملے کیونکہ معطی کی مصلحت ہی خوب فیصلہ کر سکتی ہے کہ کس کو ملے اور کس کو نہ ملے چہ جائیکہ جوہر قابل بھی نہ ہو۔ اسلئے ضروری ہوا کہ جو نبی اور رسول ہو وہ ہر حیثیت سے انسان کامل اور گناہوں سے معصوم ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو شخص بھی اخلاق حمیدہ اور روحانی مجاہدات کے ذریعہ تقدیس کا درجہ حاصل کر سکا ہو وہ منصب نبوت پر بھی ضرور فائز ہو۔

بہر حال نبوت منصب ہے ڈگری نہیں ہے اور اس لئے جن کو دیا بھی جاتا ہے ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ تم پر فضل خداوندی ہے ورنہ اگر وہ تم سے اس کو سلب کر لینا چاہے تو تمہاری طاقت بلکہ کائنات کی طاقت سے باہر ہے کہ پھر یہ تم کو مل سکے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ إِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ○

اور (اے پیغمبر!) اگر ہم چاہیں تو جو تجھ پر ہم نے وحی کی ہے اس کو چھین لیں اور پھر تجھ کو کوئی بھی ایسا کارساز نہ ملے جو ہم پر زور ڈال سکے، لیکن (یہ جو سلسلۂ وحی جاری ہے تو) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تیرے پروردگار کی رحمت سے ہے اور یقین کر کہ تجھ پر تیرے پروردگار کا بڑا ہی فضل ہے۔

نبی اور مصلح

مسطورۂ بالا تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ چونکہ نبی اور رسول کو براہ راست خدائے برتر سے شرف مکالمت حاصل ہوتا ہے یا خدا کا معصوم فرشتہ خدا کی وحی لا کر سناتا ہے اس لئے اس کا ذریعہ "علم" "علم الیقین" کا وہ درجہ رکھتا ہے جس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش نہیں رہتی اور اس کے علاوہ تمام ذرائع علم یقین کے اس درجہ سے نیچے ہیں بلکہ ان کی افادیت "ظن" سے آگے نہیں بڑھتی اس لئے اگر ایک مرد صالح اپنی قوم یا نوع انسانی کی اصلاح حال کے لئے کوئی قدم اٹھائے تو مقدس سے مقدس تر ہونے کے باوجود اس کے اپنے طریقۂ اصلاح میں غلطی کا وقوع اور امکان دونوں موجود رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات وہ ایسی فاش غلطی کر گذرتا ہے کہ اس سے فائدہ پہنچنے کی بجائے قوم کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اس لئے ایک نکوکار مصلح یہ کبھی دعویٰ نہیں کرتا کہ وہ اصلاح حال کیلئے جو کچھ اپنی جانب سے کہتا ہے غلطی سے پاک ہے مگر ایک نبی اور رسول کیلئے از بس ضروری ہے کہ وہ یہ بھی اعلان کرے کہ میں خدا کی جانب سے اصلاح حال کیلئے خدا کا پیغام رساں ہوں اور یہ بھی دعویٰ کرے کہ وہ جو تعلیم و اصلاح پیش کر رہا ہے خدا کا فرمودہ ہے اور اس لئے ہر قسم کی غلطی اور لغزش

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے پاک اور محفوظ ہے، وہ یہ نہیں کہے گا کہ یہ میرے دل کی آواز ہے یا اندر سے جو آواز آتی ہے اس کا نتیجہ اور ثمرہ ہے بلکہ صاف صاف یہ کہے گا کہ اس میں میرا اپنا کچھ نہیں میں تو صرف ایلچی اور پیغامبر ہوں یہ جو کچھ بھی ہے خدا کا فرمان اور اس کی وحی ہے۔

چنانچہ قرآن عزیز نے جگہ جگہ ان دونوں باتوں کو واضح کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ہر ایک پیغمبر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اعلان کر دیں کہ خدا نے ان کو اپنی ہدایت وحی کے لے چن لیا ہے اور وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ ان پر وحی کیا جاتا ہے اس کو حرف بہ حرف امت تک پہنچائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَالَ يَاقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلَالَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

(نوح علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! مجھ کو گمراہی سے کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ میں تو تمام کائنات کے پروردگار کی جانب سے بھیجا ہوا ہوں تم تک اپنے پروردگار کی جانب سے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ کی باتوں میں سے وہ بات جانتا ہوں جن سے تم بے خبر ہو۔

اور حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان مکالمہ میں حضرت ہود علیہ السلام نے یہ اعلان فرمایا:

قَالَ يَاقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّيْ وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِيْنٌ ○

(ہود علیہ السلام نے) کہا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں لیکن میں جہانوں کے پروردگار کی جانب سے بھیجا ہوا ہوں، میں اپنے پرودگار کا پیغام تم تک پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور پیغام الٰہی اور خیر خواہی میں) صاحب امانت ہوں۔

اور صالح علیہ السلام نے یہ فرمایا:

وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النَّاصِحِيْنَ ○

(صالح علیہ السلام نے) کہا اے قوم! بلاشبہ میں نے تم کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر تم خیر خواہی کرنے والوں کو ناپسند کرتے ہو۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے یہ ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيْمَ ط إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ○ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يَاأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ○ يَاأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَاءَنِيْ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ○ (سورۂ مریم، پ ۱۶، ع ۳)

اور یاد کرو کتاب (قرآن) میں ابراہیم کا حال بلاشبہ تھا وہ بہت ہی صادق اور نبی جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے باپ! ایسی چیز کی پوجا کیوں کرتا ہے جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ تجھ کو کسی (نقصان) سے بے پرواہ کرتی ہے (یعنی بت پرستی کیوں کرتا ہے؟) اے باپ! بلاشبہ مجھ کو علم (وحی) سے وہ حصہ ملا ہے جو تجھ کو حاصل نہیں ہے پس میری پیروی کر میں تجھ کو سیدھی راہ دکھلاؤں گا۔

اور لوط ﷺ نے اپنی قوم سے مکالمہ کرتے ہوئے یہ فرمایا:

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ لُوْطٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ○ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○

جب کہا ان سے ان کے بھائی (لوط) نے کیا تم پرہیزگاری اختیار نہیں کرتے بلاشبہ تمہارے لئے خدا کا بھیجا ہوا ہوں (اور اس پیغامبر میں) صاحب امانت ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

اور حضرت یعقوب و یوسف ﷺ کے ایک طویل حیرت زا واقعہ کے ضمن میں یعقوب ﷺ کا وہ مقولہ بھی منقول ہے جس میں انھوں نے اپنے بیٹے یوسف ﷺ کو وحی الٰہی کے ذریعہ بشارت دی ہے کہ جس طرح خدا نے تیرے باپ دادا، ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب ﷺ کو پیغمبری عطا فرمائی اسی طرح تجھ کو بھی اس منصب جلیل سے سرفراز کرے گا:

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى آلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ أَتَمَّهَا عَلٰٓى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحَاقَ ط إِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو چن لے گا اور تجھ کو تعبیر رویا کا علم بخشے گا اور تجھ پر اپنی نعمت (نبوت) کی تکمیل کرے گا اور اولاد یعقوب پر (جو اس کے اہل ہوں گے) جیسا اس نے اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم، اسحٰق پر اس (نبوت) کو پورا کیا بیشک تیرا پروردگار جاننے والا حکمت والا ہے۔

اور پھر حضرت یوسف ﷺ کی تبلیغ و دعوت اس طرح قرآن میں مذکور ہے:

يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اے میرے قید کے رفیقو! کیا بہت سے آقا اور خداوند بہتر ہیں یا یکتا خدا کی ذات جو ہر شے پر غالب ہے تم اس کے سوا جس کو پوجتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دادوں نے گھڑ لئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کوئی دلیل نہیں اتاری اور حکم تو خدا کے سوا کسی کا نافذ نہیں اس نے یہی حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو دین کی سیدھی راہ یہی ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

اور حضرت شعیب ؑ نے اصحاب ایکہ کے سامنے یہ اعلان کیا:

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ○ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ○

اصحاب ایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے شعیب ؑ نے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے بلا شبہ میں تمہارے لئے (خدا کی جانب سے) صاحب امانت پیغمبر ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

اور حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون کے دربار میں بے دھڑک یہ اعلان فرمایا:

وَقَالَ مُوْسٰى يَافِرْعَوْنُ إِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ حَقِيْقٌ عَلٰى أَنْ لَّا أَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ط قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ○

اور موسیٰ ؑ نے کہا: اے فرعون! بلا شبہ میں جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہوں، میرے لئے یہی لائق ہے کہ میں خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہوں۔ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے "دلیل" لے کر آیا ہوں پس تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو (آزاد کر کے) بھیج دے (جن کو صدیوں سے غلام بنا رکھا تھا)

اور حضرت داؤد و سلیمان ؑ کے واقعہ میں سلیمان ؑ نے ملکۂ سبا کو دعوت اسلام کے لئے جو نامہ مبارک تحریر فرمایا تھا اس کا اسلوب بیان یہ ہے:

إِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ ○ أَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ○

یہ سلیمان ؑ کی جانب سے ہے اور یہ شروع ہے اللہ کے نام سے جو رحمٰن ہے رحیم ہے بات یہ ہے کہ مجھ پر اپنی بلندی و برتری کا اظہار نہ کر (کیونکہ میں بادشاہ نہیں بلکہ پیغمبر ہوں) اور میرے پاس خدا کی فرمانبردار بندی بن کر حاضر ہو۔

اور حضرت عیسیٰ ؑ سے قبل ایک علاقہ میں خدا کے چند نبی دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے مامور کیے گئے تھے انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ○ وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ○

انھوں نے کہا ہمارا پروردگار (خوب) جانتا ہے کہ بلا شبہ ہم تمہاری جانب اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور ہمارے اوپر اس سے زیادہ کوئی ذمہ داری نہیں کہ امر حق کا صاف اور کھلا پیغام پہنچا دیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بار بار بنی اسرائیل کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور میری بتلائی ہوئی راہ کے سوا کوئی راہ مستقیم نہیں کیونکہ میں جو کچھ بھی پیش کر رہا ہوں خدا کا فرمودہ ہے۔

قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ط آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ○

(عیسیٰ علیہ السلام نے) کہا بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو "کتاب" عطا کی ہے اور اس نے مجھ کو نبی بنایا ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ

جب کہا عیسیٰ بن مریم نے اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری جانب خدا کی جانب سے بھیجا ہوا ہوں (رسول ہوں)

اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کی دعوت و تبلیغ میں تو جگہ جگہ یہ حقیقت بہت نمایاں نظر آتی ہے:

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○

اے نبی! بلاشبہ ہم نے تجھ کو (حق کے لیے) گواہ اور نیک عملی کے لیے) بشارت دینے والا اور (بد عملی کے نتائج سے) ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی جانب بلانے والا اور (ہدایت و صراط مستقیم کے لیے) روشن چراغ بنایا ہے۔

قُلْ يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمَاتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجیے اے لوگو! بیشک میں تم سب کی جانب اللہ کا بھیجا ہوا ہوں اسی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی، کوئی خدا نہیں ہے مگر صرف وہی یکتا ذات (وہی) زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود اللہ پر اور اس کی باتوں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران، پ ۳ ع ۲)

بلاشبہ اللہ کے نزدیک (ہمیشہ سے) دین (حق) اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

جو شخص اسلام کے ماسوا کو دین بنانا چاہے تو خدا کے یہاں وہ مقبول نہیں ہے۔

غرض پیغمبر اور نبی کیلئے از بس ضروری ہے کہ وہ اپنی دعوت اصلاح اور تعلیم حق پر خود بھی ایمان لائے اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کائنات کے سامنے بھی یہ اعلان کرے کہ یہ پیغام ہدایت اور یہ تعلیم حق میری جانب سے نہیں بلکہ خدا کی جانب سے ہے اور اسی نے مجھ کو اپنا ایلچی بنا کر اس کی دعوت کیلئے بھیجا ہے یہ جو کچھ ہے سب خدا کا اپنا ہے میں تو صرف اسکی جانب پکارنے والا ہوں اور اس میں شک و شبہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہے اور یہ ہر قسم کی لغزش و خطا سے پاک علم یقین اور وحی الٰہی ہے جسکے متعلق خدا کا یہ فیصلہ ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى لیکن مصلح غیر نبی کو یہ مجاز حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی دعوت اصلاح کے بارہ میں یہ دعویٰ کرے کیونکہ اس کی یہ دعوت اصلاح یا کسی پیغمبر اور نبی کی ہدایت وحی کی پیروی میں ہو گی تب تو اس کی حیثیت ایک یاد دہانی کرنے والے کی ہے اور یا ہدایت وحی کے اتباع کے ساتھ اس کے اپنے اجتہاد اور ضمیر کی آواز کا بھی دخل ہو گا تو اس کے اس حصۂ اصلاح کا لغزش خطا بلکہ بعض اوقات غلط روی سے بھی محفوظ رہنا لازمی اور ضروری نہیں ہے۔

کیفیت وحی

وحی سے متعلق جو حقائق سپرد قلم ہو چکے ہیں ان میں ایک یہ اضافہ بھی قابل توجہ ہے: عربی میں وحی کے معنی مخفی اشارہ کے ہیں گویا یہ فطرت الٰہی کی وہ سرگوشی ہے جو ہر ایک مخلوق پر اس کی راہ عمل کھولتی ہے چنانچہ قرآن نے شہد کی مکھی کے نظام بیت کے متعلق فطری ہدایت کو لفظ وحی سے ہی تعبیر کیا ہے:

وَأَوْحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ○

اور تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اسی غرض سے بلند کی جاتی ہیں اپنے لئے چھتے بنائے۔

اور مذہب و دین کی اصطلاح میں اس الہام کو کہتے ہیں جو خدائے برتر کی جانب سے نبی اور پیغمبر پر اس طرح القاء یا فرشتہ کے ذریعہ نازل کیا جاتا ہے کہ اس مقدس ہستی کو اس کے منجانب اللہ ہونے کا روز روشن سے بھی زیادہ یقین حاصل ہو جاتا ہے اور کسی قسم کے بھی شک و شبہ اور تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسی لئے وہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا کی وحی اور اس کا بخشا ہوا علم یقین ہے نزول وحی کی یہ صورت کس طرح پیش آتی ہے اور کون سے وہ طریقے ہیں جن کے ذریعہ نبی معصوم کو خدا کی وحی کا علم ہوتا ہے؟

قرآن عزیز اس کے متعلق یہ کہتا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِإِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ إِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○

اور کسی انسان کے لئے یہ صورت ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (اس دنیا میں بالمواجہ) گفتگو کرے مگر یا وحی (کے القاء) کے ذریعہ یا پس پردہ یا بھیج دے فرشتہ کو پس وہ اس کی (خدا کی) اجازت سے اس وحی لا اتارے جو اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی (خدا کی) مرضی ہو بلاشبہ وہ (خدا) بلند و حکمت والا ہے۔

غرض وحی ایک خاص ذریعہ علم کا نام ہے جو خدا کی جانب سے اس کے نبیوں اور رسولوں کے لئے مخصوص ہے اور اس کا تعلق براہ راست عالم قدس اور عالم غیب سے ہے اسی بنا پر اگرچہ انبیاء ورسل کو اس کی منفعت اور اس کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل آفتاب عالمتاب سے زیادہ بدیہی ہوتا ہے لیکن وہ اس کی حقیقی کیفیت کو دوسروں پر تشبیہ و تمثیل ہی کے ذریعہ واضح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جب بعض صحابہؓ نے حضرت اقدس ﷺ سے نزول وحی کی کیفیت کے متعلق سوالات کیے تو آپ ﷺ نے یہ جوابات ارشاد فرمائے

واحیاناً یاتینی کصلصلة الجرس۔
کبھی یوں معلوم ہوتا ہے گویا گھنٹہ کی مسلسل گونج ہے

دوی کدوی النحل
(کبھی) جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے گونج پیدا ہوتی ہے اس طرح کی گونج محسوس کرتا ہوں

واحیاناً یتمثل لی الملك رجلا فاعی ما یقول
اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر مجھ کو خدا کی وحی سناتا ہے اور میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں۔

ان جوابات میں کیفیت وحی کو اگرچہ قریب الفہم بنانے کی کافی کوشش کی گئی ہے۔ پھر بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حقیقی کیفیت کو خدا اور خدا کے پیغمبر کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں پا سکتا اور پیغمبر اس حقیقت کا اذعان اور اس کے منجانب اللہ ہونے پر غیر متبدل یقین تو رکھتا ہے لیکن غیر نبی پر حقیقی کیفیت کو واضح کرنے سے معذور ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ یہ صورت حال تو دنیا کی بن دیکھی اشیاء کے بارہ میں بھی صبح سے شام تک ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں مثلاً جس شخص نے سیب کو نہیں دیکھا اور نہیں چکھا اس کے سامنے دیکھنے اور چکھ لینے والا اگرچہ سیب کی حقیقت کا بہتر سے بہتر نقشہ بھی پیش کر دے اور اس کے رنگ، مزہ، خوشبو، لطافت وغیرہ کی تعبیر بحد کمال بھی پہنچا دے تب بھی وہ شخص سیب کو آنکھ سے دیکھنے اور زبان سے چکھ لینے والے کے مقابلہ میں کسی طرح اس کی حقیقی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتا وہ بلاشبہ سیب کے متعلق صحیح علم تو حاصل کر لے سکتا ہے لیکن حقیقی ذوق کو ہرگز نہیں پا سکتا، اسی طرح نبی کی تعلیم و تلقین سے ہم وحی کے متعلق ایک اجمالی علم ضرور حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس کی حقیقی کیفیت کو نہیں پا سکتے۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآن میں مسطور ہر سہ اقسام وحی میں سے پہلی قسم الایحاء کے متعلق یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت و ما قال اور وحی کی یہ صورت مجھ پر بہت سخت گزرتی ہے پھر جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو وحی الٰہی نے جو کچھ کہا ہوتا ہے وہ سب مجھے محفوظ ہوتا ہے یعنی جب فرشتہ بشکل انسان تمثل اختیار کر کے وحی الٰہی لاتا ہے من وراء حجاب براہ راست خدائے برتر سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو یہ دونوں صورتیں آپ پر آسان ہوتی ہیں مگر "القاء وحی" کی پہلی شکل سخت گذرتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کے متعلق علماء حق یہ ارشاد فرماتے ہیں:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خالق کائنات نے انسان کو لوازم بشریت کی قیود و شروط کے ساتھ اس درجہ پابند بنادیا ہے کہ انبیاء ورسل جیسی مقدس اور معصوم ہستیوں کو بھی اپنی تطہیر و تقدیس کے باوجود ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں ہے اس لئے جب ان پر خدا کی وحی کا نزول ہوتا اور ایسی حالت میں ان پر عالم قدس کے تمام اثرات چھا جاتے اور انوار و تجلیات کی آغوش میں وہ حضرت حق سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے ہیں تو اس حالت میں اُن پر دو قسم کی کیفیتوں میں سے ایک کیفیت ضرور طاری ہوتی ہے، ایک یہ کہ اس کے بشری خواص کو مغلوب کر کے اس کی روحانی کیفیات کو عالم قدس کی جانب اس درجہ بلند اور رفیع کیا جائے کہ وہ حضرت حق کی وحی کے اثرات قبول کرنے اور محفوظ رکھنے کے قابل ہو سکے اور چونکہ جذب وانجذاب کی اس خاص حالت اور عالم آب و گل سے عالم قدس کی جانب اس مخصوص رفعت میں بشری خصوصیات اور روحانی مؤثرات کے درمیان سخت قسم کا تصادم پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اس تصادم اور تراجم سے نبی پر ابتداء ایک اضطرابی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ جب یہ تصادم ختم ہو کر یہ عالم قدس کے تمام پاک اور لطیف اثرات اس ہستی پر چھا جاتے ہیں اور وہ ان میں محو اور مستغرق ہو کر لذت وحی کو پا جاتی ہے تو پھر یہ اذیت و تکلیف یکلخت جاتی رہتی ہے اور اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور یہ سب کچھ چند دقیقوں میں گذرتا ہے۔

یہی وہ صورت وحی ہے جس کی کیفیات کو ذات اقدس ﷺ نے صلصلۃ الجرس اور دوی النحل کی تمثیلات میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے تمثیلات میں اس پہلو کے اختیار کرنے کی وجہ بھی مسطورۂ بالا حقیقت ہے اس لئے کہ اس صورت خاص میں جب بشری حواس و ادراکات پر عالم قدس کے روحانی اثرات کا غلبہ ہوتا ہے تو اول حواس و ادراکات میں اضطراب و بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور حاسہ سمع کہ جس کا تعلق سماعت وحی سے ہے وہ شروع میں ایک خاص قسم کی گونج محسوس کرتا ہے جو اس عالم پست سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی اور اس کے بعد وہ وحی الٰہی کی اصل کیفیت سے لذت اندوز ہوتا اور اس کو علم یقین اور اذعان حق کے ساتھ لیتا ہے کیونکہ عالم قدس کے قوی مؤثرات اس پر غالب آکر وحی الٰہی کے حصول کا ہر طرح اہل بنا دیتے ہیں مگر دوسروں پر اس حقیقت کے تمام و کمال سمجھانے میں ان علامات و اثرات کے اظہار سے آگے نہیں جاتا جن کو ابھی صلصلۃ الجرس اور دوی النحل کی تعبیرات میں سن چکے ہو وحی الٰہی کی اس نوع کے علاوہ دوسری ہر دو انواع یعنی وراء حجاب کلام الٰہی کی سماعت یا فرشتہ کے ذریعہ وحی کے نزول میں صورت حال برعکس ہوتی ہے اور اس وقت نبی کے بشری خواص کو عالم قدس کی جانب رفعت دینے اور عالم خاک گل سے عالم نور کی جانب جذب انجذاب سے متاثر کرنے کی تکلیف نہیں دی جاتی بلکہ عالم قدس کی تمام کیفیات خود ہبوط و نزول کرتی اور نبی کی روحانیت کو متاثر بناتی ہیں اور یا فرشتہ بحکم حضرت حق پانے ملکوتی جسد کو جامۂ انسانیت کے ساتھ متمثل کر لیتا اور عالم قدس کے اثرات اور بشری خواص میں امتزاج پیدا کر کے نبی کے حضور حاضر ہوتا اور وحی الٰہی کی تلاوت کرتا ہے اور اس لئے ان دونوں صورتوں میں نبی اور رسول کو پہلی قسم کے تصادم سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔

کیفیت وحی اور بعض مستشرقین کی گمراہی

چونکہ یورپ کے دور علمی کی بنیاد خالص مادیات پر قائم ہے اور روحانی علوم اور ماوراء مادیات کے ناقابل

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انکار حقائق کے لئے وہ کوئی جگہ دینے کو آمادہ نہیں ہے اس لئے بعض مستشرقین نے جب وحی الٰہی کی پہلی قسم کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے وہ اقوال سنے جن کا ذکر ابھی ہو چکا ہے ور وہ حالات پڑھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نزول وحی کی اس خاص صورت میں آپ ﷺ کرب اضطراب محسوس فرماتے اور سردی کے ایام میں آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ آجاتا اور آپ ﷺ پر بیخودی کے سے آثار نظر آنے لگتے تو انھوں نے یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی کہ یہ نزول وحی کی کیفیت نہیں ہوتی تھی بلکہ (العیاذ باللہ) آپ ﷺ کو ہسٹریا کا دورہ ہو جاتا تھا۔

یہ مستشرقین پُر زور الفاظ میں آپ ﷺ کی صداقت وامانت کو تسلیم کرتے ہیں آپ ﷺ کی تعلیمات حق کو سراہتے اور کائنات انسانی کے لئے آپ ﷺ کی تعلیمات کو تعلیم کامل مانتے ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ کے دعویٰ الہام ووحی الٰہی کا انکار کرتے اور کیفیت وحی کو مرض سے تعبیر کرتے ہیں سبحانک ھذا بہتان عظیم۔

درحقیقت یہ حضرات یا تو ازراہ تعصب ناقابل انکار تعلیم حق کے تسلیم کے ساتھ ساتھ ایک ایسی بات کہنا چاہتے ہیں جس سے تعلیم حق (اسلام) پر کاری ضرب لگ سکے اور تعصب کے الزام سے بھی بچ جائیں اور یا پھر اس علمی حقیقت سے بے بہرہ ہیں جس کو تفصیل کیساتھ ہم ابھی ظاہر کر چکے ہیں کہ نزول وحی کی یہ کیفیت مرض نہیں تھا بلکہ اپنے اثرات اور محرکات کی بناء پر ایک فطری صورت حال تھی جس کا پیش آنا از بس ضروری تھا اور دراصل یہ کیفیت دماغ، حواس اور اعضائے انسانی کو مفلوج نہیں بناتی تھی جیسا کہ ہسٹریا وغیرہ میں ہوتا ہے بلکہ اس کے برعکس تمام مادی قویٰ میں روحانی کوائف کی ایسی برقی رودوڑا دیتی ہے جس سے چند لمحات کے بعد اپنے اندر ایسی زبردست اور مافوق المادہ قوت پیدا ہو جاتی تھی جس کے ذریعہ اس ہستی (نبی) میں عالم قدس سے پوری طرح وابستہ ہو کر خدا کی وحی اور اس کے کلام کو سننے اور قلب ودماغ میں بخوبی محفوظ رکھنے کی صلاحیت رونما ہو جائے چنانچہ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا:

فیفصم عنی و قد وعیت ما قال

شدت وکرب کی یہ کیفیت جلد ہی مجھ سے زائل ہو جاتی ہے اور میں وحی الٰہی کو تمام وکمال محفوظ کر لیتا ہوں۔

کیا ہسٹریا کے دوروں کا کوئی مریض ایسا پیش کیا جا سکتا ہے جس پر ایک جانب مرض کا مسلسل حملہ ہو رہا ہو اور دوسری جانب وہ علمی وعملی صلاحیتوں، معاشی ومعاوی حکمتوں اور دینی ودنیوی رفعتوں کے لئے ایس کامل ومکمل دستور وآئین اور اعمال وافکار پیش کر رہا ہو کائنات جس کا جواب نہ رکھتی ہو اور دوست ودشمن دونوں اس کی رفعت وبلندی کا اعتراف کرتے ہوں؟ کیا دماغی فتور جو کہ ہسٹریا کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور دماغی رفعت وبلندی جس کے ثمرات حیرت زا اور عملی دنیا میں وقیع سے وقیع تر ہوں دونوں یکجا جمع ہو سکتے ہیں؟ اور اگر نہیں ہو سکتے اور بلا شبہ نہیں ہو سکتے تو حقیقت حال کو نظر انداز کرتے ہوئے وحی الٰہی سے متعلق مستشرقین کا یہ دعویٰ کس درجہ حقیر اور بے وقعت ہو جاتا ہے صاحب عقل وبصیرت اس کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نزول وحی کا پہلا دور

نبی اکرم ﷺ پر سب سے پہلے سورۂ علق کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ○
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ○

پڑھو! اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون بستہ سے پڑھو! اور تیرا پروردگار جو سب سے زیادہ برگزیدہ ہے وہ ہستی ہے جس نے سکھایا لکھنا، سکھایا انسان کو وہ سب کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔

ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ حضرت انسان جو خدا کی سب سے بہتر اور سلسلۂ کائنات کی سب سے ترقی یافتہ مخلوق ہے اور اسی وجہ سے وہ کائناتِ ہست و بود میں "خلیفۃ اللہ" کے منصب پر سرفراز کیا گیا ہے اس کی خلقی کمزوریوں کا یہ حال ہے کہ اس کی نمود کی ابتداء آب نجس اور خون بستہ سے ہوئی ہے لیکن قدرت حق نے جب اس کو مقام رفیع بخشنے کا ارادہ کیا اور "اسفل سافلین" کے لائق مخلوق کو "درجات علیا" پر فائز کرنا چاہا تو اس کو وہ صفت اعلیٰ عطا فرمائی جو صفات الٰہ میں مبدء الصفات ہے یعنی اس کو صفت علم کا مظہر بنایا اس کو قلم کے ذریعہ لکھنا سکھایا اور علم و عرفان کا مہبط و محور ٹھہرایا پھر اس جانب بھی اشارہ کیا کہ بہ سلسلۂ اسباب و مسببات حصول علم کے تین ہی طریقے ہیں ذہنی لسانی، رسمی اور علم ذہنی الفاظ اور رسوم و نقوش کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور علم لسانی علم ذہنی کا محتاج ہے مگر رسوم و نقوش کتابت سے بے نیاز اور علم رسمی، رسم الخط اور نقوش کا بھی محتاج ہے پس اگر "علم رسمی" کا کسی جگہ مذکور ہو تو لسانی اور ذہنی علوم کا ذکر خود بخود ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے سے بلند ہر دو علوم کے لئے بہترین معبر ہے اور ظاہر ہے کہ علم رسمی "قلم" کا محتاج ہے۔ لہٰذا قرآن عزیز نے علم بالقلم کہہ کر لطیف پیرایۂ بیان میں اس پوری حقیقت کو واضح کر دیا اس کی مزید تشریح عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ سے کر دی۔ اور اس معجزانہ اسلوب کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک جانب علم اور نبوت کے درمیان کیا علاقہ ہے اس کا اظہار ہو جائے اور دوسری جانب انسان کو اپنے مقصد حیات کا صحیح علم ہو جائے۔

نزول وحی کا دوسرا دور

غار حراء میں منصب نبوت سے سرفرازی کے وقت سورۂ علق کی یہ چند آیت نازل ہو کر وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ حراء میں فرشتہ کے ظہور اور وحی کے نزول سے فوری طور پر نبوت و رسالات کے جو خصائص و اثرات ذات اقدس ﷺ پر وارد ہوئے ہیں وہ اچھی طرح راسخ ہو جائیں اور صلاحیت و استعداد نبوت و رسالت کی تکمیل ہو جائے تاکہ آئندہ سلسلۂ وحی کے قوی مؤثرات و محرکات پیغمبر ﷺ کے بشری خواص کے لئے اجنبی نہ رہیں، اس لئے کچھ عرصہ کے لئے نزول وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسی کو مذہب کی اصطلاح میں "فترت وحی" کہتے ہیں۔ لیکن ذات اقدس ﷺ کو حراء میں پیش آمدہ کیفیت و صورت حال سے جو فطری تشویش پیدا ہوتی تھی جب اس نے سکون طمانیت کی شکل اختیار کر لی تو نزول وحی کی روحانی کیفیات نے اس درجہ لطف اندوز کیا کہ آپ ﷺ اس فترت کو برداشت نہ کر سکے اور لطیف و عمیق جذبات نے اس حد تک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اضطراب و بے چینی کی شکل اختیار کرلی کہ گاہ گاہ ناموس اکبر (جبرئیل امین) ظاہر ہو کر آپ ﷺ کو صبر و تسکین کی دعوت دیتے اور یقین دلاتے تھے کہ اپنی تمام لطافتوں اور حسن و کمال کے ساتھ نبوت و رسالت کا یہ سلسلہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے اور فترت کا یہ دور محض عارضی ہے اس لئے آپ اندوہگیں نہ ہوں تب آپ تسکین پاتے اور وقت موعد کے منتظر رہتے کہ کچھ عرصہ بعد[1] نزول وحی کا دوسرا دور شروع ہوا اور سب سے اول سورۂ مدثر کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ○ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ○ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○

اے کملی پوش اٹھ (اور لوگوں کو گمراہی کے انجام سے) ڈرا اور اپنے پروردگار کی عظمت و جلال کو بیان کر اور لباس کو پاک کر اور بتوں سے جدارہ اور زیادہ حاصل کرنے کی نیت سے حسن سلوک نہ کر اور اپنے پروردگار کے معاملہ میں (اذیت و مصیبت پر) صبر اختیار کر۔

ان آیات نے گویا انسانی مقصد حیات کی تکمیل کردی کیونکہ سورۂ علق میں کہا گیا تھا کہ انسانیت کبریٰ کیلئے صحیح علم شرط ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ علم صحیح کی رفعت و بلندی کے اعتراف کے باوجود انسانیت کی تکمیل اس وقت تک ناممکن ہے کہ علم صحیح کے ساتھ عمل صحیح بھی موجود ہو اس لئے کہ اگر علم صحیح ہے اور عمل صحیح مفقود تو اس کی افادیت معطل اور بیکار ہے اور اگر عمل ہے اور علم صحیح ندارد تو وہ عمل موجب زیان و نقصان ہے۔ رشد و ہدایت اور صراط مستقیم کے لئے دونوں ہی کا وجود ضروری ہے اور تب ہی انسان انسانیت کبریٰ حاصل کر سکتا ہے۔

غرض جس طرح سورۂ علق کی آیات نے علم نافع کی جانب اشارات کیے اساسی طرح سورۂ مدثر نے "عمل نافع" کی اساسی تفاصیل ظاہر کی ہیں۔ خدا کی ہستی اور اس کی ربوبیت کاملہ کا عملی اعتراف باطنی طہارت و پاکیزگی کا کمال ظاہری طہارت و پاکی کا لزوم بے غرض اور بے لوث اخلاق حمیدہ کی اساس "احسان" پر استقامت اور قبول حق اور نیک عملی کے نتائج پر صبر ان آیات کا حاصل ہیں اور یہی وہ بنیادی امور ہیں جن میں علم حق اور عمل صحیح کی تمام کائنات سموئی گئی ہے۔

نیز ذات اقدس ﷺ کے لئے سورۂ علق اور سورۂ مدثر کا یہ خطاب اور پیغام حق اشارہ ہے اس جانب کہ یہ نظام عمل منصب رسالت کے لئے تکمیل نفس اور دعوت رشد و ہدایت کے لئے مرتبہ اولین کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی مستقبل قریب میں بعثت عامہ کا باعث ثابت ہوگا۔

اعلان دعوت وارشاد کی پہلی منزل

کلام الٰہی کے اس حکم کے بعد جو کہ تبلیغ و دعوت حق کا پیغام تھا دعوت ارشاد نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور

۱: فترۃ کا زمانہ کس قدر رہا ہے اس سلسلہ میں چھ ماہ سے ڈھائی سال تک کے متعلق روایات پائی جاتی ہیں اور محدثین کا رجحان چھ ماہ کی جانب زیادہ ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اب ذات حق نے سورۂ شعراء کی آیات نازل فرما کر نبی اکرم ﷺ کو یہ فیصلہ سنایا کہ سب سے پہلے اہل قرابت اور رشتہ داروں کو دعوت حق دیجئے تاکہ دوسروں پر بھی اس کا اثر پڑے اور یوں بھی قریش اور بنی ہاشم کے قبول حق کا اثر تمام عرب قبائل پر پڑنا لازم ہے اس لئے کہ وہ سب قبائل کے سر خیل اور سرگروہ ہیں اور ساکنان حرم ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر ان کا دینی و دنیوی اثر ہے سورۂ شعراء میں ہے

وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ الَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ ○ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

اور (اے پیغمبر!) اپنے قریبی ناتے والوں کو (گمراہی سے) ڈرا اور جو مسلمان تیرے پیرو ہیں ان کیلئے اپنے بازوؤں کو پست رکھ (یعنی نرمی اور تواضع سے پیش آ) اگر وہ نافرمانی کریں تب تو ان سے کہہ دے میں تمہارے ان اعمال (بد) سے بری ہوں اور غالب رحم کرنے والی ذات پر بھروسہ کر جو تجھ کو اس وقت بھی دیکھتی ہے جب تو اس کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے اور اس وقت بھی جبکہ تو سجدہ کرنے والوں میں مل کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

گویا یہ "تکمیل و عمل" اور منصب رشد و ہدایت کے فیضان کے بعد دوسرا درجہ تھا، جس میں اعلان حق اور دعوت اسلام کی عملی صورت اختیار کرنے کے لئے تحریک کی گئی چنانچہ صحیح روایات شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اس زمانہ کے طریق اعلان کے مطابق یاصباحا "یاصباحا" "یاصباحا" کہہ کر خانوادۂ قریش کو پکارا اور جب سب جمع ہو گئے تو ایک مثال دے کر سمجھایا کہ بلاشبہ میں خدا کا پیغمبر اور رسول اور صراط مستقیم کے لئے ہادی برحق اور ارشاد فرمایا:

"لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک لشکر جرار جمع ہے اور تم پر حملے کے لئے آمادہ تو کیا تم مجھ کو صادق سمجھو گے او مصدقی؟ لوگوں نے کہا: ہم نے تجھ کو "الصادق الامین" پایا ہے تو جو کچھ کہے گا حق اور صداقت پر مبنی ہو گا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا! تو لوگو! میں تم کو خدائے وحد کی جانب بلاتا ہوں اور اصنام پرستی کی نجاست سے بچانا چاہتا ہوں تم اس دن سے ڈرو، جب خدا کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال و کردار کا حساب دینا ہے۔" (تاریخ ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸)

یہ صدائے حق جب قریش کے کانوں میں پہنچی تو وہ حیران رہ گئے اور باپ دادا کے دین بت پرستی کے خلاف آواز سن کر برافروختہ ہونے لگے گویا سب میں ایک آگ سی دوڑ گئی اور سب سے زیادہ آپ ﷺ کے حقیقی چچا ابو لہب کو طیش آیا اور غضبناک ہو کر کہنے لگا:

تبا لك سائر اليوم اما دعوتنا الا لهذا

تو ہمیشہ ہلاکت و رسوائی کا منہ دیکھے کیا تو نے اس غرض سے ہم کو بلایا تھا۔"[1]

1: سورۂ لہب کا نزول ابو لہب کی اسی گستاخانہ جرأت کے انجام بد کا اظہار کرتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عجب منظر ہے کہ چند گھڑیاں پہلے جس محمد بن عبداللہ کی صداقت وامانت اور خصائل حمیدہ سے ساری قوم متاثرہ کراس کی عظمت وعزت کرتی اوراس کے ساتھ والہانہ محبت کااظہار کرتی تھی وہی آج اس اعلان پر کہ میں محمد رسول اللہ ہوں یکلخت بیگانہ نفوراور خون کی پیاسی بن گئی۔

دعوت وارشاد کی دوسری منزل

سیرت کی کتابوں میں پڑھ آئے ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے خاندان اور برادری کے لوگوں کو راہ حق دکھانے اوران کی ایمانی اوراخلاقی حالت درست کرنے کی خاطر کیا کچھ نہیں کیا مگر قریش کے چند اصحاب کے سوائے کسی نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک نہ کہااور عداوت وبغض کواپنا شعار بنائے رکھا۔ تب ودعوت و ارشاد نے ترقی کے تیسرے زینہ پر قدم رکھااور ذات حق کی جانب سے حکم ہوا: اے داعی حق! خاندان اور برادری کے انکار وجود سے متاثر وغمگین نہ ہو اور اپنی مفوضہ خدمت پر استقامت کے ساتھ قائم رہو کیونکہ سعادت وشقاوت تمہارے قبضہ میں نہیں ہے تمہاراکام توصرف ابلاغ (پہنچانا) ہے البتہ اب خاندان کے دائرہ سے آگے بڑھ کر مکہ اور اطراف مکہ کے قبائل واقوام کو بھی یہ پیغام حق سناؤاور دعوت وارشاد کا تحفہ ان کے سامنے بھی رکھو تاکہ جو سعید روحیں پیغام حق کیلئے مضطرب اور بے چین ہیں وہ اس پر لبیک کہہ کر تسکین پائیں اور روح تشنہ کو آب وحیات سے سیراب کریں۔

وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

اور (دیکھو) یہ کتاب (قرآن) ہے جسے ہم نے (توراۃ کی طرح) نازل کیا، برکت والی اور جو کتاب اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس لئے نازل کی تاکہ تم ام القریٰ (یعنی شہر مکہ) کے باشندوں کو اوران کو جو اس کے چاروں طرف ہیں (گمراہیوں کے نتائج سے) ڈراؤ۔

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

اور اسی طرح ہم نے تم پر قرآن نازل کیا زبان عربی میں تاکہ (گمراہیوں کے نتائج سے) ڈراؤ، شہر مکہ کے باشندوں کواوران کو جو اس کے آس پاس ہیں۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے تبلیغ حق کو مکہ کی تحدید سے آزاد کر کے اطراف مکہ کے لئے عام کر دیا اور طائف، حنین اور یثرب (مدینہ) تک اپنی صدائے حق کو پہنچایا بلکہ مہاجرین کے ذریعہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ اصحمہ تک کو کلمۂ حق سنایا۔

بعثت عامہ

اس کے بعد دعوت وارشاد کی وہ تیسری منزل پیش آئی جو بعثت محمدی کا نصب العین اور مقصد وحید، اور تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ کے مقابلہ میں ذات اقدس محمد ﷺ کی بعثت کے لئے طغرائے امتیاز تھی یعنی خدائے برتر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نے آپ ﷺ کی بعثت عام قرار دیا اور حکم ہوا کہ آپ نہ صرف قریش کے لئے نہ صرف ام القری (مکہ) اور اطراف مکہ کے لئے نہ صرف عرب کے لئے نبی و رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں بلکہ آپ کی بعثت تمام کائنات انسانی کے لئے ہوئی ہے اور آپ عرب و عجم اور اسود و احمر سب کے لئے پیغامبر اور خدا کے ایلچی ہیں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(السبا، پ ۲۲ ع ۹)

اور ہم نے تم کو کائنات انسانی کے لئے پیغام دیکر بھیجا ہے (اعمال نیک پر) خوش خبری سنانے اور (اعمال بد پر) لوگوں کو ڈرانے کے لئے اور اکثر (جاہل) لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔"

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (فرقان پ ۱۸ ع ۱۶)

پاک اور برتر ہے وہ ذات جس نے حق و باطل کے درمیان تمیز دینے والی کتاب نازل فرمائی اپنے بندے (محمد ﷺ) پر تاکہ وہ تمام جہان والوں کو (انجام بد سے) ڈرائے۔

دعوت اسلام کا مجمل خاکہ اور حضرت جعفرؓ کی تقریر

نبی اکرم ﷺ سرزمین عرب میں مبعوث ہوئے اس لیے فطری طریق کار کے پیش نظر سب سے اول قوم عرب ہی ان کی دعوت و ارشاد کا مخاطب قرار پائی تاکہ جو قوم کل چوپایوں کی گلہ بان تھی نور نبوت سے مستنیر ہو کر کائنات انسانی کہ گلہ بان بن جائے اور خدائے برتر کے سب سے بزرگتر پیغمبر رسول ﷺ کے سایۂ رحمت میں تربیت پاکر کائنات ہدایت کے لئے خیر امت کا لقب پائے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ عرب جیسی سرکش، جاہل تمدن و حضارۃ سے یکسر محروم اور اخلاقی و ملی جذبات و احساسات سے قطعاً منحرف قوم پر اسلام کی دعوت نے فوری طور پر کیا اثر کیا تاکہ ہم بآسانی یہ اندازہ کر سکیں کہ جس مذہب کے بنیادی اصول و عقائد اور افکار و اعمال نے ایسی قوم کے تمام شعبہ ہائے حیات میں حیرت زا اور عظیم الشان انقلاب پیدا کر کے اس کو روحانی دنیا کا انسان بنا دیا اس مذہب کی صداقت کے لئے تنہا یہ ایک کارنامہ ہی روشن دلیل بن سکتا ہے۔

مشرکین مکہ کی پیہم مخالفت، ایذا رسانی اور ہولناک طریقہائے عذاب نے جب مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت کو افریقہ کے مشہور ملک حبشہ کی جانب ہجرت پر مجبور کر دیا اور وہ عیسائی حکمراں اصحمہ کی حکومت میں پناہ گزین ہو گئے تو سرداران قریش اس کو بھی برداشت نہ کر سکے اور اصحمہ کے دربار میں مشاہیر کا ایک وفد بھیج کر یہ مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو اسلئے ان کے حوالہ کر دے کہ یہ بد دین ہو کر اور باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر قوم میں تفرقہ پیدا کرنے کا باعث بنے اور یہاں رہ کر بھی حکمراں کے دین کے مخالف ہیں۔

اصحمہ نے وفد کا مطالبہ سن کر مسلمانوں کو جواب دہی کے لئے دربار میں طلب اور اسلام کے متعلق دریافت حال کیا تب حضرت جعفرؓ نے اسلام سے متعلق تقریر فرمائی اور اس کی مقدس تعلیم کا مختصر اور جامع نقشہ کھینچ کر اصحمہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا یہی وہ تقریری ہے جو دراصل عرب کے دور جاہلیت اور قبول اسلام کے دور کی انقلابی کیفیت کا مجمل مگر بہترین خاکہ ہے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے بادشاہ اور درباریوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"بادشاہ! ہم پر ایک طویل تاریک زمانہ گذرا ہے، اس وقت ہماری جہالت کا یہ عالم تھا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے تھے اور خود ساختہ پتھروں کی پوجا ہمارا شعار تھا، مردار خواری، زناکاری، لوٹ مار، قطع رحمی صبح و شام کا ہمارا مشغلہ، ہمسایوں کے حقوق سے بیگانہ، رحم و انصاف سے ہم نا آشنا اور حق و باطل کے امتیاز سے ہم ناواقف، غرض ہماری زندگی سر تا سر درندوں کی طرح تھی کہ قوی ضعیف کو کچلنے اور توانا، ناتواں کو ہضم کر لینے کو اپنے لئے فخر اور طغرائے امتیاز سمجھتا تھا۔

رحمت خدا کا کرشمہ دیکھئے کہ اس نے ہمارے اندر ایک بزرگ پیغمبر مبعوث کیا جس کے نسب سے ہم واقف، جس کی صداقت، امانت و عصمت پر دوست و دشمن دونوں گواہ، جس کی قوم نے اس کو محمد الامین کا لقب دیا، وہ یا اور اس نے ہم خدا کی توحید کا سبق دیا خدائے واحد کی جانب بلایا اس نے بتلایا کہ خدا کا کوئی سہیم و شریک نہیں، وہ شرک سے پاک ہے بت پرستی جہالت کا شیوہ ہے اس لئے قابل ترک ہے اور صرف خدائے واحد ہی کی عبادت حق عبدیت ہے۔ اس نے ہم کو حق گوئی اور صداقت شعاری کی تلقین کی اور صلہ رحمی کا حکم فرمایا، ہمسایوں اور کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک سکھایا، قتل و غارت کی رسم بد کو مٹایا، زناکاری کو حرام اور فحش کہہ کر اس ننگ انسانیت عمل سے ہم کو نجات دلائی، نکاح میں محارم اور غیر محارم کا فرق بتایا، جھوٹ بولنے، ناحق مال یتیم کھانے کو حرام فرمایا، نماز اور خیرات و صدقات کی تعلیم دی اور ہر حیثیت سے ہم کو حیوانیت کے قعر مذلت سے نکال کر انسانیت کبریٰ کے مرتبہ پر پہنچایا۔

بادشاہ! ہم نے اس مقدس تعلیم کو قبول کیا اور اس پر صدق دل سے ایمان لائے یہ ہے ہمارا وہ قصور جس کی بدولت یہ مشرکین کا وفد تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو ہم کو ان کے حوالے کر دے۔

(سیرت ابن ہشام جلد اول و تاریخ ابن کثیر ج ۳)

حضرت جعفرؓ نے اسلام کے صاف اور سادہ مگر روشن اصول کو جب اصحمہ کے سامنے جراءتِ حق کے ساتھ پیش کیا تو حبشہ کے حکمراں نے مسلمانوں کو اپنی پناہ سے نکال کر وفد کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا اور پھر حضرت جعفرؓ نے خوش الحانی کے ساتھ سورۂ مریم کی چند آیات تلاوت کیں تو نجاشی حبشہ بیحد متاثر ہوا اور آبدیدہ ہو کر اسلام کی صداقت پر ایمان لے آیا اور حضرت جعفرؓ کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہو گیا۔

یہ ہے دعوت اسلام کا مختصر خاکہ جس نے دنیا کے شب رنگ اور تاریک ترین خطہ انسانی کو ایک بہت ہی قلیل عرصہ میں مثل آفتاب تابناک اور روشن ترین بنا دیا۔ اس خاکہ میں میں اعتقادات، اخلاق اور اعمال حسنہ کا وہ تمام عطر موجود ہے جس کو قرآن عزیز نے مختلف سورتوں میں حسب حال اور مناسب مقام پر بکثرت بیان کیا ہے بلکہ پورا قرآن انہی روشن حقائق کا ہادی و مرشد ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن اور تجدید دعوت

نبی اکرم ﷺ کی بعثت جبکہ بعثت عام ہے تو از بس ضروری ہوا کہ کائنات انسانی کی رشد و ہدایت کے لئے خدا کا جو پیغام آپ ﷺ کے ذریعہ آئے وہ آخری پیغام اور کامل و مکمل پیغام ہو اور فطرت کے ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو کہ عقل سلیم اور فطرت مستقیم تمام کائنات انسانی کے لئے اس کو ابدی اور سرمدی پیغام یقین کرے اسی پیغام الٰہی کا نام "القرآن" یا "الکتاب" ہے۔

قرآن کی تعلیم اور اس کی دعوت و اصلاح کی حقیقت معلوم کرنے سے قبل چند لمحات کے لئے مذاہب عالم کی تاریخ پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

قرآن کے نزول سے قبل کائنات انسانی پر چار مذہبی تصور حاوی اور فکر و نظر ذہنی پر اثر انداز تھے: ہندومت، مجوسی، یہودی اور مسیحی۔

ہندومت تصور الٰہی کے متعلق خواص اور عوام کیلئے دو جدا جدا تخیلات رکھتا تھا خواص کیلئے وحدۃ الوجود[1] اور عوام کیلئے اصنام پرستی، وحدۃ الوجود کا تصور اس درجہ فلسفیانہ تھا کہ خدا کا صحیح تصور کسی طرح اس راہ سے ممکن نہ تھا اسلئے کہ اگر ایک جانب وہ ہر وجود کو خدا یا خدا کا جزء مانتا ہے تو دوسری جانب خدا کیلئے کوئی محدود عدد متعین تخیل بتانے سے عاجز تھا یہی وجہ ہے کہ ہندومت کے تمام اسکولوں (مذاہب) میں اصنام پرستی ہی کو مذہبی امتیاز رہا اور وہ توحید خالص کو مقبول خواص و عوام نہ بنا سکا۔ چنانچہ ویدک دھرم، بدھ مت، جین مت وغیرہ بلکہ جدید اصلاحی اسکول (مذہب) آریہ سماج سب کے سب توحید خالص کے تصور سے خالی ہیں۔

مجوسی مذہب کا اعتقادی تصور تو صاف صاف ثنویت کی بنیادوں پر قائم ہے یعنی وہ خدا کے تصور تخیل کو خیر و شر کی جدا جدا دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ نور اور خیر کا خدا یزداں اور ظلمت و شر کا اہرمن ہے اور اس طرح خدائے خیر اور خدائے شر دو خدا کائنات ہست و بود پر متصرف اور باہم متقابل ہیں۔

یہودی مذہب اگرچہ خدا کے تصور میں مدعی توحید رہا ہے لیکن موجودہ تورات کے اوراق شاہد ہیں کہ اس کی نگاہ میں خدا کی ہستی تجسم سے پاک نہیں ہے اسی لئے تورات کا تخیلی خدا کہیں حضرت یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑتا نظر آتا ہے اور یعقوب علیہ السلام اس کو پچھاڑ دیتا ہے اور کہیں اس کی انتڑیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے چیختا نظر آتا ہے کبھی وہ بنی اسرائیل کو اپنی چہیتی بیوی بنا لیتا ہے تو کبھی مصر سے خروج کے وقت بادل اور آگ کا ستون بن کر بنی اسرائیل کی راہنمائی کرتا نظر آتا ہے اور کبھی اس کی آنکھیں دکھنے آجاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اس تصور کا آخری مظاہرہ حضرت عزیر (عزرا) علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرنے پر مشمر ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مسیحی تصور بھی تجسم و تشبہ کے چکر میں آکر حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیتا اور اسطرح مشرکانہ عقیدہ اوتار کا تخیل اپنا لیتا ہے اور اقانیم ثلثہ (تثلیث) اور مریم پرستی میں حقیقی خدا پرستی کو گم کر بیٹھتا ہے۔ خدا کی ہستی سے متعلق یہ وہ تصورات تھے جن میں دنیا کے بڑے بنیادی مذاہب نزول قرآن کے وقت مبتلا

۱: یہاں وہ وحدت الوجود مراد ہے جو یوگیانہ تصور کا نچوڑ ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نظر آتے ہیں۔

ان سب مذاہب میں توحید حقیقی سے غفلت نے رسالت یعنی دعوت حق کے داعی کی شخصیت کے متعلق بھی غلط تصورات پیدا کر دیے تھے چنانچہ ہندوستان کے مذہبی تصور میں تو رسالت و نبوت اپنے صحیح معنی میں نظر ہی نہیں آتی اور وہ نبی و رسول کے مفہوم سے ہی یکسر نا آشنا نظر آتا ہے اور مجوسی، یہودی اور مسیحی مذاہب کے معتقدات میں اگر یہ تصور پایا بھی جاتا ہے تو افراط و تفریط کی شکل میں کبھی ابن اللہ ہو کر اور کبھی بداخلاق و بداعمال انسان کا پیکر بن کر جیسا کہ تورات میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کا ان کے ساتھ اختلاط کا واقعہ مذکور ہے (العیاذ باللّٰہ من ھذہ الخرافات و الا فتراء ات)۔

گویا ان کے نزدیک یا تو رسول اور داعی حق کی شخصیت کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی اور یا پھر خدا خدا کا اوتار اور خدا کا بیٹا بن کر سامنے آتی ہے اور اس لئے جس طرح وہ حقیقی توحید سے بیگانہ نظر آتے ہیں اسی طرح رسالت و نبوت کے صحیح تصور سے بھی محروم ہو چکے ہیں۔

اسی طرح عالم آخرت کے متعلق بھی ان مذاہب کے تصور کی دنیا افراط و تفریط سے خالی نہیں تھی، بعض مذاہب میں تو کائنات انسانی مختلف چولوں کے چکر میں گرفتار نظر آتی اور آواگون (تناسخ) کے ناقص فلسفیانہ نقطہ نگاہ کا رہین منت بنی ہوئی ہے اور ایک حد پر پہنچ کر "برہم" یعنی خدا میں جذب ہو جانا نجات کا آخری نقطہ متعین کیا جاتا ہے نیز خیر و شر کی جزا و سزا کے بارہ میں ایک قادر مطلق خدا نہیں بلکہ ایک جبری قانون میں جکڑی ہوئی مجبور ہستی کا تصور پیش کرتا ہے اور بعض اگرچہ تناسخ کے غلط عقیدہ سے جدا یوم معاد اور یوم حساب کے تصور سے آشنا بھی ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی عالم آخرت کا معاملہ اعمال صالحہ و سیئہ یا افعال و کردار کے حق و باطل کی جزا و سزا سے وابستہ نہیں ہے بلکہ نسلی امتیازات اور جماعتی فرقہ بندی اور یا پھر کفارہ کے ساتھ مربوط ہے۔

ان چار بنیادی مذاہب عالم کے علاوہ مشرکین اور فلاسفہ کی بعض ایسی جماعتیں بھی تھیں جو نہ خدا کی ہستی کی قائل ہیں اور نہ عالم آخرت کی اور خدا کی ہستی پر اور اگر ایمان بھی رکھتی تھیں تو سیکڑوں ہزاروں بلکہ بے تعداد بتوں کی باطل پرستی کے ساتھ ملوث و مجروح۔

غرض یہ تھے مذاہب عالم کے وہ ذہنی تصورات اور فکری معتقدات جن پر کائنات انسانی کی روحانی اور سرمدی سعادت کا مدار سمجھا جاتا تھا اور جو بلا شبہ اپنے نتائج و ثمرات کے لحاظ سے کائنات انسانی کو مشعل ہدایت دکھا کر انسانیت کبریٰ کے درجہ تک پہنچانے اور انسانوں کا خدا کے ساتھ حقیقی معبود و عبد ہونے کا رشتہ قائم کر کے دین و دنیا کی خیر و فلاح تک پہنچانے میں قطعی تہی دامن تھے۔

انہی حالات میں "اسلام" کی دعوت و تبلیغ یا "تعلیم حق" نے رونمائی کی اور کائنات انسانی کے ہر شعبۂ حیات میں گوناگوں انقلاب پیدا کر کے نیا عالم پیدا کر دیا اور آفتاب ہدایت کی روشنی سے منور بنا کر اس کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

توحید

نبی اکرم ﷺ نے خدا کے کلام (قرآن) کے ذریعہ سب سے پہلے اسی عقیدۂ توحید پر روشنی ڈالی اور توحید خالص کی حقیقت واضح کر کے تمام کائنات انسانی کو اس کی جانب دعوت دی۔

قرآن عزیز کی دعوت توحید کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ایک ایسی ہستی کا نام ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر قسم کے شرک سے پاک اور وراءالوراء ہے نہ اس کا کوئی سہیم و شریک ہے اور نہ اس کا ہمتا و ہمسر اس کیلئے ابنیت کا عقیدہ ہو یا اوتار کا صنم پرستی ہو یا وثنیت و تثلیث یہ سب باطل ہیں وہ یکتا و بے ہمتا ہے، باپ، بیٹا اور اس قسم کی نسبتوں سے پاک ہے پرستش کے قابل وہ خود ہے نہ کہ اس کے مظاہر اور اس کی مخلوقات وہ جس طرح تجسم و تشبہ سے بالاتر ہے اسی طرح اس کا نہ کوئی مقابل ہے اور نہ کوئی حریفانہ سہیم:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ

اللہ اس ہستی کا نام ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود اور خدا نہیں ہے اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی نہ خدا ہے نہ معبود وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور زندگی کا بخشنے والا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

پس تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ط اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

اللہ کا کسی کو شریک نہ بنا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اور خدا تمہارا ایک ہی خدا ہے۔

یہ اور اسی مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن عزیز میں توحید خالص کی داعی اور مناد ہیں لیکن سورۂ اخلاص یا سورۂ توحید میں جس معجزانہ اختصار کے ساتھ توحید سے متعلق موجودہ مذاہب کے ناقص اور غلط تصورات کو باطل کرتے ہوئے توحید خالص کی تعلیم دی گئی ہے۔

وہ خود اپنی نظیر ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○

(اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے اللہ یکتا ذات ہے اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ اس کا کوئی ہمسر اور سہیم و شریک ہے۔

ایک مرتبہ توحید سے متعلق مذاہب عالم کی تعلیم پر نظر کیجیے اور پھر ان چند مختصر آیات کو غور و فکر کے ساتھ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ملاحظہ فرمایئے تو آپ اندازہ کر سکیں گے کہ پہلی دو آیات میں توحید خالص کا صحیح اور حق تصور پیش کر دیا گیا ہے قرآن کہتا ہے کہ اللہ ایسی ہستی کا نام ہے جو یکتا و بے ہمتا ہے ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ ہر قسم کی احتیاج سے پاک اور بے نیاز ہے وہ صمد ہے یعنی مجموعۂ کمالات صمدیت کا حصہ ہے اور بس۔

اس کے بعد وہ نصاریٰ اور یہود سے مخاطب ہو کر شمع ہدایت دکھاتا ہے کہ اللہ اس ہستی کو کہتے ہیں جو باپ اور بیٹے جیسی فانی نسبتوں سے بالاتر ہے وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا تعالی اللہ علوا کبیرا اور اسی طرح ہندو دھرم سے کہتا ہے کہ ایسی لازوال ہستی کی مقدس شان اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ کسی انسان یا حیوان کے جسم میں محدود ہو کر اوتار کہلائے یا اس معبود مطلق کے ساتھ چھوٹے معبودوں کا سلسلہ قائم کر کے کسی مخلوق کو کا سہیم و شریک ٹھہرایا جائے سبحانک ھذا بہتان عظیم اور وہ اس کا مقابل حریف تسلیم کرتے ہیں یا روح (جیو) اور مادہ (پرکرتی) کو خدا کے ساتھ ازلی و ابدی (قدیم و غیر مخلوق) کہہ کر ان چیزوں کو خدا ساتھ ازلی و ابدی (قدیم و غیر مخلوق کہ کر ان چیزوں کو خدا کا کفو اور ہمسر بتلاتے ہیں، اور کہتا ہے ولم یکن لہ کفوا احد خدا اس ہستی کا نام ہے جس کا نہ کوئی ہمسر اور حریف ہے اور نہ اس کی طرح انادی (قدیم) ور غیر مخلوق ہے۔

غرض قرآن عزیز نے خدا کی ذات واحد سے متعلق ان تمام نسبتوں کا قطعی انکار کر کے جو توحید خالص کے کسی طرح بھی معارض ہوتی تھیں اس کو یکتا اور بے ہمتا ظاہر کیا ہے اور اس طرح شرک فی الذات اور شرک فی الصفات کا قلع قمع کر دیا ہے اور شرک فی الالوہیۃ اور شرک فی الربوبیۃ کے خلاف توحید اور صرف توحید کو ہی اسلام کا بنیادی تصور قرار دیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جس طرح قرآن نے توحید کے تمام اطراف و جوانب کو نقص و خام کاری سے پاک کر کے حقیقی توحید کے تصور کی جانب راہنمائی کی اور ہر قسم کے تجسم سے وراء الوراء بتلا کر توحید کامل کی جانب دعوت دی اسی طرح اس نے توحید کے اس فلسفیانہ عقیدہ کو بھی باطل ثابت کیا جو اس باب میں تفریط کی حد تک بڑھ کر صفت الٰہی کا بھی منکر ہو گیا اور کہنے لگا کہ وہ قادر ہے بغیر قدرت کے خالق ہے بغیر خلق کے بصیر ہے بغیر رویت کے، سمیع ہے بغیر سمع وغیرہ وغیرہ۔ اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ خدا ایسی ہستی کا نام ہے جس کے لئے "تعطل" لازم ہے جیسا کہ پہلی تعلیمات کا حاصل یہ تھا کہ کسی نہ کسی رنگ میں خدا کیلئے تجسم ضروری ہے۔

قرآن نے کہا کہ پہلی کیفیت اگر افراط پر مبنی تھی تو یہ تفریط پر قائم ہے اس لئے کہ ایک ذات کے لئے متعدد صفات کمال کا ہونا ذات کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہے اس لئے بلا شبہ وہ سمیع و بصیر ہے سنتا ہے اور دیکھتا ہے لاریب وہ قدرت کاملہ کے ساتھ قادر ہے اور صفت رحم و کرم کے ساتھ رحیم و کریم ہے البتہ اس کی صفت سمع و بصر صفت رحم و کرم وغیرہ صفات کا انسانی صفات سمع و بصر سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے اور جس طرح وہ اپنی ذات میں بے ہمتا اور یکتا ہے اسی طرح صفات میں بھی ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

اس (خدا) کی کوئی مثال نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ سنتا ہے دیکھتا ہے۔

غور فرمایئے کہ کس معجزانہ تعبیر کے ساتھ ایک ہی آیت اور ایک ہی جملہ میں اس کی صفات کمالیہ کا اعتراف بھی مذکور ہے اور یہ بھی وضاحت موجود کہ خدا کی ان صفات کو انسانی صفات کی طرح نہ سمجھو بلکہ اس کی ذات کی طرح اس کی صفات بھی لیس کمثلہ شیٔ کے عنوان سے معنون اور انسانی صفات کی حقائق کے مقابلہ میں بے مثال و بے نظیر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدائے برتر کی توحید جب ہی حقیقی توحید کہلا سکتی ہے کہ اس میں نہ تجسم کا عقیدہ شامل حال ہو اور نہ تعطل کا کہ یہ دونوں افراط و تفریط کی راہیں ہیں بلکہ عقیدہ یہ ہو کہ اللہ اپنی ذات میں بھی بے ہمتا و یکتا ہے اور اپنی صفات میں بھی اور وہ ہر طرح کے شرک و کفو سے پاک اور برتر ہے۔

رسالت

توحید حقیقی کے ثبوت کے بعد قرآن نے رسالت کے بنیادی عقیدہ کی اصلاح بھی ضروری سمجھی اور اس نے بتلایا کہ کسی تعلیم کے حسن و قبح میں معلم کی شخصیت کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اچھی تعلیم کا معلم بد عمل انسان ہو یا بری تعلیم کا معلم نیکوکار، اور جبکہ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ خدا ہر ایک انسان کے ساتھ براہ راست ہم کلام نہیں ہوتا از بس ضروری تھا کہ کائنات انسانی کی ہدایت کیلئے ایک انسان ہی کو معلم بنایا جائے اور وہی خدا کی جانب سے رسالت اور پیغامبری کا فرض انجام دے۔

پس بشری اوصاف سے متصف یہ انسان نہ خدا ہو گا اور نہ خدا کا بیٹا یا خدا کا اوتار بلکہ بشر انسان ہی رہے گا نیز خدا کے پیغامبر ہونے کی وجہ سے پاکی اور تقدس کا جو رشتہ اس کو خدا کی درگاہ سے وابستہ کیے ہوئے ہے اس کے پیش نظر اس کی ہستی کا نہ انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو دوسرے انسانوں کے مساوی کہا جا سکتا ہے اس لئے قرآن نے جگہ جگہ مسیح ابن مریم اور عزیر علیہ السلام کے متعلق اس حقیقت کو واضح کیا کہ وہ خدا کے مقدس رسول ہیں خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں نیز یہ بھی بتلایا کہ اگر ایک انسان تمہاری طرح کھاتا بھی ہے اور پیتا بھی اور بازاروں میں چلتا پھرتا خرید و فروخت کرتا اور گھر میں اہل و عیال کے ساتھ معاشرتی زندگی بسر کرتا ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ وہ خدا کا فرستادہ رسول نہیں ہے اور کس طرح یہ جائز ہے کہ ایک صادق و امین ہستی کے اس دعویٰ کو تم محض قیاس کی بناء پر جھٹلا دو کہ وہ خدا کا رسول نہیں ہے۔

قرآن نے ان حقائق کو جن صاف اور واضح تعبیرات کے ساتھ بیان کیا ہے گذشتہ صفحات میں آپ ان کا مطالعہ فرما چکے ہیں۔

پس جس کتاب میں نبوت و رسالت سے متعلق صحیح تصور موجود نہ ہو وہ کبھی اپنی مذہبی تعلیمات کی صداقت کی مکمل تصویر نہیں پیش کر سکتی، یہی وہ عقیدہ ہے جس کی حقیقت میں ایمان بالرسل ایمان بالکتب ایمان بالملائکۃ" سب بنیادی عقائد سمٹ کر جذب ہو جاتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ جبکہ ہدایت انسانی کے لئے خدائے تعالیٰ اپنی پیغامبری کیلئے ایک انسان اور بشر کو ہی چن لیتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسان نے جب سے اس کائنات میں قدم رکھا ہے اسی وقت سے رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ قائم ہے۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

کوئی گروہ یا جماعت ایسی نہیں ہے کہ جس میں ہماری جانب سے نذیر (پیغامبر) نہ گذرا ہو۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○

اور ہر قوم کے لئے ہادی آئے ہیں۔

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

ان میں سے بعض کے واقعات کا ہم نے قرآن میں تذکرہ کر دیا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں نہیں کیا۔

اور یہ یقین لانا بھی ضروری ہے کہ جبکہ خدا ایک ہے اور اس کی تعلیم ایک تو بلا شبہ تمام پیغمبران خدا کی بنیادی تعلیم بھی ایک ہی رہی ہے اور اس لئے اگر خدا کے کسی ایک برحق نبی و رسول کا بھی انکار کر دیا گیا تو گویا اس نے پوری دعوت قرآنی کا انکار کر دیا پس یہ ایمان ضروری ہوا:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

ہم خدا کے پیغمبروں میں پیغمبر ہونے کے لحاظ سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے (کہ ایک کو مان لیں اور دوسرے کو انکار کر دیں)

لہٰذا جب تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا از بس ضروری ہوا تو ان پر نازل شدہ تمام کتب سماویہ پر بھی ایمان لانا جزء ایمان ہو گا ورنہ تو ایک جانب سے ایمان لا کر دوسری جانب سے اس پیغمبری کی صداقت کا انکار لازم آئے گا اور جب رسالت اور رسالت کے ساتھ کتب سماویہ پر ایمان حقیقت ثابتہ بن جائے تو ملائکۃ اللہ پر اس لئے ایمان لانا ضروری ہو گا کہ خدا کے ان پیغمبروں نے یہ صاف صاف اعلان کیا ہے کہ خدا کی جانب سے اپر یہ وحی خدا کا فرشتہ لے کر آتا ہے تو اب یا ہم اس پیغمبر کی صداقت کا انکار کر دیں اور یا پھر بن دیکھے فرشتہ پر اس لئے ایمان لے آئیں کہ بتلانے والی ہستی اپنے کردار و اعمال میں ہر طرح صادق و امین اور امراض دماغی قلبی جنون و سحر سے ہر طرح پاک ہے اور ضروری نہیں ہے کہ جس شے کو آنکھوں نے دیکھا ہو اور کانوں نے نہ سنا ہو وہ حقیقت میں بھی غیر موجود ہو کیونکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ کسی شے کے عدم علم سے اس شے کا عدم لازم نہیں آتا یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس بات کو ہم نہیں جانتے وہ واقع میں بھی موجود نہ ہو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یوم آخرت

نبی اکرم ﷺ نے خدا کے آخری اور مکمل پیغام قرآن کے ذریعہ تیسری بنیادی اصلاح یوم آخرت سے متعلق فرمائی۔

مذاہب عالم اس سلسلہ میں بھی راہ مستقیم سے روگرداں اور افراط و تفریط کے بحر ظلمات میں پھنسے ہوئے تھے وہ یا تو آواگون[1] (تناسخ) کے چکر میں یوم آخرت کے اس تصور سے قطعاً بیگانہ ہو چکے تھے اور قیامت (پر لے) کا تعلق انسانی اعمال کی جزاء و سزا اور یوم الحساب سے غیر متعلق سمجھ چکے تھے اور یا پھر اس دن نجات کا مدار اور جزاء و سزا کا معیار اعمال و کردار کی جگہ نسل و خاندان اور سوسائٹی کی معاشرتی گروہ بندی پر سمجھ بیٹھے تھے اور کفارہ کو عقیدہ بنا کر کر حساب و محاسبۂ اعمال سے مطمئن ہو چکے تھے اور مشرکین اور بعض فلاسفہ نے تو یوم آخرت کے وجود ہی کا انکار کر دیا تھا اور ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ آج کا مردہ انسان کل کس طرح زندگی اختیار کر لے گا اور سیکڑوں اور ہزاروں برس کی بوسیدہ ہڈیاں یوم حساب میں کس طرح جسم بن کر اپنی

1: اس موقع پر اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے متعلق اگرچہ بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے تاہم اس قدر سمجھ لینا ضروری ہے کہ تناسخ (آواگون) کا عقیدہ اس اساس پر قائم ہے کہ ایک انسان کی موجودہ زندگی سابق میں کئے ہوئے اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے ورنہ کائنات میں یہ تنوع ہرگز نہ ہوتا کہ کوئی انسان ہے تو کوئی حیوان اور کوئی نباتات و جمادات، نیز انسانوں میں کوئی عالم ہے تو کوئی جاہل اور کوئی صحتیاب ہے تو کوئی مریض اور کوئی امیر کبیر ہے تو کوئی مفلس و محتاج وغیرہ وغیرہ۔
اس عقیدہ کا مقصد یہ ہوا کہ بغیر عمل و کردار کے اگر عالم میں یہ تغیرات موجود ہیں تو یہ تو یہ خدا کی صفت عدل کے منافی ہے لیکن اس عقیدہ کی خام کاری اور بطلان کی مختلف وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اگر روح اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف جون بدل کر ان تغیرات عالم کا باعث ہے جو مجموعہ کائنات کے حسن کا باعث ہیں اور جس کی بدولت یہ پورا کارخانہ مکمل نظام کے ساتھ وابستہ نظر آتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انسان کیلئے فطری اور نیچرل طور پر گنہگار، بدکار اور بداعمال ہونا از بس ضروری ہے تاکہ مجموعہ کائنات کا یہ حسن نہ صرف یہ کہ پیدا ہو بلکہ قائم رہے جس کا تغیرات اور تنوعات پر مبنی ہونا از بس ضروری ہے۔
دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دیجئے کہ جون بدل کر آواگون کی زندگی اگر اعمال کی جزا و سزا سے متعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کہ حضرت انسان کیلئے نیکوکار بننے کی جگہ زیادہ سے زیادہ بدکار ہونا چاہئے تاکہ آئندہ نظام عمل میں یہ تنوع باقی رہے جس کا باقی رہنا عقل و فطرت کے مطابق ہے ورنہ تو حیوانات، نباتات، جمادات کے فقدان سے انسانی دنیا کا یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔
تناسخ کے ناقص فلسفیانہ عقیدہ پر یقین رکھنے والوں نے اس حقیقت کو یکسر فراموش کر دیا ہے کہ ایک چیز اپنی انفرادیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی قبیح اور بری معلوم ہو لیکن مجموعہ کائنات کے پیش نظر اسکا وجود بھی اپنے اندر ضرور حسن رکھتا ہے مثلاً تل (خال) اپنے رنگ و روپ میں کیسا ہی سیاہ فام کیوں نہ ہو لیکن محبوب کے رخسار پر نہ خود حسین بن جاتا ہے بلکہ حسن محبوب کو دوبالا کر دیتا ہے اور حافظ شیرازیؒ جیسے صوفی کو "خالِ محبوب" پر سمرقند و بخارا بخش دینے پر آمادہ کر دیتا ہے۔
اسی طرح عالم و کائنات میں انفرادی طور پر کسی کا مریض ہونا، اپاہج و معذور ہونا، ناقص الخلقت ہونا وغیرہ گو قبیح اور قابل افسوس نظر آتے ہوں۔ مگر مجموعہ کائنات کے حسن کیلئے فطری (نیچرل) ہیں اور اس تنوع پر ہی دنیا کے نظام کا بقاء ہے اور خالق کائنات کے کمالاتِ آفرینش کا آئینہ دار۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

روح کے لئے لباس بن سکیں گی۔

قرآن نے نازل ہو کر دنیاء انسانی کو بتایا کہ اس صاف اور واضح بات کے سمجھنے میں آخر تم پر کیوں وحشت طاری ہوتی ہے اور کیوں تمہاری عقل اس کو نہیں تسلیم کرتی کہ جس خالق کائنات اور بدیع السموت والارض نے نمونہ اور نقشہ کے بغیر یہ عجیب و غریب عالم آفرینش کر دیا وہ بلا شبہ اس پر قادر ہے کہ ماضی میں مخلوق اور حال میں مردہ و بوسیدہ ہستی کو مستقبل میں دوبارہ وجود عطا فرمادے اور اس کے منتشر اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ وہی ہیئت جسمانی عطا اور سابق روح کو اس میں واپس کر دے۔

یا تو صاف کہو کہ اس کائنات کو کسی بلند و بالا ہستی نے پیدا نہیں کیا جس کو خدا (اللہ) کہتے ہیں اور اگر یہ مانتے ہو تو یہ قطعاً عقل کے خلاف ہے کہ جو ابتدائی آفرینش کر سکے وہ اس آفرینش کو دہرا نہ سکے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ○ أَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ○

اور انسان کہتا ہے کہ بھلا جب میں مر گیا تو کیا میں (قبر سے) زندہ نکالا جاؤں گا کیا انسان یہ یاد نہیں کرتا کہ ہم نے پہلے اسے پیدا کیا حالانکہ وہ کوئی چیز نہیں تھا۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ط قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ أَنْشَأَهَآ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○

اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش کی حقیقت کو بھول گیا کہتا ہے کہ ہڈیاں جب گل کر خاک ہو گئی ہوں تو کون ہے جو ان کو زندہ کر کے کھڑا کر دے (اے محمد ﷺ) کہہ دیجئے کہ جس نے ان ہڈیوں کو اول بار پیدا کیا تھا وہی ان کو زندہ کرے گا اور وہ سب کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

یہ مشرکین مکہ تھے جو خدا اور خالقیت خدا کے تو قائل تھے مگر دوسری زندگی کے منکر و کافر اور جاحد تھے پھر اس نے ان کو بھی مخاطب کیا جو کہتے تھے کہ آخرت کا تصور اس لئے فضول ہے کہ یہ کائنات کسی کی مخلوق ہی نہیں۔ مادہ اور اس کی حرکت یونہی ازل سے ابد تک کائنات کا روپ و رنگ اختیار کیے ہوئے ہے اور حرکت و کشش دو قوتیں اس نظام عالم کے ہر قسم کے تنوعات کے کفیل ہیں قرآن نے کہا یہ گمراہ کن تصور ایک بنیادی غلط فہمی پر مبنی ہے وہ یہ کہ عقل اور سائنس کے خلاف یہ سمجھ لیا گیا کہ ذرات مادہ (اجزاء اثیریہ) میں شعور و ارادہ نہ ہونے کے باوجود (حرکت، قوت استعداد اور کشش کے ذریعہ خود بخود ایسی اشیاء وجود پذیر ہو سکتی ہیں جن کا مواد (میٹریل) ان ذرات میں موجود نہیں یعنی مادہ میں بالقوۃ بھی نہ شعور ہے اور نہ ارادہ، نہ جذبات ہیں نہ احساسات، نہ ادراکات ہیں اور نہ عقل و تمیز ورنہ تو جسم کو بالقوۃ ان صفات کا حامل کہنا بجا ہوتا، لیکن یہ مسلمات میں سے ہے کہ جسم کو نہ شعوری کہہ سکتے ہیں نہ جذباتی، نہ ذی ادراک کہا جا سکتا ہے اور نہ ذی عقل و صاحب تمیز پس دلیل وجدان جو فطری دلائل میں سب سے زیادہ مضبوط اور نیچرل دلیل ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کراتی ہے کہ جبکہ تمام موجودات عالم میں انسان موجودات عالم کی ارتقائی ہستی اور اشرف الموجودات ہے اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس میں جذبات، حسیات، ادراکات، شعور اور عقل جیسے لطیف اوصاف موجود نظر آتے ہیں حالانکہ بلا شبہ مادہ کی قوت واستعداد میں یہ معدوم تھے تو اس میں قطعاً شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ انسان سے بلند ضرور ایک ایسی ہستی موجود ہے جو قدرت وارادہ کی علی الاطلاق مالک اور تمام موجودات کی خالق ہے اور اس میں بھی کوئی ریب وشک نہیں کہ انسان ایسی ذی عقل وذی شعور اور صاحب ارادہ وہستی کی تخلیق محض بے فائدہ نہیں ہے اور اس کی زندگی کے اعمال اور کردار بے وجہ اور مہمل نہیں ہیں اور جبکہ ہم اس دنیا میں انسانوں کے اعمال و کردار کی جزاء وسزا کا مظاہرہ نہیں دیکھتے تو وجدان ہی ہمارے لئے رہنمائی کرتا ہے کہ ایک ایسا دن ضرور مقرر ہے جب کائنات انسانی اپنے اعمال وکردار کی جزاء وسزا کا نتیجہ وثمرہ پائیگی اور اسی کو یوم القامیہ، یوم الآخرۃ اور یوم الحساب کہتے ہیں چونکہ یہ دن اپنی پائیداری اور قیام کی وجہ سے خاص اہمیت رکھتا ہے اسلئے یوم القیمہ کہلاتا ہے اور چونکہ دنیائے موجودہ کے بعد ہے اسلئے یوم الآخرہ ہے اور چونکہ جزاء وسزا اور اعمال کے محاسبہ پر مشمر ہوگا اسلئے یوم الحساب ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ (پ ۲۲ ع ۷)

اور منکرین کہتے ہیں کہ قیامت ہم کو تو کبھی نہیں آئے گی۔ اے محمد! ﷺ کہہ دیجئے ہاں ہاں مجھ کو اپنے پروردگار کی قسم جو عالم الغیب ہے قیامت تو تم کو ضرور پیش آکر رہے گی۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ○

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مہمل اور بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔

أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ○ (پ ۲۹، ع ۱۸)

کیا خدا اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کردے؟

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ ○ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ○ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ○ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ○

گواہ ہے انجیر وزیتون (کے باغات سے سرسبز وشاداب وہ مقام بیت اللحم جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی) اور گواہ ہے طور سیناء (جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفرازی نصیب ہوئی اور گواہ ہے یہ بلد امین (مکہ جہاں محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی) کہ بلاشبہ ہم نے انسانوں کو بہتر سے بہتر قوام سے بنایا پھر اس کو نشیبوں کے سب سے نیچے مقام پر دھکیل دیا مگر وہ انسان جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے بے منت واحسان اجر وثواب ہے۔ تو اب وہ کیا بات ہے جو تجھ کو دین (قیامت) کے جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے کیا اللہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حاکموں میں سب سے بہتر حاکم نہیں ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن عزیز کہتا ہے کہ آخرت کے انکار پر منطقی دلائل قائم کرنے اور سفسطہ اور غلط روش کو اختیار کر کے ادھر ادھر بھٹکنے کی آخر ضرورت کیا ہے جبکہ انسان کی سب سے قریب اور سب سے زیادہ مضبوط دلیل وجدان خود بخود اس جانب راہنمائی کرتی ہے کہ یہ نظام عالم جس طرح حیرت زا اور محیر العقول نظام فطرت سے منظم اور قوانین فطرت کے ہاتھوں میں مسخر ہے ہو نہیں سکتا کہ یہ خود رو نظام ہو اور جبکہ اس کا کوئی خالق ضرور ہے تو اس نے خیر و شر کے ثمرات و نتائج کے لئے بھی ضرور کوئی وقت مقرر کیا ہے ورنہ یہ کامل و مکمل نظام ثمرہ اور نتیجہ کے پیش نظر ایک مہمل شے ماننی پڑے گی پس نتیجہ اور ثمرہ کا وہ دن ہی یوم آخرت کے نام سے موسوم ہے جو نہ تناسخ کے چکر سے وابستہ ہے اور نہ ازلیت و ابدیت عالم کا حامل بلکہ جس طرح عالم کی ہر شے کا ایک آغاز ہے اور ایک انجام اسی طرح خود اس پورے عالم کا بھی ایک آغاز اور انجام از بس ضروری ہے۔

پس مومن اور مسلم وہی ہے جو توحید خالص رسالت کے صحیح تصور اور یوم آخرت پر یقین کامل کے سر رشتہ کے ساتھ پیوستہ ہو اور یہی وہ تین بنیادی عقائد ہیں جو دین کے حقیقی تصور یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسل، ایمان بالکتب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر اور ایمان بالآخرہ سب ہی پر حاوی ہیں اور یہی و دین کامل ہے جس کی تشریح قرآن عزیز نے سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں اس طرح کی ہے:

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

رسول محمد ﷺ ایمان رکھتے ہیں اس شے پر جو اس پر ان کے رب جانب سے اتاری گئی ہے (یعنی قرآن) اور ہر ایک (ایماندار) ایمان رکھتا ہے خدا پر فرشتوں پر سماوی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، (وہ کہتے ہیں خدایا) ہم تیرے پیغمبروں کے درمیان کسی ایک کو بھی پیغمبر تسلیم کرنے کے سلسلہ میں فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے تیرا حکم سنا اور اس کی پیروی کی اے پروردگار ہم تجھ سے مغفرت کے خواہاں ہیں اور ہم کو آخر کار تیری ہی جانب لوٹنا ہے۔

مابعد الطبیعاتی عقائد و افکار سے متعلق قرآن حکیم کی یہی وہ اصلاحی اور انقلابی تعلیمات تھیں جن کو نبی اکرم ﷺ نے اول عرب کے سامنے روشناس کیا اور پھر تمام کائنات انسانی تک پہنچا کر مذاہب کی دنیا ہی بدل ڈالی اور اسلام کی اس دعوت توحید نے مذاہب عالم میں ہل چل پیدا کر دی اور کسی نہ کسی رنگ میں ان کو توحید حقیقی کے اس ارتقائی نقطہ کی جانب جھکنا پڑا اور اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان رشتہ معبودیت و عبودیت ہی کو صحیح نقطہ نظر پر استوار اور عقائد اور مابعد الطبیعاتی افکار کے رخ روشن کو آشکار کر دیا، بلکہ اس نے ایمان اور عمل صالح کو دین کی بنیاد بنا کر اخلاق معاشرت، معاش، غرض مذہب اور اجتماعی سیاست سب ہی کو اصلاح و انقلاب کے سانچے میں ڈھال کر دنیا کی صحیح راہنمائی کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حق ادا کر دیا۔

یہ بحث چونکہ طویل الذیل ہے اور آیت کی تفسیر کے ضمن میں شرح و بسط کی محتاج اس لئے یہ مقام اس کی وسعت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسراء (معراج)

"اسراء" کے معنی شب میں لے جانے کے ہیں، نبی اکرم ﷺ کا وہ بے نظیر شرف و مجد اور حیرت زا واقعہ جس میں خدائے برتر نے اپنے رسول کو مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور وہاں سے ملاء اعلیٰ تک بجسد عنصری اپنی نشانیاں دکھانے کیلئے سیر کرائی" چونکہ شب کے ایک حصہ میں پیش آیا تھا اسلئے اسراء کہلاتا ہے۔

معراج عروج سے مشتق ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں اور اسی لئے معراج زینہ کو بھی کہتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے چونکہ اس شب میں ملاء اعلیٰ کے منازل ارقاء طے فرماتے ہوئے سبع سماوات، سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بھی بلند ہو کر آیات اللہ کا مشاہدہ فرمایا اور ان واقعات کے ذکر میں زبان وحی ترجمان نے عرج بی کا جملہ استعمال فرمایا اس لئے اس باجبروت اور پر عظمت واقعہ کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس لئے دو مختلف تعبیروں اور واقعات کی تفصیلات میں جزوی اختلاف کے پیش نظر تطبیق روایات کی خاطر اس واقعہ کے تعدد کا قائل ہونا تاریخی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے ہرگز صحیح نہیں ہے اور مشہور محقق، جلیل القدر محدث مفسر اور مؤرخ حافظ عماد الدین ابن کثیر کا یہ ارشاد بلا شبہ درست اور حقیقت حال کیلئے کاشف ہے فرماتے ہیں:

> ان تمام روایتوں کو جمع کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ واقعۂ معراج صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہے اور روایتوں کو جمع کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا ہے اور راویوں کی عبارات کے بعض حصص کا ایک دوسرے سے کچھ مختلف اور تفصیلات میں کم و بیش ہونا وحدت واقعہ پر اثر انداز نہیں ہے کیونکہ انبیاء ﷺ کے علاوہ دوسرے انسان خطا کاری سے محفوظ نہیں ہیں۔
>
> سو ان روایات کے جزوی اختلافات کو دیکھ کر جن علماء نے تعدد واقعہ کا مسلک اختیار کیا اور ہر ایک مختلف روایت کو جدا جدا واقعہ بنا دیا اور اس طرح یہ دعویٰ کر دیا کہ معراج کا واقعہ متعدد بار پیش آیا ہے۔ انھوں نے بعید از قیاس بات کہہ ڈالی اور قطعاً غلط راہ روی اختیار کر لی اور حقیقت حال سے دور پڑ گئے..... یہ مسلک اسلئے بھی صحیح نہیں ہے کہ نہ سلف صالحین سے تعدد واقعہ منقول ہے اور نہ تاریخی دلائل اس کے موید ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو خود نبی اکرم ﷺ ضرور بصراحت اس سے مطلع فرماتے اور راویان روایت بلا شبہ اس کو روایت کرتے۔ (ترجمہ عبارت تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲ مطبوعہ مصر (جدید))

تحقیق تاریخ و سنہ

یہ عدیم النظیر واقعہ کب پیش آیا؟ اس کے تعین میں اگرچہ متعدد اقوال مذکور ہیں لیکن ان دو باتوں پر سب کا اتفاق نظر آتا ہے ایک یہ کہ واقعہ معراج قبل از ہجرت پیش آیا، اور دوسری بات یہ کہ حضرت خدیجۃ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الکبریٰؓ کی وفات کے بعد وقوع میں آیا اور جبکہ واقعہ ہجرت باتفاق ۱۳ نبوت کو پیش آیا اور بخاری میں مذکور حضرت عائشہ کی روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہجرت سے تین سال قبل اور ایک دوسری روایت کے پیش نظر نماز پنجگانہ کی فرضیت سے قبل ہو چکا تھا۔[1] تو اب واقعۂ کو ہجرت سے قبل کے ان تین برسوں کے اندر ہی ہونا چاہیے۔

نیز کتب تاریخ و سیرت دونوں شاہد ہیں کہ معراج اور ہجرت کے درمیان کوئی اہم واقعہ موجود نہیں ہے اور بنظر تحقیق ان ہر دو کے درمیان نہایت گہرا رشتہ اور ربط و علاقہ پایا جاتا ہے تو بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے بہت قریب زمانہ میں پیش آیا ہے اور در حقیقت یہ واقعہ ہجرت ہی کی پر جلال و پر عظمت تمہید تھی۔

غالباً ابن سعد نے طبقات میں اور امام بخاری نے اپنی الصحیح الجامع میں اس لئے واقعہ معراج اور ہجرت کو کسی تیسرے واقعہ کی مداخلت کے بغیر آگے پیچھے بیان کیا ہے اور جو حضرات بخاری کے ابواب و تراجم کی باہمی ترتیب کی دقیقہ سنجی سے واقف اور ان کے تفقہ کی بالغ نظری سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کا رجحان یہ ہے کہ ان ہر دو واقعات کے درمیان زمانہ اور تعلق دونوں اعتبار سے انتہائی قربت ہے۔

تو اب یہ کہنا آسان ہے کہ جو ارباب سیر و تاریخ یہ فرماتے ہیں کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل پیش آیا ان کا ارشاد پایہ تحقیق رکھتا ہے۔

پھر مہینہ اور تاریخ کے تعین میں بھی متعدد اقوال موجود ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ مہینہ رجب کا تھا اور تاریخ ۲۷ تھی چنانچہ ابن عبد البر امام نووی اور عبد الغنی مقدسی (رحمہم اللہ) جیسے مشہور اور جلیل القدر محدثین کا رجحان اسی جانب ہے کہ رجب تھا اور آخر الذکر فرماتے ہیں کہ ۲۷ تھی اور دعویٰ کرتے ہیں کہ امت مرحومہ میں ہمیشہ سے عملاً اسی پر اتفاق بھی رہا ہے۔

قرآن عزیز اور واقعہ معراج

قرآن عزیز میں اسراء یا معراج کا واقعہ دو سورتوں بنی اسرائیل اور النجم میں مذکور ہے سورۂ بنی اسرائیل میں مکہ (مسجد حرام) سے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) تک سیر کا تذکرہ ہے اور سورۂ النجم میں ملاء اعلیٰ کی سیر و عروج کا بھی ذکر موجود ہے اور اگرچہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کی صرف ابتدائی آیات ہی میں یہ واقعہ مذکور ہے مگر حقیقت حال یہ ہے کہ پوری سورۃ اسی عظیم الشان واقعہ سے متعلق ہے اور سورۃ کی تمام آیات اسی کا تکملہ ہیں اور اس دعویٰ کے لئے ایک صاف اور واضح دلیل خود اسی سورۃ میں یہ موجود ہے کہ وسط سورہ میں آیت [illegible] میں اسی واقعہ معراج کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس سے قبل حضرت موسیٰ اور حضرت نوح [illegible] کے واقعات دعوت و تبلیغ اسی سلسلہ میں بطور شواہد و نظائر پیش کیے گئے ہیں کہ منکرین نے ہمیشہ اسی طرح خدا کی صداقتوں کو جھٹلایا ہے جس طرح آج واقعہ معراج کو جھٹلا رہے ہیں۔

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۱۷۹۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

احادیث اور واقعہ معراج کا ثبوت

مشہور محدث زرقانیؒ کہتے ہیں کہ معراج کا واقعہ پینتالیس صحابہؓ سے منقول ہے اور پھر ان کے نام بھی شمار کرائے ہیں[1] ان صحابہ میں مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی اور یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ چونکہ انصار صحابہ مکہ میں موجود نہیں تھے۔ اسلئے ان کی روایات صرف شنیدہ ہیں اس لئے کہ ایسے اہم واقعہ کو جس کا اسلام کی ترقی کے ساتھ بہت گہرا تعلق اور ہجرت کے واقعہ کے ساتھ خصوصی ربط ہے صحابہؓ نے براہ راست نبی اکرم ﷺ سے ہی دریافت حال کیا ہوگا اور اگر مہاجرین سے بھی سنا ہوگا تو پھر ذات اقدس سے تصدیق ضرور کی ہوگی چنانچہ شداد بن اوسؓ کی روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أُسرِى بِكَ

ہم نے (صحابہ نے) عرض کیا اے خدا کے رسول! آپ کو معراج کس طرح ہوئی؟

لفظ قُلْنَا یہ ثابت کر رہا ہے کہ بلا شبہ معراج سے متعلق صحابہؓ کے عام مجمع میں نبی اکرم ﷺ سے استفسار کیا جاتا تھا جن میں مہاجرین وانصار سب ہی شریک ہوتے تھے اور مالک بن صعصعہؓ جو انصاری صحابی ہیں ان کی روایت معراج میں ہے:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم حدثّھم

نبی اکرم ﷺ نے ان سے (صحابہؓ سے) یہ واقعہ بیان فرمایا۔

واقعہ کی نوعیت

چونکہ یہ واقعہ اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ طویل بھی تھا اس لئے بر بناء بشریت واقعہ کے اصل تفصیلی حالات میں اتحاد واتفاق اور بحد تواتر روایات منقول ہونے کے باوجود متعدد روایات کی فروعی تفصیلات میں جو اختلاف نظر آتا ہے وہ معمولی توجہ سے رفع کیا جا سکتا ہے اور بلا شبہ ان جزوی اختلافات سے اصل واقعہ کی حقیقت پر مطلق کوئی اثر نہیں پڑتا خصوصاً جبکہ قرآن عزیز نے ان عجیب اور حیرت زا واقعات کو نص قطعی سے واضح کر دیا ہے جن کے متعلق ملحدین اپنے الحاد زندقہ کے ذریعہ باطل تاویلات پیش کر کے اس واقعہ کی معجزانہ حیثیت کا انکار کرتے ہیں۔

واقعۂ معراج واسراء اور قرآن عزیز

سورۂ بنی اسرائیل میں واقعۂ اسراء بیت المقدس تک کی سیر سے وابستہ ہے:

سُبْحَانَ الَّذِيْٓ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○

پاکی ہے اس ذات کے لے جس نے اپنے بندے کو (یعنی پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی

[1] جلد ۲ ص ۱۶۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تک کہ اس کے اطراف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے سیر کرائی اور اس لئے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اسے دکھائیں بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی دیکھنے والی ہے۔ اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو ہم نے دکھایا سو لوگوں کی آزمائش کے لئے (دکھلایا)۔

اور سورۂ النجم میں ملاءاعلیٰ تک عروج کا ذکر بھی موجود ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى ○ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ○ فَأَوْحٰٓى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ○ أَفَتُمَارُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ○ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○

شاہد ہے ستارہ جبکہ غروب ہو، تمہارا رفیق گمراہ ہوا اور نہ بھٹکا اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ نہیں ہے مگر حکم جو اس کو بھیجا گیا ہے اس کو بتلایا ہے سخت قوتوں والے زور آور (فرشتہ) نے (کہ یہ خدا کی وحی ہے) جو سیدھا بیٹھا اور تھا وہ آسمان کے اونچے کنارہ پر پھر وہ قریب ہوا پس جھک آیا پھر رہ گیا (دونوں کے درمیان) وہ کمان بلکہ اس سے بھی نزدیک کا فرق پس خدا نے اپنے بندہ محمد پر وحی نازل فرمائی جو بھی وحی بھیجی اس (بندہ) نے جو دیکھا (اس کے) دل نے جھوٹ نہیں کہا (یعنی آنکھ کی دیکھی بات کو جھٹلایا نہیں بلکہ تصدیق کی) تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو اس نے خود دیکھا ہے (یعنی واقعہ پر جھگڑتے ہو) اور اس (بندہ) نے خدا کو دیکھا ایک (خاص) نزول کے ساتھ جبکہ وہ بندہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک موجود تھا جس کے پاس آرام سے رہنے کی بہشت (جنت الماوی) ہے اس وقت سدرہ بیری کا درخت پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا اس روایات کے وقت نہ نگاہ بہکی اور نہ حد سے متجاوز ہوئی بلاشبہ اس (بندہ) نے (اس حالت میں) اپنے پروردگار کے بڑے بڑے نشان دیکھے۔

سورہ اسرائیل اور واقعہ معراج

یہاں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ النجم کی تفسیر کا موقع نہیں صرف اشارات ہی پر اکتفا مناسب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ایک جانب یہ آیات اپنے مکمل تفسیری حق کا مطالبہ کرتی ہیں تو دوسری جانب کتاب اپنے سیاق و سباق کے پیش نظر اختصار کی طالب ہے بہر حال حسب ضرورت دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس قدر گذارش ہے کہ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت میں واقعہ اسراء کے متعلق جو کچھ کہا گیا اس کی اگر تحلیل کی جائے تو بآسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک قرآن کو تعلق ہے اس کا فیصلہ یہی ہے کہ واقعہ اسراء بحالت بیداری بجسد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عنصری پیش آیا ہے اور اس مطلب سے ہٹ کر جب اسکو روحانی یا منامی رؤیا کہا جاتا ہے تو تاویلات باردہ کے بغیر دعویٰ پر دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔

بنی اسرائیل میں اس واقعہ کی ابتداء خدائے برتر کی قدوسیت اور سبحانیت کے بعد لفظ اسریٰ سے ہوئی ہے یہ لفظ س، ر، ی، سرٰی یسری سے ماخوذ ہے لغت میں جس کے معنی رات میں چلنے کے آتے ہیں۔

سری، یسری، سریً و سریةً الخ سارلیلاً (منجد)

سرای، یسری، سریۃ میں سرٰی کے معنی ہیں وہ رات میں چلا۔

اور اسریٰ کے معنی بھی شب میں لے چلا آتے ہیں چنانچہ کتب لغت میں ہے:

اسریٰ، اسراءً، سارلیلاً (منجد)

اسریٰ کے معنی ہیں رات میں چلا

یہی معنی اقرب الموارد، قاموس، لسان العرب اور تمام کتب لغت میں بصراحت مذکور ہیں اور اسی لفظ اسریٰ کو جب متعدی بنانا چاہتے ہیں یعنی راتوں لیجانا ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو "ب تعدیہ" بڑھا دیتے ہیں۔ اس موقع کے علاوہ قرآن عزیز میں جہاں جہاں اسراء اور اس کے مشتقات آئے ہیں ان تمام مقامات میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ سورۂ ہود میں لوط علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

قَالُوْا يَالُوْطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ

فرشتوں نے کہا: لوط علیہ السلام! ہم تو تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ یہ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ پائیں گے پس تو اپنے لوگوں کو کچھ رات گئے (یہاں سے) لے نکل۔

یہ آیت فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ سورۂ دخان میں بھی موجود ہے اور سورۂ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں ہے:

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيْ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا۔

اور سورۂ شعراء میں ہے:

وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيْٓ إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لیکر نکل جا۔ تمہارا تعاقب ضرور کیا جائیگا۔

اور یہی آیت سورۂ دخان میں بھی مذکور ہے۔

ان تمام آیات میں لفظ اسراء کا جس طرح اطلاق کیا گیا ہے اس سے دو حقیقتوں پر روشنی پڑتی ہے ایک یہ کہ اسراء اس سیر اور اس چلنے کو کہتے ہیں جو رات میں پیش آئے اسلئے دن یا شام کے چلنے پر اسراء کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسری بات یہ کہ سری یااسراءان تمام آیات میں روح مع جسد پر اطلاق ہوا ہے یعنی لوط اور موسیٰ اور ان کے متبعین جن کیلئے یہ حکم ہو رہا ہے کہ وہ دشمنوں سے بچ کر راتوں ان بستیوں (مصر اور سدوم) سے نکل جائیں، ان کا رات کے حصہ میں نکل جانا نہ خواب کی شکل میں تھا اور نہ روحانی طور پر اور نہ رویاء کشفی کے طریقہ پر بلکہ عالم بیداری میں روح مع جسد کے تھا۔

پس جبکہ قرآن کے ان تمام اطلاقات میں اسراء کے یہ معنی بغیر کسی تاویل کے قابل تسلیم ہیں تو بنی اسرائیل کی آیت کو روح مع جسد تسلیم کرنے میں کیوں پس و پیش ہو اور کس لئے اس واقعہ کو فقط روحانی، منامی، یا بین النوم والیقظہ کشفی طریقہ کے ساتھ مخصوص کیا جائے؟ جبکہ اس آیت میں ایک لفظ بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اس اسراء کو قرآن کے عام اطلاقات سے جدا معنی پر دلالت یا اشارہ کرتا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ بنی اسرائیل کی آیت کے لفظ رؤیا سے فائدہ اٹھا کر یہ کہنا کہ چونکہ رویا عالم خواب پر بولا جاتا ہے، اس لئے اسراء کا واقعہ منامی یا روحانی تھا بدیں وجہ صحیح نہیں ہے کہ عربی بول چال میں جس طرح "رویا" کا اطلاق خواب کی حالت پر ہوتا ہے اسی طرح وہ اس رویت پر بھی بولا جاتا ہے جس کا مشاہدہ آنکھ بحالت بیداری کرتی ہے چنانچہ عربی کے نہایت مستند اور مشہور لغت لسان العرب میں یہ تصریح موجود ہے

وقد جاء رؤیا فی الیَقُظة

اور بلاشبہ رؤیا بیداری میں عینی مشاہدہ کے لئے بھی آتا ہے۔

اور صاحب لسان نے جاہلی شاعر راعی کے اس شعر کو اس معنی کے لئے سند ٹھہرایا ہے:

فکبر لرؤیا و هش فؤادهٗ

و بشر نفسًا کان نفسا یلومها

اس نے تکبیر کہی اور اس کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا اور اس نے نفس کو پہلے ملامت کر رکھا تھا خوشخبری دی اس منظر کو دیکھ کر جس کا اس نے عینی مشاہدہ کیا۔

اسی طرح متنبّی کے اس مصرعہ کو بھی سند قرار دیا ہے:۔

و رؤیاك احلی فی العیون من الغمض

اور تیرا دیدار (میری) آنکھوں میں نیند سے بھی زیادہ لذیذ ہے۔

ان مستند اقوال عرب کے بعد رویا کو صرف خواب کی حالت کے ساتھ مخصوص کر دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اب جبکہ "اسری بعبدہ" میں "اسراء" کے متبادر معنی سیر روح مع جسد کے ہیں اور "رؤیا" کا اطلاق دونوں قسم کی رؤیت پر ہوتا رہا ہے تو اس مقام پر "اسراء" کا قرینہ اس کا متقاضی ہے کہ یہاں "بحالت بیداری عینی مشاہدہ" کے معنی ہی متعین ہونے چاہیں اور دوسرے معنی قیاسی اور تاویلی حیثیت سے زیادہ وقیع نہیں ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بعض معاصر علماء نے "اسراء" کو روحانی قرار دیتے ہوئے لسان العرب کے پیش کردہ سندات کو اول تو مستند ہی تسلیم نہیں کیا اور بفرض تسلیم کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان ہر دو شاعروں راعی اور متنبّی کے شعر و مصرعہ سے رویا کے معنی خواب میں رویت ہی کے نکلتے ہیں نہ کہ رؤیا بصری کے مگر تعجب یہ ہے کہ دونوں باتیں محض دعویٰ پر ہی ختم ہو گئی ہیں اور دعویٰ کیلئے زحمت دلیل کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ تسلیم کر لیجئے کہ لغت عرب کے لئے متنبّی مستند نہیں ہے مگر مشہور جاہلی شاعر کس لئے غیر مستند قرار پایا جبکہ کلام عرب کی سند کیلئے جاہلی شعراء سے زیادہ کوئی سند مقبول نہیں گئی، نیز راعی نے جبکہ جملہ فکبر کوللرویا کے ساتھ وابستہ کیا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ رویا کہ وجہ سے اس نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور ظاہر ہے کہ نعرہ تکبیر خواب میں بلند نہیں ہوا تھا بلکہ عالم بیداری کا واقعہ تھا اسی طرح متنبّی کے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ شب وصل میں تیرے دیدار کے مقابلہ میں نیند ہیچ ہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ نیند خود بہت شیریں ہے مگر دیدارِ محبوب کے مقابلہ میں اس کی شیرینی بھی بے حقیقت ہے۔

اس لغوی حقیقت کے آشکارا ہو جانے کے بعد حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ ارشاد جو صحیح بخاری میں مذکور ہے رؤیا عین اریھا رسول اللّٰہ ﷺ سونے پر سہاگہ ہے کیونکہ وہ لغت عرب کے امام بھی ہیں اور ترجمان القرآن بھی اور انکے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کا یہ ارشاد پیش کرنا قطعاً مرجوح ہے کہ وہ اسراء کو رؤیا بمعنی خواب مراد لیتے ہیں۔

مرجوح اسلئے ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہؓ سے جو روایات اس سلسلہ میں منقول ہیں وہ بلحاظ صحت روایت وہ درجہ نہیں رکھتیں جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت کو حاصل ہے بلکہ محدثین کے نزدیک بچند وجوہ ان کی صحت غیر مستند ہے مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت کتب حدیث کی بجائے فقط سیرت کی روایت ہے اور پھر محمد بن اسحٰقؒ اسکے متعلق یہ کہتے ہیں حدثنی بعض ال ابی بکر مجھ سے یہ روایت ابو بکرؓ کے خاندان کے ایک فرد نے بیان کی ہے" اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ درمیان کا ایک راوی مجہول ہے جسکے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ کس درجہ کا راوی ہے نیز اس روایت کے طریق میں بھی باہم اختلاف ہے اسلئے کہ بعض روایت میں ہے ما فقدت جسد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر گم نہیں پایا حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حریم نبوی میں ہجرت کے بعد داخل ہوئی ہیں اور واقعۂ معراج ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے تو حضرت عائشہؓ کا مافقدت میں نے گم نہیں پایا فرمانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اس لئے بلاشبہ اس روایت میں جرح و نقص ہے۔

اسی طرح حضرت معاویہؓ کی روایت بھی سیرت میں منقول روایت ہے جس کو محمد بن اسحٰق نے یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس سے روایت کیا ہے اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ یعقوب نے حضرت معاویہؓ کا زمانہ نہیں پایا اس لئے یعقوب اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ضرور کوئی راوی متروک ہے جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے پس یہ روایت بھی مجروح و منقطع ہے اور بروایت ابن اسحٰق حضرت معاویہؓ کا یہ قول قال کانت رؤیا من اللّٰہ صادقۃ حضرت معاویہؓ نے کہا: معراج اللہ تعالیٰ کی جانب سے سچا خواب تھا کسی طرح

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھی صحت کو نہیں پہنچتا۔

اب ایک مرتبہ پھر احادیث معراج پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ایک جانب بخاری، مسلم اور صحاح کی وہ روایات ہیں جو متن و سند کے لحاظ سے مسلم اور صحت کے اعلیٰ معیار پر قائم سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی تفصیلات واقعۂ معراج کو بجسد عنصری ظاہر کرتی ہیں اور اسی لئے جمہور صحابہؓ اسی مسلک کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور دوسری جانب محمدؒ بن اسحٰق کی سیرت میں منقول اور حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی جانب منسوب وہ روایات ہیں جن کی صحت تک مجروح ہے اس لئے بات صرف یہی نہیں ہے کہ جو شخص سورۂ بنی اسرائیل کی آیت میں رویا بمعنی خواب لیتا ہے اس کا قول درست نہیں ہے بلکہ بلحاظ سند یہ انتساب بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ رؤیا منامی کے قائل ہیں کیونکہ جن جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اس قول کو ان بزرگوں کی جانب منسوب کیا ہے اس کا مدار محمد بن اسحٰق کی ہی یہ ہر دو روایات ہیں اور ان دونوں کی صحت کا حال ابھی روشن ہو چکا۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے بعض روایات میں واقعہ کی ابتداء اس طرح مذکور ہے بینا انا نائم یابین النائم و الیقظان یعنی نبی اکرم ﷺ بحالت خواب تھے یا بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں تھے کہ خدا کا قاصد جبرئیل آیا نیز بخاری کی شریک والی روایت کے ختم پر ہے استیقظ وھو فی المسجد الحرام اور آپ ﷺ جاگ اٹھے جبکہ آپ ﷺ مسجد حرام میں تھے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ گذرا خواب میں گذرا۔

مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ پہلے دو جملوں کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ جب معراج یا اسراء کا واقعہ پیش آنے والا تھا تو اس وقت آپ ﷺ سو رہے تھے لیکن واقعہ بحالت بیداری میں پیش آیا جیسا کہ باقی تمام روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور بقول قرطبیؒ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ راوی اس بیداری کا ذکر کر رہا ہے جو علی الصباح نماز فجر کے لئے ہوئی یعنی اگرچہ آپ ﷺ ابتداء شب میں ام ہانی کے مکان میں سوئے تھے مگر کچھ حصہ شب میں جب معراج کا واقعہ پیش آیا اور آپ ﷺ اس سے فارغ ہو کر کرۂ ارضی پر واپس تشریف لائے تو باقی رات مسجد حرام میں سو کر گذاری اور جب آپ ﷺ صبح کو بیدار ہوئے ہیں تو لوگوں نے مسجد حرام میں آپ ﷺ کو پایا۔

علاوہ ازیں شریک کی روایت میں تعبیر ادا کی فاش غلطیاں ہو گئی ہیں جن پر محدثین نے تنبیہ فرمائی ہے مثلاً ان کی روایت کہتی ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت سے بھی قبل پیش آیا انہ جاءہٗ ثلثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وھو نائم فی المسجد الحرام آپ ﷺ کے پاس تین فرشتے بعثت اور نزول وحی سے قبل اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے چنانچہ امام نووی، خطابی، ابن حزم، عبدالحق، قاضی عیاض (رحمہم اللہ) نے شریک کی روایت پر سخت تعاقب کیا ہے امام نوویؒ فرماتے ہیں:

> شریک نے اس روایت میں بہت سی غلطیاں کی ہیں جن کا علماء نے انکار کیا ہے اور مسلم نے بھی یہ الفاظ کہہ کر شریک کے اوہام پر تنبیہ کی ہے "شریک نے روایت میں مقدم و مؤخر کر دیا ہے اور کم و بیش کر دیا ہے اوہام میں سے ایک وہم یہ ہے کہ شریک کی روایت میں ہے: معراج کا واقعہ نزول وحی سے قبل پیش آیا ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اور اس قول کا کوئی راوی بھی موافق نہیں ہے۔ حافظ عبدالحق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجمع بین الصحیحین میں اس شریک والی روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ شریک نے اس میں بہت سی غیر معروف (ناقابل قبول) باتیں بڑھا دی ہیں اور غیر معروف

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الفاظ کا بھی اضافہ کر دیا کیونکہ اسرا کی حدیث کو حفاظ حدیث کی ایسی جماعت نے نقل کیا ہے جو بلند پایہ اور ہر قسم کی جرح سے محفوظ اور مشہور ائمہ حدیث ہیں مثلاً ابن شہاب زہری، ثابت بنانی، قتادہ، عن انس اور ان میں سے کوئی ایک حافظ حدیث بھی ان اجزاء کو بیان نہیں کرتا جن کو شریک نے بیان کیا ہے اور شریک محدثین کے نزدیک حافظ حدیث نہیں ہے

بہر حال فتح الباری میں معراج اور اسرا کے متعلق اتحاد و تغایر کی بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ یہی فیصلہ فرماتے ہیں کہ معراج بحالت بیداری اور روح مع الجسد ہوئی ہے:

فمنهم من ذهب الى ان الاسراء والمعراج وقعافى ليلة واحدة فى اليقظة بجسد النبى ﷺ وروحه بعد المبعث والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين والفقهاء المتكلمين وتواردت عليه ظواهر اخبار الصحيحة ولا ينبغى العدول عن ذلك اذ ليس فى العقل ما يحيله حتىٰ يحتاج الىٰ تا ويله۔

(فتح الباری جلد ۷ ص ۱۵۶ مطبوعہ الہیۃ المصریہ)

پس ان علماء میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ بلا شبہ واقعات اسراء و معراج دونوں ایک ہی رات میں بحالت بیداری جسم اور روح کے ساتھ بعثت کے بعد پیش آئے۔ تمام محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہی مذہب ہے اور صحیح احادیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور اس سے تجاوز کرنا یعنی اس کا انکار کرنا نامناسب ہے اس لئے کہ ایسا ہونا عقل کے نزدیک محال نہیں ہے کہ تاویل کرنے کی احتیاج ہو۔

اور قاضی عیاض شفاء میں یہی تحریر فرماتے ہیں:

وذهب معظم السلف والمسلمين الى ان الاسراء بالجسد فى اليقظة و هو الحق و هذا قول ابن عباس و جابر و انس و حذيفة و ابى هريرة و مالك بن صعصعة و ابى حبة البدرى و ابن مسعود و ضحاك و سعيد بن جبير و قتادة و ابن المسيب و ابن شهاب و ابن زيد والحسن و ابراهيم و مسروق و مجاهد و عكرمة وابن جريج و هو دليل قول عائشة وهو قول الطبرانى وابن حنبل و جماعة المسلمين و هو قول اكثر المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين والمفسرين۔

جلیل القدر سلف صالحین اور بزرگ ترین مسلمان اس جانب ہیں کہ اسراء بجسد عنصری بیداری میں پیش آیا اور یہی مذہب حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر حذیفہ عمر، ابو ہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابو حبہ بدری، ابن مسعودؓ اور ضحاک، سعید ابن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم نخعی، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہی دلیل ہے، حضرت عائشہؓ کے قول کی اور یہی طبرانی کا قول ہے اور ابن حنبلؒ کا اور مسلمانوں کی جماعت عظیم کا اور یہی قول ہے متاخرین میں سے اکثر فقہاء محدثین، متکلمین اور مفسرین کا۔

اور خفاجی نسیم الریاض میں قاضی عیاض کی اس عبارت وهو دليل قول عائشه کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ بات بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ عائشہ صدیقہؓ کی جانب جو قول منسوب ہے وہ اس کے قطعاً

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خلاف ہے لیکن قاضی عیاضؒ کا یہ دعویٰ ہے کہ جلیل القدر صحابہؓ کی یہ نقول اس امر کی دلیل ہیں کہ عائشہؓ کی جانب منسوب قول صحیح نہیں ہے اور وہ بھی جمہور ہی کے ساتھ ہیں۔

الحاصل قرآن عزیز اور احادیث صحیحہ بغیر کسی تاویل کے بصراحت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اسراء اور معراج کا واقعہ بجسد عنصری اور بحالت بیداری پیش آیا ہے اور ان دلائل کو بطور فہرست اس طرح شمار کرایا جاسکتا ہے:

(۱) سورۂ بنی اسرائیل کی آیت سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ میں اسراء کے متبادر معنی وہی ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہما السلام سے متعلق آیات میں ہیں یعنی بحالت بیداری اور بجسد عنصری رات میں لے چلنا۔

(۲) آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک میں رؤیا بمعنی عینی مشاہدہ ہے نہ کہ خواب یا روحانی رویت اور لغت عرب میں رؤیا کے یہ معنی مجاز نہیں بلکہ حقیقت ہیں۔

(۳) آیت لا فسوف یؤمنوا میں قرآن نے اس واقعہ کو اقرار وانکار کی شکل میں ایمان وکفر کے لئے معیار قرار دیا ہے اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے روحانی مشاہدہ یا خواب پر بھی مشرکین ومنکرین کا انکار وضحو وممکن اور ثابت ہے لیکن اس جگہ تبادر یہی ظاہر کرتا ہے کہ واقعہ کی عظمت وفخامت کے پیش نظر منکرین کا انکار اس لئے شدید سے شدید تر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس واقعہ کو عینی مشاہدہ کی طرح بیان فرمایا ہے۔

(۴) سورۂ النجم کی آیت ما زاغ البصر وما طغی میں رؤیت جبرئیل نہیں بلکہ واقعہ اسراء کا مشاہدہ عینی مراد ہے اور سورۃ کی آیت ما زاغ البصر وما طغی میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا قلب نے ہو بہو اس کی تصدیق کی اور واقعہ سے متعلق نہ رؤیت عینی نے کجی اختیار کی اور نہ رؤیت قلبی نے اس حقیقت کا انکار کیا بلکہ دونوں کی مطابقت نے اس کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

(۵) صحیح حدیث میں ہے کہ جب مشرکین نے اس واقعہ کے انکار پر یہ حجت قائم کی کہ اگر یہ صحیح ہے تو نبی اکرم ﷺ بیت المقدس کی موجودہ جزئی تفصیلات بتائیں کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ نہ انھوں نے بیت المقدس کو کبھی دیکھا ہے اور نہ بغیر دیکھے جزئی تفصیلات بنائی جاسکتی ہیں تب نبی اکرم ﷺ کے سامنے سے بیت المقدس کے درمیانی حجابات منجانب اللہ اٹھا دیے گئے اور آپ ﷺ نے ایک ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہوئے مشرکین کے سوالات کے صحیح جوابات مرحمت فرمائے جن میں مسجد کی بعض تعمیری تفصیلات تک زیر بحث آئیں۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ مشرکین یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ﷺ اسراء کو بحالت بیداری اور بجسد عنصری ہونا بیان فرمارہے ہیں اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے خیال کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اس کی تائید کے لئے معجزانہ تصدیق کا مظاہرہ فرما کر ان کو لاجواب بنادیا۔

(۶) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بسند صحیح منقول ہے کہ قرآن میں مذکور رؤیا سے مراد رؤیا عین ہے نہ کہ خواب یا روحانی مشاہدہ

(۷) آیۃ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن میں یہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مذکور ہے کہ واقعہ اسراء اور جہنم کے اندر سینڈھ کے درخت کا موجود ہونا اور آگ میں نہ جلنا یہ دونوں واقعے اقرار وانکار کی صورت میں ایمان و کفر کے لے آزمائش ہیں پس جبکہ جہنمیوں کی غذا کیلئے ایک مادی خاردار درخت کا موجود ہونا سر سبز وشاداب رہنا اور آگ سے نہ جلنا مشرکین کے انکار کا باعث ہوا بلا شبہ اسراء کے واقعہ میں بھی آزمائش کا پہلو یہی ہے کہ نبی اکرم نے کس طرح زمان و مکان کی قیود کو توڑ کر بجسد عنصری و بحالت بیداری وہ سیر کرلی جس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل اور النجم میں اور صحیح احادیث میں ہے اور یقیناً مشرکین نے اس کا انکار کیا جس کے رد میں قرآن نے اس کو

کہہ کر اس قدر اہمیت دی ورنہ تو انبیاء علیہم السلام کے روحانی مشاہدات اور خواب کے واقعات کا انکار تو ان کیلئے ایک عام بات تھی۔

(۸) اسراء کا واقعہ جب پیش آیا تو صبح نبی کریم نے جن صحابہ کی محفل میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا وہ سب باتفاق یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بجسد عنصری بحالت بیداری پیش آیا مثلاً عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ اور اس کے برعکس ذیل کے قائلین میں حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے اسماء گرامی ہیں جن کا اسلام یا حرم نبوی سے تعلق اس واقعہ سے برسوں بعد مدینہ کی زندگی پاک سے وابستہ ہے اس لئے واقعہ کے ایام میں موجود اصحاب کا قول راجح ہے۔

(۹) حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہؓ کا جو مسلک جمہور کے خلاف منقول ہے وہ بلحاظ درجہ روایت و صحت سند نہ صرف مرجوح ہے بلکہ مجروح ہے۔ اس لئے اول تو ان بزرگوں کی جانب اس قول کا انتساب ہی درست نہیں اور بالفرض صحیح بھی ہو تو جمہور کے مسلک کے مقابلہ میں ہر حیثیت سے مرجوح ہے۔ وذلك تسع آيات بينات۔

والنجم اور واقعۂ معراج

واقعۂ معراج کی تفصیلات اگرچہ مستند، مشہور اور مقبول روایات واحادیث سے ثابت و منصوص ہیں لیکن خود قرآن عزیز (والنجم) میں بھی نص صریح بعض وہ تفصیلات مذکور ہیں جن کو بنی اسرائیل کے اجمال کی تفسیر کہنا چاہیے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان چند آیات کی تفسیر بھی بیان کردی جائے:۔

O O نجم ستارہ کو کہتے ہیں ورالنجم کہہ کر کبھی خاص ستارہ ثریا پر بھی اطلاق کرتے ہیں اور ہوی کے معنی سقوط و غروب کے ہیں اور "والنجم" میں واؤ قسم کے لئے ہے جس سے استعمالات قرآنی میں اکثر مضمون مابعد کی اہمیت کے پیش نظر استشہاد مقصود ہوتا ہے ضل ضلالت سے ہے گمراہ ہونے اور بہک جانے کو کہتے ہیں اور غوی غوایت سے جس کے معنی بے راہ روی اور بچل جانے کے ہیں۔

پس ہر دو آیات کا مطلب یہ ہوا کہ شب دیجور کا یہ ستارے یا ثریا اس امر کی شہادت ہیں کہ جس طرح نظام شمسی میں ثریا بلکہ تمام ستارے طلوع سے غروب تک ایسے محکم اور مضبوط نظام فطرت میں منسلک ہیں کہ مقررہ وقت و معین رفتار کے ساتھ بغیر جھٹکے بچلے ہوئے جاری و ساری ہیں، ٹھیک اسی طرح روحانی نظام شمسی کے تمام ستارے (انبیاء علیہم السلام) بھی نبوت و رسالت کے مقررہ اصول و معین راہ پر جاری و ساری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے ہیں اور کبھی خدا کے معین کردہ نظام نبوت سے نہ بھٹکے اور نہ بے راہ ہوئے تو پھر یقین کرو کہ اس نظام روحانیت (نبوت) کا آفتاب عالمتاب یعنی تمہارا رفیق محمد ﷺ بھی نہ بھٹکا اور نہ بے راہ ہوا، اور ہو بھی کیسے سکتا تھا کہ ایسا ہونے پر سارا نظام نبوت ہی درہم برہم ہو کر رہ جاتا اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا یا یوں کہہ لیجئے کہ تمہارے سامنے جس شب کا ذکر ہو رہا ہے اس شب دیجور میں ثریا جیسے روشن ستارہ کا طلوع ہو کر غروب ہو جانا اس پورے نظام شمسی کے تغیر و فنا کی بولتی تصویر ہے پس اگر تمہارا رفیق محمد ﷺ کسی ایسے واقعہ کا اظہار کرتا ہے جو عام قانون قدرت کے پیش نظر عجیب و غریب معلوم ہوتا اور اس نظام شمسی کے ایک خاص دور انقلاب اور حیرت زا تغیر کا پتہ دیتا ہے تو تم کو یقین کرنا چاہئے کہ ایک واقعہ بلاشبہ عالم وجود میں آیا اور تمہارا رفیق اس معاملہ میں نہ بھٹکا اور نہ بے راہ ہوا بلکہ جو کچھ دیکھا اور جو کچھ نقل کیا وہ سب حرف بحرف حق مبنی بر حقیقت ہے۔

وما ینطق عن الھوٰی "نطق" گویائی اور "ہوٰی" خواہش نفس إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ "وحی" وہ یقینی الہام جو خدا کی جانب سے نبی پر نازل ہوتا ہے اور جس کے خدا کی جانب سے ہونے میں کسی قسم کا شک و تردد نہیں ہوتا یعنی رسالت اور یہ بھی واضح رہے کہ تمہارے رفیق کی صدق مقالی کا یہ عالم ہے کہ وہ خدا کی باتیں کبھی بھی اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا بلکہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ خدا کی وحی سے ہوتا ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ○ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ○ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ○ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ○ علمہٗ تعلیم، سکھانا، شدید القوٰی زبردست روحانی طاقتوں والا، مرۃ زور آور، استواء، سیدھا ہو بیٹھا، بالافق الاعلٰی (آسمان کا) اونچا کنارہ "دَنٰی" دنو، قریب ہونا، تدلی، جھک آنا، قاب قوسین دو کمان کی مقدار أَدْنَىٰ قریب یا کم۔

صاحب وحی محمد ﷺ اور وحی نازل کرنے والے (خدا) کے باہم رشتہ وحی کا اظہار کرنے کے بعد ضرورت تھی کہ ان دونوں کے درمیان جو وحی کے لئے رابطہ ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام کچھ اس کے متعلق بھی کہا جائے کیونکہ مشرکین مکہ اس کی شخصیت اور اس کے فرض کی تفصیلات سے قطعاً ناآشنا تھے اور یوں بھی وحی کی عظمت، صاحب وحی کی جلالت اور وحی نازل کرنیوالی ہستی کے جلال و جبروت کا تقاضا تھا کہ رابطہ وحی کی شخصیت کے بعض نمایاں اوصاف کو بھی بیان کیا جائے اس لئے ارشاد ہوا اس پر محمد ﷺ پر جو وحی لاتا ہے وہ زبردست روحانی و جسمانی طاقتوں کا پیکر ہے وہ پیغمبر خدا ﷺ کو اپنی حقیقی ہیئت و صورت میں صاف نمایاں نظر آیا اور آپ ﷺ نے اس کو آسمان کے بلند کنارے پر دیکھا پھر وہ قریب ہو گیا، پس (پیغمبر خدا ﷺ کی جانب جھک آیا پھر ہو گیا اتنا قریب جیسا کہ دو کمان کی مسافت یا اس سے بھی قریب تر۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ○ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ○ "فواد" قلب "رای" رویت بصر تمارونہ "ممارۃ" بمعنی مقابلہ کرنا، جھگڑا کرنا۔

جب صاحب وحی محمد ﷺ اور وحی کے لانے والے (جبرئیل علیہ السلام) کے درمیان صورت حال یہ پیش آئی تو اس کے بعد موحی (وحی کرنے والے خدا) نے اپنے بندے پر جو کچھ چاہا وہ براہ راست وحی فرمائی یعنی جب اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مقام رفیع پر بلا کر جہاں کسی مخلوق کا گذر نہ ہوا اور نہ ہوگا، مخاطب کو کیا بتلایا جائے کہ خدا اور اس کے پیغمبر کے درمیان کیا کچھ وحی کی سرگوشیاں ہوئیں، کیونکہ کسی کو وہ رفعت جب نصیب ہی نہیں تو وہ ان حقائق کو سمجھ ہی کیا سکتا ہے لہٰذا اسی قدر کافی ہے کہ یہ یقین کر لو کہ خدا نے جو چاہا اپنے بندہ (محمد ﷺ) سے بات چیت کی اور یہ کہ اس کی آنکھ نے اس شب میں جن اسرار الٰہی کو دیکھا قلب نے اس کو جھوٹا نہیں کہا بلکہ وہ ایک ایسی حقیقت تھی جس کے بارے میں چشم و قلب دونوں کے درمیان مطابقت و تصدیق کا ہی سلسلہ قائم رہا تو پھر اے مخاطبین جو کچھ اس محمد ﷺ نے دیکھا ہے کیا تم اس کے متعلق جھگڑتے ہو؟

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى ○ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○

نزلة اخری ایک قسم کا نزول یا دوسری مرتبہ سدرہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ ملاء اعلیٰ کا ایک مقام رفیع جنة الماوی نیکوں کے قیام کی جنت یغشی عشیان، ڈھانپ لینا۔

حالانکہ جھگڑنے کی کوئی بات نہیں اسلئے کہ اس نے وحی کرنے والے (خد) کو ایک خاص کیفیت نزول کے ساتھ دیکھا ہے اور اس وقت دیکھا جب وہ محمد ﷺ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھا جس کے قریب جنت الماوی ہے اور اس وقت اس سدرہ کو ڈھانپنے والی شے (یعنی فرشتوں) نے ڈھانپ رکھا تھا۔[1] یا یہ کہیے کہ اس نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ (اصلی ہیئت میں) دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے قریب الخ پس نہ مشاہدۂ جلوۂ حق کوئی جھگڑنے کی بات ہے اور نہ رویت جبرئیل کہ جس کو اس سے قبل بھی اس نے دیکھا ہے اور چشم حق ہیں اور قلب حق آگاہ کے لئے ان میں سے ایک بات بھی قابل نزاع نہیں۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○

"زاغ"، کجی۔ طغٰی، طغیان، سرکشی، خلاف حق رجحان۔

بہر حال اس کے مشاہدۂ حق پر کوئی جھگڑے اور انکار کرے یا تسلیم کرے اور حق جانے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے لیلۃ الاسراء میں جو کچھ بھی مشاہدات کیے اور آنکھوں سے جو کچھ بھی دیکھا اس چشم حق بین نے حقیقت حال کے خلاف نہ کسی قسم کی کجی اختیار کی اور نہ وہ راہ سے بے راہ ہوئی اور بلاشائبہ شک و شبہ اس نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے نشان دیکھے۔

واقعہ کی تفصیلات

وہ نشان کیا تھے جن کو اس جگہ لقد رأی من آیات ربہ الکبری کہا: اور بنی اسرائیل میں لنریہ من آیاتنا فرمایا اور اسی سورۃ میں دوسرے مقام پر وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس کہہ کر ان کی اہمیت کو روشناس کرایا تو بخاری و مسلم میں منقول صحیح، مشہور اور مقبول روایات کا مجموعی بیان یہ ہے:

---

[1] مشکلات القرآن ص ۳۴۰ تا ۳۶۰۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نبی اکرم نے ایک صبح کو ارشاد فرمایا: گذشتہ شب میرے خدا نے مجھ کو اپنے خاص مجد و شرف سے نوازا جس کی تفصیل یہ ہے کہ شب گذشتہ جبکہ میں سو رہا تھا رات کے ایک حصہ میں جبرئیل آئے اور مجھ کو بیدار کیا ابھی پوری طرح جاگ بھی نہ پایا تھا کہ حرم کعبہ میں اٹھا لائے اور تھوڑی دیر لیٹا تھا کہ پوری طرح بیدار کر کے اول میرا سینہ چاک کیا اور (ملاء اعلیٰ کے ساتھ مناسبت تام پیدا کرنے کے لئے عالم دنیا کی کدورتوں کو) دھویا اور ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ اس کے بعد حرم کے دروازہ پر لایا گیا اور وہاں جبرئیل نے میری سواری کے لئے خچر سے کچھ چھوٹا جانور براق پیش کیا جو سپید رنگ کا تھا جب میں اس پر سوا ہو کر روانہ ہوا تو اس کی سبک رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حد نگاہ اور حد رفتار یکساں نظر آتی تھی کہ اچانک بیت المقدس جا پہنچے، یہاں جبرئیل کے اشارہ پر براق کو مسجد کے دروازہ کے اس حصہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء بنی اسرائیل مسجد اقصیٰ کی حاضری پر اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے (اور حوا اس وقت تک بطور یادگار قائم تھا) پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعات پڑھیں اب یہاں سے ملاء اعلیٰ کی تیاری شروع ہوئی تو اول جبرئیل نے میرے سامنے دو پیالے پیش کیے ان میں سے ایک شراب (خمر) سے لبریز تھا اور دوسرا دودھ (لبن) سے میں نے دودھ کا پیالہ قبول کیا اور شراب کا پیالہ مسترد کر دیا، جبرئیل نے یہ دیکھ کر کہا: آپ نے دودھ کا پیالہ قبول کر کے دین فطرت کو اختیار کیا (یعنی خدا کی جانب سے جو میں نے آپ کو یہ دو پیالے پیش کیے تو دراصل یہ تمثیل تھی دین فطرت اور دین نہ بلیغ کی مگر آپ نے اس حقیقت کو پہچان لیا اور دودھ کا پیالہ کو قبول فرما کر جو دین فطرت کی تمثیل تھا دین فطرت کو قبول فرما لیا) اس کے بعد ملاء اعلیٰ کا سفر شروع ہوا اور جبرئیل کی ہمرکابی میں براق نے آسمان کی جانب پرواز کی جب ہم پہلے آسمان (سماء دنیا) تک پہنچ گئے جبرئیل نے نگہبان فرشتوں سے دروازہ کھولنے کو کہا نگہبان فرشتہ نے دریافت کیا، کون ہے؟ جبرئیل نے کہا: میں جبرئیل ہوں فرشتہ نے دریافت کیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے جواب دیا: محمد فرشتہ نے کہا: کیا خدا کے مدعو ہو کر آئے ہیں؟ جبرئیل نے کہا: بے شک، فرشتہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا: ایسی ہستی کا آنا مبارک ہو جب ہم اندر داخل ہوئے تو حضرت آدم سے ملاقات ہوئی جبرئیل نے میری جانب مخاطب ہو کر کہا یہ آپ کے والد (اور نسل انسانی کے مورث اعلیٰ) آدم ہیں آپ ان کو سلام کیجئے میں نے ان کو سلام کیا اور انھوں نے جواب سلام دیتے ہوئے فرمایا مرحبا بالابن الصالح و النبی الصالح خوش آمدید، برگزیدہ بیٹے اور برگزیدہ نبی اس کے بعد دوسرے آسمان تک پہنچے اور پہلے آسمان کی طرح سوال و جواب ہو کر دروازہ میں داخل ہوئے تو وہاں یحییٰ و عیسیٰ سے ملاقات ہوئی جبرئیل نے ان کا تعارف کرایا اور کہا کہ آپ سلام پر پیش قدمی فرمایئے میں نے سلام کیا اور ان دونوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا مرحبا بالاخ الصالح و النبی الصالح خوش آمدید اے برگزیدہ بھائی اور برگزیدہ نبی پھر تیسرے آسمان تک پہنچ کر یہی مرحلہ پیش آیا اور جب میں آسمان ثالث میں داخل ہوا تو حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی جبرئیل نے تقدیم سلام کے لئے کہا اور میرے سلام کرنے پر یوسف نے بھی جواب سلام کے بعد یہی کلمہ خوش آمدید اے برگزیدہ بھائی اور برگزیدہ نبی بعد ازاں چوتھے آسمان پر اس سوال و جواب کے ساتھ حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارون

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے اور چھٹے آسمان پر موسیٰ سے اسی طرح ملاقات ہوئی لیکن جب میں وہاں سے روانہ ہونے لگا تو حضرت موسیٰ پر رقت طاری ہو گئی میں نے سبب دریافت کی تو فرمایا: مجھے یہ رشک ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ایسی ہستی کو جو میرے بعد مبعوث ہوئی یہ شرف بخش دیا کہ اس کی امت میری امت کے مقابلہ میں چند در چند زیادہ جنت سے فیضیاب ہو گی۔ اس کے بعد سابق سوالات وجوابات کا مرحلہ طے ہو کر جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے اور جس میں ہر روز ستر ہزار نئے فرشتے (عبادت کے لیے) داخل ہوتے ہیں انھوں نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا مبارک اے میرے برگزیدہ بیٹے اور برگزیدہ نبی یہاں سے پھر مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا (تمہاری بول چال میں یہ ایک انتہا کی بیری کا درخت ہے) جس کا پھل (بیر) ہجر کی ٹھلیا کی برابر ہے اور جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح چوڑے ہیں۔[1] اس پر ملائکۃ اللہ جگنو کی طرح بے تعداد چمک رہے تھے اور خدا کی خاص تجلی نے اس کو حیرت زا طور پر روشن و پر کیف بنا دیا تھا۔

اسی سفر میں میں نے چار نہروں کا بھی معائنہ کیا ان میں سے دو ظاہر نظر آتی تھیں اور دو باطن میں بہہ رہی تھیں یعنی دو نہریں جن کا نام نیل اور فرات[2] ہے آسمان آسمان و دنیا پر نظر پڑیں اور دو نہریں جنت کے اوپر موجود پائیں اور ان مشاہدات کے بعد محمد کو شراب (خمر) دودھ اور شہد کے پیالے پیش کیے گئے اور میں نے دودھ کو قبول کر لیا اس پر جبرئیل نے مجھے بشارت سنائی کہ آپ نے دین فطرت کو قبول کر لیا (یعنی جوہر قسم کی کدورتوں سے پاک اور شفاف ہے عمل میں شیریں اور خوشگوار اور نتیجہ میں حد درجہ مفید اور احسن ہے)

پھر خدائے تعالیٰ کا خطاب ہوا کہ تم پر شبانہ روز پچاس نمازیں فرض قرار دی گئیں جب میں ان اسرار الٰہی کے مشاہدات سے فارغ ہو کر نیچے اترنے لگا تو درمیان میں موسیٰ سے ملاقات ہوئی انھوں نے دریافت کیا: معراج کا کیا تحفہ لائے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں۔ انھوں نے فرمایا: تمہاری امت اس بار گراں کو برداشت نہ کر سکے گی اس لئے واپس جایئے اور تخفیف کی التجا کیجیے کیونکہ میں تم سے قبل اپنی امت کو آزما چکا ہوں چنانچہ میں درگاہ الٰہی میں رجوع ہوا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تخفیف ہو گئی، موسیٰ تک لوٹ کر آیا تو انھوں نے پھر اصرار

۱: سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق مختلف روایات کا حاصل یہ ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر ہے اور اسکی شاخیں ساتویں آسمان سے بھی نکل گئی ہیں اور یہ وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں زمین پر اترتی اور زمین سے اوپر چڑھ کر وہاں تک پہنچتی ہیں گویا نزول و عروج کا مقام اتصال ہے۔ اس مقام سے آگے نبی اکرم کے علاوہ نہ جبرئیل اور دوسرے ملائکۃ اللہ کا گذر ہوا اور نہ کسی نبی مرسل کا۔

محدثین کہتے ہیں کہ یہ مقام اس درخت کی شکل میں دراصل "ایمان وحکمۃ" کی حقیقت کو مشکل و مصور ظاہر کرتا ہے، اسلئے کہ ایمان نیتِ صالح اور عمل صالح کا جامع ہے۔ پس یہ درخت پھل کے ذائقہ اپنی خوشبو اور اپنے سایہ ہر سہ صفات کے لحاظ سے حقیقت ایمان کا مظہر ہے یعنی اس درخت کے پھل کا لذیذ ذائقہ نیتِ صالح کا عمدہ مظہر ہے اور عمدہ خوشبو قولِ صالح اور راحت بخش سایہ عمل صالح کا مظہر ہے اور اسی لیئے نبی اکرم نے ایمان کی تشبیہ شجر کے ساتھ دی ہے۔ ارشاد مبارک ہے: الایمان بضع و سبعون شعبة الحدیث۔

۲: یا تو یہ مراد ہے کہ جس وقت آپ نے جنت میں دو نہریں دیکھیں تو آپ نے اسی وقت جب دنیا کی جانب نگاہ کی تو وہاں سامنے نیل اور فرات بہتی ہوئی نظر آئیں اور یا یہ ملاءِ اعلیٰ کی نہروں کے اسی طرح نام ہیں جس طرح دنیا کے دو دریا نیل اور فرات ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا کہ اب بھی زیادہ ہیں اور کم کراؤ اور میں اسی طرح چند مرتبہ آتا جاتا رہا حتیٰ کی صرف پانچ نمازیں رہ گئیں مگر موسیٰ مطمئن نہیں ہوئے اور فرمایا میں بنی اسرائیل کا کافی تجربہ اور ان کی اصلاح کر چکا ہوں اس لئے مجھے اندازہ ہے کہ آپ کی امت یہ بھی برداشت نہ کر سکے گی۔ اس لئے تخفیف کے لئے مزید عرض کیجیے تب میں نے کہا کہ اب عرض کرتے شرم آتی ہے میں اب راضی برضا اور اس کے فیصلہ کے سامنے سر نیاز جھکاتا ہوں جب میں یہ کہہ کر چلنے لگا تو ندا آئی ہم نے اپنا فرض نافذ کر دیا اور اپنے بندوں کے لئے تخفیف کر دی یعنی مشیت الٰہی قبل ہی یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ امت محمد پر بصورت اداء اگرچہ پانچ نمازیں فرض رہیں گی مگر انکا اجر و ثواب پچاس ہی کی برابر ہو گا اور یہ تخفیف ہمارا فضل و کرم ہے۔

ان ہی روایات میں ہے کہ میں نے جنت و جہنم کا بھی مشاہدہ کیا اور پھر مشاہدہ کی تفصیلات بھی منقول ہیں۔

معراج میں رؤیت باری

کیا معراج میں نبی اکرم ﷺ نے ذات احدیت کے جمال جہاں آراء کا بے حجاب مشاہدہ کیا؟ صحیح روایات میں اس مسئلہ کے متعلق جو تعبیرات مذکور ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشاہدہ ضرور کیا تاہم نبی اکرم ﷺ اس مشاہدہ کی کیفیت کے حقیقی اظہار سے اس لئے قاصر ہیں کہ دنیوی تعبیرات میں کوئی تعبیر ایسی موجود نہیں کہ بلند سے بلند ترین مخلوق اس کے ذریعہ جمال جہاں آراء کی کیفیت و حقیقت کو بیان کر سکے اس لئے آپ ﷺ نفس واقعہ کا اقرار فرماتے ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں منقول ہے رأیتہ نور أنی رأیتہ میں نے اس کو نور دیکھا اور مشاہدہ کے باوجود جمال جہاں آراء کی ناقابل بیان کیفیت کا پھر ان الفاظ میں اظہار بھی فرماتے جاتے ہیں نور اانی اراہ۔ اس نورِ بحت کا حقیقی مشاہدہ کہاں ہو سکتا تھا۔

پس حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ کی جانب سے رؤیت باری کی نفی میں آیت قرآنی کا یہ استدلال [illegible] اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کا یعنی دیکھنے والوں کی پوری حقیقت کا ادراک کیے ہوئے ہے۔" اس لئے مرجوح ہے کہ آیت میں موجودہ دنیا کی مادی اور محدود بصارت کے مشاہدہ کا انکار ہے جو لاریب حق ہے لیکن ملاء اعلیٰ کا وہ مقام معراج جہاں زمان و مکان اور حدود قیود سے آزاد اسرار الٰہی کے مشاہدات کیلئے کسی کو نوازا گیا ہو تو اس کے مشاہدہ حقیقت کا یہ آیت کسی طرح انکار نہیں کرتی۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ سے آج تک محققین علماء کی ایک کثیر جماعت سلفاً عن خلف سورۂ النجم کی آیت [illegible] ○ ○ کی تفسیر میں صحیح احادیث کی استمداد سے یہ ثابت کرتی رہی ہے کہ ان مقامات میں رؤیت سے رؤیت باری مراد ہے چنانچہ محقق عصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے سورۂ والنجم کی دقیق و لطیف اور بے بہا تفسیر میں اس حقیقت کو باحسن وجوہ بیان فرمایا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر کا یہ حصہ فتح الملہم شرح مسلم جلد اول لعلامہ شبیر احمد عثمانی اور مشکلات القرآن لحضرۃ الشاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہ دونوں میں منقول ہے اور اپنی جگہ قابل مراجعت ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہجرت

ہجرت لفظ ہجر سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں اللہ کے لئے ترک وطن کر دینا ہجرت کہلاتا ہے۔

ہجرت حبش

اللہ کے دین پر استقامت اور کلمۂ حق کی حفاظت کی خاطر فداکاران اسلام کو ترک وطن کی پہلی آزمائش اس وقت پیش آئی جبکہ کفار مکہ او مشرکین قریش نے ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر مسلمانوں کے لئے ان کے محبوب وطن (مکہ) میں دین حق پر قائم رہتے ہوئے لمحات زندگی کو نا ممکن بنا دیا اور اب ترک وطن کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ چھوڑا پس مٹھی بھر مسلمانوں پر مشرکین کے نا قابل برداشت مظالم اور مسلمانوں کے حیرت زا صبر و استقلال نے دنیاء تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا جو "ہجرت حبش" کے عنوان سے معنون ہے۔

حبشہ کا موجودہ فرمانروا اصحمہ[1] عیسائی تھا اور دین مسیحی کا عالم بھی اس لئے نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اجازت مرحمت فرمائی کہ وہ سر دست حبشہ کو ہجرت کر جائیں توقع ہے کہ اصحمہ کی حکومت ان کا خیر مقدم کرے گی اور وہ کسی مزاحمت کے بغیر دین حق پر قائم و مستقیم رہ سکیں گے۔

ہجرت کے اس دور کی نمایاں شخصیت حضرت عثمانؓ کی رفیقۂ حیات رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر حضرت رقیہؓ ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس مقدس جوڑے کو رخصت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جو خدا کی راہ میں ہجرت کر رہا ہے۔[2] پھر آہستہ آہستہ یہ تعداد اسی تک پہنچ گئی ان مہاجرین میں نبی اکرم ﷺ کے عم زاد بھائی حضرت جعفرؓ بھی تھے یہی وہ مرد حق کوش ہیں جنہوں نے قریش کے وفد کی مہاجرین سے متعلق زہر چکانی اور مطالبۂ مراجعت کے سلسلہ میں نجاشی حبشہ کے دربار میں اسلام پر بے نظیر تقریر فرمائی اور جس کا ذکر صفحات گذشتہ میں ہو چکا ہے۔

ہجرت مدینہ کے اسباب

سنہ ۱۱ نبوت موسم حج کے موقع پر الحراء اور منیٰ کے درمیان مقام عقبہ میں یثرب (مدینہ) کے چند لوگوں نے شب کی تنہائی میں نبی اکرم ﷺ کا پیغام حق سنا اور اسلام قبول کر لیا یہ چھ یا آٹھ اشخاص تھے۔ دوسرے سال چند سابق اشخاص اور بعض دوسرے حضرات نے جو تعداد میں بارہ تھے حاضر خدمت ہو کر اسلام پر تبادلۂ خیالات کیا اور

۱: حبشہ کے بادشاہ کا لقب "نجاشی" تھا جو "نجوسی" کا معرب ہے نجوسی حبشی زبان میں حکمراں کو کہتے ہیں۔
۲: مستدرک، حاکم جلد ۴ صفحہ ۴۰۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مشرف باسلام ہو گئے ان کے اسماء گرامی بروایت محمد بن اسحٰق یہ ہیں: ابوامامہ، عوف بن الحارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ، بن عامر، معاذ بن حرث ذکوان بن عبد قیس خالد بن مخلد، عبادہ بن صامت، عباس بن عبادہ، ابوالہیثم، عدیم بن ساعدہ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۵)

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم نے عقبہ اولیٰ میں حسب ذیل شرائط کے ساتھ اسلام پر بیعت کی تھی:

۱) خدائے واحد کے ماسوا کسی کی پرستش نہیں کریں گے۔
۲) چوری نہیں کریں گے۔
۳) زنا نہیں کریں گے۔
۴) اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
۵) کسی پر جھوٹی تہمتیں نہیں لگائیں گے اور نہ اسکی غیبت کریں گے۔
۶) اور کسی بھی اچھی بات میں آپ کی (نبی اکرم) کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

بیعت کے بعد نبی اکرم نے ارشاد فرمایا اگر تم نے ان شرائط کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت کی بشارت ہے اور اگر تم ان برائیوں میں سے کسی کے مرتکب ہوئے تو پھر تمہارا معاملہ خدا کے ہاتھ ہے چاہے بخش دے اور چاہے جرم پر سزا دے۔

اس واقعہ نے مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا کر دیا اور آہستہ آہستہ ہر ایک خاندان میں آفتاب اسلام کی ضیاء باری ہونے لگی اور نتیجہ نکلا کہ اوس و خزرج کی تمام شاخوں میں سے ۱۳ نبوت کو تہتر مرد اور دو عورتیں اسی مقام عقبہ پر موسم حج میں شب کی تاریکی کے اندر آفتاب نبوت کی درخشانی سے فیضیاب ہونے جا پہنچے نبی اکرم بھی اپنے چچا عباسؓ کو ہمراہ لیکر وہاں پہنچ گئے اور ان کے سامنے اسلام پر ایک مؤثر وعظ فرمایا جس سے ان کے قلوب نور ایمان سے جگمگا اٹھے۔ اس کے بعد انصار اور نبی اکرم کے درمیان اس امر پر گفتگو ہوئی کہ اگر ذات اقدس مدینہ میں نزول اجلال فرمائیں تو اشاعت اسلام کو بھی بہت زیادہ فائدہ پہنچے اور ہم کو بھی فیضیاب ہونے کا بخوبی موقع میسر آئے اور اس سلسلہ میں جانبین سے محبت و مودت کے قول و قرار بھی ہوئے جن کی تفاصیل کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان ہی حضرات میں سے نبی اکرم نے بارہ اشخاص منتخب فرما کر دعوت و تعلیم اسلام کیلئے اپنا نقیب مقرر فرمایا۔

یثرب (مدینہ) میں اسلام کی اشاعت نے جب اس طرح روز افزوں ترقی اختیار کر لی تو اب وحی الٰہی نے نبی اکرم کی زبانی جاں نثاران اسلام کو اجازت دی کہ وہ مشرکین مکہ کی ہولناک ایذا رسانی سے محفوظ ہو جانے کے لئے مدینہ ہجرت کر جائیں اور خدا کے لئے ترک وطن اختیار کریں چنانچہ آہستہ آہستہ مسلمانوں نے مدینہ ہجرت شروع کر دی مشرکین مکہ نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کیلئے مظالم میں اور اضافہ کر دیا اور انسداد ہجرت کیلئے ممکن ذرائع کو اختیار کیا مگر فداکاران اسلام کا جذبۂ ہجرت فرو نہ ہوا بلکہ وہ کثرت کے ساتھ مال، جان آبرو اور اولاد کی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر اللہ کی راہ میں وطن عزیز کو خیر باد کہتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے اور اکثر ایسا ہوا کہ جب اہل مکہ نے ان کے اموال اور اہل و عیال کو ساتھ لے جانے سے روک دیا تو ان مردان خدا نے صبر آزما زندگی کے ساتھ ہجرت حق کی خاطر ان کو بھی وہیں چھوڑا اور تنہا خدا کے بھروسہ پر مدینہ روانہ ہو گئے۔

ہجرت نبوی ﷺ

اب مکہ میں مشاہیر مسلمانوں میں سے صرف ابو بکر اور علیؓ ہی باقی رہ گئے تھے۔[1] اور ایک قلیل تعداد باقی مسلمانوں کی تھی تب قریش نے سوچا کہ محمد ﷺ کو قتل کر کے اسلام کو مٹا دینے کا اس سے بہتر دوسرا کوئی موقع نہیں آئے گا۔

دار الندوہ

چنانچہ تمام سرداران قریش قصی بن کلاب کے قائم کردہ گورنمنٹ ہاؤس "دار الندوہ" میں جمع ہوئے اور سرور عالم ﷺ کے قتل سے متعلق سازش مجلس مشاورت قائم کی اس مجلس میں عتبہ، شیبہ، ابو سفیان، طعیمہ بن عدی جبیر بن مطعم، حارث بن عامر، نضر بن حارث، ابو البختری، رفعہ بن اسود، حکیم بن حزام، ابو جہل، منبہ بن الحاج، امیہ بن خلف جیسے صنادید قریش شریک مشورہ تھے۔ مشورہ شروع ہونے والا ہی تھا کہ ایک شیطان شیخ نجدی دار الندوہ کے دروازہ پر آموجود ہوا اور شرکت مجلس کا خواستگار بنا، قریش مکہ نے ہم مشرب پا کر بخوشی اجازت دی اور اب مشورہ شروع ہوا، مختلف اہل الرائے نے مختلف رائیں دیں لیکن شیخ نجدی نے ہر ایک رائے کو غلط قرر دیا آخر ایک شخص نے کہا: تمام قبائل میں سے ایک ایک جوان لیجیے اور ان سے کہئے کہ وہ بیک وقت محمد ﷺ پر حملہ کر کے قتل کر دیں اس سے کام بھی بن جائے گا اور بنو عبد مناف کسی سے قصاص لینے کی جراءت بھی نہ کر سکیں گے اور صرف خون بہا پر معاملہ طے ہو جائے گا۔ شیخ نجدی نے اس رائے کو بہت سراہا اور یہی رائے طے پا گئی۔ ادھر جبرئیل ؑ نے وحی الٰہی کے ذریعہ ذات اقدس ﷺ کے سامنے اس پوری داستان کو کہہ سنایا اور عرض کیا کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ آپ آج کی شب اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو سلا کر خود مدینہ کو ہجرت کر جایئے چنانچہ وحی الٰہی کے مطابق آپ ﷺ قریش کے نوجوانوں کی حراست کے باوجود سورۂ یٰسین کی چند آیات ○ پڑھتے ہوئے اور "شاهت الوجوه" فرما کر مٹھی بھر خاک ان کے سروں پر ڈالتے ہوئے صاف بچ نکل گئے اور حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر جا کر اور وحی الٰہی کا مژدہ رفاقت سنا کر ان کو ہمراہ لئے مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

ہجرت کا یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳ نبوت دوشنبہ کے روز پیش آیا، یہ واقعہ اپنے خصوصی حالات اور معجزانہ اثرات کے ساتھ بہت مشہور اور صحیح احادیث و روایات میں مذکور ہے اور صدیق اکبرؓ کی سفر ہجرت میں رفاقت کی عظمت و جلالت کیلئے رہتی دنیا تک قرآن عزیز اس طرح ناطق ہے:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پ۱۰ ع۱۲)

---

[1] تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۵۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دوسرا تھا دو کا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے کہ یہ اپنے رفیق (ابو بکر) سے کہہ رہا تھا ابو بکر غم نہ کھا بلاشبہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر ابو بکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے لا تحزن فرمایا لا تخف نہیں فرمایا۔ یہ اس لئے کہ خوف اور حزن کے لغوی فروق میں سے ایک دقیق فرق یہ بھی ہے کہ عموماً خوف اپنی مضرت کے سلسلہ میں ہوا کرتا ہے بخلاف حزن کے کہ وہ اس رنج کو کہتے ہیں جو اکثر دوسرے کی مصیبت کی وجہ سے خود کو پیش آتا ہے گویا قرآن عزیز نص صریح ناطق ہے اس حقیقت کے لئے کہ ابو بکرؓ کو اپنی جان اور اپنی ذات کا خوف نہیں تھا بلکہ ذات اقدس ﷺ کی گرفتاری اور مشرکین کے ہاتھوں ظلم رسانی کا حزن و ملال جانکاہی پر آمادہ کیے ہوئے تھا پس حضور ﷺ قدسی صفات نے ابو بکرؓ کی اس حالت کا اندازہ لگایا تو لا تخف کی جگہ لا تحزن ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی ان اللہ معنا فرما کر ابو بکرؓ کی رفاقت کی مقبولیت پر بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ دنیا اپنے بغض وعناد اور زندقہ والحاد سے جو چاہے کہے لیکن رسول اکرم ﷺ اور ابو بکرؓ کی معیت حقہ کے لئے قرآن جملہ کے کی ناطقیت کے بقاء و دوام کو ساری کائنات بھی مل کر مٹانا چاہے تو نہیں مٹا سکتی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ ۔

قرآن عزیز اور ہجرت مدینہ

واقعہ، معراج میں گذر چکا ہے کہ در حقیقت اسراء تمہید تھی ہجرت کے عظیم الشان واقعہ کی یعنی واقعہ اسراء کے عجائبات اس امر کی تمہید تھے کہ اب آپ ﷺ کی تبلیغی زندگی کا دور ایک دوسرا رخ اختیار کرنے والا ہے جو کامرانیوں اور کامیابیوں سے بھرپور ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ پہلے آپ قبلتین اور ملاء اعلیٰ کے اسرار و غوامض سے آگاہ کر دیا جائے کہ مکی زندگی جب مدنی حیات میں منقلب ہو تو اس سے قبل نبوت رسالت کے کمالات غایت قصویٰ تک پہنچ چکے ہوں اور آپ کا منصب ہدایت اس مقام رفیع تک جا پہنچا ہو، جہاں خدا کی بلند سے بلند ترین مخلوق کا بھی گذر نہ ہوا ہو تاکہ آپ کے شرف کا حاصل کر سکیں۔

پس سورۂ بنی اسرائیل از ابتداء تا انتہاء ہجرت مدینہ کے ہی اسرار و لطائف سے معمور ہے چنانچہ ابتدائی آیات میں اسراء کا بیان ہے اور پھر ذکر آگیا ہے رشد و ہدایت کے اصول کا اور درمیان میں امم سابقہ اور ان کے ہداۃ انبیاء ورسل کے واقعات تبلیغی کا تذکرہ شواہد و نظائر بن کر سامنے آجاتا ہے اور اس ضمن میں معراج کے حکم و اسرار کا بھی ذکر ہوتا جاتا ہے اور اس کے بعد ..... الآیۃ سے مکہ سے خروج اور مدینہ کی ہجرت کا ذکر شروع ہو جاتا ہے اور یہ ذکر آخر سورۃ تک جاری رہتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ نے مسطورۂ ذیل ہر دو آیات کے سلسلہ مضامین کو ہجرت مدینہ سے ہی وابستہ قرار دیا ہے:

وَإِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيْلًا ○ (اسریٰ - ع ۸)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور قریب تھا کہ وہ (مشرکین) البتہ تجھ کو عاجز کر دیتے سرزمین (مکہ) سے تاکہ تجھ کو اس سے نکال دیں اور ایسی حالت میں ان کی ہلاکت بہت قلیل عرصہ میں سامنے آجاتی۔

یہ مشرکین کے حق میں سخت قسم کی تہدید و تخویف ہے کہ جب بھی تمہارے مظالم کی بدولت نبی اکرم ﷺ کو ہجرت مدینہ پیش آئے گی تمہاری اجتماعی زندگی کی ہلاکت قریب سے قریب تر ہو جائے گویا ہجرت مدینہ اسلام کی روز افزوں ترقی اور معاندین اسلام کی موت و ہلاکت کے لئے تقدیر مبرم ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيْرًا ○ (پ ۱۵-ع ۹)

اور کہیے! اے میرے پروردگار مجھ کو داخل کر (مدینہ) میں اچھا داخلہ اور نکال مجھ کو (مکہ) سے عزت کے ساتھ اور میرے لئے اپنی جانب سے زبردست نصرت و مدد عطا کر۔

اسی طرح سورۂ انفال میں بعض واقعات کے ضمن میں ہجرت مدینہ کا تذکرہ موجود ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ أَوْ يَقْتُلُوْكَ أَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ○

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب منکرین تیرے خلاف سازش کر رہے تھے تاکہ تجھ کو قید کر لیں یا مار ڈالیں یا (مکہ سے نکال دیں اور اپنی سازشوں میں لگے ہوئے تھے خدا (اس کے خلاف تدبیر کر چکا تھا اور اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر مدبر ہے۔ (پ ۹-۱۸)

اور اسی طرح سورۂ توبہ میں صدیق اکبرؓ کی عظمت و جلالت قدر کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ہجرت مدینہ کا ذکر اس طرح موجود ہے:

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ط وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ط وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو (نہ کرو) اس کی اللہ تعالیٰ نے اس وقت مدد فرمائی جب اس کو منکرین نے (مکہ سے) نکالا جبکہ وہ دونوں (محمد ﷺ) اور ابو بکرؓ غار میں (حراء میں روپوش) تھے جب وہ (رسول اپنے رفیق (ابو بکرؓ سے) کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنا سکینہ (طمانینت) اتار اور اس کو ایسے لشکر کے ذریعہ قوت پہنچائی کہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے تھے اور (اس طرح) خدا نے کافروں کا کلمہ پست کر دیا اور اللہ کا کلمہ ہی سب سے بلند ہے اور بلاشبہ اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ (پ ۱۰-ع ۱۲)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اسلام میں ''ہجرت'' ایک اہم فریضہ ہے کون نہیں جانتا کہ انسان کے لیے وطن، مال اور اہل و عیال کس درجہ عزیز ہوتے ہیں اور وہ ان ہی متاع گرانمایہ پر اپنی دنیوی عیش و راحت اور بقاء حیات کا مدار سمجھتا ہے لیکن اس کی انسانیت اور انسانیت کا ارتقاء ان تمام مقاصد حیات سے بھی ایک بلند اور رفیع مقصد زندگی کا طالب ہے اور وہ خالق کائنات اور رب العالمین کی معرفت ہے جس کی ربوبیت نے اس کو یہ جامۂ ہستی عطا کیا اسی معرفت کا نام دین اور ملت ہے انسان جب اس مقصد حقیقی کو پالیتا ہے تو پھر اس کی نگاہ میں اس درجہ وسعت اور رفعت پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کی ان تمام رنگینیوں اور نیرنگیوں کا دامن وسیع بھی اس کو تنگ نظر آتا اور وہ اس تنگ دامنی سے عاجز ہو کر آخر کار حایت روحانی کی آغوش میں ہی تسکین پاتا ہے اور جب اس مرحلہ پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس حیات باقی دین حق کی خاطر وہ دنیا کی تمام متاع گرانمایہ تن، من، دھن، حتی کہ اہل و عیال کو بھی تج دیتا ہے اور اس درے بہا کو آنچ تک نہیں آنے دیتا جس کا نام ایمان ہے اسی حقیقت حال کو اسلام کی مقدس اصطلاح میں ہجرت کہا جاتا ہے۔

اسی بناء پر ہجرت ایک صادق الایمان اور مخلص مسلمان کے منافق اور کافر ہستی کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کیلئے بہترین کسوٹی اور معیار ہے نیز فضاء روحانی کا ٹمپریچر معلوم کرنے کے لئے جہاد اور ہجرت ہی ایسے دو مقیاس الحرارت ہیں جن سے مومنوں کے ایمان کی حرارت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے۔

قرآن عزیز نے ''ہجرت'' کی اہمیت پر جگہ جگہ توجہ دلائی ہے اور اس کو ایمان و اسلام کی کسوٹی قرار دیا ہے جس کے لئے یہ مقامات خصوصیت کے ساتھ قابل مطالعہ ہیں:

$\frac{۲۱۸}{۲}$، $\frac{۱۹۴}{۳}$، $\frac{۷۴}{۸}$، $\frac{۲۰}{۹}$، $\frac{۱۱۱}{۱۶}$، $\frac{۵۸}{۲۳}$، $\frac{۱۰۰}{۴}$، $\frac{۴۱}{۱۶}$، $\frac{۹۷}{۴}$

ابتداء اسلام میں مکہ دارالکفر اور دارالحرب تھا اس لئے وہاں سے مدینہ کو ہجرت کر جانا اسلام کے اہم ترین فرائض میں سے تھا تاکہ مسلمان مدینہ میں امن و عافیت کے ساتھ احکام اسلام کی پیروی کر سکیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اسلام کے مقصد عظمیٰ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی یاد دوسرے الفاظ میں اعلاء کلمۃ اللہ کی صحیح خدمت انجام دے سکیں مگر جب ۸ھ ہجری میں فتح مبین نے مکہ کی اس حالت کو بدل کر دارالاسلام بنادیا تو اب ہجرت کا یہ خاص فرض ختم ہو گیا اور زبان وحی ترجمان نے لا ھجرۃ بعد الفتح [1] فرما کر اس حقیقت کا اعلان کر دیا البتہ اب بھی مرکز توحید کے ساتھ والہانہ عشق و محبت کے جذبہ میں مکہ اور مدینہ ہجرت کر کے جانا اجر و ثواب کا ضرور استحقاق پیدا کرتا ہے۔

اور اگر کسی مقام اور کسی ملک میں بھی مسلمانوں کے لئے حیات ایمانی کے پیش نظر وہی صورت حال پیدا ہو جائے جو اسلام کے ابتدائی دور (مکی دور) میں تھی تو اس وقت مسلمانوں کے لئے وہی احکام عائد ہو جائیں

۱: فتح مکہ کے بعد مدینہ کی ہجرت فرض نہیں رہی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گے جو مکی دور کے متعلق قرآن وحدیث اور ان سے مستنبط فقہ اسلامی میں پائے جاتے ہیں اور اصولی طور پر اس وقت صرف دو ہی اسلامی مطالبے سامنے آجائیں گے یا جہاد فی سبیل اللہ[1] کے ذریعہ اس حالت کا انقلاب اور یا پھر ہجرت اور کسی طرح بھی یہ جائز نہیں ہوگا کہ حالت راہنہ (موجودہ حالت) پر قناعت کر کے مطمئن زندگی بسر کی جائے۔

مکہ جب دارالکفر اور دارالحرب تھا تو اس وقت ہجرت مدینہ کو اسلام نے کس درجہ اہمیت دی اور مقصد رفیع کیلئے مسلمانوں سے کس درجہ قربانی اور ایثار نفس کا مطالبہ کیا آیات ذیل سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ وہ سکتا ہے:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ (آل عمران پ ٤ ع ١١)

جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور میری راہ میں لڑے اور مارے گئے میں ضرور ان کے گناہ ان سے دور کردوں گا اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں، یہ بدلہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ ○ (انفال پ ١٠)

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اللہ کے نزدیک بہت بلند رہنے والے ہیں اور وہی کامیاب ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ط قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ط فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ○ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ○ (پ ٥ ع ١١)

بے شک جن کو فرشتوں نے ایسی حالت میں موت سے دوچار کیا کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے ان سے (فرشتوں نے) پوچھا کہ تم کس حالت میں تھے انھوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے سو یہی ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری

[1] البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے طریق واسباب پر وقت کے تقاضے کے پیش نظر ہی عمل واجب ہوگا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جگہ ہے مگر وہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے جو ہجرت کے لئے کوئی حیلہ نہیں کر سکتے اور نہ (ہجرت کیلئے) راہ پاتے ہیں تو یہ وہ ہیں کہ امید ہے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے اور اللہ بے شبہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ختم نبوت

نبوت و رسالات کا یہ سلسلہ جو حضرت آدم سے شروع ہو کر حضرت عیسیٰ تک پہنچا تھا رشد و ہدایت کے اسلوب و نہج کے لحاظ سے اس معنی میں یکسانیت رکھتا ہے کہ اس تمام سلسلہ میں نبوت و رسالت جغرافیائی حدود میں محدود رہی ہے اور اس لئے مختلف زبانوں میں ایک ہی وقت میں متعدد انبیاء علیہم السلام کی بعثت فرائض رسالت ادا کرتی رہی ہے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے پیغام حق نے اگرچہ ایک گونہ وسعت اختیار کی اور بنی اسرائیل کی گم کردہ راہ بھیڑوں کے علاوہ بھی بعض حلقہ انسانی اس دعوت کی مخاطب بنی تاہم انھوں نے عالمگیر دعوت و پیغام کا دعویٰ نہیں کیا اور انجیل شاہد ہے کہ خود ذات قدسی نے بصراحت کہہ دیا کہ ان کی بعثت کا تخاطب محدود ہے۔

لیکن یہ سلسلہ آخر تک اسی طرح محدود رہ سکتا تھا اور جو حلقہ دعوت وارشاد آہستہ آہستہ ترقی پذیر اور وسعت گیر ہوتا جا رہا تھا وہ قانون قدرت کے عام اصول کے خلاف کس طرح ہمیشہ کے لئے محصور رہ سکتا تھا۔

البتہ انتظار تھا تو اس کا کہ وہ وقت قریب آجائے جبکہ دنیا کی وسیع پہنائیوں اور عالمگیر وسعتوں کے درمیان ایسی ہم آہنگی پیدا ہو جائے کہ نہ ایک کے مفاد و مضار دوسرے حصوں سے اوجھل ہو سکیں اور نہ بیگانہ و بے تعلق رہ سکیں بلکہ خدا کی یہ وسیع کائنات مادی اسباب کی ہمہ گیری کی بدولت ایک "کنبہ" بن جائے اور انسان کبیر (عالم) کے تمام جوارح (ممالک و امصار) ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جائیں کہ ایک کا نفع و ضرر دوسروں کے نفع و ضرر پر اثر انداز ہونے لگے بلکہ قانون فطرت اپنا مظاہرہ کرے اور مادی دنیا کی ہمہ گیر ہم آہنگی کے رونما ہونے سے قبل روحانی پیغام سعادت کو عالمگیر وسعت اور ہمہ گیر عظمت عطا فرمائے۔ چنانچہ عالم اسباب میں فطرت کے عام قانون کی طرح رشد و ہدایت کا جو آغاز پہلے انسان کے ذریعہ ہوا تھا اس کا انجام اس مقدس ہستی تک پہنچ کر کامل و مکمل ہو گیا جس کا نام محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔

مسئلہ کے اس پہلو کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں دو زندگیاں توام اور ہم رشتہ نظر آتی ہیں ایک مادی اور دوسری روحانی خدائے برتر کی ربوبیت کاملہ نے عالم کی ان ہر دو حیات کی راہ گذر کیلئے روشنی کا بھی انتظام کیا ہے تاکہ ان پر عمل پیرا ہو کر زندگی کی ٹھوکروں، لغزشوں اور تاریک راہوں سے محفوظ رہا جا سکے چنانچہ اسی مقصد کیلئے اس نے مادی دنیا کے لئے آگ کا درخت لگایا ○

○ چقماق میں آگ پیدا کی اور تیل کو ذریعہ بنا کر دیے مگر روشنی بخشی

○ مگر اس روشنی کو آغاز بھی بخشا اور انجام بھی اور فطری اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مصنوعی دونوں طریقوں سے اس کی ابتداء کو انتہا تک پہنچا کر کامل و مکمل کر دیا کہ اس کے بعد نہ روشنی کی طلب باقی رہے نہ انتظار۔

غرض جو روشنی صنعت کے ہاتھوں دیے کی شکل میں نمود پذیر ہوئی اور شمع کافوری لالٹین روشن گیس اور بجلی کے قمقموں کی شکل میں ترقی کرتی رہی اور جو روشنی براہ راست فطرت کے ہاتھوں چھوئے سے ستارہ کی صورت میں چمکی اور بڑے بڑے روشن ستاروں اور بدر و قمر کی شکل میں روبہ ترقی نظر آتی رہی وہ آخر کار ایک ایسی روشنی پر جا کر رک گئی جس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت ہی باقی نہ رہی اور طلب و انتظار کی تمام فرصتیں اس روشنی پر جا کر ختم ہو گئیں دنیا نے جس کو آفتاب کہہ کر پکارا۔

اسی طرح اس کی رحمت عام اور ربوبیت کامل نے روحانی روشنی کا آغاز پہلے انسان حضرت آدم ؑ کے ذریعہ کیا اور مادی دنیا کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ اس کو نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ جیسے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ روحانی ستارے اور قمر و بدر بنا کر وسعت عطا فرمائی اور آہستہ آہستہ ترقی دیکر اس درجہ پر پہنچا دیا کہ مناسب وقت آنے پر وہ روشنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رشد و ہدایت کی شکل میں آفتاب روحانیت بن کر سارے عالم پر چھا گئی۔

یہی وجہ ہے کہ اگر قرآن عزیز نے سورۂ قمر میں مادی آفتاب کیلئے "سراج" کی تشبیہ دے کر اس کی عالمگیر درخشانی کا ذکر فرمایا تو سورۂ احزاب میں روحانی آفتاب محمد کو سِرَاجًا مُّنِیرًا کہہ کر دونوں آفتاب ہائے درخشاں کی ہم آہنگی کا اعلان فرمایا اور مادی و روحانی ہر دو آفتاب عالمتاب کو سراج (چراغ) سے تشبیہ دے کر ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ گو یہ روشنیاں اپنی ہمہ گیر وسعت کے لحاظ سے آفتاب کہلانے کی مستحق ہیں تاہم یہ بات کسی طرح فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ یہ انجام اصل کے اعتبار سے اسی آغاز کا کامل و مکمل نمونہ ہے جس کی ابتدائی نمود روحانی اور مادی دیئے (سراج) سے ہوئی اور روحانی وسعت و عظمت کے لحاظ سے بعض کو بعض پر اور ایک کو سب پر فضیلت و برتری حاصل ہوئی مگر اصل اور بنیاد کے پیش نظر سب کی نہاد ایک ہی روشنی وحی الٰہی سے وابستہ و پیوستہ ہے۔

الانبیاء اخوۃ من علات

امھاتم شتی و دینھم واحد

ان ہر دو حقائق کے پیش نظر لانے کے بعد یہ حقیقت بھی لائق توجہ ہے کہ فطرت ہم کو روز و شب یہ تماشا دکھا رہی ہے کہ اس کارزار حیات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ زیر و بم، نشیب و فراز، عروج و زوال و کمال کے دائرہ میں محدود و محصور ہے یعنی جب کسی امر کے متعلق کہا جائے کہ یہ عروج و کمال کو پہنچ رہا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اب سے قبل اس میں جو کمی تھی وہ پوری ہو رہی ہے اور اسی طرح جب یہ سنا جاتا ہے کہ فلاں شے ابھی ابتدائی درجہ میں ہے تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کو ابھی بحد کمال پہنچنا ہے۔

غرض آغاز اور انجام، ابتداء اور انتہا ان ہی دو نقطوں سے کارزار ہستی کا دائرہ بنتا ہے اور یہی دونوں زوال و عروج، نقص و کمال اور نشیب و فراز کی پرکار بناتے ہیں۔ پس آدم ؑ نبوت کا آغاز تھے اور محمد ﷺ اس کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آخری انجام۔

پس جو شخص بھی دلیل یا وجدان کی ہدایت سے یہ تسلیم کرتا ہے کہ کائنات ہست و بود سب کچھ اسی کی مخلوق ہے تو گویا وہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ سب نہ ازلی ہیں نہ ابدی بلکہ ان کیلئے آغاز بھی اور اس لئے انسانی تخلیق کو بھی روپ اختیار کیا بہر حال پہلا انسان اپنے ساتھ ہی مادی و روحانی ہدایت لے کر آیا اور یہی وہ آغاز تھا جس کو ادیان سماوی نے نبوت آدم کے نام سے یاد کیا ہے اور جس کا سلسلہ برابر اس دنیا میں قائم رہا تا آنکہ محمد کا ظہور ہوا اور ذات قدسی صفات نے بعثتِ عام کا اعلان فرمایا۔

تو اب اس روحانی رشد و ہدایت یا پیغام الٰہی کے نشر و ارتقاء کیلئے اگر ذات اقدس محمد کے ساتھ ختم نبوت کو وابستہ نہ سمجھا جائے تب تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہی وقوع پذیر تسلیم کی جا سکتی ہے ایک یہ کہ سلسلہ نبوت و رسالت نبی اکرم پر ختم نہیں ہوا بلکہ اس سے آگے ترقی و تکمیل کی راہ پر گامزن ہے یہاں تک کہ اس حد کمال تک پہنچ جائے جس کے بعد کسی تکمیل کی حاجت باقی نہ رہے دوسری صورت یہ کہ اس سلسلہ کے آغاز نے جو ترقی کی راہ اختیار کی ہے وہ تنزل کی جانب مائل ہو جائے اور یہ پیغام کسی طرح بھی شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکے تیسری شکل یہ ہے کہ جو سلسلہ ایک خاص حیثیت میں روبہ ترقی ہے وہ جب حد تکمیل کو پہنچ جائے تو پھر کمال صورت زوال اختیار کر لے یا یوں کہہ دیجیے کہ حد کمال آغاز کی جانب لوٹ جائے اور تحصیل حاصل کا نمونہ پیش کر دے۔

لیکن آخری دو شکلیں غیر معقول بلکہ فطری تقاضہ کے خلاف ہیں پہلی صورت تو اس لئے کہ اس سے خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ اور صفت رحمت و قدرت کا نقص لازم آتا ہے کہ جس مقصد سے اس نے ایک آغاز کیا تھا اسی مرضی و مشیت کے باوجود اس کو درجۂ تکمیل نہ دے سکا،

اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو گویا یہ مان لینا ہوگا کہ کائنات ہست و بود میں نقص، نشیب، زوال، اور ابتداء کے علاوہ کمال، فراز، عروج اور انتہاء کا وجود ہی نہیں ہے گویا دوکان فطرت میں عیب کے سوا ہنر کا کوئی سودا موجود ہی نہیں اسی طرح دوسری شکل اس لئے جب کہ تکمیل ایسی حقیقت کا نام ہے جس کے بعد اس سلسلہ کی نہ ضرورت باقی رہے نہ طلب تو پھر رشد و ہدایت اور پیغام حق جیسی روشن شے کے پایہ تکمیل تک پہنچ جانے کے بعد اس کو ابتداء سے پھر دہرانا بے معنی بات ہے اور تحصیل حاصل نہ عقل کا ہے نہ حکمت و دانائی کا چہ جائے کہ ایسے فعل کی نسبت اس ذات کی جانب ہو جس کیلئے کہا گیا ہے:

پس اگر مؤخر الذکر دونوں صورتیں غیر معقول اور نا قابل توجہ ہیں تو اب پہلی شکل ہی لائق غور رہ جاتی ہے مگر جب اس کی تحلیل کی جائے تو یہ سوال خود بخود سامنے آجاتا ہے کہ جب کہ تاریخ ادیان و ملل نے بلکہ واقعات و حقائق نے یہ ثابت کر دیا اور روشن دلائل و براہین سے ثابت کر دیا کہ قرآن عزیز ایک ایسا روحانی قانون، دستور، آئین اور پیغام رشد و ہدایت ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام سابقہ ادیان اور موجودہ مدعیان وحی والہام عاجز و درماندہ رہے ہیں اور ہیں تو پھر علم و عقل اور حکمت و دانش کا وہ کون سا تقاضا ہے جس کے پیش نظر،

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

کا انکار کیا جا سکے اور جو تکمیل کہ محمد ﷺ کے ذریعہ ہو چکی اس کو جھٹلا کر اور تاریخ ادیان کی صاف اور صادق شہادت کا منکر بن کر اس سلسلہ کی آخری کڑی نبی مُنتظَر کے لئے چشم براہ ہوا جا سکے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن عزیز نے،

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

کہہ کر روشن کیا ہے اور جس کی شہادت خود ذات قدسی صفات نے یہ کہہ کر دی ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ مثلی و مثل النّبیین کمثل رجل بنٰی داراً فاتمها الا لبنة واحدة فجئت انا فاتممت تلك اللبنة۔ (مسلم)

میری اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے مکان بنایا اور اس کو مکمل کر لیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی پس میں قصر نبوت کی وہی اینٹ ہوں جس نے آکر اس قصر کی تکمیل کر دی۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس بات کو مان لینے میں کیا حرج ہے کہ قصر نبوت کی تکمیل آپ ﷺ ہی کی ذات سے ہوئی لیکن پھر آپ ﷺ کے کمال نبوت کے مختلف اطوار و احوال میں سے یہ امتیازی شان بھی منصۂ شہود پر آئی کہ جو شخص بھی جدید نبی یا رسول بنے اس کا انتساب آپ ﷺ ہی کے فیض نبوت کے ساتھ وابستہ ہو یعنی آئندہ بھی نبی اور رسول آتے رہیں مگر وہ مستقل نہ ہوں بلکہ آپ ﷺ کے ماتحت اور قرآن ہی کے زیر نگیں ہوں لیکن یہ کہنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جو بات کہی گئی اس کو خواہ کسی خوبصورت سے خوبصورت عنوان سے کہیے سب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بعد نبی اور رسول کی احتیاج باقی ہے اور اس کے بغیر دین الٰہی اور پیغام ربانی تشنۂ تکمیل ہے ورنہ تو تکمیل نبوت کے بعد نبی اور رسو سول کی جگہ خاتم النّبیین کے صرف نائب اور جانشین ہونے چاہئیں تاکہ ان کے ذریعہ پیغام کامل اور ہدایت تام کی یاد دہانی ہوتی رہے اور یہی وہ نیابت و وراثت ہے جس کا حق خدمت علماء امت، "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" اور "العلماء ورثة الانبیاء" کے مصداق بن کر ادا کرتے چلے آئے ہیں اور تا قیام حشر کرتے رہیں گے۔

اس اہم مسئلہ کی وضاحت یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ کتاب کائنات کے وہ صفحات جن پر مذاہب و ملل کی تاریخ ثبت ہے شاہد ہیں کہ اقطاع عالم کے درمیان رسل و رسائل اور دیگر وسائل کے مفقود ہونے کی وجہ سے جبکہ فطرت نے رشد و ہدایت کے پیغام کو عرصۂ مدید تک جغرافیائی حدود میں محدود رکھا اور اس لیے، ایک ہی دور میں متعدد مقامات پر متعدد انبیاء و رسل کا ظہور ہوتا رہا اور پھر جب کائنات پر وہ زمانہ پر توڈالنے لگا جس کے قریبی عرصہ میں ساری کائنات کے باہم روابط نے ہم آہنگی اور تعارف کی بنیاد ڈال دی اور فطری تقاضہ کی بناء پر روحانی پیغام نے بھی بعثت خاص کی جگہ بعثت عام کی شکل اختیار کر لی اور ایک ایسا پیغام آگیا جو تمام عالم کے لئے یکساں طور پر بہ یک وقت رشد و ہدایت کا آفتاب بن کر درخشاں ہے تو اس کے بعد یا تو یہ ہونا چاہیے کہ وہی پیغام رہتی دنیا تک کے لئے رشد و ہدایت کا پیغام بنے اور جس پیغمبر کی معرفت وہ پیغام آیا ہے اس کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ذات اقدس کو اس پیغام کا مکمل و متمم مان کر خاتم الانبیاء والرسل کیا جائے ورنہ غور کیا جائے کہ محدود پیغام و دعوت حق کے بعد جب بعثت عام نے ساری کائنات کی راہنمائی کا فرض انجام دیدیا تو اس کے بعد ضرورت و طلب کا کون سا عنوان باقی رہا جس کا حاصل عروج سے انحطاط کی شکل میں ظاہر ہو اور یا بعثت عام کی تحصیل حاصل کی غیر معقولیت، معقولیت کی شکل اختیار کرے اور آیت وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کی بشارت کو بے حقیقت بنادیا جائے۔

ذات قدس محمد ﷺ کی بعثت عام کے بعد ایسی حیثیت سے اس سلسلہ کا اجراء، تحصیل حاصل اور غیر معقول اسلئے ہے کہ فطرت کے مادی اور روحانی تقاضہ کے خلاف اگر قدرت حق کو یہ منظور تھا کہ پیغام و دعوت اور نظام رشد و ہدایت تدریجی طور پر ترقی پذیر نہ ہو اور مادی دنیا کے محدود حالات سے بے نیاز ہو کر انجام پائے تو بلاشبہ آغاز ہی میں وحی الٰہی بعثت عام کی شکل اختیار کرتی اور پھر رہتی دنیا تک وہی بروئے کار ہوتی اور یا اس کا سلسلہ کسی تکمیل کا محتاج نہ ہو کر رہتی دنیا تک تجدید کی شکل میں جاری رہتا۔

مگر واقعات اور مشاہدات اسکے خلاف ہیں اور اول محدود پیغامات کا سلسلہ اور ان کے درمیان ترقی پذیر وسعت کا دائرہ اور پھر دعوت عام کی شکل میں اس ترقی کی انتہا یہ پوری تدریجی کیفیت صاف بتلا رہی ہے کہ فطرت الٰہی نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دوسرے امور کی طرح رشد و ہدایت الٰہی کا یہ پیغام بھی آغاز کی نمود کے ساتھ آہستہ آہستہ ترقی پذیر اور وسعت گیر ہوتا رہے تاکہ آنکہ وہ وقت آجائے کہ یہ وسعت عالمگیر دعوت بن کر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور یہ سلسلہ اس حد پر پہنچ کر ختم ہو جائے اور آئندہ نبی و رسول کی جگہ نائبین رسول "علماء" تاقیام ساعت اس مکمل قانون دعوت کی روشنی میں تبلیغ حق کا فرض انجام دیتے رہیں تاکہ ایک جانب وحدت امت کا وہ نظام جو بعثت عام اور دعوت عام سے وابستہ ہو چکا ہے پارہ پارہ نہ ہو سکے اور دوسری جانب حیات عالم کے ساتھ ساتھ اس پیغام حق کا فرض بھی مسلسل ادا ہوتا رہا ہے اور اس طرح خدائے برتر کا یہ اعلان تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ جدید نبی منتظر اور رسول مطلوب کے نظریہ کی شکل میں بے روح ہو کر نہ رہ جائے۔

سطور بالا میں انبیاء علیہم السلام کے پیغام حق کی وحدت کا تذکرہ آچکا ہے مسئلہ ختم نبوت کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے اور اس سلسلہ کی دلیل روشن کے لئے تمہید و توطیہ بننے کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہم اس خاکدانِ ہستی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے کہ ہر کثرت کیلئے کوئی نقطہ وحدت ضرور ہے چنانچہ افراد کے لئے نوع انواع کیلئے جنس اجناس کیلئے جوہر، جواہر کیلئے وجود اور وجودات کیلئے وجود بحت (خالص) محور مرکز ہے اسی طرح اجسام کیلئے سطح سطحات کیلئے خط اور خطوط کیلئے نقطہ مرکز و مدار ہے نیز اعداد خواہ اپنی کثرت میں کسی حد تک کیوں نہ پہنچ جائیں ان کا محور و مرکز ہر حالت میں اکائی ہے۔

غرض جب بھی کسی کثرت کا تصور کیجئے اس کے ساتھ وحدت کا تصور لازم و ضروری ہے اور اگر وحدت کو پیش نظر لائیے تو وہ کسی نہ کسی کثرت کیلئے محور و مرکز ہونے کا ضرور پتہ دیتی ہے پس وحدت و کثرت کا یہی رابطہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے جس نے حدودِ عام سے گذر کر ہست کے ساتھ تعلق پیدا کیا اور اس کو عالم ہست و بود کا نام دیا۔

تو اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر جب ہم سلسلہ نبوت و رسالت پر نظر ڈالتے ہیں اور سبع سماوات کی طرح سطح عالم پر مختلف ادوار میں ہزاروں سیار گان رشد و ہدایت کو ضوفشان پاتے ہیں تب مسطورہ بالا حقیقت کی بنیاد پر فطرت تقاضا کرتی ہے کہ اس کثرت کا بھی کوئی نقطۂ وحدت ضرور ہونا چاہیے جو کثرت کے لئے محور مرکز بن سکے اور جس طرح اکائی کے بعد کثرت کے لئے کوئی اور مبدء و منتہا نہیں ہے اسی طرح انبیاء و رسل کے سلسلۂ کثرت کیلئے بھی ایک ہی مبدء و منتہاء ہونا از بس ضروری ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو ختم نبوت کے نام سے موسوم ہے اور اسی کو قرآن حکیم نے اس جوہر حکمت کے ساتھ ادا کیا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

محمد (ﷺ) مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں تاہم وہ خدا کے پیغمبر او آخر الانبیاء ہیں۔

نبوت "نبا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "خبر دینا" ہے اور رسالت کے معنی "پیغام" ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں نبوت و رسالت خدا کی جانب سے ایک منصب ہے جو مخلوق کی رشد و ہدایت کیلئے کسی مخصوص انسان کو عطا ہوتا ہے اور اس کے لائے ہوئے پیغام کو وحی کہتے ہیں کیونکہ یہ پیغام در حقیقت پیغامبر کا اپنا کلام نہیں ہوتا بلکہ خدائے برتر کا فرمان ہوتا ہے جس میں خطاء و قصور یا سہو و نسیان کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی۔

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ط تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○

اسی (وحی الٰہی) کے سامنے اور نہ اس کے پیچھے سے باطل کا گذر بھی نہیں ہوتا یہ تو اتارنا ہے حکمت والے ہر طرح قابل ستائش والے کی جاب سے (یعنی خدا کی جانب سے)

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب خدائے برحق کسی شخصیت کو نبوت و رسالت یعنی پیغام حق سے سرفراز کر دیتا ہے تو تمام انسانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک خدا کے فرمان وحی الٰہی کے سامنے بے چوں چرا سر تسلیم خم کر دیں۔ وہ شخصیت کی صداقت اور خدا کی جانب اس کے دعویٰ وحی کی حقانیت کا تو ہر حیثیت سے حق رکھتے ہیں لیکن اگر اس کے دونوں دعووں کی تصدیق و تائید عقل کی راہ سے دلائل و براہین کے ساتھ ہو جائے اور کسوٹی پر اس کی صداقت بے لوث اور صاف روشن ہو جائے تب اس کے دیئے ہوئے پیغام خدا کو ماننے نہ ماننے میں وہ آزاد نہیں رہ سکتے اور بلا شبہ اس کے پیغام کو پیغام حق سمجھ کر قبول کر لینا اور اس کے سامنے سر نیاز جھکا دینا فرض اولین ہے ہاں چونکہ وہ پیغام کسی بڑے سے بڑے عاقل و فرازنہ انسان کا پیغام نہیں بلکہ پیغام الٰہی ہے اس لئے وہ خود یہ ضروری سمجھتا ہے کہ جو کچھ کہے عقل کی کنج و کاؤ سے خواہ کتنا ہی بالاتر ہو لیکن عقل کی نگاہ میں اور دلائل و براہین کی ترازو میں ناممکن اور محال نہ ہو کیونکہ فطرت اور عقل کے درمیان بیر نہیں ہے بلکہ عقل، فطرت کے قوانین کے سمجھنے اور سمجھ کو قبول کرنے کے لئے بہترین ذریعہ اور آلہ ہے اور وحی الٰہی در حقیقت فطرت کے روحانی قوانین کی ترجمان ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بہر حال کسی نبی یا رسول کے مبعوث ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق جن و بشر اپنی روحانی سعادت اور اخلاق و کردار کی بلندی کے لئے اپنے عقل و دماغ کے اختراع کی بجائے پیغام حق کو راہنما بنائے تاکہ ذی عقل کائنات الٰہی اس راہ میں رقیبانہ تضاد و تصادم سے بے نیاز ہو کر انسانوں کے نہیں بلکہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا کے قوانین پر عمل پیرا ہو کر اجتماعی وحدت، عالم گیر اخوت و مساوات کی قدروں کو حاصل کر سکیں اور ایک دوسرے کا حاکم و محکوم اور آقا و غلام بننے کے بجائے سب ہی یکساں طور پر صرف اپنے پیدا کرنے والے ہی کے محکوم و غلام بن جائیں۔

دوسری جانب اس خاکدان عالم کا یہ حال ہے کہ اس کی ہر ایک شے نشوو ارتقاء کے قانون قدرت میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مادی اور روحانی قوانین و نوامیس کی خالق ایک ہی ذات ہے تو بلا شبہ دونوں کے نوامیس و قوانین میں ہم آہنگی اور وحدت کار فرما نظر آنی چاہیے ورنہ العیاذ باللہ وحدت و اکائی کی جگہ دوئی کو محور مرکز ماننا پڑے گا جو فطرتاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

تب از بس ضروری ہے کہ رشد و ہدایت کے اس منصب نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی قانون ارتقا سے اسی طرح جکڑا ہوا ہونا چاہیے جس طرح مادیات کا اور اس لئے تسلیم کرنا ہوگا کہ رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ ارتقائی بنیادوں پر اس طرح ترقی پذیر ہو کہ کائنات انسانی اپنے بقاء و وجود تک کسی وقت بھی اس راہ میں نشوو ارتقاء سے محروم نہ رہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اب رشد و ہدایت کے اس نظام کو جو منصب نبوت و رسالت کے نام سے معنون ہے یوں سمجھنا چاہیے کہ قانون قدرت نے ایک جانب انسان کی مادی نشوو ارتقاء کا یہ سامان مہیا کیا کہ اس کی عقل و دانش اور اس کے شعور دماغی کو آہستہ آہستہ ترقی پذیر کرنا شروع کی اور دوسری جانب اسی معیار پر انسان کو روحانی و اخلاقی تربیت کا ساز و سامان بھی انبیاء و رسل کے ذریعہ آہستہ آہستہ ترقی پذیر شکل میں عطا فرمایا اور آخر ایک وقت وہ بھی آیا کہ انسان عقل و شعور کی ابتدائی اور متوسط منازل سے گذر کر بلوغ و کمال کی اس حد پر پہنچ گئے جس کو ان کے لئے حد کمال کہا جا سکتا ہے اور جس معراج کمال پر پہنچ کر انسان "انسان کامل" کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہو جاتا ہے، تاہم حد بلوغ کی اس معراج ارتقاء پر پہنچ جانے پر بھی اس کی جلاء اور صیقل کیلئے رہتی دنیا تک نت نئے سامان ہوتے رہیں گے اور خالق کائنات کی ربوبیت کاملہ ان کے کمال کو نقص سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تربیت حق کا ہاتھ ان سے نہ اٹھائے گی۔

ٹھیک اسی طرح نبوت و رسالت کی شمع رشد و ہدایت کا یہی حال رہا ہے کہ وہ ہزاروں ہزار سال تک اپنے ابتدائی اور متوسط منازل ارتقاء سے گذرتی رہی اور آخر کار، وقت بھی آپہنچا کہ اس کی ترقی اور نشوار تقاء نے "کمال و تمام" کی شکل اختیار کر لی اور اس حد کمال پر پہنچ گئی جہاں اس سے ذریعہ کائنات ہست و بود کے سامنے ایسا قانون مکمل اور دستور کامل آگیا جو ہر طرح عقل و شعور انسانی کے حد بلوغ کے مناسب حال ہے اور جس کی راہنمائی اور روشنی عروج و کمال کی ضامن و کفیل ہے ساتھ ہی اس میں یہ لچک بھی موجود ہے کہ گو یہ قانون رشد و ہدایت اپنے بنیادی اصول کے لحاظ سے اٹل اور غیر متبدل ہے مگر عقل و شعور کے کمال و بلوغ کے تحفظ کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ نے راہیں مسدود نہیں کیں بلکہ رہتی دنیا تک اس کی تربیت کے سامان مہیا کیے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیں اسی طرح اس منصب نبوت و رسالت کی تکمیل اور نقطۂ ارتقاء کے حد کمال پر پہنچ جانے کے بعد اس کے عطا کردہ رشد و ہدایت کے تحفظ کی راہیں بھی بند نہیں کیں اور تا قیام قیامت اس کے جلاء و صیقل کے لئے "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کا سلسلہ قائم و دائم رکھا۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کو حدیث نبوی ﷺ نے خاتم النّبیین کی تفسیر کو ایک روشن مثال کے ذریعہ سمجھایا اور "ختم نبوت" کی حقیقی روح کو مادی شکل میں پیش کر کے حرف آخر قرار دیا:

عن ابو هريرة رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان مثلى و مثل الانبياء من قبلى كمثل رجل بنىٰ بيتاً فاحسنه واَجملهٗ الا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به و يعجبون له و يقولون هلا وضعت هذه اللبنة و انا خاتم النّبيين۔

حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر میں چھوڑ دی تو اب لوگ اس کو دیکھنے جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ بھر دی گئی۔ (تاکہ تعمیر کی تکمیل ہو جاتی)۔

و فى بعض الفاظه فكنت انا سددت موضع اللبنة و ختم لى البنيان و ختم لى الرسل ۔ (كنز العمال عن ابن عساكر)

چنانچہ میں نے اسی جگہ کو پر کیا ہے اور میں وہی نبوت کی آخری اینٹ ہوں جس سے قصر مکمل ہو گیا اور میں ہی آخر الانبیاء ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رب العٰلمین کی ربوبیت کاملہ نے کائنات ہست و بود میں قانون ارتقاء کو جس طرح نافذ فرمایا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ عقل و شعور انسانی کے حد بلوغ پر پہنچ جانے کے باوجود اس کی ترقی کا سلسلہ تا ابد جاری رہے اور اس میں ایسی پابندی یا روک نہ ہونی چاہیے جس سے اس کی صلاحیتوں کے نشو و ارتقاء کا سد باب ہو جائے اور دوسری جانب پیغام حق کا جو سلسلۂ نبوت و رسالت (بذریعہ وحی الٰہی) عالم کی رشد و ہدایت کے لئے عطا ہوا ہے وہ بھی حد کمال و تمام پر پہنچ جانے کے باجود فطرت کے قانون ارتقاء کے مطابق نہ کمال سے نقص کی جانب رجوع کرے کہ حقیقت ظل اور بروز کے پردہ میں مستور ہو کر رہ جائے اور نہ ربوبیت حق کے اس عطاء و نوال اور بخشش کا ہی سد باب ہو جائے جو رشد و ہدایت کے عنوان سے معنون اور عالم انسانی کی حقیقی راہنما ہے اس لئے طریقہ یہ رکھا گیا کہ جب انسان اپنے عقل و شعور میں حد بلوغ تک پہنچ گیا یا اس کے سامان پوری طرح مہیا ہو گئے تب نبوت و رسالت کو بھی بہ حد کمال و تمام پہنچ کر ختم کر دیا گیا اور اعلان کر دیا گیا:

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت (نبوت و رسالت) کو پورا کر دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مگر رشد و ہدایت کو رہتی دنیا تک اس طرح باقی رکھا کہ آخری پیغمبر کے ذریعہ جو آخری پیغام کامل و مکمل بن کر آیا وہ اساس و بنیاد قرار پائے اور نت نئی مادی ترقیات کے ساتھ ساتھ اس کا فیضان علم بھی درخشاں و تاباں رہے اور یہ خدمت علماء حق کے سپرد ہو یہی وہ حقیقت ہے جس کو کلام معجز نظام نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

اگر تم کسی معاملہ میں اختلاف کرو تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی جانب رجوع کرو۔

ظاہر ہے کہ اگر نبوت و رسالت محمد ﷺ پر پہنچ کر کامل نہ ہوتی اور اس کا سلسلہ کمال نبوت ہی کی شکل میں آگے بڑھتا رہتا تو یہ نہ کہا جاتا کہ محمد ﷺ کی جانب یعنی ان کے ارشادات حق کی جانب رجوع کرو بلکہ خطاب یہ ہوتا کہ تم اللہ کی جانب اور جو نبی تم میں موجود ہو اس کی جانب رجوع کرو بلکہ خطاب یہ ہوتا کہ تم اللہ کی جانب اور جو نبی تم میں موجود ہو اس کی جانب رجوع کرو اس لئے نبوت و رسالت کو ظل و بروز کی اصطلاحوں کی آڑ میں باقی رکھنے کی کوشش کرنا قانون فطرت اور دین حق کے صریح خلاف اور باطل ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن حکیم نے کئی جگہ مختلف معجزانہ خطابت کو اختیار کیا ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ ۢ بَلَغَ ط

اور میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی تاکہ اس کے ذریعہ میں تم کو (بری باتوں سے) ڈراؤں اور ان تمام لوگوں کو بھی جن کو (رہتی دنیا تک) یہ قرآن پہنچے۔

اور دوسری جگہ ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ○ (سورۂ انبیاء)

اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر

اور ایک جگہ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○

اللہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ اس کے لئے بطور گواہ کافی ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (محمد ﷺ) کی اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔

اس آیت میں صاف طور پر یہ کہ دیا گیا ہے کہ اب انسانی رشد و ہدایت کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اللہ کی اور محمد ﷺ کی اطاعت کی جائے اور محمد ﷺ کے علاوہ اب کسی نبی ورسول کی اطاعت کا سوال نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا آخری طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے جو صاحب امر ہوں (علماء، مجتہدین و خلفاء حق) ان کی پیروی کرو۔

ان آیات بینات کے علاوہ قرآن حکیم نے جن آیات میں خدا کی کتابوں یا رسولوں پر ایمان لانے کی ہدایت کی ہے وہاں یہ کہہ کر:

بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (پ ۱ ع ۱)

آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتَابِ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (پ ۵ آیت ۱۷)

کہ محمد ﷺ اور ان سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور قرآن اور اس سے قبل کی کتابوں پر ایمان لاؤ اس حقیقت کو نمایاں کیا اور ابھارا ہے کہ جہاں تک پیغمبر اور کتاب اللہ پر ایمان لانے کا تعلق ذات اقدس، قرآن حکیم اور اس سے قبل کے نبیوں، رسولوں اور کتابوں کا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ یہ سلسلہ آگے بشکل نبوت و رسالت اور وحی الٰہی نہیں چلے گا بلکہ محمد ﷺ کی رسالت ہی بہ حد کمال پہنچ کر قیامت تک بلا فضل باقی اور جاری رہے گی اور قرآن حکیم کامل و مکمل دستور ہدایت بن کر ہمیشہ اس کے لئے زندہ شہادت دے گا۔

حق تعالیٰ کی جانب سے "خاتم النّبیین" کا جو منصب جلیل ذات اقدس ﷺ کو عطا ہوا ہے عقل و نقل دونوں اعتبار سے ایک اور صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے اور وہ یہ کہ محمد ﷺ آخر انبیاء و رسل ہیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ آپ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

تاج العروس میں ہے:

(و) الخاتم (من كل شيءٍ عاقبته و اٰخرته كخاتمته و الخاتم اٰخر القوم كالخاتم)

ومنه قوله تعالىٰ و خاتم النّبيين اى اٰخرهم .....الخ

(فصل الخاء، من باب المیم)

تاج العروس کے علاوہ تمام معتبر اور مشہور عربی لغات ناطق ہیں کہ "خاتم" بفتح تاء ہو یا بہ کسرہ تاء "آخر شئ" اس کے حقیقی معنی ہیں اور جب کسی شخصیت کے لئے بولا جائے تو "آخر القوم" مراد ہوتے ہیں اس لئے آخر الانبیاء والرسل ہونا ذات اقدس ﷺ کی وہ خصوصیت ہے جس میں دوسرا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

یہ درست ہے کہ خاتم بمعنی "مہر" بھی حقیقی معنی ہیں اور یہی نہیں ان دونوں کے ماسوا اس لفظ کے چند اور معانی بھی حقیقی ہیں لیکن اطلاقات ہی اس کو ظاہر کر سکتے ہیں کہ ان ہر دو حقیقی میں سے کون سے معنی بر محل ہیں مثلاً جب آپ ہاتھ میں انگشتری پہنے ہوئے ہوں اور اس پر آپ کا نام کندہ ہو اس وقت اگر کہا جائے کہ خاتمک فی الملک تو اس وقت ختم بمعنی مہر حقیقی معنی ہوں گے لیکن اس لفظ خاتم کو اگر کسی انسان پر اطلاق کریں تو اس وقت خاتم بمعنی آخر حقیقی معنی ہوں گے اور خاتم القوم یا خاتم الانبیاء تب ہی صحیح ہو گا کہ آنے والا شخص قوم کا آخری فرد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یا نبیوں کا آخری نبی ہو اور اس حقیقی اطلاق کی موجودگی میں مجازی معنی سے مغائر و متضاد نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ پوری مطابقت رکھتے ہوں۔

تب یہ بات واضح اور صاف ہے کہ اگر کوئی شخص بلاغت قرآن اور اعجاز نظم قرآنی کے خلاف بلکہ عربیت کے عام اصول کے خلاف آیت کریمہ خاتم النّبیّین میں خاتم کے حقیقی معنی ترک کر کے بلحاظ اطلاق مجازی معنی "مہر" کے لیتا ہے تب بھی مجازی معنی اور مفہوم وہی صحیح اور لائق توجہ ہو سکتے ہیں جو حقیقی معنی "آخر" سے متبائن اور متخالف نہ ہوں اور "نبیوں کی مہر" کا یہ مطلب ہو گا کہ جس طرح کسی تحریری یا کسی شے کے ختم پر مہر اسلیئے لگائی جاتی ہے کہ اس پر تحریر یا شے اختتام ہو گیا اور اب کسی بھی اضافے کی گنجائش باقی نہیں رہی، اسی طرح ذات اقدس ﷺ انبیاء و مرسلین کے سلسلہ کیلیئے "مہر" ہیں کہ آپ کے بعد اب فہرست انبیاء ورسل میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں رہی اور س سلسلہ پر مہر لگ گئی اور جس طرح کاغذ یا لفافہ پر مہر ثبوت ہے اس امر کا کہ کب اسکے بعد کسی مضمون یا لفظ و جملہ کی توقع عبث ہے اسی طرح نبیوں کی مہر اس کیلیئے کھلی دلیل ہے کہ اب کسی اضافہ کی توقع محال ہے پس "مہر" بہ اطلاق مجاز کے اس مفہوم کو چھوڑ کر اگر کسی خاص مزعومہ کی بناء پر یہ معنی مراد ہوں کہ ذات اقدس ﷺ نبیوں کیلیئے مہر ہیں کہ جسطرح کوئی کاغذ یا تحریر جب ہی مستند ہوتی ہے کہ اس پر ذمہ دار شخصیت کی مہر ثبت ہو اس طرح کوئی نبی یا رسول نہیں بن سکتا جب تک آپ ﷺ اس کیلیئے مہر تصدیق نہ بن جائیں۔ تو یہ مراد دو وجہ سے باطل ہے: اول اسلیئے کہ یہ مفہوم حقیقی معنی "آخر" کے متضاد و متبائن ہے۔ دوم اسلیئے کہ ہزاروں یا لاکھوں انبیاء علیہم السلام جو ذات اقدس ﷺ کے زمانہ بعثت سے قبل اس کائنات ارضی پر مبعوث ہو چکے اپنی اپنی امت کے زمانہ میں ان کی نبوت غیر مستند اور نا قابل قبول رہی اسلیئے کہ ان کی نبوت کی تصدیق کنندہ "مہر" ان کی بعثت سے ہزاروں یا سیکڑوں برس کے بعد آئی جبکہ وہ اپنے اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو چکے تو اب بے سود و بے فائدہ اور اگر یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ کے بعد جو نبی آئیں گے ان کیلیئے آپ ﷺ "مہر" ہیں تو یہ ترجیح بلا مرجح کیوں؟ کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء و رسل کیلیئے تو مہر نہ بنے اور بعد میں آنے والوں کیلیئے "مہر" قرار پائے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ اگلوں اور پچھلوں سب ہی انبیاء و رسل کیلیئے مہر تصدیق ہیں تب بھی اگلوں کیلیئے مہر ہونا بے کار رہا کہ ان کے وقت نبوت گزر جانے کے بعد مہر تصدیق پہنچی۔

علاوہ ازیں یہ احتمالات خود ساختہ اور ظنی ہیں اور کسی ایک احتمال کے یقینی ہونے کی بھی قرآن میں صراحت موجود نہیں ہے تو پھر حقیقی اطلاق کو ترک اور حقیقی سے مطابق مجازی مفہوم سے روگردانی کے بعد ایسے احتمالات جو حقیقی مفہوم کا حق نہ ادا کرتے ہوں باطل نہیں تو اور کیا ہیں؟

پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قرآن کا حکیمانہ طریق استدلال یہ ہے کہ وہ ایک مقام پر جو بات کہنا چاہتا ہے اس کو متعدد جگہ مختلف اسالیب بیان کے ساتھ اس طرح ادا کر دیتا ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی خود ہی تفسیر بن جاتی اور حقیقت حال روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے اس حقیقت کو مفسرین نے اس طرح ادا کیا ہے کہ: القران یفسر بعضه بعضا یعنی قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ کو خود تفسیر کر دیتا ہے چنانچہ یہی صورت حال یہاں بھی موجود ہے وہ یہ کہ قرآن حکیم اسلام کی خوبی بیان کرتے ہوئے اعلان کرتا ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت میں پسند کر لیا۔ (پ۶،ع۵)

آیت کریمہ کو ایک مرتبہ خوب غور سے پھر پڑھئے اور دیکھئے کہ اس جگہ نہ "خاتم" ہے اور نہ "خاتم" کہ اس کو معرض بحث میں لا کر خود ساختہ احتمالات پیدا کر لئے جائیں، بلکہ یہاں صاف صاف کہا گیا ہے کہ جو دین اسلام وجود انسانی کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا مرکز بنا ہوا ہے اس کو آج "کامل" اور اس نعمت دین کو تمام کر دیا گیا اور ظاہر ہے کہ "کامل" کا مقابل "ناقص" اور "تمام" کا متوازی ناتمام ادھورا" ہوتا ہے یعنی ایک چیز آہستہ آہستہ ترقی پذیر تھی اور رفتہ رفتہ اس حد پر پہنچ گئی جس کے بعد اب ترقی کا خاتمہ ہے اسلئے کہ وہ کامل و مکمل ہو کر سامنے آگئی جس کے بعد ناقص یا ناتمام کے دہرانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

سو اگر یہ صحیح ہے کہ اسلام، دور محمدی ﷺ پر پہنچ کر ہی کامل اور تمام ہوا ہے تو بلاشبہ آیت کریمہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے یہی معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ محمد ﷺ اسی دین کے پیغامبر ہیں جو کائنات انسان کی ابتدا سے ہی رشد و ہدایت انسانی کا فرض انجام دے رہا ہے اور خدا کا پسندیدہ ہے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اور انسانیت کی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ وہ بھی روحانی مدارج ارتقاء طے کرتے ہوئے آج "کامل" اور "تمام" ہو گیا اور اب کسی جدید پیغام کی حاجت نہیں رہی اور جب جدید پیغام کی ضرورت نہیں ہے تو اب نئے پیغامبر کی بھی ضرورت خود بخود باقی نہیں رہی اور رہتی دنیا تک یہی کامل پیغام اور پیغامبر انسانی دنیا کے لئے کافی اور بس ہے: وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔

لہٰذا حقیقی اطلاق لیجئے یا مجازی "خاتم" کے معنی اور مفہوم میں "آخر" ہونے کا تصور غیر منفک اور لازم ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔

آیت کریمہ کا شان نزول اگرچہ ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے ایک ٹھوس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔

اس آیت کے تین حصے ہیں ایک میں کہا گیا ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ کی اولاد ذکور حیات مستعار کو پورا کر چکی اور آپ ﷺ صلبی بیٹا نہیں رکھتے اور اسلام میں لے پالک "متبنیٰ" بے معنی رسم ہے اور اس سے دوسرے کا بیٹا گود لینے والے کا بیٹا نہیں بن جاتا اور اس کے احکام حاصل نہیں کر لیتا تو ایسی شکل میں زیدؓ کو محمد ﷺ کا بیٹا کہنا ہر طرح غلط ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

مگر اس سے یہ احساس پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ جب آپ ﷺ مردوں میں سے کسی کے صلبی باپ نہیں ہیں تو امت کے ساتھ کس طرح آپ ﷺ کو شفقت پدری ہو سکتی ہے حالانکہ امم سابقہ و سالفہ میں انبیاء و رسل اپنی اپنی امتوں کے بیشتر صلبی باپ بھی رہے ہیں اور روحانی باپ بھی یہ احساس اسلئے نہیں ہونا چاہئے کہ اگرچہ آپ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے وہ صلبی باپ نہیں ہیں تو نہ ہوں مگر روحانی باپ تو ہیں جیسا کہ ہمیشہ انبیاء ورسل اپنی اپنی امتوں کے روحانی باپ ہوتے ہیں بلکہ روحانی باپ کا رشتہ ورابطہ تو صلبی باپ سے بھی ہزار ہا درجہ بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ وہ مادی و روحانی دونوں تربیتوں کا کفیل ومربی ہے اس لئے دوسرے نبیوں اور رسولوں کی طرح آپ ﷺ بھی خدا کے رسول ہیں:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ

پھر بات اسی حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ امت مرحومہ کے لئے اس سے بھی بلند وبالا یہ بشارت ہے کہ آپ ﷺ سے قبل جس قدر بھی روحانی باپ (انبیاء ورسل) گزرے ہیں علیٰ قدر مراتب ان میں امت کے لئے شفقت ورحمت کا جذبہ محدود رہا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے گذر جانے کے بعد دوسرا روحانی باپ نبی یا رسول مبعوث ہو کر امت پر میری ہی طرح یا مجھ سے زیادہ شفقت وتربیت کا حق ادا کرنے والا ہے لیکن ذات قدس کی یہ شان رفیع ہے کہ آپ ﷺ صرف اللہ کے رسول ہی نہیں ہیں بلکہ آخر الانبیاء والرسل ہیں جن کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کی ضرورت نہیں رہی اسلئے کہ دین کامل ہو گیا اور خدا کی نعمت پوری ہو گئی، ایسی صورت میں تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اس کی شفقت ورحمت کا کیا ٹھکانا ہو گا جو مربی یہ سمجھتا ہو کہ اب اگلوں کی طرح اس کے بعد دوسرا کوئی مربی آنے والا نہیں ہے کہ امت پر اپنی رحمت نچھاور کرے، اب تو رہتی دنیا تک اس کی آغوش تربیت وا رہے گی اور اسی کی نبوت ورسالت کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہے گا۔ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔

خلاصہ یہ کہ محمد ﷺ کی شان مبارک اسی خصوصی امتیاز کی حامل ہے کہ اس کی بعثت کے بعد کسی نبی یا رسول کی بعث کی حاجت باقی نہیں رہی اور اس طرح یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی کہ ذات اقدس ﷺ اس امر کے باعث نہیں ہیں کہ انھوں نے نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کر دیا بلکہ جب خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اب یہ سلسلۂ نبوت و رسالت اس ارتقائی منزل پر پہنچ گیا ہے کہ آخری پیغام بن کر کامل وتمام ہو جائے ذات اقدس ﷺ کو اس نے اس کیلئے چن لیا اور بلا شرکت غیرے ان کو یہ منصب عظمیٰ عطا فرمایا:

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ○

پھر کسی نادان کا یہ کہنا کہ اگر آپ ﷺ آخر الانبیاء والرسل ہیں تو یہ آپ ﷺ کی منقبت نہیں بلکہ نقص ہے کہ آپ ﷺ اس رحمت کے لئے سد باب ثابت ہوئے جو نبوت ورسالت کے عنوان سے جاری تھی۔

اس نادان کا یہ خیال اسی طرح فاسد ہے جس طرح اس شخص کا خیال جس نے ایک محفل میں شرکت کی اور دیکھا کہ جو معزز مہمان بھی آتا ہے اس کا پر جوش استقبال ہوتا ہے اور اس سے محفل کی رونق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ ایک شخص ایسا بھی آ پہنچا جس کو سب نے حاصل محفل سمجھ کر نہ صرف پر جوش استقبال ہی کیا بلکہ تمام محفل کا سرتاج کہا اور اس کے بعد محفل اپنا کام کر کے ختم ہو گئی یوں یہ نادان بہت کڑھا اور پچتانے لگا کہ کاش یہ حاصل محفل نہ بنتا اور محفل اسی طرح سجی سجائی رہتی اور مہمانوں کی آمد کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹھیک اسی طرح محمد ﷺ کے آخر الانبیاء والرسل ہونے پر یہ نادان اپنے فساد خیال کا اظہار کر رہا اور باطل تاویلات کے درپے ہو رہا ہے:

يُضِلُّ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

قرآن عزیز نے اکثر مقامات پر نبی اور رسول کے ایک ہی معنی لئے ہیں جس کو اردو میں پیغمبر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن خاص خاص مقامات پر وہ نبی اور رسول میں فرق بھی کرتا ہے اس فرق کو علماء اسلام نے یوں ظاہر کیا ہے کہ نبی عام ہے اور رسول خاص یعنی خدائے تعالیٰ جس شخصیت کو ہم کلامی کا شرف عطا فرماتے ہیں وہ نبی کہلاتا ہے کیونکہ لغت میں نبی خبر دینے والے کو کہتے ہیں گویا جو شخص خدا سے براہ راست لے کر بندگان خدا کو اس کے احکام کی خبر دے وہ نبی ہے قطع نظر اس امر کے کہ اس کو جدید کتاب یا جدید شریعت عطا کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو لیکن جب خدا نے ہم کلامی کے منصب کے ساتھ ساتھ اس شخصیت کو کتاب جدید یا شریعت جدیدہ بھی عطا کی ہو تو اس کو رسول کہتے ہیں چنانچہ اس مقام پر قرآن حکیم نے اسی فرق و امتیاز کو معجزانہ اسلوب کے ساتھ ظاہر کیا ہے وہ کہتا ہے صرف "نبی" ہی نہیں بلکہ "رسول" ہے اور خود قرآن اس کے لئے شہادت جاوید ہے اور جبکہ وہ پیغام الٰہی کے سلسلہ میں آخری پیغامبر ہیں تو اس جگہ یہ یقین کر لینا چاہیے کہ وہ صرف مصطلحہ رسولوں کے ہی آخر نہیں ہیں بلکہ سر تاسر سلسلۂ نبوت کے لئے آخر ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جب وہ خاتم الانبیاء ہیں تو خاتم الرسل بدرجۂ اولیٰ واتم ہیں کیونکہ جب عام ہی کا وجود مفقود ہے تو خاص کا وجود کس طرح کتم عدم سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔اور اسی نمایاں حقیقت کو خود ذات اقدس ﷺ نے ایک طویل صحیح حدیث میں برہان قاطع کے طور پر ظاہر کیا ہے لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد اب کسی نبی کی بعثت نہیں ہے اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ بلا شبہ رسالت اور نبوت دونوں ختم ہو گئے پس میرے بعد نہ رسول ہے اور نہ نبی، خَتَمَ بِی الْاَنْبِیَآءُ علیہم الصلوٰۃ والسلام مجھ پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا انا العاقب الذی لیس بعدہٗ نبی میرا نام عاقب[1] ہے جس کے بعد نبی کی بعثت نہیں ہے وَخَتَمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

(مسند احمد، ترمذی، مسلم، بخاری وغیرہ)

1: عاقب: انجام کو پہنچانے والا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غزوات

غزوۂ بدر

غزوہ

ارباب سیر وحدیث نے یہ اصطلاح مقرر کرلی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں جس لشکر کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نہ ہوں اسکو سریہ اور جس میں بنفس نفیس خود شرکت فرمائیں اس کو "غزوہ" کہتے ہیں۔

بدر

قرآن عزیز نے جن اہم غزوات کا تذکرہ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت "غزوۂ بدر" کو حاصل ہے بدر دراصل ایک کنویں کا نام ہے جس کی نسبت سے یہ وادی بھی بدر ہی کہلاتی ہے یہ وادی مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے قریب سلطانی[1] راستہ واقع ہے اسی جگہ وہ اہم غزوہ پیش آیا جس نے دنیا کی تاریخ ادیان وملل ہی کا نہیں بلکہ ہر شعبہ حیات کا رخ پلٹ کر ظلم سے عدل کی جانب پھیر دیا۔

واقعہ

یہ واقعہ چونکہ ادیان وملل کی تاریخ انقلاب میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے، اس لئے راویان حدیث وسیرت نے اس کے ہر ایک جزء کی تفصیل کو واضح طور پر بیان کیا ہے، تاکہ اس تاریخی واقعہ کا کوئی گوشہ بھی تشنۂ تکمیل نہ رہے لیکن ہم اس مقام پر مختصر مگر جامع الفاظ میں اس کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں۔

ہجرت مدینہ مشرکین کے لئے کچھ اس درجہ برہمی اور اشتعال کا باعث ہوئی اور وہ پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو اپنی ناقابل برداشت ایذا رسانی سے محفوظ دیکھ کر کچھ اس درجہ برافروختہ ہوئے کہ اب انھوں نے طے کرلیا کہ جس قیمت پر بھی ہوسکے مسلمانوں کو نیست ونابود کردینا چاہیے چنانچہ اس کے لئے انھوں نے ہجرت سے متصل ہی معرکہائے جنگ کی ابتدا کردی اور غزوۂ بواط اور عشیرہ جیسے چھوٹے چھوٹے غزوات اسی سلسلہ میں پیش آئے مگر مشرکین مکہ کی آتش حسد کے لئے یہ کافی نہ تھا اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ ہوجائے۔

اس ارادہ کی تکمیل کے لئے انھوں نے ضروری سمجھا کہ سامان حرب وضرب بافراط میسر آئے اور اس کے لئے بہترین طریقہ یہ سوچا کہ ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک قافلۂ تجارت شام کی منڈیوں میں جائے اور نفع کثیر

۱: حکومتِ عثمانی کے دور شباب میں مکہ سے مدینہ جانے کیلئے جو راہ مقرر ہوئی۔ وہ "سلطانی راہ" کہلاتی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حاصل کر کے اس سے سامان جنگ مہیا کیا جائے اور اس جذبہ نے جوش خروش کی یہ کیفیت پیدا کر دی کہ جب قافلۂ تجارت کی تیاری شروع ہوئی تو مکہ کے ہر متنفس نے اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ اس تجارت کے لئے پیش کیا حتیٰ کہ ایک بڑھیا (عجوز) نے بھی اپنی محنت کی معمولی پونجی اس خدمت کے لئے پیش کر دی اور تقریباً ستر قریشیوں پر مشتمل یہ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام کو روانہ ہو گیا۔

مشہور محدث و مفسر ابن جریر طبری اپنی کتاب تاریخ الامم والملوک میں قریش کی اس کیفیت کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں۔

و قد كانت الحرب بينهم قبل ذلك فقتلت قتلى و قتل ابن الحضر مى فى ناس بنخلة و اسرت اسارىٰ من قريش و كانت تلك الواقعة هاجت الحرب بين رسول الله و بين قريش و ذلك قبل مخرج ابى سفيان و اصحابه الى الشام۔ (جلد ۲ ص ۲۶۷)

اور قافلہ کی روانگی سے قبل مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان جنگ چھڑ گئی تھی اور ان لڑائیوں میں لوگ مارے جا چکے تھے اور (مشہور مشرک) ابن حضرمی مارا جا چکا تھا اور قریش کے لوگ قیدی بھی بنائے جا چکے تھے اور یہ واقعہ قریش کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کے مشتعل ہو جانے کا باعث بن گیا اور یہ سب کچھ ابو سفیان اور اس کے رفقاء کے شام کی جانب قافلۂ تجارت کی شکل میں نکلنے سے قبل پیش آ چکا تھا۔

اور جلیل القدر محدث و مفسر ابن کثیر (رحمہ اللہ) اپنی تاریخ البدایۃ والنہایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

باب سرية عبد الله بن جحش التى كان سببا الغزوة بدر العظمٰى و ذلك يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (ج ۲ ص ۲۶۷)

باب سریہ عبداللہ بن جحش (سریہ نخلہ) جو سبب بنا بدر کبریٰ کے غزوہ کا اور جس کے متعلق قرآن نے یہ کہا اور یہ دن ہے حق و باطل کے نکھر جانے کا وہ دن جبکہ (حق و باطل کی جنگ کے لیے) دو جماعتیں آپس میں ملیں اور اللہ ہر شے پر قادر ہے"۔

قریش کا تجارتی قافلہ جب نفع کثیر کر کے شام سے واپس ہو کر مکہ جا رہا تھا بدر سے قریب ہو کر گذرا تو نبی اکرم کو علم ہوا آپ نے فوراً صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ فرمایا، بعض حضرات نے بخوشی اس کے مقابلہ کے لئے آمادگی ظاہر کی اور بعض نے یہ سمجھ کر کہ کسی اہم جنگ کا معاملہ نہیں ہے اس کے تعاقب پر آمادگی کا ثبوت نہیں دیا چنانچہ ابن کثیرؒ نے بروایت محمد بن اسحٰقؒ اس واقعہ کا اس طرح ذکر کیا ہے:

و قال هذه غير قريش فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله يغنمكموها فانتدب الناس فخفف بعضهم و ثقل بعض و ذلك انهم لم يظنوا ان رسول الله يلقى حربا۔

نبی اکرم نے فرمایا: یہ قریش کا قافلہ جا رہا ہے جس میں ان کے مال تجارت ہے اس کا تعاقب کرو، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لئے مال غنیمت بنا دے پس لوگوں کو اس کے لئے پکارا گیا تو بعض نے اس کو پسند کیا اور بعض نے نکلنے میں گرانی محسوس کی اور یہ عدول حکمی کے پیش نظر نہیں بلکہ اس لئے تھی کہ وہ سمجھ

۱: ابن حضرمی اسی غزوہ میں مارا گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے کہ رسول ﷺ کسی جنگ کے ارادہ سے نہیں جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ لشکر جو قافلہ کے تعاقب میں نکلا سامان حرب سے بے پرواہ ہو کر مدینہ سے نکلا، مشہور روایت کے مطابق ان کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جبکہ بحمد اللہ مدینہ کے اندر ہی مسلمانوں کی آبادی ہزارہا بالغ نفوس پر مشتمل تھی اور چند تلواریں دو تین گھوڑے ساٹھ زرہ اور صرف ساٹھ اونٹ ان کا متاع جنگ تھا در آنحالیکہ مسلمانوں کے پاس بلکہ خود نکلنے والے مجاہدین کے پاس مدینہ میں بیش از بیش سامان جنگ اور اونٹ اور گھوڑے موجود تھے، غرض یہ لشکر جنگی لشکر نہیں تھا بلکہ فداکارانِ توحید کا یک مختصر سا قافلہ تھا جو قریش کے حرب و ضرب کے سرمایہ پر قابض ہو کر دشمن کے بے مایہ بنانے نکلا تھا۔

ابوسفیان کو مسلمانوں کے تعاقب کا حال معلوم ہوا تو گھبرایا اور فوراً ضمضم نامی ایک شخص کو اجیر بنا کر مکہ روانہ کیا کہ وہ قریش کو اس معاملہ کی خبر دے اور مدد طلب کرے۔ سردرانِ[1] قریش آمادۂ جنگ ہو کر اپنے اپنے لشکر کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور اس کروفر سے نکلے کہ تعداد میں ایک ہزار تھے نیزے اور تلواریں بے شمار تھیں سات سو زرہ، ستر گھوڑے اور بے تعداد اونٹ تھے وہ اونچی بنے نیزے اور تلواریں سجے ڈھالیں اور بکتر لگائے، نشہ غرور میں جھومتے ہوئے بدر کی جانب بڑھے۔

ادھر مسلمان آگے بڑھتے ہوئے جب وادیٔ صفراء کے قریب پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے بسبس بن عمرو اور عدی بن الزغباء کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ قافلہ کا حال معلوم کر کے آئیں ابن اسحٰق[2] کہتے ہیں کہ یہ دونوں بدر پہنچے تو وہاں کنویں کے قریب قبیلہ جہینہ کا ایک شخص مجدی بن عمرو موجود تھا اور نزدیک ہی دو لڑکیاں آپس میں بات چیت کر رہی تھیں۔

ایک نے دوسری سے کہا کہ کل یا پرسوں یہاں قریشی قافلہ آنیوالا ہے میں اس میں کام کروں گی اور تیرا قرض اتار دوں گی اور پھر مجدی نے اس لڑکی کی تصدیق کی۔ بسبس نے یہ سنا تو وہ اور عدی اونٹوں کو پانی پلا کر، فوراً روانہ ہو گئے۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۶۵ و سیرت ابن ہشام جلد ۱۔ روض الانف جلد ۲)

دوسری جانب ابوسفیان ڈرتا اور چھپتا قافلہ سے آگے بڑھ کر تجسس حال کے لئے بدر پہنچا، مجدی وہاں موجود تھا، ابوسفیان نے دریافت کیا تو نے کسی اجنبی کو تو یہاں نہیں دیکھا؟

مجدی نے کہا اور تو کوئی نئی بات نظر نہیں آئی البتہ تھوڑی دیر ہوئی کہ غیر متعارف دو آدمی ضرور یہاں آئے تھے اور اونٹوں کو پانی پلا کر واپس ہو گئے۔

ابوسفیان کنویں کے پاس گیا تو اونٹوں کی لید پڑی دیکھی اس نے لید کو کریدا تو کھجور کی گٹھلیاں نکلیں، ابوسفیان نے یہ دیکھ کر کہا بلاشبہ یہ اونٹ یثرب کے تھے اور تیزی کے ساتھ قافلہ تک پہنچا اور حالات سے باخبر کر کے قافلہ کا رخ ساحل کی جانب پھیر دیا اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑتا ہوا مکہ کو چل دیا۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۶۵ و سیرت ابن ہشام جلد ۱ و روض الانف جلد ۲)

۱: ابولہب کے علاوہ سب ہی تھے، ابولہب بیمار تھا۔ اسلئے اس نے اپنا قائم مقام دے دیا تھا۔
۲: مسلم ابوداؤد۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس مدت میں مسلمان وادیٔ صفراء سے گذر کر وادیٔ ذفران تک پہنچ چکے تھے یہاں اترے تو ایک جانب بسبس اور عدی سے یہ معلوم ہوا کہ عنقریب ابوسفیان کا قافلہ بدر پہنچنے والا ہے دوسری جانب یہ پتہ لگا کہ مکہ سے قریش ایک ہزار جمیعت لے کر کروفر کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کی غرض سے بدر کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

ابوسفیان نے جب ساحلی جانب اختیار کرلی اور اس کو یہ یقین ہو گیا کہ اگر مسلمان میرے تعاقب کے لئے بدر کی جانب آئیں گے تو میں ان کی زد سے محفوظ رہوں گا۔ اس لئے اس نے مکہ کی جانب دوسرا قاصد روانہ کیا کہ اب جنگ کی ضرورت نہیں ہے، میں مسلمانوں کی زد سے بچ کر جلدی مکہ پہنچ جانے والا ہوں قریش بدر کے قریب آچکے تھے کہ قاصد نے ابوسفیان کا پیغام سنایا مگر ابوجہل نے واپسی کے لئے سختی کے ساتھ انکار کر دیا اور کہا کہ اب بدر ضرور پہنچنا ہے اور مسلمانوں کا قلع قمع کر کے اس کانٹے کو ہمیشہ کیلئے نکال دینا ہے۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۶۶)

بہر حال مسلمانوں کو جب وادی ذفران میں یہ دونوں خبریں لیں تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے دوبارہ مشورہ ضروی سمجھا کیوں کہ اب معاملہ کٹھن تھا مسلمان بے سر و سامان اور پھر تھوڑی تعداد میں تھے اور دشمن ہر طرح وقت کے ہتھیاروں سے مسلح، کثیر سامان جنگ کے مالک تھے اور تعداد میں تین گنے سے بھی زیادہ اور بقول ارباب سیرت انصار اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی معیت سفر کو صد ہزار باعث نازش و مباہات سمجھتے اور ہمرکاب رہتے تھے لیکن عقبۂ ثانیہ کے وقت وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ یہ معاہدہ کر چکے تھے کہ جب تک قریش یا غیر قریش اپنی جانب سے مدینہ پر حملہ آور نہ ہوں انصار مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے لئے مجبور نہیں ہوں گے۔[1]

مشورہ کے لیے یہ اہم وجوہ تھیں جن کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سر پر ہے اور قافلہ قریب! اب بتاؤ کیا چاہتے ہو جنگ کر کے حق و باطل کا فیصلہ یا بغیر کانٹا لگے قافلے پر قبضہ؟

مسلمانوں نے جب یہ سنا تو بعض نے طبعی طور پر جنگ کی مخالفت کی اور اس بارے میں گرانی محسوس کی انھوں نے کہا: یارسول اللہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اس لئے بے سر و سامان ہیں ہم تو اب بھی یہی چاہتے ہیں کہ قافلہ پر قبضہ کر کے واپس چلے جائیں، نبی اکرم ﷺ نے اس کمزور رائے کو ناپسند فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، قافلہ کو چھوڑو، اب اس قوم کے متعلق رائے دو جو تمہارے مقابلہ کے لئے مکہ سے نکل آئی بعض لوگوں نے جب دوبارہ عذر کیا تو آپ ﷺ نے پھر پہلی بات لوٹادی تب جلیل القدر صحابہ ابوبکر، عمر، علیؓ سمجھ گئے کہ مرضی مبارک حق و باطل کی جنگ سے وابستہ ہے اس لئے انھوں نے جذبۂ وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم ہر طرح جنگ کے لئے تیار ہیں اور اسلام کی خاطر آپ ﷺ کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو حاضر ہیں او حضرت مقدادؓ نے تو اس شدومد کے ساتھ فداکارانہ جذبات کا اظہار کیا کہ صحابہؓ کو ان کی تقریر پر رشک ہونے لگا۔ مگر آپ ﷺ اب بھی نگاہ مبارک سے کسی بات کے طالب نظر آرہے تھے یہ

1: سیرت و تاریخ کی کتابوں میں عموماً یہ قول مذکور ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیکھ کر انصار میں سے حضرت سعد بن معاذؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم انصار کی جانب اشارہ ہے کہ ہم کچھ عرض کریں اور پھر انصار کی جانب سے پوری وفاداری اور فداکاری کا یقین دلاتے ہوئے نہایت مؤثر تقریر فرمائی۔

مہاجرین وانصار کی یہ تقاریر سن کر سرور عالم ﷺ کا چہرۂ مبارک مسرت سے تمتما اٹھا[1] اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اب اللہ کے نام پر آگے بڑھو اور بشارت حاصل کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دو گروہ (قافلہ اور مشرکین مکہ کا لشکر) میں سے ایک کو تمہارے قبضہ میں دیدوں گا اور قافلہ نہیں بلکہ مشرکین کا لشکر تمہارے قبضہ میں دیدیا جائے گا اور خدا کا وعدہ بلا شبہ سچا ہے اور قسم بخدا میں جنگ سے قبل ابھی سے قوم کے سرداروں کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں[2] اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے بدر پہنچ کر زمین پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ اس جگہ فلاں قریشی مارا جائے گا اور یہاں فلاں قتل ہوگا۔"

سلف سے خلف تک تمام مفسرین محدثین اور اصحاب سیر و تاریخ اس پر متفق ہیں کہ یہی وہ مشورہ ہے جس کے متعلق سورۂ انفال کی یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

("انفال" اللہ اور رسول کے لئے ہیں) اس لیے کہ تیرے پروردگار نے تجھ کو حق کے لئے تیرے گھر سے نکالا اور حالت یہ ہو گئی کہ مسلمانوں کا ایک فریق اس نکلے پر گرانی کا اظہار کر رہا تھا اور وہ تجھ سے حق کے بارے میں حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد جھگڑا کر رہے تھے گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کے منہ میں ہنکائے جا رہے ہیں اور (یہ واقعہ اس وقت پیش آیا) جبکہ اللہ تم کو وعدہ دے رہا تھا کہ دونوں فریق (قافلہ اور مشرکین مکہ کا لشکر) میں سے ایک فریق کہ تمہارے قبضہ میں دیدے گا اور تم یہ شبہ کرتے تھے کہ تم کو وہ گروہ ملے جس کے مقابلہ میں کانٹا بھی نہ لگے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے وعدہ کے کلمات سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے اور اس طرح حق کو حق کر دے اور باطل کو باطل اگرچہ مجرموں کو یہ بات پسند نہ آئے۔

اب مسلمان آگے بڑھے اور بدر کے قریب پہنچ کر مدینہ کی جانب والے رخ "عدوۃ الدنیا" پر خیمہ زن ہو

۱: بخاری و مسلم نسائی وعام کتب سیر و تاریخ۔
۲: زرقانی جلد ۱ ص ۴۸۰۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گئے اور مشرکین مکہ آگے بڑھے تو بدر پہنچ کر مدینہ سے دور مکہ کی جانب والے رخ "عدوۃ القصوی" پر اترے اور محاذِ جنگ کا نقشہ اس طرح بند کر مسلمان اور مشرکین بالمقابل تھے اور ابو سفیان کا قافلہ اس وقت ساحل کی جانب نیچے نیچے مشرکین کے لشکر کی پشت پر سے گذر رہا تھا کہ جب وہ چاہیں تو مشرکین مکہ کی نصرت و مدد کے لئے بے روک ٹوک آسکتے اور کمک کا کام دے سکتے ہیں اور پھر یہ عجیب صورت حال تھی کہ مسلمانوں کا محاذ جنگ اس درجہ ریتیلا تھا کہ انسانوں اور چوپاؤں دونوں کے قدم ریت میں دھنسے جارہے تھے اور چلنا دشوار ہو رہا تھا مگر مشرکین کا محاذ جنگ ہموار اور پختہ فرش کی طرح تھا۔ غرض دشمن تعداد میں تین گنے سے زیادہ سامان جنگ میں پوری طرح مکمل، ذرائع رسل و رسائل میں ہر طرح مطمئن جائے وقوع نہایت عمدہ اور ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ قافلہ کی کمک متوقع تھی اور خود اپنی حالت یہ کہ تعداد میں بہت کم، اسلحہ جنگ برائے نام، سامان حرب نہ ہونے کے برابر، سواریوں کا شمار برائے بیت جائے وقوع حد درجہ خراب اور ان تمام ناسازگار حالات کے ساتھ کمک قطعاً غیر متوقع اور حد یہ کہ دشمن پانی پر قابض اور مسلمان اس سے محروم۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اگر مسلمان کو ان کی ذاتی رائے پر چھوڑ دیا جاتا تو ان کی عقل و خرد بہ اسباب ظاہر اس کے سوا اور کیا فیصلہ کر سکتی تھی کہ وہ اس وقت کو ٹال دیں اور دشمن سے کسی ایسے دوسرے وقت کے لئے جنگ کا قول و قرار کریں کہ وہ دشمن کی طرح ہر حیثیت سے جنگ کے لئے تیار ہوں چنانچہ اسی بناء پر مسلمانوں نے وادیٔ ذفران میں شوریٰ کے وقت ابتداً یہی کہا بھی مگر وحی الٰہی کے ذریعہ چونکہ نبی اکرم ﷺ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خدا کا یہی وعدہ کہ تم کو "عیر اور نفیر" دونوں میں سے ایک پر مسلط کر دیا جائے گا، صرف اس شکل میں پورا ہونے والا ہے کہ مسلمان مشرکین کے لشکر (نفیر) کا مقابلہ کریں اور حق و باطل کے اس معرکہ میں مسلمان کامیاب ہوں مشرکین ناکام و خاسر، اس لئے مسلمانوں نے پیغمبر ﷺ کی مرضی پاکر ہمہ قسم کی بے سر و سامانی کے باوجود خود کو حق و باطل کی معرکہ آرائی کے لئے والہانہ و فداکارانہ جذبۂ پاک کے ساتھ پیش کر دیا۔

ایسی صورت حال کو قرآن عزیز نے اس معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ ظاہر کیا ہے:

إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ أَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰا مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ إِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (انفال)

اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن اپنے بندہ پر نازل کی تھی جبکہ لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے تو چاہیے کہ اس تقسیم پر (یعنی مال غنیمت کی مقرر تقسیم پر) کار بند ہو اور اللہ ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے یہ وہ (بدر کا دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکہ پر تھے ادھر دشمن دور کے ناکہ پر اور قافلہ تم سے نچلے حصہ میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے کنارے گزر رہا تھا) اور اگر تم آپس میں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لڑائی کی بات ٹھہراتے تو ضرور جنگ کے وقت کے بارہ میں تم اختلاف کرتے کیونکہ تم چاہتے ہو کہ کسی حالت میں جنگ نہ ہو اور دشمن چاہتا ہے کہ ضرور جنگ ہو (یعنی تمہیں دشمنوں کی کثرت اور اپنی بے سر و سامانی کا اندیشہ تھا اور قافلہ پر تسلط آسان نظر آرہا تھا اور دشمن اپنی کثرت اور ساز و سامان کے بل پر گھمنڈ کیے ہوئے تھا لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے نیز اسلئے کہ جسے ہلاک ہونا ہے! تمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ رہے اور بلا شبہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِيْنَ○ بَلٰى إِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ط وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَائِبِيْنَ ○ (آل عمران)

اور اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے بدر کی لڑائی میں اور تم کمزور حالت میں تھے پس اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار ہو۔ (یہ جب ہوا) کہ تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا کہ تم کو کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد کو آسمان سے اترنے والے تین ہزار فرشتے بھیجے، ہاں بلا شبہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (بھی) پانچ ہزار نشان رکھنے والوں سے تمہاری مدد کرے گا اللہ نے صرف یہ اسلئے کیا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہو اور اس کی وجہ سے تمہارا دل مطمئن ہو جائیں اور مدد نصر جو کچھ بھی ہے اللہ کی ہی طرف سے ہے اس کی طاقت سب پر غالب ہے اور وہ اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے اور نیز اس لئے کہ منکرین حق کی جمعیت و طاقت کا ایک حصہ بیکار کر دے انھیں اس درجہ ذلیل و خوار کرے کہ وہ نامراد ہو کر الٹے پاؤں پھر جائیں۔

دعائے نصرت

غرض اس حالت میں دونوں فریق جنگ کے لیے صف آرا ہوئے تو اول آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صفوف کو درست فرمایا اور پھر اس عریش (خس پوش جھونپڑی) کے نیچے جا کر جو آپ ﷺ کے لئے میدان جنگ میں بنا دی گئی تھی درگاہ الٰہی میں الحاح و تضرع کے ساتھ دعا شروع کر دی اور عرض کیا:

اللهم انجزلی ما وعدتنی اللهم ان تهلك هذه العصابةُ من اهل الاسلام لا تعبد فی الارض۔

خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدۂ (نصرت) فرمایا اس کو پورا کر۔ خدایا! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان ہلاک ہو گئے تو پھر خطۂ زمین پر کوئی تیرا عبادت گذار باقی نہیں رہے گا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

صدیق اکبرؓ نے دیکھا تو قریب آئے اور عرض کیا: خدا کے رسول ﷺ! بس کیجیے اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

غیبی نصرت و امداد

اور آخر یہی ہوا بھی کہ ہر قسم کے ناسازگار حالات اور اس درجہ کمزوری کے باوجود کہ کسی مسلمان کا اس معرکہ سے صحیح و سالم بچ کر نکل جانا خود ایک معجزہ ہوتا مسلمانوں کو غیبی نصرت و امداد نے بامراد اور کامیاب کیا، فتح اور نصرت نے قدم چومے، اور تاریخ عالم کا ایک بے نظیر اور حیرت زا انقلاب پیش کر دیا فتح اور مشرکین قریش کے تمام سردار اور مشہور نبرد آزما ہی قتل نہیں ہوئے بلکہ شرک و کفر کی اجتماعی طاقت ہی کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ غیبی نصرت کیا تھی؟ قرآن حکیم اس کا جواب متعدد آیات میں یہ دیتا ہے

۱) مسلمانوں کی نگاہ میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد سے کم نظر آئی تاکہ مسلمان مرعوب نہ ہوں اور مشرکین کی نگاہوں میں مسلمان مٹھی بھر معلوم ہوئے تاکہ وہ جنگ سے جی نہ چرائیں اور معرکۂ حق و باطل ٹل نہ جائے (الی) اور ایک وقت میں دوگنے معلوم ہوئے تاکہ مسلمانوں سے مرعوب ہو کر رہ جائیں۔

۲) مسلمانوں کی دعاء پر اول انکی مدد ایک ہزار فرشتوں سے کی گئی اور پھر یہ تعداد بڑھا کر تین ہزار کر دی گئی۔ اور اگر دشمن تم پر یک لخت حملہ کر دے تو ہم تین ہزار کی بجائے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کریں گے۔

۳) مسلمانوں پر عین معرکہ کے وقت اونگھ طاری کر دی جس کے چند منٹ بعد ان کی بیداری نے ان میں ایک نئی تازگی اور نئی روح پیدا کر دی۔

۴) آسمان سے پانی برسا کر مسلمانوں کے لئے ریتیلی زمین کو پختہ فرش کی طرح بنا دیا اور نشیب کی وجہ سے حوض نما گڑھے میں پانی مہیا کر دیا اور دشمنوں کی زمین کو کیچڑ کی طرح دلدل بنا ڈالا

نتیجہ جنگ

بہر حال معرکۂ جنگ بپا ہوا اور دونوں جانب سے نبرد آزما ایک دوسرے کے مقابل ہو کر ھل من مبارز پکارنے اور داد شجاعت دینے لگے اور پھر یکایک ہجومی جنگ شروع ہو گئی مسلمان اول تو جنگ مغلوبہ لڑے مگر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فراغت دعاء کے بعد جب میدان جنگ میں آکر نبی اکرم ﷺ نے شاھت الوجوہ "چہرے روسیاہ ہوں" پڑھتے ہوئے مٹھی بھر خاک اور کنکریاں دشمنوں کی جانب پھینکیں تو خدائے برحق کی معجزانہ قدرت نے ہوا کے ذریعہ اس کے ذرات تمام مشرکین کی آنکھوں تک پہنچادیے اور وہ اس ناگہانی پریشانی سے مضطرب ہو کر آنکھیں ملنے لگے اور جنگ مغلوبہ "جنگ غالبہ" کی شکل میں بدل گئی۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

(اے محمد ﷺ) اور تو نے جب (کنکریاں) پھینکیں تو درحقیقت تو نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں (کیونکہ انسانی ہاتھ ایک مٹھی میں اتنے بڑے لشکر کے ہر آدمی پر رمی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ جو کچھ ہوا نبی ﷺ کے ہاتھ پر خدا کا معجزہ ہوا۔)

اور دیر نہیں لگی کہ مشرکین کے بڑے بڑے آدمی مارے گئے اور دشمنوں کے پیر اکھڑ گئے وہ بھاگتے تھے مگر بھاگنے کا موقع نہ پاتے تھے چنانچہ ان کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر گرفتار اور باقی نے راہ فرار اختیار کی۔

مسلمان اگرچہ خدا کی نصرت اور اس کے فضل سے کامیاب ہوئے اور فتح و کامرانی کے مالک بنے تاہم بائیس مجاہدین نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

جنگ بدر نے تاریخ عالم کا رخ بدل دیا

بدر کا معرکہ مؤرخین اور اصحاب سیر سے بھی اگرچہ اپنی تاریخی اہمیت کا اعتراف کراتا ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ معرکہ بدر ایک ہنگامی معرکہ نہیں تھا بلکہ اس نے قریش مکہ کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور مسلمانوں کے لئے اعلاء کلمۃ اللہ کی راہیں کھول دیں لیکن وہ بھی اس حقیقت حال سے شاید بے خبر ہیں کہ معرکہ بدر صرف مشرکین مکہ اور مسلمانوں کی آویزش حق و باطل کا معرکہ نہیں تھا بلکہ جس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت دنیا ایک موڑ پر کھڑی تھی اور تاریخ عالم اشہب تیز گام اس موڑ پر حیران سرگرداں کھڑا تھا کہ کس جانب رخ کرے اسلئے بدر کا انقلاب عالمگیر انقلاب تھا۔

صفحۂ عالم پر اگر بدر کا معرکہ پیش نہ آتا اور مشرکین مکہ کی طاقت شکست و ریخت نہ ہوتی تو بلاشبہ نہ صرف حجاز نہ صرف عرب و عجم بلکہ کائنات ہستی کا ہر ایک بحر و بر ظلم، سرکشی اور باطل سے دوچار رہتا۔ آزادئ ضمیر فنا ہو جاتی جذبات حق مٹ کر رہ جاتے اور سب ظلم و جبر کے بل پر اپنے لئے آپ جگہ پیدا کر لیتے، اب جبکہ بدر کا معرکہ پیش آگیا اور مشرکین مکہ کی قوت ٹوٹ گئی تو دنیا نے موڑ سے آگے بڑھ کر وہ راہ اختیار کر لی آزادئ ضمیر، عدل و انصاف، حق پرستی اور نکوکاری کی راہ تھی جہاں ضعیفوں کی نصرت فرض اور بیچاروں کیلئے چارۂ کار مہیا تھا اس لئے خدا کا یہ عظیم الشان احسان کہ بدر میں حق کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں تھا بلکہ تمام کائنات انسانی پر احسان عظیم تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے کیا خوب فرمایا:

بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے جنگ واٹرلو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے تمام مؤرخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷ اور ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی شب میں بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا کیوں کہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا بارہ بجے تک انتظار کرنا پڑتا۔ سویرے ہی لڑائی شروع کر دیتا نتیجہ یہ نکلتا کہ بلوشر کے پہنچنے سے پہلے ویلنگٹن کو شکست ہو جاتی، واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا۔ لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرۂ ارضی کی ہدایت و سعادت کا نقشہ الٹ جاتا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی دعاء میں اشارہ کیا تھا۔ اللھم ان تھلك ھذہ العصابة فلا تعبد فی الارض خدایا! اگر خدامِ حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو کرۂ ارضی میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا۔ (ترجمان القرآن، جلد ۲ ص ۵۶و۵۷)

قرآن عزیز کی روشنی میں غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

غزوۂ بدر سے متعلق بیان کردہ تفصیلات جمہور علماء اسلام کے نزدیک مسلم ہیں خصوصاً اس مسئلہ میں تو سلف و خلف میں سے کسی کی بھی دو رائے نہیں ہیں کہ مسلمان جب مدینہ سے نکلے تو صرف قافلہ پر حملہ مقصود تھا لیکن وادیٔ ذفران میں پہنچ کر قدرتی حادثہ نے ایک دوسرے مقابلہ سے دوچار کر دیا اور یہ مشرکین مکہ وہ یورش تھی جو مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ظہور میں آئی اور اب مسلمانوں کو "عیر و نفیر"[1] دو کے ساتھ واسطہ پڑ گیا اس لئے یہی وہ مقام ہے جہاں مسلمانوں کو بذریعہ وحی یہ بشارت سنائی گئی کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا جائے گا اور بعض مسلمانوں نے اگرچہ انسانی کمزوری کی بناء پر نفیر کے مقابلہ میں عیر کو ترجیح دینے کا خیال ظاہر کیا مگر نبی اکرم ﷺ کو وحی نے اطلاع کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نفیر کے مقابلہ کو مقدر کر چکا ہے اور اس کا وعدہ اسی شکل میں پورا ہو گا اس لئے ذات اقدس ﷺ کا رجحان اسی جانب ہوا اور مشورہ کے بعد آخر وہی فیصلہ ہوا جو خدا اور خدا کی مرضی تھی۔

چنانچہ قرآن عزیز کی آیات

كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ (الانفال: ۸:۵)

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ

(الانفال: ۸:۴۲)

اسی حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں۔

مگر جمہور کے ان مسلمات کے خلاف مولانا شبلی (مرحوم مغفور) نے سیرۃ النبی جلد اول میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مسلمان شروع ہی میں مدینہ سے صرف "نفر" کے لئے نکلے تھے اور خدا کے وعدہ "عیر و نفیر" کا حال مسلمانوں کو مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا اور نبی اکرم ﷺ نے عیر و نفیر کے متعلق جو کچھ مشورہ کیا اور صحابہؓ نے جو کتب سیر میں مذکور زبردست تقاریر فرمائیں وہ سب وادیٔ ذفران میں نہیں بلکہ مدینہ ہی میں ہو چکا تھا۔

۱: عیر۔ تجارتی قافلہ اور نفیر دشمنوں کا لشکر۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مولانائے مرحوم نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے طویل بحث فرمائی ہے اور احادیث و سیر میں مذکور واقعات کی ترتیب کا اس لئے انکار کر دیا ہے کہ وہ اس ترتیب کو قرآن کی تصریحات کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ کہ بعض صحیح احادیث و روایات بھی ان کے خیال کی ہی تائید کرتی ہیں۔

چونکہ یہ مسئلہ علمی نظر و فکر سے تعلق رکھتا ہے اس لئے از بس ضروری ہے کہ قرآن عزیز ہی کی روشنی میں مناظرانہ اسلوب سے بچ کر خالص تحقیقی رنگ میں اس پر "محاکمہ" کیا جائے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو سکے۔

قرآن عزیز نے اس واقعہ کی تفصیلات دیتے ہوئے دو جگہ بصراحت اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ نفیر کا معاملہ مدینہ سے عیر کی خاطر نکلنے کے بعد اچانک سامنے آیا اور اس لئے بعض مسلمانوں نے نفیر کے مقابلہ کو ابتداءً خطرہ کی نگاہ سے دیکھا اور گراں محسوس کیا۔

۱) پہلا مقام سورۂ انفال کی وہ چند آیات ہیں جو كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ سے شروع ہو کر وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ كَثِيرٍ تک مسلسل چلی گئی ہیں جو تقریباً سات یا آٹھ آیات ہیں۔

قرآن عزیز نے ان آیات میں اس پورے واقعہ کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو معرکۂ بدر میں از اول تا آخر پیش آیا یعنی مدینہ سے نکلنے پر مسلمانوں کے سامنے کیا کیا صورتیں پیش آئیں وہ سب ہی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کر کے بیان کی گئی ہیں پس جس طرح كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ کے ساتھ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ کا تعلق ہے، اسی طرح وَإِذْ يَعِدُكُمُ ٱللَّهُ إِحْدَى ٱلطَّآئِفَتَيْنِ اور إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ اور إِذْ يُغَشِّيكُمُ ٱلنُّعَاسَ ۔ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً وغیرہ واقعات کا بھی تعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مولانا شبلی مرحوم بھی جمہور کے ساتھ اس پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا درگاہ الٰہی میں استغاثہ پیش کرنا، ملائکہ مدد کا آنا، مسلمانوں پر اونگھ طاری کر کے تازہ دم کر دینا، آسمان سے پانی کا برس کر مسلمانوں کے حق میں رحمت ثابت ہونا یہ کل معاملات اس آن ہی نہیں پیش آگئے تھے جس آن میں مسلمان مدینہ سے نکلے تھے بلکہ یہ ایک طویل سلسلہ تھا جو ایک مدت کے اندر وقوع پذیر ہوتا رہا ہے۔

پس اگر بقول مولانائے مرحوم آیت كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ میں اس آن کے ماسوا جو مدینہ سے خروج کے ساتھ مربوط ہے اور کچھ مراد نہیں ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ باقی وہ تمام واقعات جو اس آیت کے ساتھ مربوط کر کے بیان ہوئے ہیں گو کلام مستانف ہے کی حیثیت میں کیوں نہ ہوں" وہ سب بھی ایک ہی آن سے متعلق اور ظاہر ہے کہ یہ قطعاً باطل اور خلاف واقعہ ہے اس لے اس آیت کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ قرآن عزیز عام بول چال اور محاورہ کے مطابق یہ کہہ رہا ہے کہ مسلمانوں کو ذرا اس واقعہ کی جانب بھی نظر کرنی چاہیے۔

> "جب پروردگار نے تم کو ایک مرتبہ مدینہ سے باہر حق کی خاطر نکالا تھا اور تمہارے سامنے ایسی صورت حال پیش آگئی تھی کہ تم پر یہ گراں گذرنے لگا تھا کہ کیوں ہم مدینہ سے باہر نکلے کہ آخر ہمارے سامنے یہ صورت گراں بار آگئی اور یہ وہ وقت تھا جبکہ خدا نے تم سے "عیر و نفیر" میں سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک کا وعدہ کیا وغیرہ وغیرہ۔"

یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین آیت [illegible] کے متعلق عربیت کے قاعدہ سے یہ فرمارہے ہیں:

والجملة فی موضع الحال وهی حال مقدرة لان الكراهة وقعت بعد الخروج كما تراه ان شاء الله تعالیٰ و یعتبر ذلك ممتداً۔

(روح المعانی، لجد ۹ ص ۲۵۱ و ابن کثیر و روح لابیان و البحر المحیط وغیرہ)

اور یہ جملہ واقع ہو رہا ہے اور یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ جس کراہت کا آیت میں ذکر ہو رہا ہے وہ مدینہ سے نکلنے کے بعد پیش آئی تھی جیسا کہ ان شاءاللہ ابھی تجھ کو معلوم ہو جائے گا یوں کہئے کہ یہ اس پوری حالت کا نقشہ بیا ہو رہا ہے جو مدینہ سے نکلنے کے وقت سے معرکہ بدر کے ختم تک پیش آئی یعنی اخرجک میں اخراج سے زمانۂ ممتد مراد ہے آنی مراد نہیں ہے۔

تو اب صورت حال یہ بنی کہ جو شخص [illegible] میں مذکور واقعۂ کراہت کو آنی قرار دیتا ہے اور اس پورے واقعہ کو مدینہ کے اندر ہونا ثابت کرتا ہے اس کے پاس تو صرف ایک ایسا تخمینی احتمال ہے جس کا ثبوت ان قرائن سے قطعاً نہیں ملتا جو مابعد آیات میں موجود ہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ آیت [illegible] میں اخراج آنی نہیں ہے بلکہ وہ ممتد مدت مراد ہے جس میں یہ معرکہ پیش آیا تو بعد کی تمام آیات بلاشبہ اس کے دعوے کے لئے واضح قرینہ بنتی اور دعوے کی تصویب کرتی نظر آتی ہیں۔

۲) دوسرا مقام سورۂ انفال ہی کی وہ آیات ہیں جو [illegible] سے شروع ہو کر [illegible] پر ختم ہوتی ہیں ان آیات میں قرآن حکیم نے اول مسلمانوں اور مشرکوں کے محاذ جنگ کے نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ مسلمانوں کا محاذ جنگ مدینہ سے قریب وادی میں تھا اور مشرکین مکہ ان کے بالمقابل جانب بعید کی وادی میں خیمہ زن تھے اور اس وقت ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں کی وادی سے نیچے نیچے سمندر کے کنارے اس طرح گذر رہا تھا کہ وہ مکی فوج کی پشت پر کہ اگر وہ چاہے تو مسلمانوں کی زد سے محفوظ ہو کے بے خوف اپنی فوج کی مدد کر سکتا ہے:

[illegible] اور اس کے بعد کہتا ہے کہ یہ صورت حال مسلمانوں کے لے اس درجہ ناسازگار تھی کہ اگر تقدیر الٰہی یہ فیصلہ نہ کر لیتی کہ بدر کا معرکہ ضرور پیش آئے گا اور اس کے انجام مسلمانوں کے حق میں ہو گا اور جنگ کے معاملہ کو مسلمانوں اور مشرکوں کے باہمی عہد و پیمان پر چھوڑ دیا جاتا ہو مسلمان آپس میں بھی مختلف المیعاد ہو جاتے، بعض کہتے کہ اس میدان میں حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے تو اچھا ہے اور بعض کہتے کہ ہم ان ناسازگار حالات میں ہر گز جنگ کی طاقت نہیں رکھتے اس لئے دوسرے وقت کے لے اس جنگ کو ٹال دینا چاہئے اور نفیر کی جگہ عیر کو قبضہ میں کر لینا چاہیے جیسا کہ پیش آیا اور بعض کو جنگ کا معاملہ سخت گراں گذرا، اور ہو سکتا تھا کہ سب ہی مسلمان یہ چاہتے کہ اس وقت معرکۂ جنگ بپا نہ ہو اور مشرکین اپنے ساز و سامان کے زعم پر یہ اصرار کرتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ اسی وقت اور اسی جگہ معرکہ ہو جانا ازبس ضروری ہے اور یہ نقشہ سامنے آجاتا
مگر ہوا یہ کہ

ان آیات میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ مشرکین مکہ کی فوج کشی کا حال مسلمانوں کو مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا اور نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں سے مدینہ ہی میں وہ مشورہ فرمایا تھا جس کا ذکر تمام کتب حدیث و سیرت میں موجود ہے اور اسی مقام پر خدا نے کا وعدہ فرما کر اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ یہ بھی بتا دیا تھا کہ خدا کی مرضی معرکہ حق و باطل کی ہے قافلہ پر تسلط کی نہیں ہے تو پھر عقل حیران ہے کہ ان تمام امور کے معلوم ہو جانے کے بعد مسلمان خود کو کس لے بے سر و سامان سمجھ رہے تھے اور کس وجہ سے بعض مجاہدین اسلام جنگ سے جی چرا رہے تھے جبکہ مدینہ میں مسلمانون کے پاس ہزاروں اونٹ موجود تھے گھوڑے بھی کم نہیں تھے سو پچاس گھوڑوں کا مہیا ہونا معمولی بات تھی، تلواروں او رنیزوں کی بھی کچھ کمی نہیں تھی اور ان سب باتوں پر مستزاد یہ کہ جب ان کو دشمنوں کی عددی طاقت کا بھی صحیح اندازہ تھا تو آخر وہ کیا سبب تھا کہ مسلمان جن میں انصار بھی ہیں اور مہاجرین بھی صرف تین سو تیرہ ہی کی تعداد میں کیوں نکلے؟ اور نکلے بھی ہیں بے سر و سامانی کے ساتھ کہ نیزے اور تلواریں تک بھی ہر ایک کے پاس موجود نہیں چہ جائکہ باقی سامان حرب و ضرب مکمل ہوتا اور کیا بدر کے اس واقعہ کے علاوہ کسی بھی ایسے غزوہ یا سریہ کا حوالہ دیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے لئے مدینہ میں بیٹھ کر تیاری فرمائی ہو اور مسلمانوں میں دشمن کے مقابلہ کے لئے وہ ہراسانی اور گرانی پیدا ہوئی ہو جس کا ذکر قرآن ان جملوں میں کرتا نظر آتا ہے

- وَإِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ
- يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ
- وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ

کیا ہمارے سامنے غزوۂ تبوک (غزوۂ عسرت) کا نقشہ موجود نہیں ہے کہ دشمن کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے اور مشرکین مکہ جیسے غیر متمدن نہیں بلکہ متمدن عیسائی طاقت سے معاملہ ہے جو ہر قسم کے متمدن سازو سامان جنگ سے مسلح ہے اور پھر نبی اکرم ﷺ مدینہ میں نہیں مدینہ کے قرب و جوار میں نہیں بلکہ خود دشمن کے گھر پر جا کر معرکۂ حق و باطل گرم کرنا چاہتے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایک مسلمان بھی ہراساں نہیں، گران خاطر نہیں بلکہ پروانہ وار نثار ہونے کو ایک دوسرے پر بازی لیجانے کے لے مدینے سے تبوک کی جانب قدم بڑھا رہے ہیں۔

بات بالکل صاف ہے کہ مسلمان در حقیقت اس بے سر و سامانی کے ساتھ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ قافلہ پر قبضہ کرنے کے لئے نکلے تھے اور اس کیلئے یہ جمعیت اور یہ صورت حال کافی تھی لیکن بدر کے قریب پہنچ کر اچانک صورت حال تبدیل ہو گئی اور مسلمانوں کو دو باتوں کا ایک ساتھ علم ہوا: ابو جہل مکہ سے لشکر کشی کر کے آرہا ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور ابو سفیان کا قافلہ بدر سے گذر کر مکہ جارہا ہے تب وہ سب کچھ پیش آیا جس کو تفصیل کے ساتھ سن آئے ہو اور یہی وہ حالت تھی جس کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا:

وَإِنَّ فَرِيْقًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ

وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ

بہر حال ان ہر دو مقامات کا تبادر کلام الٰہی کا سیاق و سباق اور آیات کے اندر موجود قرائن و دلائل کے سامنے مصنف سیرت النبی کا كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ کے اجمال سے بے دلیل ایک دعویٰ کر دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے اور آیت وَإِنَّ فَرِيْقًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ میں 'و' حالیہ کے لیے بقاعدۂ عربیت ہر گز یہ ضروری نہیں کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ اس طرح ایک ہو کہ دونوں آن واحد سے وابستہ ہوں بلکہ زمانہ کا امتداد نہ صرف ممکن الوقوع بلکہ اکثر الوقوع ہوتا ہے نیز "حال مقدرہ" کی مثالیں کلام عرب میں بیشتر موجود ہیں اور حال مقدرہ کا حاصل یہ ہے کہ جو واقعہ کسی ایک بات کی بناء پر آئندہ قریبی زمانہ میں پیش آنے والا ہے اس کو بر سبیل تقدیر واو حالیہ کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ گویا وہ اسی آن پیش آیا ہے کیونکہ اس کو پیش آنا یقینی ہے اور اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ مدینہ سے خروج اس حالت میں ہوا کہ جب صورت حال نازک بن کر سامنے آئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ پر گراں گزرنے لگا کہ اے کاش! مدینہ سے کیوں نکلے جو اس صورت کے ساتھ دوچار ہونا پڑا۔

۳) یہ بھی واضح نہیں ہے کہ کاروان تجارت مسلمانوں کے ہاتھ سے اس طرح بچ کر نکل گیا تھا کہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کر سکیں اور اس کو قابو میں نہ لا سکیں چنانچہ آیت اس پر صاف دلالت کر رہی ہے البتہ مسلمانوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ جو کچھ قافلہ کے متعلق معلوم ہوا تھا اس کے پیش نظر یہ خیال اب بھی تھا کہ ابو سفیان کا قافلہ بدر ہی کے راستہ سے گذرے گا اور اس لئے وہ وادیٔ ذفران میں مشورہ کے وقت کاروان تجارت کے طالب تھے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا کہ دونوں میں سے کسی ایک گروہ پر تم کو ضرور مسلط کر دیں گے در حقیقت حال کے پیش نظر ہی یہ بھی اپنے رسول کو بتلا دیا کہ عیر سے نہیں بلکہ نفیر سے تم کو واسطہ پڑے گا اور تم کامیاب ہو گے۔

اس صورت حال کو اگرچہ بعض اصحاب سیرت نے واضح نہیں کیا مگر محققین ارباب سیر نے اس حقیقت کو مستند روایات سے ثابت کیا ہے:

چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور شیخ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں بسند اس واقعہ کو حضرت ابوایوب انصاریؓ سے نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ و نحن باالمدينة انى اخبرت عن عير ابى سفيان انها مقبلة فهل لكم ان تخرجوا وقبل هذه العير لعل الله يغنمنا ها فقلنا نعم فخرج و خرجنا فلما سرنا يوماً او يومين قال لنا ما ترون فى قتال القوم فانهم قد اخبروا بخروجكم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فقلنا لا و الله ما لنا طاقة لقتال العدو ولكنا اردنا العير۔

(الحدیث، تفسیر ابن کثیر بر حاشیہ فتح الباری۔ جلد ۴ ص ۲۶۱)

ہم مدینہ میں تھے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے ابھی معلوم ہوا کہ ابی سفیان کا کاروان تجارت شام سے آرہا ہے کیا تم تیار ہو کہ اس سے قبل اس کی راہ گھیر لو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس بہانہ ہم کو مال غنیمت عطا کردے ہم سب نے عرض کیا ہاں پس آپ ﷺ بھی نکلے اور ہم بھی نکلے ابھی ایک یا دو دن کی مسافت پر پہنچے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ اہل مکہ فوج کشی کے ارادہ سے آرہے ہیں اب کیا ارادہ ہے؟ تب ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! قسم بخدا اس حالت میں ہم میں دشمن کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے البتہ قافلہ پر حملہ کا ارادہ ضرور ہے۔

یہ اور اسی قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں جن میں صراحت ہے کہ مسلمان وادیٔ ذفران میں کاروان تجارت پر حملہ آور ہونے کے متوقع تھے اور وجہ یہی تھی کہ ان کے جاسوسوں نے بدر میں اس کے آنے کی خبر کردی تھی۔

۴) آیت وتودون ان غیر ذات الشوکة تکون لکم میں جمہور کے نزدیک نبی اکرم ﷺ اسی جانب ہیں جس جانب خدا ہے اور جب بعض مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کے رخ کو پہچان لیا تو پھر وہ بھی خدا اور خدا کے رسول ﷺ کی مرضی کے ساتھ ہوگئے اس لئے اس حقیقت کو ان جذباتی الفاظ سے بے حقیقت نہیں بنایا جاسکتا۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلۂ تجارت حملہ کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف خدا ہے (جو چاہتا ہے) کہ حق کو قائم کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے اب سوال یہ ہے کہ رسول ﷺ ان دو میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔ (سیرۃ النبی، جلد ۱، ص ۲۳۱)

۵) واقعہ کی نوعیت دراصل وہ نہیں ہے جس کو بزعم خود مصنف سیرت النبی نے گڑھ کر بیان کردیا اور پھر اس پر سوالات قائم کردیے بلکہ نوعیت واقعہ وہ ہے جس کو ہم بصراحت و بدلائل ابھی بیان کر آئے ہیں اور جس کو تسلیم کرنے کے بعد شبہ اور اعتراض کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۶) لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاهدون فی سبیل الله باموالهم وانفسهم ۔ مسلمانوں میں جو لوگ صحیح و تندرست ہوتے ہوئے بھی گھروں میں بیٹھے رہے تو وہ ان کے برابر ہرگز نہیں ہوسکتے جو اپنی جان و مال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

بیشک صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے یعنی وہ لوگ جو بدر میں نہیں شریک ہوئے اور وہ جو شریک ہوئے دونوں برابر نہیں ہوسکتے اور یہ صحیح ہے کہ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ پہلے آیت میں غیر اولی الضرر کا جملہ نہیں نازل ہوا تھا تو آیت سن کر حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوئے اور اپنے نابینا ہونے کا عذر کیا اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا غیر اولی الضرر ۔

لیکن اس کے باوجود مصنف سیرت النبی کا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔"

یہ نتیجہ اخذ کرنا اس لے درست نہیں ہے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق تین صحابیوں سے روایات منقول ہیں ان میں سے دو صحابہ زید بن ثابت اور براء بن عازبؓ غزوۂ بدر سے جدا اس کا نزول بیان کرتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بدر کے ساتھ اس کو وابستہ فرماتے ہیں لہٰذا اس اختلاف کو دیکھ کر مشہور اور محقق محدثین اور شارحین بخاری، ابن تین اور بدر الدین عینیؒ یہ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ کا یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر کسی آیت کا تاریخی اور حقیقی شان نزول ایک خاص واقعہ سے متعلق ہو لیکن اس آیت کے مفہوم و مصداق میں جس قدر واقعات جزئیات داخل ہو سکتی ہیں ان سب کے متعلق یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس آیت کا تاریخی شان نزول یہ واقعہ ہے۔ (فتح الباری، جلد ۸ ص ۲۱۱ مصری و عینی جلد ۸ ص ۵۶۴)

لہٰذا جبکہ تمام علماء تفسیر اس پر متفق ہیں کہ اس آیت کا تاریخی شان نزول بدر کا واقعہ ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ ارشاد اسی عموم کے اعتبار سے ہے جبکہ بدر کے معرکہ میں بھی مسلمان دو حصوں میں منقسم تھے ایک شریک جنگ اور دوسرے مدینہ میں مقیم تو بلاشبہ فضیلت درجات میں دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بطریق تفسیر یہ فرمایا ہے لا یستوی القاعدون من المؤمنین عن بدر و الخارجون الی بدر بطور واقعہ اس کو نقل نہیں کیا اور اسی لئے حضرت عبداللہ بن مکتومؓ کا بھی ذکر نہیں فرمایا اور ترمذی میں اس قسم کی تفصیل اگر منقول ہے تو خود ترمذیؒ نے یہ کہہ کر اس تفصیل کو کمزور کر دیا ہے۔ ھذا حدیث حسن غریب من ھذاالوجہ من حدیث ابن عباس یہ حدیث اس تفصیلی طریقہ پر ابن عباسؓ سے بسند حسن غریب ثابت ہوئی یعنی اس ایک راوی کے علاوہ دوسرا کوئی طریق سند موجود نہیں ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کا واقعہ منقول ہو اور اسی لئے امام بخاریؒ نے تفصیل کو قابل ترک سمجھ کر فقط تفسیر کو ہی لیا ہے۔

پس اس آیت کو بھی اپنے دعوے کے لیے سند بنانا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

۷) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرا ورئاء الناس ویصدون عن سبیل اللہ ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور خدا کی راہ سے روکے ہوئے نکلے اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کیلئے نکلتے تو خدا کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لئے کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے الخ"

یہ بھی مصنف سیرت النبی کا ایک انوکھا استدلال ہے اس لئے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ کفار قریش قافلۂ تجارت کے بچانے کے لے نکلے ان ہی میں یہ بھی بصراحت موجود ہے کہ جب ابوسفیان نے قاصد کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہم مسلمانوں کی زد سے بچ گئے ہیں تم اب مکہ واپس چلے جاؤ تو ابو جہل نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اب تو ہم مسلمانوں کا قلع قمع کر کے ہی جائیں گے اور یہی وہ جذبہ تھا جس نے کفار قریش کو بدر کی جانب اس نخوت کے ساتھ پیش قدمی کے لئے ابھارا جس کا ذکر قرآن حکیم اس آیت میں کر رہا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد مولانائے مرحوم نے احادیث سے اپنے مقصد کی تائید چاہی ہے اور اس سلسلہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ تمام ذخیرۂ حدیث میں کعب بن مالک کی روایت کے علاوہ کہیں یہ مذکور نہیں کہ آنحضرت ﷺ بدر میں قریش کے قافلۂ تجارت پر حملہ آوری کے لئے نکلے نیز کعب بن مالکؓ کی روایت مولانا کے نزدیک متعدد وجوہ سے قابل منقول ہے:

عن عبد اللّٰہ بن کعب قال کعب لم اتخلف عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ تبوک غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ بدر و لم یعاتب احد تخلف عنھا انما خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یرید عیر قریش حتی جمع اللّٰہ بینہ وبینھم علی غیر میعاد۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں میں رسول اکرم ﷺ کو چھوڑ کر کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا بجز غزوۂ تبوک کے اور ہاں غزوۂ بدر میں بھی شریک نہیں تھا اور جو اس میں شریک نہیں ہوا اس پر کچھ عتاب نہیں کیوں کہ آنحضرت ﷺ قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے کہ خدا نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔

حضرت کعبؓ کی اس روایت کی تائید ذخیرۂ حدیث میں دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ گذشتہ صفحات میں ابوایوب انصاریؓ کی حدیثیں جس کو ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم سے تمام محدثین وارباب سیر نے نقل کیا ہے گذر چکی ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اول مدینہ سے ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلے اور جب ایک یا دو دن کی مسافت پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ کفار مکہ کا لشکر مقابلہ کے لئے آرہا ہے تب آپ ﷺ نے پھر مشورہ کیا اور اسی مشورہ میں بعض مسلمانوں نے جنگ کے حق میں گرانی کا اظہار کیا اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کعبؓ کی روایت اس کو ظاہر نہیں کرتی کہ نبی اکرم ﷺ کا معرض بحث ہونا تو یہ دعویٰ خود محل نظر ہے جو حسب ترتیب لائق توجہ ہے:

۱) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب چونکہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے اس لئے ان کی روایت اس موقع پر مشاہدہ وواقعیت کی روایت نہیں۔

میدان استدلال میں یہ عجیب دلیل ہے اس لئے کہ جب مصنف سیرت النبی کا یہ دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے شروع ہی میں کفار قریش سے جنگ کے ارادہ سے نکلے تھے اور مدینہ میں ہی مشورہ فرمایا تھا تو کعب بن مالکؓ خواہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوئے ہوں لیکن مدینہ میں بہر حال موجود تھے اس لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ انصار ومہاجرین سے مشورہ فرمائیں اور موجودہ صحابہؓ شرکت نہ کریں۔ لہٰذا حضرت کعبؓ کی روایت کو مشاہدہ وواقعیت کی روایت تسلیم نہ کرنا قطعاً بے سند ہے البتہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جنگ کے متعلق مشورہ مدینہ سے باہر کسی وادی میں ہوا تھا تب یہ بیشک کہا جا سکتا ہے کہ کعبؓ اگر اس مشورہ کے متعلق کچھ فرمائیں تو وہ مشاہدہ وواقعیت کی روایت نہیں ہوگی کیونکہ وہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے۔

۲) اس واقعہ کی روایت سے ان کا مقصود یہ ہے کہ غزوۂ بدر کی اہمیت کم ہو جائے تاکہ عدم شرکت سے ان کا وزن کم نہ ہو۔ الخ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مولانا کا ایک صحابی کے متعلق یہ سوء ظن بھی قطعاً بے سند اور بے دلیل ہے اسلئے کہ حضرت کعبؓ بدر کی اہمیت کو کم کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس کی اہمیت اور عظمت کا احساس ہی اس کو اس پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اپنی عدم شرکت کے لئے یہ معذرت پیش کریں کہ ان کو یہ سعادت اس لئے نصیب نہ ہو سکی کہ جب مسلمان مدینہ سے نکلے تھے تو چوں کہ کاروان تجارت کے لئے نکلے تھے اس لئے سب کی شرکت ضروری نہیں تھی تاہم جو نکلے ان کو وہ بے نظیر شرف ہاتھ آگیا جس سے ہم جیسے محروم رہ گئے۔

کعب بن مالکؓ کی اس روایت میں ایک اور باریک نکتہ مستور ہے جو مولانا کے دعوے کو یکسر پادر ہوا بنا دیتا ہے وہ یہ کہ حضرت کعبؓ اس جانب بھی توجہ دلا رہے ہیں کہ اگر بدر کا معرکہ غزوۂ تبوک کی طرح مدینہ کے اندر ہی طے شدہ ہوتا اور نبی اکرم ﷺ مدینہ سے اس ہی غرض کے لئے نکلتے تو یہ ناممکن تھا کہ اس قدر اہم اور عظیم الشان غزوہ کے لئے نفیر عام نہ ہوتا اور جو لوگ جی چرا کر یہاں بیٹھ رہتے واپسی پر ان سے باز پرس نہ کی جاتی جبکہ غزوۂ تبوک میں انہی کعبؓ اور ان کے دو رفقاء سے عدم شرکت پر اس قدر سخت باز پرس ہوئی تھی کہ ذات اقدس ﷺ نے ان کے مقاطعہ کا حکم صادر فرما دیا تھا اور جب تک ان کی توبہ کے قبول پر وحی الٰہی کا نزول نہیں ہوا تقریباً پچاس دن مقاطعہ کا سلسلہ جاری رہا اس لئے یہ یقین کرنا چاہیے کہ غزوہ تبوک میں مجھ پر ناراضی کا اظہار اور مقاطعہ کا اعلان اور بدر میں ان امور کا فقدان بلا شبہ اس لئے تھا کہ معرکۂ بدر ارادی نہیں تھا بلکہ حسب اتفاق بالکل اچانک پیش آگیا اور در حقیقت نبی اکرم ﷺ اور مسلمان مدینہ سے عیر کے ہی لئے نکلے تھے غرض حضرت کعبؓ غزوۂ بدر کی حیثیت کو کم کرنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے عذر عدم شرکت کی معقولیت کو ظاہر کرنا اور واقعہ کی نوعیت کو واشگاف کرنا چاہتے ہیں۔

پھر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف سیرت النبی ﷺ تو یہ معلوم کر سکیں کہ قرآن ناطق کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے ہی کفار قریش کے مقابلہ میں نکلے اور ان کے بقول احادیث بھی یہی صراحت کر رہی ہیں لیکن کعبؓ بن مالک پر ساری عمر یہ حقیقت آشکارانہ ہو سکی ہاں یہ حقیقت جدا ہے کہ مولانا کے نزدیک کعبؓ بن مالک اپنی اہمیت کو برقرار رکھنے کیلئے جان بوجھ کر کذب بیانی تک پر آمادہ ہو گئے مگر میں تو اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں۔

۳) مولانا کے نزدیک بخاری میں مذکور کعب بن مالک کی روایت حضرت انسؓ کی اس روایت کے خلاف ہے جو مسلم اور مصنف ابن ابی شیبہ میں منقول ہے:۔

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیانِ قال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ فقام سعد بن عبادۃ فقال ایّانا ترید یا رسول اللّٰہ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضھا البحر لاخضناھا ..... (مسلم)

حضرت انسؓ سے مروی ہے آنحضرت ﷺ کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے مشورہ طلب کیا، حضرت ابو بکر بولے تو آپ ﷺ نے توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت عمرؓ بولے آپ ﷺ نے ان کی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرف بھی توجہ نہ کی پھر سعد بن عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف ہے، خدا کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے۔ الخ۔

یعنی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابو سفیان کے آنے کا حال ہوا تو اسی وقت آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور ابو سفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا ہے اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لئے آپ ﷺ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی۔

مگر مولانا کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس روایت میں راوی نے ایک بہت بڑی غلطی کر دی ہے وہ یہ کہ اس نے انصار مقررین میں سعدؓ بن عبادہؓ کا نام لیا ہے حالانکہ تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے اور تمام ذخیرۂ حدیث میں اس تقریر کو حضرت مقدادؓ کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور یہی صحیح اور درست ہے البتہ سعد بن عبادہؓ نے اسی قسم کی تقریر حدیبیہ کے موقع پر کی تھی جس کا ذکر روایات میں بکثرت موجود ہے تو ثابت ہوا کہ اس روایت نے واقعہ کو خلط ملط کر دیا ہے پس حدیث انسؓ کے ابتدائی جملوں میں بھی یا تو ابہام واجمال ہے اور یا راوی کے وہم کی وجہ سے مدینہ کے ابتدائی مشورہ اور وادیٔ ذفران کے مشہور تاریخی مشورہ کے درمیان خلط ہو گیا ہے، چنانچہ مشہور محدث اور بخاری کے شارح حافظ ابن حجرؒ بھی روایت انسؓ کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں۔

ووقع فی مسلم ان سعد بن عبادة هو الذی قال ذلك و كذا اخرجه ابن ابی شيبة من مرسل عن عكرمة و فيه نظر لان سعد بن عبادة لم يشهد بدراً ويمكن الجمع بان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم استشارهم فی غزوة بدر مرتين، الاولیٰ وهو بالمدينة اول ما بلغه خبر العير مع ابی سفيان و ذلك مبين فی رواية مسلم ووقع عند الطبرانی ان سعد بن عبادة قال ذلك بالحديبية و هذا اولیٰ بالصواب۔

اور مسلم میں ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے وہ تقریر کی جو مقدادؓ کی جانب منسوب ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے بھی مصنف میں اسی طرح عکرمہ کے مرسل کے ذریعہ نقل کیا ہے اور اس پر اعتراض واقع ہوتا ہے اسلئے کہ سعد بن عبادہؓ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے ہاں حدیث مسلم کے اس مضمون کو دوسری صحیح حدیث کے ساتھ اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ دراصل بدر کے معاملہ میں دو مشورے ہوئے ہیں: ایک مدینہ کے اندر ہوا جب نبی اکرم ﷺ کو ابو سفیان کے قافلہ کا حال معلوم ہوا مسلم کی روایت میں شاید اس کا ذکر ہے اور دوسرا مشورہ راستہ میں وادی ذفران میں ہوا جیسا کہ فتح الباری میں بصراحت مذکور ہے طبرانی میں ہے کہ دراصل سعد بن عبادہؓ کی یہ تقریر حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی (اور راوی نے اس جگہ خلط ملط کر دیا ہے) اور یہی صحیح اور درست ہے)

غرض حضرت انسؓ کی حدیث سے بھی مولانا کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ انصار جب قافلہ کے لیے مدینہ سے نکل چکے تھے تو پھر اس اہمیت کے ساتھ وادیٔ ذفران میں ان کی رائے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ گئی تھی تو یہ شبہ بھی نادرست ہے کیونکہ سابق میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نکلتے وقت بھی ابوسفیان کے قافلہ پر قابض ہونے کے لئے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا تھا وہ غالباً اس لئے کیا ہو گا کہ انصار بھی شریک ہونا چاہتے ہیں اور جب اچانک جنگ کا یہ معاملہ بہت ہی شدید پیش آ گیا اور صورت حال انتہائی نازک ہو گئی تو انصار سے دریافت کرنا از بس ضروری تھا کہ اس حالت میں بھی وہ مدینہ سے باہر معرکہ آرائی کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔

بہر حال بخاری، نسائی، ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں مذکور غزوہ بدر سے متعلق روایات کے خلاف مسلم کی روایت اس کے آخری ٹکڑوں میں جو کچھ بھی مذکور ہے وہ سب اسی مشورہ سے متعلق ہے جو وادیٔ ذفران میں مدینہ سے باہر ہوا تھا اور تمام صحیح روایات کے خلاف یہ راوی کا وہم ہے کہ اس نے پہلے ٹکڑے کے ساتھ دوسرے ٹکڑوں کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ گویا یہ سب کچھ ابوسفیان کے قافلہ کے وقت ہی پیش آیا تھا۔

اور اس پر بھی مستزاد یہ کہ اس روایت میں کفار قریش سے جنگ کا اشارہ تک بھی نہیں ہے کہ مولانا کے لیے دلیل ہو سکے بلکہ ابوسفیان کے قافلہ ہی کو مذکور ہے اس لئے مولانا کو پھر اس روایت کے ٹکڑوں کو بھی اپنے موافق بنانے میں تکلفات کرنے پڑتے ہیں۔

اسی طرح مولانائے مرحوم کا حضرت علیؓ کی اس روایت سے استناد بھی صحیح نہیں جس میں بدر کے واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر ہے:

عن علی قال لما قدمنا المدینة اصبنا من اثمارها فاجتوینا واصابنا بها وعك وكان النبی ﷺ یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشركین قد اقبلوا سار رسول الله ﷺ الی بدر و بدر بئر فسبقنا علی المشركین الیها.....(الحدیث)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے اس لئے ہم (بیمار ہو گئے) آنحضرت ﷺ بدر کو پوچھا کرتے تھے جب ہم کو خبر ملی مشرکین آ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بدر کو چلے بدر ایک کنویں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے آ پہنچ گئے۔

یہ روایت طویل ہے مگر اس میں ابتدائی واقعات کو نظر انداز کر کے صرف معرکے کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے چنانچہ اس میں نہ مدینہ کے اندر مشورہ کا ذکر ہے نہ بعض مسلمانوں کی کراہت اور گرانی کا تذکرہ ہے اور نہ مہاجرو انصار کی ولولہ انگیز تقاریر مذکور ہیں حتیٰ کہ مسلمانوں کی تعداد اور بے سروسامانی تک کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے اور اس پر طرہ یہ کہ مدینہ کی آمد کے وقت مہاجرین کی ناموافق آب وہوا کے بعد ہی متصل بدر کے واقعہ کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے حالانکہ اس درمیان میں کتنے سرایا اور دوسرے اہم واقعات پیش آ چکے تھے جو کتب احادیث میں بسند صحیح منقول ہیں۔

پس اگر حضرت علیؓ کی یہ روایت اس بات کیلئے سند ہو سکتی ہے کہ اس میں قافلہ کے لئے نکلنے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مشرکین مکہ سے جنگ کا ہی ذکر ہے تو بلاشبہ یہ روایت اس شخص کے لئے ہی سند ہو سکتی ہے جو بدر کے معرکے سے متعلق ان تمام ابتدائی واقعات کا انکار کر دے جس کا اس روایت میں ذکر موجود نہیں حالانکہ قرآن اور دوسری روایات میں بصراحت وہ واقعات مذکور ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

روایت و درایت کا مسلمہ اصول ہے کہ جب ایک ہی واقعہ سے متعلق مفصل و مجمل دونوں قسم کی روایات بسند صحیح موجود ہوں تو ہمیشہ مجمل کی تفصیل و تشریح مفصل ہی کے ذریعہ کی جائے گی اور اگرچہ بہت سے مقامات پر مولانا بھی اس کو تسلیم فرماتے ہیں مگر یہاں نہ معلوم کیوں نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔

تفصیل و اجمال کی اس حقیقت کے پیش نظر ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں امام احمدؒ نے مسند میں، ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں اور بیہقیؒ نے دلائل میں بدر کی مفصل و مجمل روایات کی ضمن میں اس روایت کو بھی نقل کر دیا ہے اور جن روایات میں قافلہ کا تذکرہ ہے اور جن میں نہیں ہے ان سب کو بیان کر کے ایک دوسرے کے متضاد نہیں سمجھا ہے۔

مصنف سیرۃ النبی قرآن اور احادیث سے استشہاد کے بعد واقعہ کے بعض پہلوؤں سے عقلی استشہاد کرنا چاہتے ہیں جو قابل توجہ ہیں۔

۱) رسول اللہ ﷺ نے بدر سے قبل جس قدر سرایا بھی بھیجے ہیں ان میں سے کسی ایک میں بھی انصار کو نہیں بھیجا پس اگر مدینہ میں ہی مشورہ نہ ہوا ہو تا تو کاروان تجارت کے مقابلہ میں بھی انصار نہ نکلتے حالانکہ وہ مہاجرین سے زیادہ تعداد میں نکلے یعنی کل فوج (۳۰۵) تھی جن میں (۷۰) مہاجرین تھے باقی سب انصار۔

لیکن یہ استشہاد بھی اس لئے درست نہیں ہے کہ کاروان تجارت کا یہ معاملہ چوں کہ زیادہ اہم نہیں تھا اور دشمن میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لئے نبی اکرم ﷺ نے یہ چاہا کہ اس سلسلہ میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے اس میں انصار کا بھی حصہ ہو مگر عقبیٰ میں انصار کے معاہدہ کے پیش نظر ضرورت تھی اس بات کی کہ ان سے مشورہ لیا جائے کہ وہ نکلنا چاہتے ہیں یا نہیں چنانچہ کاروان تجارت کے سلسلہ میں مدینہ کے اندر ہی مشورہ کیا گیا تھا جس میں انصار نے بخوشی رفاقت کو منظور کیا تھا چنانچہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں ابن اسحٰقؒ نے بسند یہ روایت کی ہے:

لما سمع رسول اللّٰہ بابی سفیان مقبلاً من الشام ندب المسلمین الیھم وقال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم فاخرجوا الیھا لعل اللّٰہ ینفلکموھا فانتدب الناس فخلف بعضھم وثقل بعض و ذلك انھم لم یظنوا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یلقی حربًا۔ (ابن کثیر، جلد ۳، ص ۲۵۶)

نبی اکرم ﷺ نے جب ابوسفیان کی شام سے آمد کا حال سنا تو مسلمانوں کو کاروان ابوسفیان کیلئے پکارا اور فرمایا یہ قریش کا کاروان ہے اس میں ان کا مال تجارت ہے پس اس کے لیے نکلو، کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ مال غنیمت تمہارے ہاتھ لگادے پس لوگ تیار ہو گئے بعض نے تو اس مقابلہ کو پسند کیا اور بعض کو نکلنا شاق گذرا کیونکہ ان کو یہ خیال ہی نہیں تھا کہ رسول اللہ اس سفر میں جنگ سے دوچار ہوں گے۔

اس روایت کا جملہ لعل اللّٰہ ینفلکموھا اور لم یظنوا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یلقی حربًا صاف پتہ دے رہے ہیں کہ انصار اس مرتبہ اس لئے مدینہ سے نکلے کہ جن کا اندیشہ نہیں تھا اور کثیر مال غنیمت کی توقع تھی اور اسی بناء پر نبی ﷺ نے اس مرتبہ ان کو ہمراہ لینے کا ارادہ فرمایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۲) ابو سفیان کا کاروان تجارت جب شام سے روانہ ہو کر حدودِ مدینہ و شام سے نکل گیا اور مکہ کی راہ پر پڑ گیا تب نبی اکرم ﷺ کو جاسوسوں نے اطلاع دی، اس سے قبل اطلاع نہ ہو سکی لہٰذا مولانائے مرحوم کا یہ عقلی استدلال واقعہ کی اصل حقیقت کو نہیں بدل سکتا کہ مکہ سے شام کو جو قافلۂ تجارت جاتا تھا وہ مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا اس لئے شام سے آنے والے قافلہ کے لئے آپ ﷺ کو شام کی جانب بڑھنا چاہیے تھا نہ کہ مکہ کی جانب جہاں قریش کے اثرات زیادہ تھے۔

جب ارادۂ الٰہی یہی ہو چکا تھا کہ بدر میں معرکۂ حق و باطل اس طرح بپا ہو کہ بظاہر اسباب مسلمانوں کے سامنے اچانک بے سر و سامانی کی حالت میں دشمن ساز و سامان کے ساتھ آدھمکے اور پھر خدا کی معجزانہ نصرت و یاری ظہور میں آئے تو پھر اس پر تعجب کیسا کہ مسلمانوں کو اس وقت تک قافلہ کا علم نہ ہو سکا جب تک کہ وہ مکہ کی راہ پر نہ پہنچ گیا۔

اس کے بعد مولانا جمہور کے مسلک کو پیش نظر رکھ کر پانچ دفعات میں اپنی جانب سے واقعہ بدر کے اسباب کی ایسی ترتیب دی ہے کہ جس پر مولانا کو آخر میں یہ کہنے کا موقع مل سکا:

"کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوش عداوت اور رسول اللہ ﷺ کی شان نبوت کے موافق ہے"۔ (سیرت النبی ج ۱ ص ۳۱۹)

مولانائے مرحوم بہترین ادیب ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ کسی اچھے سے اچھے واقعہ کو بھی اگر مخالفانہ رنگ دینے کی کوشش کی جائے تو اس کو الفاظ کی تعبیرات میں بھیانک سے بھیانک رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے مسئلۂ طلاق نکاح بیوگان، تعدد ازدواج جیسے مسائل کے متعلق عیسائی پادریوں اور ہندو آریہ سماجیوں نے جن توہین آمیز اور مضحکہ خیز تعبیرات میں رنگ کر اپنے معتقدین کے سامنے پیش کیا ہے وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں مگر آج کی دنیاء تہذیب و تمدن میں جب انہی عیسائیوں اور ہندوؤں نے سیکڑوں اور ہزاروں سال کے تجربہ کے بعد یہ یقین کر لیا کہ سوسائٹی کا "معاشرتی نظام" رحمۃ للعلمین کے لائے ہوئے قانون کو اختیار کیے بغیر صحیح نہیں ہو سکتا تو آج وہ پارلیمنٹ کونسل اور اسمبلیوں کے ذریعہ ان ہی قوانین طلاق، نکاح بیوگان وغیرہ کو اپنی معاشرت میں شامل اور ان امور کے جواز کے لئے بہتر سے بہتر عقلی دلائل و ادبی، تعبیرات اختیار کر رہے ہیں۔

پس غزوہء بدر کیوں پیش آیا؟ اس کے لئے جمہور نے باتفاق تاریخ و سیرت یہی کہا ہے کہ مسلمانوں کا مدینہ محفوظ رہ کر تبلیغ اسلام کرنا مشرکین کو کسی طرح برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ چوٹی چھوٹی جھڑپیں شروع کر دی تھیں کہ اس اثناء میں "سریۂ عبداللہ بن جحش پیش آ گیا، جس میں ان کا مشہور سردار عمرو بن حضرمی قتل ہو گیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان جیسے بہادر سردار قید ہو گئے اس بناء پر کفار مکہ کو اشتعال آجانا ایک فطری بات تھی چنانچہ مشہور محدث ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اس سریہ کا عنوان ہی یہ قائم کر دیا ہے: باب سریه عبد الله بن جحش التی کانت سببا لغزوة بدر العظمیٰ و ذلك یوم الفرقان یوم التقی الجمعان و الله علی کل شیء قدیرا ابھی یہ اشتعال بڑھ ہی رہا تھا کہ ابو سفیان کے کاروان تجارت کا قصہ مزید پیش آ گیا جو دراصل کاروان تجارت نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے استیصال کا وہ "سرمایہ" تھا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جس کے گھمنڈ پر قریش یقین کیے بیٹھے کہ جوں ہی وہ مکہ بحفاظت تمام پہنچ جائے گا سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں کے خاتمہ کا سامان ہاتھ آگیا۔

تواب خود ہی انصاف کیجیے کہ اس میں کون سی بات ایسی اہے جو نبی اکرم ﷺ کی شان نبوت کے خلاف اور قریش کے جوش عداوت کے منافی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے آرنلڈ[1] کی رہنمائی کے لئے یا اس کی تقلید میں اس واقعہ کے تمام نقشہ کو جمہور کے خلاف اس لئے پلٹنے کی سعی فرمائی ہے کہ وہ وقت کے عیسائی مستشرقین کے اس اعتراض سے مرعوب ہوگئے ہیں کہ قافلہ کا لوٹنا انتہائی معیوب بات ہے لہٰذا جو شخص نبوت کا مدعی ہو وہ کیسے ایسا فعل کر سکتا ہے حالانکہ یہ بات مرعوب ہونے کی نہیں تھی بلکہ ضرورت تھی اس امر کی کہ ان تاریخی اسباب و وسائل کو روشنی میں لایا جائے جن کے پیش نظر مشرکین مکہ کے کاروان تجارت کو روکنا اور ان پر قابض ہونا لوٹ کھسوٹ نہیں بلکہ جنگی نقطۂ نظر اور مسلمانوں کی جماعتی بقاء و حفاظت کے اعتبار سے از بس ضروری تھا۔

صورت حال یہ تھی کہ مکہ کے قیام میں نبی اکرم ﷺ پر تیرہ سال مسلسل مشرکین مکہ نے جو مظالم کیے ان پر صبر وضبط کے بعد جب مدینہ کو ہجرت کر گئے تب بھی ان مشرکین نے مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیا اور جنگ وجدل اور سازشی مکر و فریب میں لگے رہے چنانچہ ابوداؤد میں ہے:

ان کفار قریش کتبوا الی ابن ابی ومن کان یعبد معه الاوثان من الاوس والخزرج و رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یومئذ بالمدینة قبل وقعة بدر انکم آوَیتم صاحبنا و انا نقسم باللّٰه لتقاتلنه او لتخرجن او نسیرن الیکم باجمعینا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساء کم ..... (ابوداؤد، کتاب الخراج والامارة والفیٔ)

نبی اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تھے کہ بدر کے واقعہ سے بہت پہلے کفار قریش نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھیوں کو جو اوس اور خزرج میں باقی رہ گئے تھے یہ لکھا کہ تم نے ہمارے صاحب کو پناہ دی ہے اور ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم ان سے لڑو یا ان کو نکال دو ورنہ تو ہم سب تم پر چڑھ آئیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں کو باندیاں بنالیں گے۔

پھر معاملہ دھمکیوں تک ہی نہیں رہا بلکہ کاروان تجارت کی آمد و رفت کے پردہ میں منافقین اور یہود مدینہ سے مسلمانوں کے استیصال کے لئے مختلف تدابیر پر خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری صرف یہی نہیں بلکہ اب کاروان تجارت کا مقصد محض تجارتی کاروبار تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ نفع کے حصول کو مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریوں پر صرف کرنا نصب العین بنالیا گیا۔

ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ دشمن کو اپنے خلاف اور اپنے استیصال کے لئے سازش کرنے مقابلہ کی تیاریوں میں مشغول رہنے کاروان تجارت کے ذریعہ مدینہ میں مقیم دشمنوں کے ساتھ مشرکین مکہ کو

۱: آرنلڈ نے بھی غزوۂ بدر کے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

معاندانہ خط و کتابت جاری رکھنے اور خود کاروانِ تجارت کے ذریعہ اپنے استیصال کے لیے سرمایہ فراہم کرنے دینے کیلئے آزاد چھوڑ دینا اور اس طرح ہمیشہ کے لیے اپنا خاتمہ کرالینا یا ان تمام ذرائع کا سدباب کر کے فتنہ کا سر کچل دینے کی کوشش کرنا؟

لہٰذا مسلمانوں نے وہی کیا جو عقل تدبیر، سیاست اخلاق تمدن کے نزدیک نہ صرف جائز بلکہ واجب اور ضروری تھا یہی وہ امور تھے جن کی جانب ارباب سیر و تاریخ نے بھی توجہ دلائی ہے، چنانچہ سب سے پہلے سریہ "سریہ حمزہ" کے متعلق (جو کہ مشرکین کے کاروان تجارت کے روکنے کے لئے نکلا تھا زرقانی شرح مواہب میں تحریر فرماتے ہیں

فخرجوا یعترضون عیرا لقریش جاء ت من الشام ترید مکة ای یعترضون لها لیمنعوها من مقصدها باستیلائهم ..... (شرح مواهب، جلد ۱، ص ۴۵۲)

"پس وہ نکلے کہ قریش کے کاروان تجارت کے درپے تھے جو شام سے مکہ جارہا تھا یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ جس مقصد کے لئے یہ کاروان تجارت آجارہے ہیں ان پر غلبہ کر کے اس مقصد کو پورا نہ ہونے دیں۔

اور ابو سفیان کے جس کاروان تجارت کے واقعہ سے بدر کے معرکہ کا تعلق ہے اس کے متعلق تو تمام ارباب سیر و تاریخ متفق ہیں کہ قریش کے اندر مسلمانوں کے استیصال کا جوش و خروش اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ جب ابو سفیان کا کاروان تجارت مکہ سے چلا ہے تو کوئی قریشی اور قریشیہ باقی نہیں رہی تھی جس کے پاس ایک مثقال بھی موجود تھا کہ اس نے اپنا اس المال کاروان کے حوالہ نہ کر دیا ہو زرقانی میں ہے:

کان فیها خمسون الف دینار و کان لم یبق قرشی و لا قرشیة له مثقال الا بعث به فی العیر (جلد ۱، ص ۴۷۶)

کاروان تجارت کے ساتھ پچاس ہزار دینار سرخ تھے اور کوئی قرشی و قرشیہ کے کہ جس کے پاس ایک مثقال بھی موجود تھا ایسے نہیں تھے کہ جس نے قافلہ میں اپنا اس المال نہ لگایا ہو۔

ابو سفیان کا یہ کاروان صرف کاروان تجارت ہی نہ تھا بلکہ سامان حرب و ضرب کیلئے بنیاد کا اور تھا اس کا اندازہ ابو جہل کے اس قول سے بھی ہوتا ہے جو قافلہ کے گھر جانے پر اس نے قریشیوں کو مشتعل کرتے ہوئے کہا

النجاء النجاء علی کل صعب و ذلول غیرکم اموالکم ان اصابها محمد ﷺ لم تفلحوا بعدها ابداً۔

نجات حاصل کرو، انتہائی مصیبت و ذلت سے نجات حاصل کرو کاروان تجارت کا رواں نہیں ہے تمہارے مال و دولت کا ذخیرہ ہے اگر محمد ﷺ اس پر قابض ہو گئے تو پھر تم ہمیشہ کیلئے ناکام و نامراد ہو کر رہ جاؤ گے۔

کیا ابو جہل کا یہ خطبہ محض کاروان تجارت کے لٹ جانے پر ہو سکتا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ تجارت کا کارواں نہیں ہے بلکہ سامان جنگ کی وہ ریڑھ کی ہڈی ہے جس کی حفاظت کی خاطر آج مہیب جو جنگوں میں فیصلہ کن لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔

تو اب انصاف فرمایئے کہ اس قسم کے کاروان تجارت پر حملہ کر کے دشمن کی تجارت کا سدباب کرنا کونسا گناہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا جس کے لئے ہم دوسروں کی ہرزہ سرائی سے مرعوب ہو کر حقایق کا انکار کرنے لگیں۔

مولانا کو یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ زر و مال کے حاجتمند انصار سے زیادہ مہاجرین تھے تو پھر نبی اکرم ﷺ کی اس رفاقت میں مہاجرین کے مقابلہ میں انصار کیوں زیادہ تعداد میں تھے سو ان احتمالات عقلی کا باب تو اس درجہ وسیع ہے کہ جس قدر جی چاہئے وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جایئے ورنہ بات صاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے رجحان طبع نے صورت ہی ایسی پیدا کر دی کہ انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ ہو گئی ورنہ شاید حالت برعکس ہوتی البتہ مولانا کی توجیہ کے خلاف یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے اگر مدینہ ہی میں جنگ کے لئے مشورہ ہوا تھا تو پھر مہاجرین جو انصار کے بغیر بھی اب تک مختلف غزوات و سرایا میں سر بکف میدان جنگ میں جاتے رہے تھے آج اس عظیم الشان غزوہ میں انصار کے مقابلہ میں کیوں پیچھے رہے۔

اس موقع پر بار بار حضرت سعد بن عبادہ کی تقریر کا حوالہ دینا بھی اسلئے غیر موزوں ہے جبکہ ہم محدثین سے یہ نقل کر چکے کہ مسلم کی حدیث میں حضرت سعد بن عبادہؓ کا نام راوی کا وہم ہے اور دراصل ان کی یہ تقریر حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی نہ کہ معرکۂ بدر کے موقع پر

مولانائے مرحوم نے سیرۃ النبی میں طبری کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے جس کو ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں اور جو یہ ثابت کرتی ہے کہ مدینہ میں ابوسفیان کے قافلہ سے متعلق جو مشورہ ہوا تھا اس میں بعض مسلمان اس لئے نکلتے ہوئے کسمساتے رہے کہ جنگ کا معاملہ نہیں ہے صرف قافلہ کا معاملہ ہے۔"

یہ تنقید فرمائی:

"لیکن یہ واقعات صریح آیات قرآن کے خلاف ہیں قرآن مجید میں بالتصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمساتے تھے وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ (جلد ا ص ۳۳)

مگر تنقید فرماتے ہوئے مولانا کو یہ بات فراموش ہو گئی کہ انھوں نے جمہور کے خلاف کوئی دلیل نہیں پیش فرمائی بلکہ جو دعویٰ تھا وہی دلیل بنا کر پیش کر دیا گیا اس لئے جمہور کا دعویٰ مع دلیل تو یہ ہے کہ قرآن عزیز کی زیر بحث آیات مدینہ کے مشورہ سے متعلق ہی نہیں ہیں بلکہ وادیٔ ذفران کے مشورہ سے متعلق ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں مدلل خود قرآن سے ہی ثابت کیا جا چکا ہے اور اس روایت میں جس مشورہ کا ذکر ہے وہ قرآن میں مذکور نہیں ہے البتہ احادیث و روایات سیر میں بسند صحیح منقول ہے لہٰذا دونوں مواقع پر کسمسانے کی وجوہ جدا جدا تھیں اور قرآن نے اس پورے واقعہ کے ان ہی خاص اجزاء کو بیان کرنا مناسب سمجھا جو مسلمانوں کی بے سر و سامانی اور دشمن کی قوت اور پھر مسلمانوں پر خدا کی نصرت کے نزول سے تعلق رکھتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ سے ایک میل پر پہنچے تو لشکر کا جائزہ لیا ابن عمرؓ اس زمانہ میں کمسن تھے لہٰذا ان کو واپس کر دیا۔[1]

مقابلہ کے لئے نہیں بلکہ کفار مکہ سے جنگ کے لئے ہی نکلے تھے ورنہ تو ایسے نوخیز لڑکے قافلہ کو لوٹنے میں

۱: اسد الغابہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ جلد ۳ ص ۲۲۷۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زیادہ مفید ثابت ہو سکتے تھے مگر یہ بھی مولانا کا محض قیاس ہی قیاس ہے اس لئے کہ قافلہ کے مقابلہ میں اگرچہ کسی بڑی جنگ کی توقع نہیں تھی، مگر بہر حال معمولی جنگ کا خطرہ تو موجود ہی تھا کیا ابو سفیان اور اس کے تیس چالیس بہادر قریشی، ایک ہزار اونٹ پر لدا ہوا سامان آسانی سے حوالہ کر دیتے یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

پس اگر معمولی جنگ کا خطرہ بھی تھا تو نو عمر لڑکوں کو واپس کر دینا اس کے لئے کس طرح دلیل بن سکتا ہے کہ نبی کریم شروع کے میں قافلہ کے مقابلہ کو نہیں بلکہ کفار مکہ سے فیصلہ کن جنگ کے لئے نکلے تھے۔

اسی طرح استیعاب میں سعد بن خثیمہ کا جو واقعہ مذکور ہے اس سے بھی مولانا کا مقصد حل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر باپ کی فرمائش پر بیٹے نے یہ گوارانہ کی کہ اپنی بجائے باپ کو اس موقع پر نبی اکرم کے ساتھ نکلنے دے تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ اگر مسلمان مدینہ سے قافلہ پر حملہ کے لئے نکلے تو اس یقین کے ساتھ نکلے تھے کہ ان میں سے کسی ایک شخص کو بھی چشم زخم نہیں پہنچے گا اور سب ہی صحیح سالم واپس آجائیں گے یہ تو بد قسمتی سے عیسائی مستشرقین سے مرعوب ہو کر ہم نے بزعم خود یہ تصور کر لیا کہ قافلہ پر حملہ کے معنی گویا ڈاکوؤں کا قافلہ لوٹنے کے مترادف ہے۔

مسلمان تو جب بھی دشمنوں کے مقابلہ کو نکلے خواہ وہ براہ راست جنگ کے ارادے سے نکلے ہوں یا دشمن کو دوسرے معاملات میں زک دینے ہمیشہ جہاد اور شہادت ہی کے نقطۂ نظر سے نکلتے تھے اور مال غنیمت تو ان کے لئے خدا کا مزید فضل واحسان تھا کبھی بغیر جنگ ہی ہاتھ آگیا اور کبھی خون میں نہانے کے بعد حاصل ہوا۔

اب ہم مصنف سیرۃ النبی کے غزوۂ بدر کے متعلق ان تمام وعادی وشبہات پر تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد جو جمہور کے خلاف ان کی جانب سے پیش کیے گئے ہیں صرف ایک سوال پر اس بحث کو ختم کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ اگر معرکۂ بدر میں ابتداء ہی سے یہ بذریعہ وحی بتادیا گیا تھا کہ خدا کی مرضی معرکۂ حق وباطل کی ہے اور قافلہ پر حملہ کرنے یا بقول مولانا کے ''قافلہ لوٹنے'' کا تصور وتخیل گناہ عظیم اور شان اسلام کے خلاف ہے تو آخر جلیل القدر صحابہؓ نے ایسا تصور قائم ہی کیوں کیا اور اگر کیا بھی تھا تو قرآن نے کا وعدہ کر کے اس گناہ عظیم کے تصور کی حوصلہ افزائی کیوں کی اور کیوں صاف صاف یہ نہیں کہہ دیا کہ خدائے تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی تم کو قافلہ پر قابو پانے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ اس کا تصور بھی گناہ عظیم ہے، البتہ اس کا وعدہ کرتا ہے کہ تم کو دشمنوں پر قابو دے گا اور تم کامیاب ہو گئے تو کیا پھر قرآن عزیز کا کا اس طرح ذکر کرنا اس امر کی صاف شہادت نہیں ہے کہ معرکۂ بدر سے قبل ضرور چند اکابرین اسلام کی یہ مٹھی بھر جماعت قافلہ کے لئے نکلی تھی مگر اچانک جب کفار مکہ سے سابقہ پڑ گیا اور مسلمانوں نے بے سر و سامانی کو دیکھ کر قافلہ پر قبضہ چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اول یہ وعدہ دیا کہ ان دونوں ''عیر ونفیر'' میں سے ایک تم کو ضرور دیں گے اور نبی اکرم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع کر دی کہ خدا کی مرضی یہ ہے کہ وہ اب قافلہ کی بجائے معرکۂ حق وباطل میں مسلمانوں کو کامیابی عطا کر کے ہمیشہ کے لئے تاریخ ظلم کا رخ عدل کی جانب پھیر دینے والا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الحاصل قرآن و حدیث اور تاریخی حقائق کی روشنی میں معرکہ حق و باطل "غزوۂ بدر" کے متعلق جمہور علماء اسلام کا مسلک ہی صحیح ہے اور بلا شبہ واقعات کی صحیح و مستند تفصیلات کسی طرح بھی شان نبوت کے خلاف نہیں اور نہ علم الاخلاق و علم الاجتماع اور حق و صدق پر مبنی سیاسیات مدن کے منافی ہیں۔ ھذا ھو الحق و الحق احق ان یتبع ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غزوۂ احد

احد

حد مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے یہ مدینہ منوہ سے جانب جنوب تقریباً دو میل (ایک فرسخ) پر واقع ہے۔

غزوۂ احد

یہی وہ مقام ہے جہاں شوال ۳ھ مطابق جنوری ۶۲۵ عیسوی میں مسلمانوں اور مشرکوں کے مقابلہ میں معرکۂ حق باطل گرم ہوا، اس لئے اس کا نام غزوۂ "احد" ہے۔

غزوۂ احد بھی بہت اہم غزوہ ہے اور اپنی تفصیلات و جزئیات کے اعتبار سے اپنے دامن میں عبرت و موعظت کا بے شمار ذخیرہ رکھتا ہے اس غزوہ کے تفصیلی حالات کتب حدیث و سیرت اور تفاسیر و قرآن حکیم میں مکمل طور پر مذکور ہیں۔[1]

ان حالات کا خلاصہ یہ ہے کہ بدر میں جو زخم قریش کو لگ چکا تھا اس نے ناسور کی شکل اختیار کر لی تھی کیونکہ بدر کے واقعہ ہائلہ سے قریش کا ہر گھر ماتم گسار اور عرب کے مشرک قبائل نوحہ خواں تھے ابو سفیان نے تو قسم کھالی تھی کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لے لوں گا نہ غسل کروں گا، نہ تبدیل لباس، عکرمہ بن ابو جہل او ردوسرے نوجوانوں کی تقریریں اور عورتوں کی نوحہ خوانی قریشیوں اور قبائل عرب کو غیرت اور اشتعال دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کر رہی تھیں اور اس طرح ابو سفیان کی سرکردگی میں تین ہزار نبرد آزما سورماؤں کا لشکر جرار مکہ سے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے نکلا اور احد کے سامنے آکر خیمہ زن ہو گیا نبی اکرم ﷺ کو جب ابو سفیان کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو صحابہ نے یہ رائے دی کہ ہم کو باہر نکل کر جنگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مفید طریقہ یہ ہے کہ ہم مدینہ کے اندر ہی دشمن کا انتظار کریں اور جب وہ مدینہ پر حملہ آور ہو تو اس کا پرزور مقابلہ کریں ہمارے اس طرز عمل سے اول تو دشمن کو جرأت ہی نہ ہو گی کی مدینہ پر حملہ آور ہو اور اگر اس نے اقدام کیا تو بلا شبہ شکست فاش اٹھا کر راہ فرار اختیار کرے گا مگر ان صحابہ کو جو بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور بدر کی فضیلت کو اس وقت حاصل کرنا چاہتے تھے یہ رائے پسند نہیں آئی اور نوجوانوں نے بھی ان کا ساتھ دیا اور اکثریت کی رائے یہ قرار پائی کہ ہم کو دشمنوں کا مقابلہ میدان میں نکل کر ہی کرنا چاہیے نبی اکرم ﷺ نے جب اکثریت کا رجحان یہ پایا تو اس پر حکم صادر فرما کر حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے تو تجربہ کار اور اکابر صحابہ نے اپنے اصاغر کو ان کی رائے پر ملامت کی کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے رجحان کے خلاف کیوں اپنی آزادانہ رائے سے آپ ﷺ کو پریشان کیا چنانچہ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو ان نوجوانوں

[1] ہم نے زیادہ حصہ فتح الالہی جلد نمبر ۷ سے لیا ہے اور باقی سیر حلبیہ اور زرقانی اور تاریخ کبیر سے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور شمع اسلام کے پروانوں نے اپنی رائے پر اظہار ندامت کیا اور عرض کیا کہ آپ ﷺ مدینہ ہی کے اندر دشمن کا مقابلہ کریں یہی مناسب ہے۔

یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "نبی کی شان کے خلاف ہے کہ جب خدا کی راہ میں ہتھیار سج کر تیار ہو جائے تو پھر معرکۂ حق و باطل کے بغیر ہی ان کو اتار رے اب خدا کا نام لے کر میدان میں نکلو۔

نبی اکرم ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو ایک ہزار کا لشکر جلو میں تھا اس لشکر میں تین سو منافقین عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں ہمرکاب تھے یہ مدینہ ہی میں مشرکین مکہ کے ساتھ سازش کر چکے تھے کہ مخلص مسلمانوں کو بزدل بنانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کریں گے کہ اول مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے اور راہ سے ہی ان سے کٹ کر مدینہ واپس آجائیں گے چنانچہ رأس المنافقین یہ بہانہ کر کے لشکر اسلام سے کٹ کر جدا ہو گیا اور مدینہ واپس آگیا کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ہم جیسے تجربہ کاروں کی بات نہ مان کر کھڑ نوجوانوں کی رائے کو ترجیح دی تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال۔

مگر منافقین کا مقصد پورا نہ ہوا اور ان فداکاران اسلام پر ان کی مراجعت کا مطلق کوئی اثر نہ پڑا اور ایسے جانباز اور جان نثار اسلام پر اثر ہی کیا پڑتا، جن کے بچوں کی جانبازی اور اسلام پر فداکاری کا جذبہ اور ولولہ یہ ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ سے باہر جب لشکر اسلام کا جائزہ لیا اور صغیر السن لڑکوں کو واپسی کا حکم دیا تو رافع بن خدیج جو ابھی نوعمر ہی تھے یہ دیکھ کر پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے کہ دراز قد بن کر جنگ کے سپاہی رہ سکیں چنانچہ ان کی تدبیر کارگر ہو گئی۔ اسی طرح جب سمرہ بن جندب صغیر سن شمار کر لئے گئے رونے لگے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اگر رافع شریک جنگ ہو سکتا ہے تو میں کیوں خارج کیا جا رہا ہوں جبکہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ دیا کرتا ہوں آخر دونوں کی کشتی کرائی گئی اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اور وہ مجاہدین میں شامل کر لئے گئے البتہ مسلمانوں کے دو قبیلے بنو سلمہ، بنو حارثہ میں کچھ بددلی سی ہو چلی تھی مگر فداکار مسلمانوں کے جوش و ولولہ کو دیکھ کر ان کی ہمت بھی بلند ہو گئی۔

غرض اس ولولہ اور جذبہ کے ساتھ مجاہدین کا لشکر احد پہنچا اور دونوں صفیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہو گئیں۔

نبی اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کو اس طرح صف آرا کیا کہ احد کو پس پشت لے لیا اور پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کی کمان میں پہاڑ کی ایک گھاٹی پر مقرر فرما دیا کہ فتح و شکست کسی حال میں بھی اپنی حرکت نہ کریں تاکہ پشت کی جانب سے دشمن حملہ آور نہ ہو سکے۔ اب جنگ شروع ہو گئی اور دونوں صفیں بالمقابل نبرد آزما ہو کر جوہر شجاعت دکھانے لگیں ابھی جنگ کو کچھ زیادہ دیر نہیں لگی تھی کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو گیا اور مشرکین مکہ کا لشکر درہم برہم ہو کر بھاگنے لگا نبرد آزما مسلمانوں نے جب مال غنیمت جمع کرنے کا ارادہ کیا تو تیر اندازوں سے صبر نہ ہو سکا اور وہ گھاٹی چھوڑ پر آمادہ ہو گئے کمان افسر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ہر چند روکا اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو مگر انھوں نے یہ کہہ کر جگہ چھوڑ دی کہ آپ ﷺ کا حکم جنگ تک محدود تھا اب جبکہ جنگ ختم ہو گئی تو خلاف ورزی کیسی؟

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حصول غنیمت کے شوق نے ادھر مسلمان تیر اندازوں سے جگہ خالی کرادی ادھر خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے جنگی دستہ کے ساتھ میدان خالی دیکھ کر کھاٹی کی جانب سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اب مسلمان گھبرائے اور اس اچانک حملہ سے ان کے پیر اکھڑ گئے اور اس طرح فتح و نصرت یک بیک شکست سے بدل گئی اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے گرد و پیش ابو بکر، عمر، علی، طلحہ، زبیرؓ جیسے فداکار موجود تھے تاہم مسلمانوں کے فرار سے دشمنوں کو موقع مل گیا اور ایک شقی ازلی نے نبی اکرم ﷺ کے پتھر کھینچ کر مارا جس سے آپ ﷺ کا ایک دندان مبارک شہید ہو گیا آپ ﷺ پتھر کے صدمہ سے قریب کی ایک گھاٹی میں گر گئے ابھی آپ ﷺ سنبھلے بھی نہ تھے کہ ایک مشرک نے پکار دیا ان محمد قدمات محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا اس آواز نے مسلمانوں میں اور زیادہ انتشار اور سخت بے چینی پیدا کر دی مگر مسلمان فوراً سنبھلے اور ثابت قدم صحابہ نے للکارا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے آؤ اور جنگ کا فیصلہ کر کے دم لو! اس صدائے حق نے مسلمانوں کے دل میں غیرت کا جذبہ پیدا کر دیا وہ سب پلٹ پڑے اور حملہ آور ہونے کی غرض سے سمٹ کر یکجا ہو گئے مگر نقشۂ جنگ بدل چکا تھا اور قریش اپنی کامیابی پر نازاں ہو کر میدان سے الگ ہو چکے مسلمانوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو جلوۂ جہاں آراء پر نظر پڑتے ہی ان کے دل میں بھی سکون پیدا ہو گیا اور پروانہ وار آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے غار میں گر جانے سے خود سر میں گھس گیا اور زرہ کی کڑیوں کی زد میں چہرۂ مبارک اور بازوؤں پر بھی ہلکے زخم آ گئے تھے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ نے خود کو سر سے نکالا اور زخموں کو دھویا اور بوریا جلا کر راکھ کو زخم کے اندر بھر دیا جس سے خون بند ہو گیا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

اس غزوہ میں ستر مسلمان شہید اور بہت سے زخمی ہوئے نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا، دودھ شریک بھائی، بے تکلف دوست اور جاں نثار صحابی حضرت حمزہؓ کی شہادت اس واقعہ کا زبردست سانحہ ہے زباں وحی ترجمان نے ان کو سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔

مشرکین مکہ نے اس جنگ میں درندوں اور خونخوار حیوانوں کی طرح مردہ نعشوں تک کے ناک کان کاٹ ڈالے اور پیٹ چاک کر کے دل و جگر کو نیزوں کی انی سے چھید چھید کر دل کا بخار نکالا، ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے تو سید الشہداء کا جگر چاک کر کے دانتوں سے چبا ڈالا۔ حضرت حمزہؓ کو ایک حبشی غلام وحشی نے شہید کیا تھا جس کی خوشی میں نے اس کو پنا سونے کا ہار عطا کیا۔

ابو سفیان اپنی کامیابی کی مسرت میں کہہ رہا تھا اعلیٰ هبل اعلیٰ هبل ہبل کی جے ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تم اس کے جواب میں یہ پکارو۔

اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَل، اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَل

اللہ ہی سب سے بلند و بالا اور بزرگ ہے۔

ابو سفیان نے پھر طیش میں آ کر کہا لنا العزی و لا عزی لکم ہمارا مددگار عزیٰ دیوی ہے اور تمہارے پاس عزیٰ کا ہمسر نہیں ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عمر! تم یہ جواب دو،

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اللّٰہ مولانا ولا مولیٰ لکم

ہمارا والی مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارا کوئی بھی مددگار نہیں۔

بہر حال ابوسفیان یہ کہہ کر کہ آئندہ سال پھر بدر میں معرکہ آرائی ہوگی اپنا لشکر لے کر واپس چلا گیا۔

قرآن عزیز اور غزوۂ احد

مسلمانوں کا غزوۂ احد کے لئے تیار ہونا، منافقین کا لشکر اسلام سے جدا ہو کر مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی سعی کرنا، مسلمانوں کا اول خدا کی مدد سے کامیاب ہونا اور پھر اپنی غلط کاری اور محمد ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی پاداش میں شکست کھا جانا اور فتح کا شکست سے بدل جانا اور خدائے تعالیٰ کا مسلمانوں کی تسلی کرنا ان تمام امور کو قرآن عزیز نے آل عمران میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے چنانچہ محمد بن اسحٰق سے منقول ہے

انزل اللّٰہ فی شان احد ستین آیة من آل عمران (فتح الباری جلد ۷، ص ۲۷۸)

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کی شان میں آل عمران کی ساٹھ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔

وروی ابن ابی حاتم من طریق المسور بن مخرمة قال قلت لعبد الرحمٰن بن عوف اخبرنی عن قصتکم یوم احد قال اقراء العشرین ومائة من آل عمران تجدها، وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ الي قوله أَمَنَةً نُّعَاسًا

(فتح الباری جلد ۷، ص ۲۷۸)

اور ابن حاتم نے بطریق مسور بن مخرمہ روایت کیا ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے عبد الرحمٰن بن عوف سے عرض کیا آپ غزوۂ احد کا اپنا قصہ بیان فرمائیں۔ انھوں نے فرمایا! تم آل عمران کی ایک سو بیس آیات پڑھو تو تم کو سارا واقعہ معلوم ہو جائیگا یہ آیات یہاں سے شروع ہو کر وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مقاعد للقتال الي قوله أمنة نعاسا پر ختم ہوتی ہیں۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

اور (اے پیغمبر! قابل ذکر ہے وہ بات) جبکہ تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے (اور احد کے میدان میں) لڑائی کیلئے مورچوں میں مسلمانوں کو بٹھا رہے تھے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے پھر جب ایسا ہوا تھا کہ تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا تھا کہ ہمت ہار دیں (اور واپس لوٹ چلیں) حالانکہ اللہ مددگار تھا اور جو ایمان رکھنے والے ہیں ان کو چاہیے کہ ہر حال میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهٗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور دیکھو! نہ تو ہمت ہارو نہ غمگین ہو، تم ہی سب سے برتر و اعلیٰ ہو بشرطیکہ تم سچے مومن ہو! اگر تم نے (احد) میں زخم کھایا ہے تو دوسروں کو بھی ویسے ہی زخم (بدر میں) لگ چکے ہیں دراصل یہ (ہار جیت کے) اوقات ہیں جنہیں ہم انسانوں میں ادھر ادھر پھراتے رہتے ہیں علاوہ بریں یہ اسلئے تھا تاکہ اس بات کی آزمائش ہو جائے کون سچا ایمان رکھنے والا ہے کون نہیں اور اس لئے کہ تم میں سے ایک گروہ کو (ان وقائع اور ایام کے نتیجوں کا) شاہد حال بنادے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غزوہ احزاب (غزوۂ خندق)

غزوہ احزاب تمام غزوات میں خاص اہمیت رکھتا ہے اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرالا ہے اس لئے کہ اس غزوہ میں مسلمانو کو تمام کافر جماعتوں سے بیک وقت واسطہ پڑا اور قبائل عرب، یہود اور ان کے حلیف سب کے سب جمع ہو کر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے نکلے تھے اور مدینہ کے اندر بھی منافقین کا گروہ خفیہ ان کی مدد کر رہا تھا حزب کے معنی چونکہ گروہ کے ہیں اور احزاب اس کی جمع ہے اس لئے غزوۂ احزاب کہلایا اور جبکہ حضرت سلمانؓ کے مشورہ سے مسلمانوں نے پہلی خندق کھود کر مدینہ کو دشمن سے محفوظ رکھنے کی تدبیر اختیار کی اس لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

یہ غزوہ شوال ۵ھ مطابق فروری ۶۲۷ء میں پیش آیا جبکہ ابو سفیان دس ہزار پر مشتمل لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کے لئے مکہ سے نکلا۔ اس واقعہ سے متعلق تاریخ و سیر کی کتابوں کے علاوہ صحیح بخاری میں بھی بہت کافی تفصیلات ملتی ہیں اور اس کے بہت سے اہم اجزء پر روشنی پڑتی ہے۔

مختصر طور پر واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کو دشمنوں کی نقل و حرکت کا علم ہوا تو حسب دستور آپ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا! ہم اہل فارس کا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر خندق کھود کر دشمن سے خود کو محفوظ کر لیتے اور اس کو مجبور بنا دیتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے اس مشورہ کو قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دیا کدال لے کر خود بھی بہ نفس نفیس شرکت فرمائی۔ کائنات انسانی کی تاریخ میں آقا اور غلام، حاکم اور محکوم، افسر اور ماتحت، مخدوم اور خادم کے درمیان یہ پہلا منظر تھا، جو آنکھوں نے دیکھا اور کافروں نے سنا کہ دو جہان کا سردار ہاتھ میں کدال لئے تین دن کے فاقہ سے پیٹ پر پتھر باندھے مہاجرین و انصار کے ساتھ خندق کھودنے میں برابر کا شریک نظر آتا ہے بلکہ ایک سخت پتھر کے حائل ہو جانے پر جب صحابہ نے زور لگایا اور اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی اور خدمت اقدس ﷺ میں اس واقعہ کو پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر کدال کی ایک ضرب سے انگو پارہ پارہ کر دیا۔ (بخاری باب غزوۂ احزاب)

آپ کے ساتھ صحابہ بھی تین شبانہ روز بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھے دین حق کی حمایت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر مصروف کار تھے۔

ایک جانب اگر لبثنا ثلثة ایام لا نذوق ذواقا کا مظاہرہ تھا تو دوسری جانب زبان وحی ترجمان پر یہ دعائیہ کلمہ جاری تھا۔ اللھم ان العیش عیش الآخرة فاغفر الانصار و المھاجرة خدایا عیش تو آخرت کا عیش ہے پس تو انصار و مہاجرین کو مغفرت سے نواز اور جب جاں نثاران توحید شمع نبوت سے یہ سنتے تو پروانوں کی طرح والہانہ جوش کے ساتھ یہ کہہ کہہ کر قربان ہونے لگتے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نحن الذين بايعوا محمداً
على الجهاد ما بقينا ابداً

ہم وہ ہیں جنھوں نے زندگی بھر کے لئے محمد ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کرلی ہے۔

اور جب شمع نبوت کے پروانوں سے آپ ﷺ یہ والہانہ رجز سنتے ہیں تو مسرت وشادمانی کے ساتھ پھر ارشاد فرماتے ہیں۔

اللّٰهم لا خير الا خير الآخرة
فبارك فى الانصار والمهاجرة

خدایا خیر و نیکی تو آخرت ہی کی ہے پس انصار و مہاجرین کے درمیان اپنی برکت کا نزول فرما۔

(بخاری باب غزوۂ احزاب)

اور براء بن عازب فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں خدا کے رسول ﷺ کی حالت یہ تھی کہ خندق سے مٹی اٹھا کر ادھر ادھر منتقل کر رہے تھے اور جسد مبارک گرد آلود ہو رہا تھا اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

والله لو لا اللّٰهُ ما اهتدينا
ولا تصدقنا و لا صلينا
فانزلنْ سكينةً علَيْنا
و ثبت الاقدام ان لا قينا
ان الأولٰى قد بغَوْا علينا
اذا ارادوا فتنة ابينا

قسم بخدا اگر خدا کی ہدایت رہنمائی نہ کرتی تو نہ ہم کو ہدایت نصیب ہوتی اور نہ اور نہ صدقہ و نماز پس اے خدا! تو ہم پر طمانیت نازل فرما اور میدان جنگ میں ہم کو ثابت رکھ جن لوگوں نے ہم پر سرکشی کر کے چڑھائی کی جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا (ان کو ناکام کر دیا) اور تنہا جوش کے ساتھ ''ابینا'' کو بلند آواز سے کہتے جاتے تھے۔

خندق کی کھدائی کا کام چند روز جاری رہا اور اس طرح دشمن سے حفاظت کا پوری طرح سامان ہو گیا لیکن جب محاصرہ کو بیس روز ہو گئے تو یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور مسلسل محاصرہ سے کچھ اکتانے اور مضطرب ہونے لگے اس وقت خدا کی نصرت نے نزول کیا اور مسلمانوں کی کامرانی کے اسباب مہیا ہو گئے ہو ایہ کہ کفار کے لشکر میں ایک شخص نعیم بن مسعود نخعی تھا یہ گو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا لیکن اس کے قلب میں صداقت اسلام گھر کر چکی تھی اسلئے اس نے اپنی ہوشیاری سے مشرکین مکہ اور یہود مدینہ کے درمیان بے اعتمادی پیدا کر دی اور جنگ کے معاملہ میں دونوں فریق میں ایسا اختلاف پیدا ہو گیا کہ ایک نے دوسرے کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور ابھی مشرکین مکہ واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ قدرت کی جانب سے ہوائے تند کا ایسا طوفان اٹھا کہ جس نے آن کی آن میں دشمن کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تمام لشکر کو زیروزبر کر ڈالا خیمے اکھڑ کر گرنے لگے چوپائے بھڑک بھڑک کر بھاگنے لگے اور سارے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور دشمن نے محاصرہ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے فتنہ سے نجات دی۔

نبی اکرم ﷺ نے اسی موقع پر ارشاد فرمایانصرت بالصباح واھلکت العاد بالدبور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مجھ کو پرواہوا کے ذریعہ فتح عطا کی گئی اور عاد پچھواہوا سے ہلاک کیے گئے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کو جب دشمن کی خبریں معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی تو تین مرتبہ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ اس خدمت کو کون انجام دے گا اور تینوں مرتبہ حضرت زبیر بن عوام نے پیش قدمی کر کے عرض کیا: اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان لکل نبی حواریا وان حواری الزبیر۔

ہر ایک نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔

اور اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب، اللھم اھزمھم وزلزلھم۔

اے کتاب (قرآن) کے نازل کرنے والے خدا! اے جلد حساب لینے والے تو مشرکین کی جماعتوں کو شکست دیدے الٰہی ان کو فرار کر اور ان کو ڈگمگادے۔"

لا الہ الا اللہ وحدہ اعز جندہ و نصر عبدہ، و غلب الاحزاب وحدہ فلا شیء بعدہ۔

کوئی خدا نہیں اللہ کی ذات کے ماسوا جو یکتا و بے ہمتا ہے اس نے اپنے لشکر (مسلمانوں) کو عزت بخشی اور اپنے بندہ (محمد ﷺ) کی مدد کی اور یکتا ذات احزاب (سب جماعتوں) پر غالب ہے اور اس کے ماسوا فانی ہے۔

یہی وہ غزوہ ہے جس میں مشغولیت جہاد کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ اور صحابہؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی اور آپ ﷺ نے مغرب کے وقت دونوں نمازوں کو ادا کیا۔ (بخاری باب الجہاد)

قرآن عزیز اور غزوۂ احزاب

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں: یہ آیت غزوۂ خندق ہی کے متعلق نازل ہوئی۔

إِذْ جَاءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ (احزاب ۲۱ پ ع ۲) (بخاری باب غزوۂ احزاب)

اور جب چڑھ آئے (مشرکین) تم پر اوپر کی جانب سے اور نیچے کی جانب اور جب پھر گئیں (دہشت کی وجہ سے) آنکھیں اور پہنچ گئے دل گلوں تک (یعنی کچے منہ کو آگے)

قرآن حکیم میں اسی غزوہ کی نسبت سے اس سورۃ کا نام ہی احزاب ہو گیا اس سورت کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں اسی واقعہ کا تذکرہ ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ اِلٰى وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○

اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر اسوقت کی گئی جب تم پر (مشرکین کے) لشکر چڑھے تھے پس ہم نے ان پر ہوا کو اور ایسے لشکروں کو بھیج دیا جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے اور جو کام بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان کاموں کا دیکھنے والا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا تک۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

واقعۂ حدیبیہ

حدیبیہ مکہ مکرمہ سے جدہ کی جانب ایک منزل پر واقع ہے اور آج کل شمیسیہ کے نام سے مشہور ہے حدیبیہ دراصل کنویں کا نام ہے یہی وہ مقام ہے جس کے ساتھ ''فتح مبین'' اور بیعت رضوان کی مقدس تاریخ وابستہ ہے۔

۶ھ ہجری مطابق فروری ۶۲۸ء ماہ ذی قعدہ روز شنبہ وہ وقت سعید تھا کہ سرور دو عالم ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے جلو میں اداء عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور جب ذوالحلیفہ پہنچے تو قربانی کے جانوروں کے قلادہ ڈالا اور احرام باندھا اور بنی خزاعہ کے ایک شخص کو جاسوس بنا کر بھیجا وہ قریش کے حالات کا اندازہ لگا کر خبر دے۔

حضور اقدس ﷺ جب غدیر اشرطاط پہنچے تو جاسوس نے آکر خبر دی کہ قریش کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو چکی ہے اور وہ قبائل کو جمع کر کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں ان کا ارادہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا:

''خدا کے رسول ﷺ! ہم تو بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں جنگ یا قتل و قتال ہمارا مقصد نہیں ہے لہٰذا ہم بیت اللہ کی زیارت کو اپنا مقصد سمجھتے ہوئے ضرور آگے بڑھتے رہیں گے اور جو جماعت خواہ مخواہ سد راہ ہو گی اس سے مجبوراً لڑنا پڑے گا۔''

مشورہ کے بعد ذات اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: امضوا علی اسم اللہ اب خدا کا نام لے کر بڑھے چلو۔

(بخاری باب غزوۃ الحدیبیہ)

زائرین بیت اللہ خدا کے عشق میں چور اور بیت اللہ کی زیارت میں مسرور مکہ کی جانب قدم بڑھائے چل رہے تھے کہ خدا کے رسول ﷺ نے فرمایا! خالد بن ولید فوج کا دستہ لئے عتیم میں گھات لگائے تمہارا منتظر ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس جانب کا واکاٹ کر داہنی جانب چلیں اور اچانک بے خبری میں اس کے مقابل پہنچ جائیں، جب مسلمان اچانک خالد بن ولید کے دستہ فوج کے سامنے آگئے تو اپنی گھات کو ناکام دیکھ کر خالد گھبرا گئے دستہ فوج کو لے تیزی کے ساتھ مشرکین مکہ کے پاس پہنچے اور ان کو مسلمانوں کی آمد سے مطلع کیا۔

نبی اکرم ﷺ جب اس ٹیلہ پر پہنچے کہ اس کے بعد وادی میں اتر کر مکہ پہنچ جانا تھا تو اچانک آپ ﷺ کی اُونٹنی قصواء بیٹھ گئی صحابہؓ نے یہ دیکھ کر اس کو چکے دیئے بھڑکایا اور کوشش کی کہ کسی طرح وہ اٹھ کھڑی ہو مگر وہ نہ اٹھی لوگ جب بار بار ''حل[1] حل'' کہہ کر تھک گئے تو کہنے لگے خلات القصواء قصواء نافرمان ہو گئی۔

1: اونٹنی کو اٹھانے کیلئے بولتے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نبی اکرم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایاماخلات القصواء و ما ذاك لها بخلق ولكن حبسها حابس الفيل ہر گز نافرمان نہیں ہوئی اور نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اس خدا نے روک دیا تھا جس نے ہاتھی والوں کو روک دیا تھا یعنی قریش مکہ کی بیہودگی اور جنگی ذہنیت کی وجہ سے چونکہ جنگ کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے اسلئے خدا کی مرضی یہ ہے کہ ہم اس وقت تک آگے نہ بڑھیں جب تک کہ کعبہ کی حرمت کا عہد نہ کرلیں۔

چنانچہ ارشاد کے بعد ذات اقدس ﷺ نے فرمایاوالذی نفسی بیده لا یسئلونی خطة یعظمون فیها حرمات الله الا اعطیتهم ایاها۔اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ مجھ سے جو بھی ایسی بات چاہیں گے کہ اس میں حرمات اللہ کی عظمت ان کے پیش نظر ہو تو میں ضرور اس کو پورا کروں گا۔

حضور اقدس ﷺ جب یہ اعلان فرما چکے تو اب جو قصواء کو کھڑا ہونے کے لئے ڈپٹا وہ فوراً کھڑی ہو گئی اور چل پڑی اور حدیبیہ کے میدان میں جا پہنچی۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

جب زائرین بیت اللہ کا مقدس قافلہ حدیبیہ میں فروکش ہو گیا تو صلاح یہ قرار پائی کہ حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا جائے تاکہ وہ مشرکین مکہ پر یہ واضح کریں کہ ہمارا ارادہ بجز زیارت بیت اللہ کے اور کچھ نہیں لہٰذا تم کو روکنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ جب مکہ میں داخل ہوئے اور ابوسفیان وغیرہ سے مل کر گفتگو کی تو انھوں نے ایک نہ سنی اور کہنے لگے کہ تم اگر چاہتے ہو کہ تنہا طواف بیت اللہ کرلو تو کرلو ورنہ ہم محمد ﷺ اور ان کے دوسرے رفقاء کو ہر گز مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: یہ تو میں ہر گز نہیں کر سکتا کہ خدا کے رسول ﷺ کے بغیر طواف اور عمرہ کو ادا کر لوں قریش نے جب حضرت عثمانؓ کا یہ اصرار دیکھا تو ان کو واپس جانے سے روک لیا۔

بیعت رضوان

یہ خبر مسلمانوں تک اس طرح پہنچی کہ عثمانؓ قتل کر دیے گئے مسلمانوں کیلئے یہ خبر ایک بہت بڑا سانحہ تھا جس سے ہر شخص مضطرب اور بے قابو ہوا جارہا تھا نبی اکرم ﷺ نے اسی وقت ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ مر جائیں گے۔ مگر ہم میں سے کوئی ایک بھی راہ فرار اختیار نہیں کرے گا نبی اکرم ﷺ جب مسلمانوں سے بیعت لے چکے تو ان میں حیرت زا والہانہ جوش و خروش پیدا ہو گیا جس کی خبر شدہ شدہ مکہ بھی پہنچ گئی مشرکین مکہ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہو کر مسلمانوں تک یہ خبر پہنچائی کہ قتل عثمانؓ کی خبر غلط ہے اور حضرت عثمانؓ صحیح و سلامت واپس تشریف لے آئے۔

چونکہ جہاد کی یہ بیعت بہت ہی نازک اور اہم موقع پر لی گئی اور مسلمانوں نے پورے ولولہ اور جذبۂ ایثار کے ساتھ اس بیعت کو کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس فداکاری کی قدر و منزلت فرمائی اور سورۂ فتح میں اپنی رضا اور خوشنودی کا پروانہ مرحمت فرما کر ان کے اس کارنامہ کو زندۂ جاوید بنادیا اور اسی حقیقت کے پیش نظر اسلامی تاریخ میں اس کا نام "بیعت رضوان" قرار پایا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○

بلا شبہ اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جبکہ وہ تیرے ہاتھ پر اس درخت کے نیچے بیعت کرنے لگے اور جان لیا اللہ نے جو ان کے جی میں تھا پس اتارا ان پر اطمینان و سکون اور انعام میں دیا ان کو ایک فتح قریب۔[1]

مسلمانوں کے فداکارانہ جوش اور والہانہ جذبہ نے مشرکین مکہ پر ایسا اثر کیا کہ اب وہ خود صلح پر آمادہ ہو گئے اور پیش قدمی کر کے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے شرائط صلح طے کرے تاکہ یہ قضیہ ختم ہو جائے مگر یہ شرط بہر صورت رہے گی کہ مسلمان اس سال نہیں بلکہ آئندہ سال عمرہ کر پائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۴ ص ۱۶۷۔۱۶۸)

معاہدۂ صلح

سہیل بن عمرو جب مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچا تو حضور اقدس ﷺ نے صلح کے نقطۂ خیال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور طویل گفت و شنید کے بعد حسب ذیل دفعات پر دونوں جانب سے معاہدہ کی تصدیق و توثیق عمل میں آگئی۔

۱) اس سال مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر ہی واپس چلے جائیں۔
۲) آئندہ سال مسلمان مکہ میں بغرض عمرہ اس طرح داخل ہوں گے کہ معمولی حفاظتی ہتھیاروں کے علاوہ کوئی جنگی ہتھیار نہیں ہوگا اور تلواریں نیام کے اندر ہی رہیں گے اور صرف تین دن قیام کریں گے اور جب تک وہ رہیں گے ہم مکہ چھوڑ کر پہاڑیوں پر چلے جائیں گے۔
۳) معاہدہ کی مدت کے اندر دونوں جانب امن و عافیت کے ساتھ آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہے گا۔
۴) اگر کوئی شخص مکہ سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر بھی مدینہ چلا جائے گا تو اس کو مکہ واپس کرنا ہوگا اور اگر مدینہ سے کوئی شخص مکہ بھاگ آئے گا اور ہم اس کو واپس نہیں کریں گے۔
۵) تمام قبائل آزاد ہیں کہ ہر دو فریق میں سے جو جس کا حلیف بننا پسند کرے اسکا حلیف بن جائے۔
۶) یہ معاہدہ دس سال تک قائم رہے گا اور کوئی فریق اس مدت کے اندر اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۶۸،۱۶۹)

معاہدہ کی تحریر کے وقت نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ لکھنے پر سہیل نے اعتراض کیا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہے تو یہ واقعہ اور حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ہم کو چونکہ صلح مقصود ہے اس لئے تم اگر یہ پسند نہیں کرتے تو مجھ کو اصرار نہیں اور یہ فرما کر آپ ﷺ نے کاتب معاہدہ حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ اس جملہ کو محو کر دیں، حضرت علیؓ سے یہ کب ممکن تھا کہ وہ اس جملہ کو اپنے ہاتھ سے مٹائیں

۱: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "واثابھم فتحا قریبا" میں فتح قریب سے مراد "فتح خیبر" ہے جو حدیبیہ کے بعد پیش آیا اور مسلمانوں کو جس میں بہت مال غنیمت ہاتھ آیا اور یہی صحیح قول ہے۔ جلد ۷ ص ۳۵۵۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جسکی نسبت نے ساری کائنات میں انقلاب پیدا کر کے ظلمت کو نور سے شرک کو ایمان سے اور جہل کو علم سے بدل ڈالا نبی اکرم نے جب یہ محسوس کیا تو مقام تحریر کو معلوم کر کے دست مبارک سے اس جملہ کو محو کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۸۰)

معاہدہ جب مکمل ہو گیا تو مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ اس میں ہمارا پہلو کمزور رہا اور صورت حال یہ ہو گئی کہ گویا ہم نے دب کر صلح کی ہے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے جذبہ نے مجبور کیا کہ رسول اکرم کی خدمت اقدس میں عرض کریں یا رسول اللہ! کیا یہ حدیبیہ کا واقعہ "فتح" ہے؟ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا "ہاں! قسم بخدا بلاشبہ یہ "فتح" ہے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۵)

یہ واقعہ جو اپنی دفعات معاہدہ کے لحاظ سے مسلمانوں کے حق میں بظاہر شکست اور ذلت کا باعث نظر آتا تھا "فتح مبین" کیسے تھا؟ تو اس کا جواب جلیل القدر محدثین کی زبانی سنئے امام حدیث و سیرت زہری (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں۔

> اسلام میں جو عظیم الشان فتوحات شمار کی گئی ہیں ان میں سب سے پہلی "فتح عظیم" صلح حدیبیہ ہے اس لئے کہ اس سے قبل برابر کفار و مشرکین سے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری تھا اور جب یہ "صلح" عمل میں آگئی تو اس کی وجہ سے ہر دو فریق کو امن و اطمینان کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع میسر آیا اور تبادلۂ خیالات کی آزادی نصیب ہوئی نتیجہ یہ نکلا جو شخص بھی اسلام کو اپنی عقل صحیح سے جانچتا اور اس کی حقیقت پر غور کرتا اس کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ باقی نہ رہتا تھا کہ وہ فوراً اسلام قبول کر لے چنانچہ ان دو سال میں (جب تک معاہدہ پر عمل رہا اور مشرکین نے اپنی جانب سے اس کی خلاف ورزی نہیں کی) لوگ اس قدر مسلمان ہوئے کہ اس سے قبل کی پوری مدت میں اسی قدر یا اس سے بھی کم مسلمان ہوئے تھے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۵)

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"اس مقام پر "فتح مبین" سے مراد واقعۂ حدیبیہ ہے صلح حدیبیہ نے درحقیقت "فتح مبین" "فتح مکہ" کے لئے راہ کھول دی، یہ اس لئے کہ جب جنگ کا خطرہ درمیان سے جاتا رہا اور امن و اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی تو مکہ اور مدینہ کے درمیان سلسلۂ آمد و رفت بے خوف خطر ہونے لگا اور حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ جیسے شجیع اور مدبر حضرات کا قبول اسلام اسی صلح کا کارنامہ ہے اور یہی اسباب ترقی آہستہ آہستہ فتح مکہ کا باعث بنے۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۵)

اور ابن ہشامؒ، امام زہریؒ کی توجیہ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"زہری کے قول کی تائید اس حقیقت حال سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ واقعۂ حدیبیہ میں جب نبی اکرم نکلے ہیں تو چودہ سو مسلمان جلو میں تھے اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لئے نکلے ہیں تو دس ہزار کی تعداد تھی۔ (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۵)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

الفتح الاعظم

رمضان المبارک ۸ھ میں فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ حدیبیہ کے معاہدہ میں یہ طے پا گیا تھا کہ قبائل عرب اس کے لے آزاد ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ اور قریش میں سے جس کے بھی حلیف بننا چاہیں بن جائیں جب معاہدہ پر دونوں جانب سے دستخط ہو گئے تو فوراً عرب کے قبیلہ خزاعہ نے اعلان کیا کہ ہم مسلمانوں کے حلیف ہونا پسند کرتے ہیں اور قبیلہ بنو بکر نے کہا کہ ہم قریش کے حلیف بننا چاہتے ہیں اور دونوں قبائل اس طرح الگ الگ دو جماعتوں کے حلیف ہو گئے۔

تقریباً ڈیڑھ سال تو معاہدہ پر ہر دو جانب سے پوری طرح عمل ہوتا رہا لیکن ڈیڑھ سال کے بعد ایک نیا واقعہ پیش آیا وہ یہ کہ بنی خزاعہ اور بنی بکر کے درمیان عرصہ سے جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری رہ چکا تھا جو اس درمیانی مدت میں اگرچہ بند رہا مگر اچانک کسی بات پر پھر جنگ چھڑ گئی اور بنو بکر ایک شب کو مقام ذنیرہ[1] میں بنو خزاعہ پر جا پڑھے قریش کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے شب کا وقت ہے اور مسلمان یہاں سے بہت دور ہیں آج موقع ہے کہ بنی خزاعہ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے حلیف ہونے کا مزہ چکھایا جائے چنانچہ انھوں بھی بنی بکر کا ساتھ دیتے ہوئے بنی خزاعہ کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔

عمرو بن سالم نے جب یہ حال دیکھا تو ایک وفد لے کر دربارِ قدسی میں استغاثہ کیا، اور بنی خزاعہ کی دردناک حالت کو پیش کرتے ہوئے طالبِ امداد ہوا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و اللہ لامنعکم ما امنع نفسی منہ

قسم بخدا میں جس چیز کو اپنی ذات سے روکوں گا تم کو بھی اس سے ضرور محفوظ رکھوں گا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۸)

ادھر قریش کو جب یہ علم ہوا تو وہ ڈرے، اپنی حرکتِ بیجا پر نادم ہوئے اور انہوں نے ابو سفیان کو مامور کیا کہ وہ مدینہ جائے اور مسلمانوں کے اشتعال کو دور کرنے کی تدبیر کرے کہ قریش چاہتے ہیں کہ سابق معاہدہ کی مدت میں مزید اضافہ اور از سرِ نو معاہدہ کی توثیق ہو جائے۔ ابو سفیان مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوا جو نبی اکرم ﷺ کی رفیقۂ حیات تھیں۔ ابو سفیان نے جونہی ارادہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے بچھے ہوئے بستر پر بیٹھ جائے، سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فوراً اس کو سمیٹ دیا اور کہنے لگیں: ”باپ! یہ خدا کے نبی ﷺ کا بچھونا ہے“ ابو سفیان نے کہا کہ ”پھر کیا ہوا میں تیرا باپ ہوں“

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”یہ صحیح ہے مگر تو مشرک ہے اور یہ پیغمبر خدا کا پاک بستر“۔

ابو سفیان اگرچہ اس وقت بڑبڑاتا ہوا وہاں سے چلا گیا، مگر اس حیرت زا واقعہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں اور

1: مکہ کے قریب ایک مقام ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ سمجھا کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۸)

غرض وہ دربارِ اقدس ﷺ میں حاضر ہوا، اور عرض و معروض کرنے لگا، آپ نے دریافت فرمایا: یہ تجدید و توثیق کی کیا حاجت ہے، کیا کوئی نیا واقعہ پیش آگیا ہے؟ ابوسفیان نے عرض کیا: ''نہیں کوئی نئی بات نہیں ہے''۔

تب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''تو مطمئن رہو کہ ہم اپنے عہد پر قائم ہیں''۔

ابوسفیان اس جواب کو سن کر مطمئن نہ ہوا، اس لیے کہ وہ حقیقتِ حال کو چھپا کر جھوٹ بول چکا تھا اور چاہتا تھا کہ اس طرح نبی اکرم ﷺ کو دھوکا دے کر اپنا مقصد پورا کر لے لیکن اس صاف اور سچے جواب نے اوس ڈال دی اور اس کا مقصد پورا نہ ہو سکا۔ تب اس نے صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی حیدر (رضی اللہ عنہم) کی خدمت میں حاضر ہو کر جدا جدا گفتگو کی اور چاہا کہ معاملہ قریش کے حسب مراد طے ہو جائے لیکن اس کی مراد بر نہ آسکی اور بے نیل و مرام مکہ واپس ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو صورت حال سے آگاہ فرمایا، حضرت صدیقؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے اور قریش کے درمیان تو معاہدہ ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تھا مگر قریش نے خود نقض عہد کر دیا ہے۔''

اب جہاد کی تیاری شروع ہوئی، مگر عام طور پر یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ کس جانب ارادہ ہے آپ ﷺ نے اطراف مدینہ میں نفیر عام کرادیا کہ جو شخص بھی اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ رمضان تک مدینہ پہنچ جائے آپ ﷺ پوری کوشش فرمارہے تھے کسی طرح ہماری تیاری کا حال قریش کو نہ معلوم ہو جائے کیونکہ آپ ﷺ کی دلی خواہش یہ تھی کہ مکہ میں جنگ بپا نہ ہونے پائے اور قریش مرعوب ہو کر منقاد و مطیع ہو جائیں کہ اسی اثناء میں ایک حادثہ پیش آگیا۔

حاطب بن بلتعہ کا واقعہ

حاطب بن بلتعہؓ ایک بدری صحابی تھے ان کے اہل و عیال مکہ ہی میں تھے کہ یہ صورت حال پیش آگئی انھوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس واقعہ کا حال بہر حال مشرکین کو معلوم ہو ہی جائے گا سو اگر میں بھی قریش مکہ کو اس کی اطلاع کر دوں تو ہمارا (مسلمانوں کا) کوئی نقصان بھی نہیں ہو گا اور میں ان کی ہمدردی حاصل کر کے اپنے اہل و عیال کو ان کی مضرت سے بھی محفوظ رکھ سکوں گا مشرکین مکہ کے نام ایک مکتوب لکھ دیا نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی یہ معلوم ہو گیا اور آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، مقدادؓ، زبیرؓ کو مامور فرمایا کہ روضۃ خاخ جاؤ، وہاں ناقہ سوار عورت ملے گی وہ جاسوس ہے اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے چھین لو یہ حضرات روضۃ خاخ پہنچے تو عورت کو موجود پایا انھوں نے خط کا مطالبہ کیا عورت نے انکار کیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے مگر جب انھوں نے جامہ تلاشی کی دھمکی دی تو مجبور ہو کر اس نے سر کے بالوں میں سے ایک پرچہ نکال کر دیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ پرچہ جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو وہ حضرت حاطب کا خط تھا نبی اکرم ﷺ نے ان کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: حاطب! یہ کیا؟ حاطب نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! عجلت نہ فرمائیں یہ خط میں نے اسلئے لکھا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ مدینہ میں مقیم سب مہاجرین کا مکہ کے قریشیوں کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا رشتہ اور تعلق ہے ایک میں ہی ایسا ہوں جس کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے تو میں نے یہ صرف اس یقین پر کیا ہے کہ مسلمانوں کو تو اس بات سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اور میں اس طرح قریش کی ہمدردی حاصل کر کے اپنے اہل و عیال کو محفوظ کر سکوں گا یارسول اللہ ﷺ ! بخدا میں نے ہر گز، ہر گز یہ کام ارتداد اور کفر پر رضا کی نیت سے نہیں کیا میں اب بھی اسلام کا شیدائی اور فدائی ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ سب سن کر ارشاد فرمایا "حاطب نے تمہارے سامنے سچ سچ بات کہہ دی"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں" نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حاطب بدر کے مجاہد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شرکاء بدر کے لئے ارشاد فرمایا ہے: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم حاطب کے واقعہ پر ہی قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (الی) فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ[1] بہر حال رمضان کی ابتدائی تاریخیں تھیں کہ ذات اقدس ﷺ دس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ مکہ کی جانب روانہ ہوئے آپ جب قدید اور عسفان کے درمیان کہ تک پہنچے تو دیکھا کہ مسلمانوں پر روزہ کی سختی حد سے تجاوز ہوتی جارہی ہے تب آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا اور مجمع کے سامنے نوش فرمایا۔ (بخاری، باب الغزوات)

تاکہ صحابہؓ دیکھ لیں اور سمجھ لیں کہ مسافرت اور پھر جہاد کے موقع پر افطار کی اجازت ہے اور قرآن کی دی ہوئی رخصت کا یہی مطلب ہے۔

اسی سفر میں ذات اقدس ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اہل و عیال کو مدینہ بھیج دو، اور تم ہمارے ساتھ رہو۔

اسلامی لشکر جب مکہ کے قریب پہنچا تو ابو سفیان چھپ کر لشکر کا صحیح اندازہ کر رہے تھے کہ اچانک مسلمانوں نے گرفتار کر کے خدمت اقدس میں پیش کیا آپ ﷺ نے ابو سفیان پر نگاہ کرم ڈالتے ہوئے معاف کر دیا، اور قید سے آزاد کر دیا، ابو سفیان نے رحمۃ للعالمین ﷺ کا یہ خلق دیکھا تو فوراً مشرف باسلام ہو گئے اسی طرح عبداللہ بن ابی امیہ بھی اسلام کے والہ و شیدا بن کر حاضر خدمت ہوئے آپ ﷺ نے ان حضرات کے قبول اسلام پر بہت مسرت کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: لا تثریب علیکم الیوم ۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین نبی اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو بھی مکہ واپس نہ جانے دو اور سامنے کی پہاڑی پر لیجاؤ تاکہ وہ مسلمانوں کی طاقت و شوکت کا اندازہ کر سکے۔

ابو سفیان اور حضرت عباسؓ پہاڑی پر کھڑے ہوئے اسلامی لشکر کا نظارہ کر رہے تھے اور مہاجرین و انصار قبائل کے جدا جدا لشکر اپنے پرچم لہراتے ہوئے سامنے سے گذرے تھے اور ابو سفیان ان کو دیکھ دیکھ کر متاثر ہو

---

[1] بخاری۔ اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہے تھے کہ انصاری قبیلہ کا ایک لشکر پاس سے گذرا اس لشکر کا پرچم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا انھوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو جوش میں کہنے لگے الیوم یوم الملحمہ الیوم تستحل الکعبۃ (آج کا دن جنگ کا دن ہے، آج کعبہ میں بھی جنگ حلال ہے) ابوسفیان کی نسلی عصبیت پھڑک گئی اور کہنے لگا: یا عباس حبذا یوم الذمار (اے عباس جنگ کا دن مبارک ہو)

جب سب لشکر اسی طرح گذر گئے تو آخر میں چھوٹی سی جماعت کے جلو میں سرور عالم ﷺ سامنے سے گذرے، حضرت زبیرؓ کے ہاتھ میں پرچم تھا اور وہ آگے چل رہے تھے ابوسفیان کی نگاہ جب نبی اکرم ﷺ پر پڑی تو اس نے خدمت اقدس ﷺ میں سعد اور اپنے درمیان مکالمہ کا حال سنایا۔ یہ سن کر ذات اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: سعد نے جھوٹ بولا ھذا یوم یعظم اللہ فیہ الکعبۃ و یوم تکسی فیہ الکعبۃ (آج کا دن وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں کعبہ کی عظمت کو بالا کرے گا اور آج کعبہ پر غلاف چڑھایا جائے گا اور یہ فرما کر حضرت سعدؓ کو برطرف کر کے پرچم اور لشکر کی سیادت حضرت سعدؓ کے بیٹے کو عطا کر دی۔

اب نبی اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم فرمایا کہ تم مکہ کے زیریں حصہ کی جانب سے داخل ہونا اور کسی کو قتل نہ کرنا ہاں اگر کوئی خود اقدام کرے تو دفاع کی اجازت ہے اور بنفس نفیس مکہ کے بلند حصہ سے داخل ہوئے حضرت خالدؓ سے بعض قبائل کے افراد نے مزاحمت کی اس لئے ان کے ہاتھوں چند مقتول ہو گئے لیکن نبی اکرم ﷺ بغیر کسی مزاحمت کے مکہ میں داخل ہوئے۔ (بخاری۔ جلد ۲)

جب مر الظہران میں حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو قبول اسلام کے لئے خدمت اقدس میں پیش کیا تھا تو یہ بھی عرض کیا تھا: یارسول اللہ ﷺ! ابوسفیان میں فخر کا مادہ ہے اس لئے اگر اس کو کوئی امتیازی حیثیت نصیب ہو جائے بہتر ہو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا من دخل دار ابی سفیان فھو آمن جو شخص ابوسفیان کے مکان میں داخل ہو جائے گا اس کو امن ہے۔

غرض جب آپ باعزت واجلال مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت یہ اعلان کرا دیا

۱) جو مکان بند کرا کے بیٹھ جائے اس کو امن ہے۔

۲) جو ابوسفیان کے مکان میں پناہ لے اس کو امن ہے۔

۳) جو مسجد حرام میں پناہ لے اس کو امن ہے۔

البتہ اس عام امن اور عفو عظیم سے چند ایسی ہستیوں کو مستثنیٰ فرما دیا جنھوں نے اسلام کے خلاف بہت زہر چکانی کی تھی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا مگر ان میں سے اکثر اس وقت چھپ گئے یا فرار ہو گئے اور آہستہ آہستہ عفو عام سے مستفیض ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ مکہ اس شان سے داخل ہوئے کہ آپ ﷺ کا علم سپید رنگ کا تھا اور آپ ﷺ پرچم کا عقاب نامی سیاہ رنگ تھا سر پر مغفر اوڑھے ہوئے اور اس پر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے سورہ انا فتحنا پڑھتے ہوئے آیات کو بلند آواز سے دہراتے جاتے تھے اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ درگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع کے ساتھ ناقہ پر اس درجہ جھکے ہوئے تھے کہ چہرہ مبارک ناقہ کی پیٹھ کو مس کر رہا تھا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بت شکنی

جب نبی اکرم ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ کعبہ سے تمام بت نکال کر پھینک دیے جائیں اور دیواروں پر جو تصاویر منقوش ہیں وہ مٹادی جائیں چنانچہ جب تین سو ساٹھ بتوں کے سرنگوں ہونے کا وقت آیا تو دو مورتیاں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی اس حالت میں سامنے آئیں کہ ان کے ہاتھوں میں بانسوں کے تیر تھے، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا خدا ان مشرکوں کو مارے یہ خوب جانتے تھے کہ یہ دونوں مقدس ہستیاں اس ناپاک بات سے مقدس اور پاک تھیں۔

نبی اکرم ﷺ نے کعبہ کا طواف کیا اور پھر بتوں کے سامنے کھڑے ہو کر لکڑی سے ان کو چرکا دیتے جاتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ وما يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وما يُعِيدُ (حق آ پہنچا اور باطل اڑ گیا۔ اور باطل نہ کسی شے کو پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے (یعنی باطل تو خود فنا ہونے کے لئے ہے)۔

رحمۃ للعالمین کی شان

کعبہ جب بتوں کی نجاست و تلویث سے پاک کر دیا گیا تو نبی اکرم ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور اس کے گوشوں میں گھومتے ہوئے بلند آواز سے تکبیرات کہتے رہے اور نماز نفل ادا کی باہر تشریف لائے تو مصلیٰ ابراہیمی پر جا کر نماز ادا کی جب آپ ﷺ اور صحابہؓ وضوء فرما رہے تھے تو مشرکین انگشت بدنداں و حیران تھے کہ بایں فتح و کامرانی نہ جشن ہے نہ کبر و نخوت کا اظہار، بلکہ درگاہ الٰہی میں اظہار عبودیت کے لئے ہر ایک مجاہد بیتاب نظر آتا ہے بلاشبہ یہ "بادشاہت" نہیں ہے بلکہ دوسرا ہی کوئی عالم ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۴ ص ۳۰)

آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہمارے لئے دو خدمتیں "حجابۃ اور سقایۃ" جمع فرما دیجیے اور کعبہ کی کنجی ہمارے حوالہ کر دیجیے[1] لیکن نبی اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کے متعدد بار عرض کرنے کا کوئی جواب نہیں دیا اور بار بار یہی فرمایا: "عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟" جب عثمانؓ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے کعبہ کی کلید ان کے حوالہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا هاك مفتاحك يا عثمان اليوم يوم بر ووفاء عثمان لو یہ اپنی کنجی، آج کا دن بھلائی اور وفاء عہد کا دن ہے۔"[2]

اب لوگ منتظر تھے کہ دیکھئے جن مشرکین نے برسوں تک آپ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ہر قسم کی ایذاء دی، مصائب میں مبتلا کیا آج ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے تمام قریشی قیدیوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور جب سب خدمت اقدس میں پیش ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "اے قریشی گروہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح پیش آؤں؟ انھوں نے جواب دیا "ہم آپ سے خیر کی امید رکھتے ہیں۔"

۱: سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت بنی ہاشم کے سپرد تھی، اب وہ کلید برداری کا شرف بھی جمع کرنا چاہتے تھے۔

۲: یہ وہی عثمانؓ بن طلحہ ہیں جنہوں نے کلید کعبہ طلب کرنے پر نبی اکرم ﷺ کو نہیں دی تھی لیکن رحمت عالمیاں کی درگاہ میں انتقام بے حقیقت شے تھی۔ اسلئے آپ ﷺ نے ان ہی کے خاندان میں یہ سعادت باقی رہنے دی، یہی خاندان آج تک کعبہ کا مجاور اور شیبی کے لقب سے مشہور ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ بن طلحہ بنو شیبہ میں تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آپ ﷺ نے یہ سن کر زبان وحی ترجمان سے یہ ارشاد فرمایااذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم سب آزاد ہو) یہ سننا تھا کہ نہ صرف قریش بلکہ ہر ایک صاحب بصیرت کے سامنے یہ حقیقت روشن ہو گئی کہ بادشاہ اور پیغمبر کی زندگی کا امتیازی نشان کیا ہے؟ پیغمبرانہ زندگی نہ ذاتی عداوت و کدورت کو کوئی وقعت دیتی ہے اور نہ اس کا غیظ و غضب ہواء نفس کے تابع ہوتا ہے ایک نبی کو اگر صبر آزما حد تک ایذاء و تکلیف دی جائے اور پھر موذی شخص رحم کا طالب ہو تو وہ بلاشبہ "عفو و کرم" ہی پائے گا اور مکارم اخلاق کے ہر پہلو کا مظاہرہ دیکھے گا چنانچہ اس درمیان میں جب ایک شخص لرزتا کانپتا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے شیریں گفتاری کے ساتھ ارشاد فرمایاھون علیك فانی لست بملك انما انا ابن امراۃ من قریش کانت تاکل القدید گھبراؤ نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں تو خشک گوشت کھانے والی ایک قریشی عورت کا ہی بیٹا ہوں۔

اسی عفو و کرم کا یہ نتیجہ نکلا کہ زعماء قریش جوق در جوق حاضر خدمت ہوتے اور دولت اسلام سے مشرف ہو کر سعادت کبریٰ سے محظوظ ہوتے تھے چنانچہ حضرت معاویہؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد ابو قحافہؓ جیسے حضرات اسی دن مسلمان ہوئے۔

خطبہ

نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر ایک اہم خطبہ بھی دیا جو اسلام کے بہت سے احکام کی اساس و بنیاد ہے، اس خطبے کے چند اعلانات یہ ہیں:۔

۱) مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔

۲) معاملات اور قضایا میں مدعی کے ذمہ گواہوں کا پیش کرنا اور گواہوں کی عدم موجودگی میں مدعی علیہ کے ذمہ حلف اٹھانا ہے۔

۳) کسی عورت کو تین دن کا سفر بغیر ذی رحم محرم کے درست نہیں ہے۔

۴) صبح اور عصر کے بعد کوئی نفل نماز نہیں ہے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ جائز نہیں ہے۔

۵) اے گروہ قریش! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے نخوت جاہلیت اور باپ دادا کے نام و نسب پر فخر کا خاتمہ کر دیا ہے، آگاہ رہو کہ تم انسانی دنیا آدم علیہ السلام کی اولاد ہے اور آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے:۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○

فتح مکہ اور قرآن عزیز

سورۃ فتح، حدید، نصر ان تینوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے متعلق اشارات فرماتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الفتح میں ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ○

اور خدا تجھ کو مدد دے گا زبردست مدد

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ فتح مکہ کی جانب اشارہ ہے۔

اور سورۂ حدید میں ہے:

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

تم میں برابر نہیں ہیں وہ کہ جس نے کہ خرچ کیا فتح مکہ سے پہلے اور جہاد کیا ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں فتح مکہ کے بعد اور جہاد کریں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے خوبی کا۔

اور سورۂ نصر میں ہے:

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ○

جب آجائے اللہ کی فتح (مکہ) اور تم دیکھو لوگوں کو وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں۔

یہاں باجماع امت "الفتح" سے مراد فتح مکہ ہے۔

حافظ بن حجرؒ امام شعبیؒ سے نقل فرماتے ہیں: انا فتحنا لك فتحا مبينا میں "فتح مبین" صلح حدیبیہ کی جانب اشارہ ہے اور فجعل من دون ذلك فتحا قريبا میں فتح قریب" سے بھی حدیبیہ کے ہی ثمرات و نتائج مراد ہیں اور سورہ نصر کی آیت إذا جاء نصر الله والفتح میں نصر و فتح سے باتفاق مکہ مراد ہے۔" (فتح الباری۔ جلد ۸ ص ۳۵۵)

اور اس نقل کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"ان آیات کے مفہوم و مراد میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ سے متعلق جو مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور موجب اشکال بنتے ہیں شعبیؒ کی اس تقریر سے تمام اقوال میں مطابقت بھی ہو جاتی ہے اور اشکال بھی دور ہو جاتا ہے۔

(فتح الباری۔ جلد ۸ ص ۳۵۵)

سورۂ الفتح، النصر اور الحدید کی مسطورۂ بالا آیات کا مصداق فتح مکہ ہے صلح حدیبیہ؟ اس بارہ میں مختلف اقوال و روایات اور امام شعبیؒ کی توجیہ اور اس پر حافظ حدیث ابن حجرؒ کی تائید و تصدیق کے مطالعہ کے بعد بھی ہم یہ کہنے کی جراءت کر سکتے ہیں کہ سورۂ فتح میں فتح مبین نصر عزیز اور فتح قریب کا ذکر اور پھر سورۂ حدید میں انفاق و جہاد فی سبیل اللہ کو الفتح کے قبل اور بعد کے ساتھ تقسیم درجات و فضائل کا تذکرہ اور پھر سورۂ نصر کی ایک آیت نصر الله والفتح میں "نصر و فتح" کا اجتماعی ذکر صاف صاف اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ان مقامات میں ایسے واقعہ کا تذکرہ ہے جس کی ابتداء جہاد و قتال سے شروع ہو کر ایک ایسی فتح و نصرت پر نتیجہ خیز ہوئی ہو جس کے بعد سر[illegible]ن حجاز ہمیشہ کے لئے شرک و بت پرستی کی تلویث سے پاک ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ شرف بلا شبہ فتح مکہ ہی حاصل ہے البتہ اس میں بھی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ کے وقت سورۂ الفتح کا نزول اور انا فتحنا لك فتحا مبينا کا اسلوب بیان یہ بھی واضح کرتا ہے کہ صلح حدیبیہ چونکہ اپنے اسباب و

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عواقب اور نتائج و ثمرات کے لحاظ سے فتح مکہ کا پیش خیمہ اور اس کے لئے تمہید ثابت ہوئی اس لئے وہ بھی فتح مبین کہلانے کی مستحق ہے یعنی جو واقعہ فتح قریب نصر عزیز اور الفتح و نصر کا باعث ہو وہ یقیناً "فتح مبین" کہلانے کا حق رکھتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غزوہ حنین

فتح عظیم کے بعد مشرکین عرب کی شوکت و صولت کا قریب قریب خاتمہ ہو گیا اور اب عرب قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے یہ دیکھ کر دو قبائل کی حمیت جاہلیت بھڑک اٹھی اور وہ اسلام کی ترقی کو برداشت نہ کر سکے، ہوازن اور ثقیف دونوں قبائل کے سرداروں کا اجتماع ہوا اور انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنی قوم (قریش) کو مغلوب کر کے مطمئن ہو گئے ہیں لہٰذا اب ہماری باری ہے پس کیوں نہ ہم ہی پیش قدمی کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں اور ان کا قلع قمع کر کے رکھ دیں، دونوں نے یہ منصوبہ باندھا اور مالک بن عوف نضری کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے آتش حسد کو مسلمانوں کے خون سے بجھانے کی کوشش کی مالک نے بہت سے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر تیاری شروع کر دی۔

نبی اکرم ﷺ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو صحابہؓ کو جمع فرمایا اور بعد مشاورت، مدافعت کے لئے آمادہ ہو کر حنین کو روانہ ہو گئے اس وقت لشکر اسلامی میں بارہ ہزار جاں نثار موجود تھے ان میں سے دس ہزار مہاجرین و انصار اور مدنی جاں نثار تھے اور دو ہزار وہ تھے جو فتح مکہ کے وقت مشرف باسلام ہوئے اور اسی وہ مشرکین (طلقاء) تھے جو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود رحمتہ للعلمین کے مظاہرے دیکھ کر خود اپنی خواہش سے مسلمانوں کے رفیق جنگ بن گئے تھے۔

۱۰ر شوال ۸ھ ہجری مطابق فروری ۶۳۰ء کو ذات اقدس ﷺ کے جلو میں مجاہدین اسلام کا لشکر حنین جا پہنچا، آپ نے دشمن کے مقابلہ میں جب اسلامی فوج کو صف آرا ہونے کا حکم دیا تو مہاجرین کا پرچم حضرت علیؓ کو مرحمت فرمایا اور انصار میں سے بنی خزرج کا پرچم خباب بن منذر کو بخشا اور اوس کا اسید بن حضیر کو عنایت فرمایا۔

اور اسی طرح مختلف قبائل کے سرداروں کو ان کی فوج کا پرچم عطا فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ بھی بنفس نفیس ہتھیار سجے دو زرہ ملبوس کیے خود سر پر رکھے اپنے مشہور خچر پر سوار اسلامی فوج کی کمان کر رہے تھے۔

ابھی جنگ نے قتل و قتال کی صورت نہیں دیکھی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے لشکر کی اکثریت اور فوج کی فراوانی اس درجہ اثر کر گئی بعض مسلمانوں کی زبان سے انشاءاللہ کہے بغیر ہی اپنی قوت کے گھمنڈ پر یہ نکل گیا کہ ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔

مسلمان خدائے واحد کا پرستار مسلمان اور خدائے قدوس پر بھروسہ کی بجائے اپنی عددی اکثریت پر گھمنڈ کرے، یہ اس کی بھول ہے اس لئے خدا کو مسلمانوں کا یہ فخر پسند نہیں آیا اور اس لئے ان پر یہ تازیانۂ عبرت لگا

---

۱ فتح الباری۔ جلد ۸۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ جب جنگ کا افتتاح ہوا اور مسلمانوں کے لشکر نے پیش قدمی کی تو اچانک دشمن کی ان ٹولیوں نے گوریلا جنگ لڑنے کیلئے پہاڑ کی مختلف گھاٹیوں میں گھات لگائے بیٹھی تھی چہار جانب سے اسلامی لشکر پر بارش کی طرح تیر باری شروع کر دی۔

اسلامی لشکر اس بے محابا تیر باری کا متوقع نہ تھا اس لئے ان کی صفوں میں تزلزل پید ہو گیا اور تھوڑی سی دیر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور نبی اکرم ﷺ اور مشہور مہاجرین وانصار صحابہؓ کے علاوہ تمام بدوی قبائل اور مدنی لشکر کی اکثریت نے راہ فرار اختیار کی۔

نبی اکرم ﷺ اس حالت میں بھی یہ رجز پڑھتے اور شجاعانہ مظاہرہ فرماتے جاتے تھے انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب غرض اسی وقت نبی اکرم ﷺ کے اشارہ پر حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے مفرور مسلمانوں کو للکارا "یا معشر الانصار" "یا اصحاب بیعۃ الرضوان"۔

حضرت عباسؓ کی صدائے حق گونجی ہی تھی کہ ایک ایک مسلمان اپنی حالت پر متاسف ہو کر پلٹ پڑا اور منٹوں میں تمام جاں نثار نبی اکرم ﷺ کے گرد جمع ہو کر داد شجاعت دینے لگے اور نتیجہ یہ نکلا کہ شکست مبدل بہ فتح ونصرت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم نے ہزیمت کو "نصر عزیز" سے بدل دیا۔

مشرکین کی جماعت میں ایک مشہور ذی رائے درید بن صمہ نامی تھا اس نے مالک کے اس طرز عمل کی سخت مخالفت کی تھی کہ میدان میں عورتوں بچوں اور مال ودولت کے خزانوں کو ساتھ لے جائے مگر مالک نے اس کی رائے پر عمل نہ کیا اور سب کو ساتھ لے کر آیا تھا چنانچہ یہ سب مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور مشرکین کی رہی سہی طاقت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

بہت سے مشرکین اور ان کے قبائل پر اگرچہ اسلام کی صداقت روشن ہو چکی تھی مگر پھر بھی وہ اپنے خیال میں مادی شوکت کو ہی مدار صداقت تسلیم کرتے تھے چنانچہ مسلمانوں پر خدائے تعالیٰ کے اس فضل وکرم کو جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھ لیا تو اب وہ بھی برضا ورغبت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

غزوۂ حنین اور قرآن حکیم

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے اپنی کثرت پر عجب وغرور اور اس کے انجام میں ابتداء شکست اور پھر خدا کے فضل سے فتح ونصرت کا حال قرآن حکیم نے سورۂ توبہ میں اپنے معجزانہ اسلوب بیان کے ساتھ اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بلاشبہ اللہ بہت میدانوں میں تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی پوری وسعت پر بھی تم پر تنگ ہو گئی اور آخر کار ایسا ہوا کہ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے پھر اللہ نے اپنے رسول اپر اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون و قرار نازل فرمایا اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آئی تھیں اور ان لوگوں کو عذاب دیا جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کی جزا یہی ہے اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

غزوۂ تبوک اور قبول توبہ کا عجیب واقعہ

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

تبوک شام کا ایک مشہور شہر ہے ۹ھ ہجری میں سردار دو عالم ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم ہرقل ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں پر چڑھائی کے لئے تیار کر رہا ہے اور کئی لاکھ نبرد آزما والینٹیر اب تک بھرتی ہو چکے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے یہ وقت بہت ہی کٹھن تھا سرزمین حجاز میں قحط پڑا ہوا تھا زمین پیداوار سے خالی، نہریں اور تالاب خشک اور گرمی نہایت شدت کی پڑ رہی تھی اور تمام آدمی عسرت کے ساتھ بسر کر رہے تھے۔

اس کے باوجود موسم بہار تھا، باغوں میں کھجوریں پک رہی تھیں، کھجور کے پتوں سے سائبان تیار کئے جا رہے تھے اور عرب کے دستور کے مطابق لوگ باغوں میں خیمہ زن موسم کی بہار لوٹنا چاہتے تھے کہ اچانک یہ خبر آئی۔

سخت آزمائش کا وقت تھا سیکڑوں میل کی راہ بادِ سموم اور تپتے ہوئے ریت سے واسطہ، مگر فداکاران اسلام عیش دنیا اور مصائب موسم سے بے خوف ہو کر پروانہ وار اسلام پر نثار ہونے کے لئے مدینہ میں جمع ہو رہے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو عام طریقہ سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتے کہ کہاں کا قصد تاکہ دشمن صحیح حالات نہ پا سکے لیکن غزوۂ تبوک میں چونکہ سخت موسم تھا حجاز میں قحط سالی ناسازگاری حالات اور دشمن کی زبردست قوت کا مقابلہ کرنا تھا، اس لئے اس کڑی آزمائش میں ذات اقدس ﷺ نے تمام قبائل عرب میں اصل حقیقت کا اعلان کرا دیا تاکہ جو شخص بھی اس وادئ پر خار میں قدم رکھے سمجھ کر رکھے۔

مالی استعانت

مسطورہ بالا نازک حالات کے پیش نظر یہ پہلا غزوہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے مجاہدین کی مالی استعانت کے لئے ترغیب دی اور جلیل القدر جاں نثاران اسلام کو اپنی مالی فداکاری کا ثبوت دینے کے لئے موقع بہم پہنچایا، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے دس ہزار دینار سرخ، تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کئے اور ذات اقدس ﷺ نے ان کے اس جذبہ اخلاص پر یہ دعا فرمائی

اللهم ارض عثمان فانی راض عنه

خدایا تو عثمان سے راضی ہو اس لئے کہ میں اس سے راضی ہوں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال پیش کر دیا حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے سو اوقیہ، اور حضرت عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں اور حضرت عباس و حضرت طلحہؓ نے زر کثیر پیش کیا اور عورتوں نے بھی اپنے حوصلہ سے زیادہ زیورات پیش کئے حتیٰ کہ حضرت ابو بکرؓ نے تو اپنا کل مال ہی اسلام پر قربان کر دیا۔ صدیق اکبر جب اپنا مال لیکر حاضر خدمت ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا: ابو بکرؓ تم اپنے اہل و عیال کے لئے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو؟ ابو بکرؓ نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نام چھوڑ آیا ہوں۔"

غرض عظیم الشان تیاریوں کے بعد جب مسلمانوں کا لشکر جرار اعلاء کلمتہ اللہ کے فداکارانہ ولولہ اور جوش کے ساتھ تبوک کی طرف بڑھا تو ہرقل کو بھی جاسوسوں نے خبر کر دی۔ ہرقل یا تو کروفر کے ساتھ جنگ کی تیاریوں میں مشغول تھا اور یا یہ خبر سنتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھا اور "رومی" مسلمانوں کے عدیم النظیر جذبۂ ایثار فداکاری سے متاثر و خائف ہو کر تبوک میں مسلمانوں کے پہنچنے سے قبل ہی منتشر ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ راہ کے چند عیسائی امراء کو امن کا پروانہ دیتے اور معاہدات کرتے ہوئے کامرانی کے ساتھ واپس آ گئے۔

عذر خواہی

جب آپ مدینہ جلوہ افروز ہوئے تو منافقین نے اس عظیم الشان آزمائش میں عدم شرکت کے لئے جھوٹے اعذار تراش کر خدمت اقدس میں عذر خواہی کی اور ذات قدس ﷺ نے اسلام کے جماعتی نظام کی مصالح کے پیش نظر ان سے درگذر فرمایا۔

مگر عذر خواہ جماعتوں میں تین اشخاص مخلصینِ اسلام میں سے بھی تھے اور وہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جیسی ہستیاں تھیں۔ انھوں نے منافقین کی طرح حاضر ہو کر کذب بیانی سے کام نہیں لیا اور صاف صاف عرض کر دیا کہ اے خسرو دین و دنیا! میں چاہتا تو منافقین کی طرح کوئی جھوٹا عذر پیش کر کے آپ کے مواخذہ سے بچ جاتا لیکن اگر کسی دنیادار سے ایسا معاملہ پیش آتا تو کر بھی لیتا مگر خدا کے نبی ﷺ کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔ سچ بات یہ ہے کہ میں محض اپنی کاہلی کی وجہ سے "محروم الجہاد" رہا ہر دن یہ خیال کرتا رہا کہ آج اپنے باغوں کے لطف سے اور سیر ہو لوں کل ضرور روانہ ہو جاؤں گا اور لشکر اسلام کو ایک دو منزل ہی پر جا پکڑوں گا، آخر کار اس کاہلی کا نتیجہ محرومی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اب جو حکم ہوا اس کے لئے سر تسلیم خم ہے یہی ہلال اور مرارہ نے کہا اور اس طرح تینوں مجرموں کی طرح حکم رسول ﷺ سننے کے لئے گوش بر آواز ہو گئے۔

معاشرتی مقاطعہ

یہ تینوں حضرات اسلام کے فدائی، اخلاص کے پیکر اور عاشقان رسول ﷺ تھے اس لئے ان کا معاملہ منافقین کا سا نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ نظام جماعت کی خلاف ورزی کر گذریں اور جہاد جیسے عظیم ترین رکن ملت کو محض کاہلی اور سستی پر قربان کر دیں اور پھر ان کو معمولی معذرت پر معاف کر دیا جائے اس لئے ضرورت تھی کہ اس معاملہ میں ایسا فیصلہ دیا جائے کہ آئندہ کسی مخلص مسلمان کو ایسی غلط کاری اور نظام کی خلاف ورزی کی جرائت نہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو سکے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اما هذا فقد صدق فقم حتى يقضى الله فيك۔

"تم نے سچ سچ بات کہہ دی اب جاؤ اور خدا کے فیصلہ کا انتظار کرو"۔

تینوں اس حکم کے بعد گھر واپس آگئے اور نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابہؓ کو حکم فرمادیا کہ ان تینوں سے کلام و سلام سب ترک کر دیا جائے چنانچہ تمام مسلمانوں نے ان کا معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔

ضبط و نظم کی عدیم النظیر مثال

کعب خود فرماتے ہیں کہ اس واقعہ نے ہم تینوں پر جو کچھ اثر کیا اس کا اندازہ دوسرا کوئی نہیں کر سکتا میرے دونوں رفیقوں پر تو اس درجہ اثر پڑا کہ انھوں نے باہر نکلنا ہی ترک کر دیا۔ مگر میں سخت جان تھا برابر نمازوں کے اوقات میں مسجد نبوی میں حاضر ہوتا رہا۔

جب میں مسجد میں حاضر ہوتا تو نبی اکرم ﷺ کو سلام کرتا اور دیکھتا رہتا کہ لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں مگر بد قسمتی اور محرومی کے سوا کچھ نہ پاتا۔ البتہ یہ محسوس کرتا تھا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ میری جانب دیکھتے رہتے اور جب میں فارغ ہو کر آپ ﷺ کی جانب متوجہ ہوتا تو میری جانب سے رخ مبارک پھیر لیتے۔

لیکن اس تمام واقعہ میں مسلمانوں کی اسلام دوستی اور امر رسول پر امتثال و والہانہ استقامت کا یہ حال تھا کہ جب جب میں لوگوں کی اس سختی سے اکتا گیا تو ایک روز اپنے سب سے محبوب عزیز اور چچازاد بھائی ابو قتادہ کے پاس گیا اس ابو قتادہ کے پاس جو اس سے قبل مجھ پر جان چھڑکتا تھا اور میرا عاشق و جاں نثار تھا میں نے اس کو سلام کیا مگر قسم خدا کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اس حالت کو دیکھ کر تڑپ گیا اور ابو قتادہ سے کہا: ابو قتادہ! میں خدا کی قسم دیکر تجھ سے دریافت کرتا ہوں کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں اور میں عاشق خدا اور رسول ہوں؟ ابو قتادہ پھر بھی خاموش رہا اور کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دو مرتبہ پھر اس بات کو دہرایا مگر اس نے سکوت ہی اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب تیسری مرتبہ کہا تو صرف یہ کہہ کر چپ ہو گیا اللہ و رسولہ اعلم خدا اور رسول ہی خوب جانتا ہے۔

یہ سن کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میری آنکھیں ڈبڈبا آئیں کہ اللہ اکبر! یہ انقلاب اور صرف یہیں تک معاملہ ختم نہیں ہوا بلکہ چالیس دن گذرنے پر رسول اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ان تینوں کی رفیقہ حیات کو بھی چاہیے کہ شوہروں سے مقاطعہ کر کے الگ ہو جائیں چنانچہ ان اللہ کی بندیوں نے ہمارے ساتھ قلبی تعلق کے باوجود حکم رسول کو مقدم سمجھا اور اپنے میکے چلی گئیں البتہ ہلال بن امیہ کی رفیقۂ زندگی نے دربارِ رسالت میں جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! ہلال بہت بوڑھے ہیں ان کی خدمت گذار صرف میں ہوں۔ دوسرا کوئی نہیں اگر وہ میری خدمت سے محروم ہو گئے تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے اب کیا حکم ہے؟ تب آپ ﷺ نے فرمایا خدمت کرتی رہو، باقی تعلقات کو سر دست منقطع کر دو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہ سنکر اس نے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے باوجود کہ شوہر اور بیوی یا عزیزوں اور رشتہ داروں کے درمیان دوسرا کوئی موجود نہیں ہوتا تب بھی کیا مجال کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کسی نے امر رسول سے انحراف کرنے کی جرائت کی ہو۔ اللہ اللہ! یہ ہے سچی شان انقیاد اور اطاعت خدا رسول۔

عشق رسول ﷺ اور صداقت اسلام کا حیرت انگیز معیار

کعب بن مالکؓ کا چالیس دن سے مسلسل معاشرتی مقاطعہ ہے غیروں کا تو ذکر ہی کیا قریبی عزیز و رشتہ حتی کہ رفیقہ زندگی بھی اسلام اور رسول ﷺ کے حکم پر پروانہ وار نثار ہوتے ہوئے "کعب" کا مقاطعہ کئے ہوئے ہیں گویا اس طرح کعبؓ پر خدا کی زمین تنگ ہو گئی ہے وہ اس مایوسی اور حیرانی کی حالت میں مدینہ کے بازار سے گذر رہے ہیں کہ اچانک شام کا ایک نبطی پکارتا ہوا نظر آیا "من یدل علی کعب بن مالك" مجھ کو کوئی کعب بن مالک تک پہنچادے۔

لوگوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ کعب وہ جارہے ہیں نبطی آگے بڑھا اور کعب کی راہ روک کر ان کی خدمت میں ایک خط و پیش کیا کعب نے پڑھا تو شاہ غسان کا خط تھا اس میں لکھا تھا۔

اما بعد! فانه قد بلغنی ان صاحبك قد جفاك ولم يجعلك الله يدارهوان ولا مضيعة فالحق بنا نواسك (فتح الباری، ج ۸ ص ۹۷)

امابعد! مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھی محمد ﷺ نے تم پر بڑا ظلم کر رکھا ہے خدا نے تم جیسی ہستی کو اس ذلت اور ضیاع کیلئے نہیں بنایا پس تم فوراً یہاں چلے آؤ ہم تمہاری خاطر خواہ عزت کریں گے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں خط پڑھتے ہی مجھ کو سخت رنج و ملال ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ آزمائش و بلا پہلی آزمائش سے بھی زیادہ کٹھن ہے میں اور شاہ غسان کو میرے متعلق یہ گمان کہ اس امتحان سے گھبرا کر اسکے پاس بھاگ جاؤں اور خدا اور خدا کے رسول سے منہ موڑ لوں آہ یہ بہت ہی تکلیف دہ صورت حال ہے بہر حال شاہ غسان کی اس ذلیل حرکت پر مجھے ایسا غصہ آیا کہ ایک تنور کے سامنے پہنچا اور اس کے خط کو اس میں جھونک کر نبطی سے کہا! یہ ہے تیرے بادشاہ کے خط کا جواب اور میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بے چینی کے ساتھ عرض رسا ہوا: شاہ ہر دوسرا! آخر یہ اعراض کیوں اس درجہ کو پہنچ گیا کہ اب مشرکین تک مجھے پھسلانے کی جرأت کرنے لگے۔ (ایضاً ص ۹۸)

غرض اسی طرح پچاس راتیں گذر گئیں اور ہماری محرومی کی گرہ نہ کھلی اور ارشاد خداوندی کے بموجب خدا کی زمین وسیع ہونے کے باوجود ہم پر تنگ ہو گئی اور اپنی جان وبال نظر آنے لگی کہ یک بیک صبح کی نماز کے بعد سلع کی چوٹی پر سے ایک پکارنے والے نے پکارا "اے کعب بشارت ہو" میں تو انقلاب حال کا منتظر ہی تھا، فوراً سمجھ گیا کہ درگاہ الٰہی میں توبہ قبول ہو گئی۔ اب کیا تھا مسرت و خوشی سے پھولا نہ سمایا اور وہیں سجدہ میں گر گیا۔

اب جوق در جوق لوگ آرہے ہیں اور قبول توبہ کا مژدہ سنا رہے ہیں اور کل تک جو اجنبی نظر آتے تھے اس وقت جاں نثار اور محب بن کر اظہار مسرت کر رہے ہیں اور رفیقہ کی جانب سے بھی مبارک باد پیش کی جارہی ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سب سے پہلے جس شخص نے مجھ کو قبول توبہ کی مفصل بشارت سنائی وہ ایک سوار میں نے انتہا خوشی میں جو کپڑے پہنے ہوئے تھا اتار کر اس کو دیدیئے خدا کی شان کہ میرے پاس اور کپڑے بھی نہیں تھے اس لئے مستعار مانگ کر پہنے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا راہ میں بھی لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور مجھ پر مبارکبادیوں اور بشارتوں کے پھول برسائے جارہے تھے، دربار رسالت پہنچا تو آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد پیش کی، اسی مسرت کے ساتھ میں جلوہ جہاں آرا کا طالب ہوا تو دیکھا کہ چہرۂ مبارک مسرت و شادمانی سے برق کی طرح چمک رہا ہے مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ابشر بخیر یوم مر علیك منذ ولدتك امك اس مبارک دن میں بشارت حاصل کر تیری ولادت سے آج تک جس سے بہتر کوئی دن نہیں آیا" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ قبول توبہ آپ کی جانب سے ہے۔

آپ ﷺ نے یہ جواب مرحمت فرمایا اور رخ انور قمر کی طرح روشن نظر آنے لگا میں نے مسرت کے لہجہ میں عرض کیا: اے خدا کے رسول!" میری قبول توبہ کا ایک جزیہ بھی ہو جائے کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں تصدق کر دوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا بہتر یہ ہے کہ کچھ حصہ اپنے لئے رکھ لو میں نے عرض کیا بہتر ہے خیبر کا جو حصہ میرے پاس ہے اس کو روکے لیتا ہوں۔ میں نے یہ بھی عرض کیا یا رسول اللہ! یہ سچائی کا صدقہ ہے کہ آج اس نعمت بیکراں سے مالا مال ہوں اس لئے عہد کرتا ہوں کہ عمر بھر صدق مقال کے ماسوا میرا شعار کچھ نہ ہوگا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں میرے اس معاملہ میں رنج و غم کے ہر دور فقاء کا بھی مسرت و بہجت سے یہی حال ہوا اور ہماری قبول توبہ پر جو آیات نازل ہوئی تھیں نبی اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے ان کی تلاوت فرمائی۔

قبول توبہ اور سورۂ توبہ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ط إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا أَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ إِلَّآ إِلَيْهِ ط ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ط إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○

بے شک اللہ اپنی رحمت سے نبی پر متوجہ ہو گیا اور مہاجرین اور انصار پر بھی جنھوں نے بڑی تنگی اور بے سر و سامانی کی حالت میں اس کے پیچھے قدم اٹھایا اور اس وقت اٹھایا کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہو گیا بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا، رحمت کرنے والا ہے، اور ان تین شخصوں پر بھی (اپنی رحمت کے ساتھ رجوع ہوا) جو معلق حالت میں چھوڑ دیے گئے تھے حتیٰ کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نوبت یہ آگئی کہ) زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آگئے تھے اور انھوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انھیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اسی کے دامن میں پس اللہ ان پر اپنی رحمت کے ساتھ لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں بلاشبہ اللہ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے بڑا ہی رحمت والا۔

قرآن عزیز اور غزوۂ تبوک

قرآن عزیز نے صرف اسی واقعہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ غزوۂ تبوک کی اہمیت کے پیش نظر اس کی بہت سی تفصیلات بیان کیں اور اس سلسلہ میں پند و موعظت کے ذریعہ مسلمانوں کی رشد و ہدایت کا سامان مہیا کیا ہے چنانچہ اس سورہ میں چھٹے رکوع سے لیکر آخر سورہ تک اسی غزوہ اور غزوہ سے متعلق حالات و مواعظ کا تذکرہ ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ط (الي) وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اہم غزوات اور نتائج و بصائر

بدر الکبریٰ

۱) عقائد اسلامی و افکار ملی کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ فتح و شکست کا مدار عددی اکثریت و اقلیت پر نہیں ہے بلکہ صرف عنایت خداوندی اور اس کے فضل و کرم پر ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ

۲) جو جماعت احساس فرض کے ساتھ عدل و نصف کے لئے میدان میں نکلتی ہے کبھی ناکام نہیں ہوتی اور انجام اسی کے ہاتھ رہتا اور خدا کی نصرت کا پیغام اسی کو نصیب ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ

۳) اگر قلب میں اخلاص او صداقت حق کا جذبہ موجود، اور خدا اور رسول پاک ﷺ کے حکم و ارشاد کے سامنے گردن خم ہے تو بہ اسباب دنیوی بشری تقاضے کے پیش نظر اپنی جانب سے خوف و ہراس قابل ملامت نہیں ہے اور خدائے برتر ضرور اس کو ثبات و استقامت عطا فرماتا ہے۔

۴) صبر و استقامت ایسے میٹھے پھل ہیں جن کی شیرینی دنیا و دین دونوں ہی میں لذت و سکون اور رفعت و سعادت سے ہمکنار کرتی ہے چنانچہ غزوہ بدر الکبریٰ اس حقیقت کے لئے زندہ جاوید شہادت ہے۔

۵) باطل سے برسر پیکار حامل حق جماعت بہ اسباب دنیوی جس قدر زیادہ بے یار و مددگار ہوتی ہے خدا کی نصرت و حمایت اسی قدر زیادہ معجزانہ آکر شمے دکھا کر حمایت حق کا ساتھ دیتی اور باطل کو ناکام بنا کر حق کو شاد کام کرتی ہے چنانچہ بدر میں بر رحمت کا نزول ملائکہ اللہ کا ورود نظر مسلم میں دشمن کی کثیر تعداد کا مشاہدہ قلیل اور مشرکین کی نگاہ میں مسلمانوں کی تعداد قلیل کا مشاہدہ کثیر یہ سب معجزانہ امور اسی قانون الٰہی کی کرشمہ سازیاں تھیں۔

احد

۱) "جہاد" مخلص و منافقین کی معرفت کے لئے بے نظیر کسوٹی ہے چنانچہ غزوۂ احد اور غزوہ تبوک میں یہ حقیقت نمایاں نظر آتی ہے چنانچہ احد کے موقع پر راس المنافقین عبد اللہ بن ابی اپنی جماعت کے ساتھ لشکر اسلامی سے یہ کہہ کر جدا ہو گیا کہ محمد ﷺ نے چونکہ ہمارا مشورہ نہیں مانا اس لئے ہم کیوں میدان جہاد میں جا کر ہلاکت میں پڑیں اور غزوۂ تبوک میں یہ کہہ کر لوگوں کو فداکاری و جاں نثاری سے روکتا رہا لا تنفروا فی الحر گرمی کی شدت میں جنگ کی آگ کے اندر نہ کودو" اور اس حقیقت کو فراموش کر دیا نار جهنم اشد حرا جہنم کی آگ کی شدت دنیا کی شدت سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۲) امیر "خلیفہ" اور اس کے نائبین کا فرض ہے کہ اہم امور میں مسلمانوں سے مشورہ کرے، اور باتفاق رائے یا بکثرت رائے جو فیصلہ ہو اسی کو اپنا عزم بنائے۔

نبی اکرم ﷺ پر نزول وحی ہوتا تھا اس لئے آپ ﷺ اگر صحابہؓ سے مشورہ بھی نہ فرماتے تو کوئی قباحت نہ تھی تاہم "اسوۂ حسنہ" کو شعار بنانے کے لئے آپ ﷺ اہم امور میں برابر مسلمانوں سے مشورہ فرماتے رہے چنانچہ غزوۂ احد میں بھی مشورہ فرمایا اور اس مشورہ کی یہ خصوصیت ہے کہ خود ذات اقدس ﷺ اور معمر و تجربہ کار صحابہ کہ جن کی قوت و اصابت رائے پر آپ ﷺ کو اعتماد تھا" کی رائے یہ تھی کہ غزوۂ احد کے موقعہ پر مسلمانوں کو مدینہ سے نکل کر جنگ نہیں کرنی چاہیے مگر اکثریت کے لحاظ سے ان صحابہؓ کی تعداد بہت زیادہ تھی جن کا اصرار تھا کہ ہم کو مدینہ سے بہر میدان میں نکل کر جنگ کرنی چاہیے تو آپ ﷺ نے اکثریت کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے باہر نکل کر جنگ کرنے کو ہی ترجیح دی اور اس عملی اسوۂ حسنہ کو اپنے مسطورۂ ذیل ارشاد مبارک سے محکم و مضبوط بنادیا۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے یہ استفسار کیا ما العزم یا رسول اللہ! اے خدا کے رسول! (قرآن میں مذکور فاذا عزمت میں "عزم" سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشاورة اهل الرأى ثم اتباعهم "اہل الرائے سے مشورہ کرنے کے بعد (امام و خلیفہ کا) ان کی دی ہوئی رائے عمل پیرا ہونے کا نام "عزم" ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، در منثور بسند صحیح تفسیر آیت فاذا عزمت فتوکل علی اللہ)

۳) تمام معاملات میں عموماً اور جہاد و میدان جنگ میں خصوصاً "ضبط و نظم" اہم امور میں سے ہے اگر کسی جماعت میں اس کا فقدان ہے تو وہ جماعت حامل حق و صداقت ہی کیوں نہ وہ کامیابی و کامرانی کا سہرا اس کے سر نہیں ہو سکتا اور جس درجہ اس بنیادی حقیقت کار میں کمی ہوگی اسی قدر اس جماعت میں اضمحلال اور ضعف غالب ہوگا۔

غور کیجیے کہ غزوۂ احد میں مشرکین کے مقابلہ میں تیر بار مسلم جماعت کے نظم و ضبط کی خلاف ورزی نے کس طرح مسلمانوں کی فتح و نصرت کو اچانک شکست کے ساتھ بدل دیا پیغمبر خدا ہادیٔ اعظم ﷺ شریک جنگ ہیں مسلمان مشرکین پر غالب اور مشرکین ہزیمت سے دوچار ہو رہے ہیں کہ مال غنیمت کے شوق میں اپنے سردار کے منع کرنے کے باوجود جب تیر بار جماعت نے گھاٹی چھوڑ دی تو یک بیک فتح شکست سے بدل گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ سردار دو عالم ﷺ کو بھی چشم زخم پہنچا اور دندان مبارک تک شہید ہو گیا۔ فسبحان من لا یغیر ما بالاصرار۔

۴) یہ ضروری نہیں ہے کہ جب کبھی حق و باطل میں معرکہ آرائی ہو تو حق ضرور جیت جائے اور ابتدائے کار میں بھی اس کو کبھی شکست نہ ہو اگر ایسا ضروری ہو تو حق و باطل کی آزمائش و امتحان کی کوئی سبیل باقی نہ رہے اور قبول حق و باطل اختیاری نہ رہے اضطراری بن جائے یہی حقیقت ہے جس کو ابو سفیان کے اس جواب پر "الحرب سجال" جنگ ان دو ڈولوں کی طرح ہے جو ایک رسی میں اس طرح بندھے ہوں کہ کبھی ایک نیچے پانی میں چلا جاتا ہے اور دوسرا ابھر آتا ہے اور کبھی پہلا ابھر آتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رومہ کے شہنشاہ ہرقل (ہرکلس) نے کہا تھا کہ تیرا یہ قول سچ ہے کہ کبھی تم کو فتح ہو جاتی ہے اور کبھی اس مدعی رسالت محمد ﷺ کو کبھی تم شکست کا منہ دیکھتے ہو اور کبھی وہ تو اے سفیان! نبی و رسول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جنگ کے موقعہ پر کبھی بھی اس کو شکست نہ ہو۔ ہاں البتہ یہ از بس ضروری ہے کہ اس معرکہ آرائی کا آخری انجام حق کی فتح اور باطل کی شکست پر جا کر ختم ہو جائے گا"۔

۵) میدان جہاد میں ضعیف اعضاء کا جدا رہنا ہی مفید اور کامیابی کے لیئے از بس ضروری ہے۔ اسی لیئے جن غزوات میں منافقین نے مسلمانوں میں ضعف پیدا کرنے کیلئے شرکت جنگ سے پہلو تہی کی یا میدان میں نکل کر واپس ہو گئے تو ان کی یہ ناپاک حرکت مسلمانوں کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکی، بلکہ اس کے برعکس مخلص فداکاروں اور جاں نثاروں کی چھوٹی سے چھوٹی تعداد نے بھی وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ باطل کا قلع قمع ہو کر رہ گیا۔

غزوۂ احزاب

۱) کائنات انسانی پر خدا کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ذاتِ اقدس محمد ﷺ کے ذریعہ "اخوت و مساوات" کا وہ عظیم الشان علمی و عملی نقشہ پیش کیا کی جس کی مثال عالم انسانی کی تاریخ پیش کرنے سے عاجز ہے۔

غزوہ خندق میں سرور دو عالم ﷺ نے اپنے جاں نثار رفقاء کے ساتھ بھوک سے پیٹ پر پتھر خندق کھودنے اور ٹوکری میں بھر کر اس کی مٹی منتقل کرنے میں جس طرح برابر کا حصہ لیا وہ اگر ایک طرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ دنیوی بادشاہ شہنشاہ اور ہادیٔ اعظم و نبی رسول کے درمیان کس قدر عظیم فرق ہے اسی طرح یہ بھی روشن کر دیتا ہے کہ اسلام کے مقدس جھنڈے کے نیچے خدمت حق کے لئے خلیفہ و امام اور ہادیٔ برحق تک بھی کس طرح ایک سپاہی کے دوش بدوش ادنیٰ سے ادنیٰ کام میں برابر کا شریک سہیم بن جاتا ہے۔

۲) کفار کی تمام جماعتوں کے متفقہ حملہ کے وقت حضرت سلیمان فارسی کا مشورہ دینا کہ ایسے نازک وقت میں اہل فارس کا یہی دستور ہے اور نبی اکرم ﷺ کا ان کے دئے ہوئے مشورہ کو قبول فرمانا دلیل ہے اس امر کی کہ ہر زمانہ میں وقت کے ترقی یافتہ وسائل دنیوی کو امر حق کی حمایت کے لئے اختیار کرنا اور اپنانا اسلام سے انحراف نہیں بلکہ بہترین اسلامی خدمت ہے بشرطیکہ وہ اسباب و وسائل اسلامی اصولوں و احکام سے متصادم نہ ہوں۔

۳) "جہاد" اسلام کا اس درجہ عظیم الشان رکن اور اس کی بقاء حفاظت کے لئے ایسا اہم فریضہ ہے کہ اس اداءِ فرض و مشغولیت میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہؓ کا نماز جیسا اہم فریضہ قضا ہو گیا اور آپ ﷺ نے اور صحابہ نے عصر کی نماز مغرب کے وقت ادا فرمائی۔

اور کیسا اہم سے اہم فریضہ ہے اس حقیقت سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد جیسے عظیم الشان فداکارانہ اور جاں نثارانہ عمل کے وقت بھی جبکہ انسان میدان جہاد میں جان ہتھیلی پر لئے مشغول جنگ ہوتا ہے عبادت الٰہی سے غافل نہیں رکھا گیا اور ایسے وقت میں نص قرآنی نے "صلوۃ خوف" کی طرح ڈال کر نماز کی اہمیت و جلالت قدر پر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مہر تصدیق ثبت کر دی۔

۴) جنگ میں ایسے طریقے اختیار کرنا صحیح ہیں جن میں کذب اور خلف وعد جیسے قبیح امور کا دخل نہ ہوتے ہوئے دشمن کو بغیر جنگ ہی کے جنگ ہی کے نقصان و ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑ جائے یا وہ یہ صحیح اندازہ نہ کر سکے کہ اسلامی لشکر کا رخ کس جانب ہے اور اس طرح حقیقت حال مستور ہو کر دھوکے میں پڑ جائے چنانچہ غزوات اسلامی میں یہ دونوں پہلو عملی لباس میں صاف نظر آتے ہیں اور یہی مفہوم ہے اور یہ مفہوم ہے ارشاد نبوی الحرب خدعة کا۔

صلح حدیبیہ

۴) اجتماعی مصالح اسلامیہ اگر متقاضی ہوں تو خلیفہ اور امیر المومنین کو اختیار ہے کہ وہ کفار مشرکین سے ایسی صلح کر لے جو اگرچہ بظاہر حال شکست خوردہ نظر آتی ہو مگر دقت نظر اور فکر عمیق کا یہ فتویٰ ہو کہ ثمرہ اور نتیجہ کے لحاظ سے یہ مسلمانوں کے حق میں فتح مبین اور ظفر و نصر کا سبب ثابت ہو گی۔ جیسا کہ حدیبیہ کے صلح نامہ کی دفعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۶) بسا اوقات ہماری ظاہر بین نظریں ایک معاملہ کو موجب توہین سمجھتی اور اس کو کراہت سے دیکھتی ہیں لیکن وہ خدا کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کے میں بہتر اور موجب عزت بننے والی ہوتی ہے اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس شئے کو ہماری نظریں خیر اور موجب فلاح سمجھتی ہیں وہ ثمرہ اور نتیجہ کے اعتبار سے باعث شر اور موجب ذلت ورسوائی ہو جاتی ہے اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو ہر معاملہ میں اسوۂ حسنہ بنائے اور اپنی عقل و خرد پر اعتماد کر کے ان کی خلاف ورزی پر آمادہ نہ ہو جائے۔

وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

۳) معاہدات اقوام وامم میں اسلام کی امتیازی شان یہ ہے کہ "نقض عہد کو "غدر" سمجھے اور یقین کرے کہ عہد کی خلاف ورزی کرنے والا نہ دنیا میں صاحب عزت ہو سکتا ہے اور نہ عالم آخرت میں اس کو فلاح نصیب ہو سکتی ہے بلکہ روز قیامت اس کے ہاتھوں میں غداری کا جھنڈا ہو گا تاکہ کائنات انسانی کے سامنے اس کے غدر کا مظاہرہ ہو سکے۔

أَوْفُوْا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○

۴) جو لوگ قلت تعداد اور فقدان اسباب ظاہری کے باوجود خدا کے رسول کے ہاتھ پر فداکاری اور جاں نثاری کے لئے حدیبیہ میں بیعت کر رہے تھے خدا نے ان کے اس ایثار و عقیدت حق کو جزاءِ عظیم یہ عطا فرمائی کہ قرآن حکیم میں بصراحت ان کو اپنی خوشنودی کی سند بخشی اور اسی مبارک سند کی بنا پر وہ بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے رہتی دنیا تک موسوم ہوئی پس یہ واقعہ برہان قاطع ہے اس امر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے لئے کہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ

۵) اگر آزادی ضمیر نصیب ہو اور تعصب راہ میں حائل نہ ہو تو اسلام ایسا دین فطرت ہے کہ خود بخود کائنات انسانی کو اپنے اندر جذب کرتا چلا جاتا ہے چنانچہ "صلح حدیبیہ" نے اس لئے "فتح مبین" کا لقب پایا کہ جب مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ایک معاہدہ کے ذریعہ جنگ کا التوا ہو گیا تو مشرکین کو امن واطمینان کے ساتھ مسلمانوں میں میل جول کا موقع ملا اور نتیجہ یہ نکلا کہ دعوت اسلام کے وقت سے حدیبیہ کے وقت تک فداکاران اسلام کی جو تعداد تھی تقریباً اٹھارہ یا بائیس مہینوں کے اندر اندر اس سے زیادہ شمع اسلام کے پروانے نظر آنے لگے ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ مشرکین نے دیکھا کہ قوم مسلم اپنے اخلاق و اعمال اور کردار و گفتار بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں صادق و عادل حق پسند و حق آگاہ ہے اور اس کی جماعتی و انفرادی حیات کا پایہ وقت کی تمام اقوام و ملل سے بلند تر ہے۔

فتح مکہ

۱) مسلمان جب کسی غیر مسلم طاقت سے معاہدہ کرلیں تو جس مدت کے لئے معاہدہ ہوا ہے ان کا اسلامی فرض ہے کہ اس مدت کو اپنی جانب سے پورا کریں اور نقص عہد نہ کریں البتہ اگر معاہد طاقت کی جانب سے خلاف ورزی ہو تو پھر مسلمان بری الذمہ ہیں بلکہ بعض حالات میں نقص عہد کرنے والی طاقت کا استیصال از بس ضروری ہے جیسا کہ فتح مکہ کے اسباب سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲) فتح مکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عنوۃ (بہ زور طاقت) فتح ہونے کے باوجود خون ریزی سے محفوظ رہا اور نبی اکرم ﷺ نے حرم کعبہ کے احترام و عظمت کے پیش نظر خالد بن ولیدؓ کو ہدایت دیتے ہوئے ابتداء ہی میں ارشاد فرمادیا تھا کہ داخلہ حرم کے وقت ہرگز کسی پر تلوار نہ اٹھائی جائے الا یہ کہ مشرکین میں سے کوئی از خود اقدام کرے اور اس لئے حضرت سعد بن عبادہؓ کے ذریعہ عاجز کے خلاف "الیوم یوم المرحمہ" فرما کر اس حقیقت حال کو خوب روشن کردیا۔

۳) دنیوی شہنشاہ اور نبی الرحمۃ کے درمیان اگر فرق و امتیاز معلوم کرنا ہو تو فتح مکہ اس کے لئے روشن برہان ہے تاریخ سے دریافت کرو کہ جب کوئی بادشاہ یا شہنشاہ کسی ملک کو فتح کرتا تو اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتا تھا یہی کہ مفتوح قوم پر مظالم کرے قتل و غارت کر کے ان کو غلام بنائے یا تلوار کے گھاٹ اتارے لیکن جب نبی الرحمۃ کو اقتدار اعلیٰ نصیب ہوا اور فتح مکہ کی صورت میں مشرکین و کفار پر یہ ید قدرت حاصل ہوا تو اس مقدس ہستی نے کیا کیا؟ صرف یہ کہ ان کو جمع کیا اور اعلان کردیا

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء

آج تم پر گذشتہ بداعمالیوں اور سفاکیوں پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ایک شخص عمر بھر نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود جب فتح مکہ کے وقت کانپتا خوف کھاتا اور لرزتا ہوا حاضر خدمت ہوتا ہے تو اس وقت بھی نبی الرحمۃ کی زبان اقدس اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے جس سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آپ ﷺ کی شان پیغمبری نمایاں نظر آتی ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

خوف نہ کرو! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں بلکہ تمہاری طرح خشک گوشت کھانے والی ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔

۴) کافر و مشرک گروہ اگر اسلامی طاقت کا حلیف بننا چاہے تو بہ تقاضائے مسلم مفاد اس کو حلیف بنایا جا سکتا ہے بلکہ بعض حالات میں حلیف بنانا از بس ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حلیف کے مال اور اس کی جان و آبرو سب کو اپنے مال جان اور آبرو کی طرح سمجھے اور اسی قسم کا معاملہ کرے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حنین

۱) ایک لمحہ کے لئے بھی کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فتح و شکست کا مدار "کثرت تعداد" پر سمجھے بلکہ اس کا یقین راسخ ہر حالت میں خدا کی نصرت کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے چنانچہ بدر میں اعتماد علی اللہ نے ذلت کو عزت و کثرت کے ساتھ بدل دیا اور حنین میں اپنی کثرت تعداد پر اعتماد نے کثرت و شوکت کو مبدل بہ ہزیمت بنادیا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

اگر اسلام اور مسلمانوں کے مصالح کا تقاضا ہو تو ایک غیر مسلم طاقت کے مقابلہ میں دوسری غیر مسلم طاقت یا غیر مسلم جماعت کا تعاون و اشتراک حاصل کرنا بلا شبہ درست اور مشروع ہے اسی لئے حنین میں نبی اکرم ﷺ نے "طلقاء" کو شریک جنگ رکھا اور جنگ میں استعانت من المشرکین کے مسئلہ میں بلحاظ دلائل اگرچہ قبول و عدم قبول دونوں قسم کے اقوال موجود ہیں لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں جمہور کا مسلک جواز و قبول ہی کا ہے چنانچہ محدثین و فقہاء امت نے کتاب الجہاد میں اس کی تصریح کر دی ہے۔ (فتح الباری، کتاب الامام شافعی، متوسط، البیہقی، الصنعانی)

تبوک

۱) مفاد اسلامی کے پیش نظر جب خلیفۃ المومنین نفیر عام (جہاد عام) کا اعلان کر دے تو ادائے فرض کے مقابلہ میں ہر قسم کی مشکلات ہیچ ہو جانی چاہئیں اور اسباب و وسائل کی پریشانیاں ہرگز راہ میں حائل نہ رہنی چاہئیں، غزوۂ تبوک ہم کو اسی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

۲) جہاد اور نفیر عام کے موقع پر مالی اعانت بھی جہاد ہی کا اہم شعبہ ہے اور

گر زر طلبی سخن درینست
گر جاں طلبی مضائقہ نیست

کے خلاف عزم و عمل اور خلوص و صداقت کی روشن دلیل ہے، اس لئے جلیل القدر صحابہؓ نے غزوۂ تبوک میں مالی اعانت کی اپیل پر ایک دوسرے سے مسابقت کی اور ابو بکر صدیقؓ نے کل مال راہ خدا میں دے کر صرف اللہ اور اس کے رسول کا نام گھر میں باقی چھوڑا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۳) جماعتی زندگی میں جن لوگوں کے متعلق شروع سے ہی یہ معلوم ہو کہ جماعت میں ان کی شرکت از راہ خلوص نہیں بلکہ از راہ نفاق ہے وہ اگر جہاد جیسے فداکارانہ عمل سے پہلو تہی کرنے کے لئے کوئی بہانہ کر کے میدان جہاد سے جی چرائیں تو ان سے درگزر کی جا سکتی ہے کہ ان کی عدم شرکت مفید ہی ہے نہ کہ مضرت رساں لیکن مخلص و ایثار پیشہ فرد جماعت اگر ایسے نازک موقع پر کوتاہی کر جائے جیسا کہ غزوہ تبوک کا اہم معاملہ تھا تو یہ کوتاہی ناقابل معافی جرم ہے تاوقتیکہ ماضی پر ندامت اور مستقبل میں ایسی شنیع حرکت سے پرہیز کے عزم کے ساتھ درگاہ الٰہی میں عجز و نیاز سے تائب نہ ہو جائے۔"

۴) اسلامی احکام کی کھلی خلاف ورزی پر مسلمانوں کا کسی فرد مسلم یا جماعت مسلمہ کے خلاف سوشل اور معاشرتی مقاطعہ درست ہے بلکہ بعض اہم اور نازک حالات کے پیش نظر کبھی واجب اور ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ایک جانب مسلمانوں میں ضبط و نظم کا صحیح جذبہ پیدا ہو جائے اور دوسری جانب مخلص و منافق کے درمیان بین تفاوت نظر آنے لگے۔

www.ahlehaq.org

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تبنیٰ

رسوم جاہلیت میں سے ایک رسم تبنی (گود لے کر بیٹا بنانا) بھی ہے یہ رسم مشرکین عرب و عجم میں یکساں رائج تھی اس رسم قبیح کے ثمرات میں سے ایک یہ بھی کہ بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کے انتساب سے کٹ کر ایک اجنبی کے لئے صلبی بیٹے کی طرح ہو جاتا اور اس کے خاندان کے تمام محارم اس کے محارم بنجاتے ہیں نیز اس اجنبی کے حقیقی ورثاء کو محروم وراثت بنا کر خود اس کی تمام جائداد کا مالک بن جاتا ہے یا اپنی موت پر اپنے حقیقی ورثاء کو محروم رکھ کر اجنبی کو اپنا وارث بناتا ہے اس لئے بلاشبہ "رسم" نسبتی انتساب اور معاشرتی نظام دونوں لحاظ سے مذموم و قبیح اور خلاف فطرت ہے۔

اسلام جو کہ انسان کے ہر شعبۂ حیات کو مکروہ جراثیم سے پاک کرنے اور ان میں انقلاب و اصلاح کی روح پھونک کر نظام کائنات کو بہتر و خوب تر بنانے آیا ہے اس نے اس رسم بد کے انسداد پر بھی توجہ کی اور ایک خاص واقعہ کو سامنے رکھ کر ارادہ کیا کہ معاشرت میں گندھی ہوئی اس رسم پر ایسی ضرب کاری لگائے کہ مسلمانوں میں سے ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو جائے اور غیر مسلم بھی اس کی معقولیت پر سر تسلیم خم کرنے کیلئے مجبور ہو جائیں۔

انسداد تبنی کے لئے خدائے برتر نے جس واقعہ کو منتخب فرمایا اس کی روداد حضرت زید بن حارثہؓ کی زندگی سے وابستہ ہے۔

حضرت زید ﷺ

حضرت زیدؓ کا تعارف اسد الغابہ میں ابن اثیر جزری نے اس طرح کرایا ہے: زید بن حارثہ شراحیبل رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ) ہیں اور بہت ہی محبوب صحابی ہیں، یہ عرب کے معزز قبیلہ بنی کلب کے ایک فرد تھے مگر بچپن ہی میں ایک حادثہ کی وجہ سے غلام بنا لئے گئے صورت یہ پیش آئی کہ ان کی والدہ ان کو ساتھ لئے اپنے خاندان بنی معمن میں جا رہی تھیں راہ میں قبیلہ بنی قین نے ان کو لوٹ لیا اور زید کو بھی لے گئے اور عکاظ کے بازار میں لا کر فروخت کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے برادر زادہ حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی کے لئے خرید لیا۔ یہ ابھی آٹھ سال ہی کے تھے کہ حضرت خدیجہؓ کو نبی اکرم ﷺ کی رفیقۂ حیات ہونے کا شرف حاصل ہو گیا اور انھوں نے زید کو حضور اقدس کی خدمت میں ہبہ کر دیا نبی اکرم ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ہم اس دن سے زید کو ابن محمد ﷺ کہنے لگے اور اس وقت تک کہتے رہے کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

مسلمانو! تم لے پالکوں کو ان کے باپ دادا کی نسبت ہی سے پکارا کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے زید اور اپنے چچا حضرت حمزہؓ کے درمیان بھائی چارہ کرادیا اور وہ دونوں حقیقی بھائیوں کی طرح رہنے لگے ادھر زید کی گم شدگی نے ان کے والد حارثہ کو غم سے نڈھال کر دیا تھا حسن اتفاق کہ بنی کلب کے چند آدمی حج کی نیت سے مکہ آئے تو زید کو دیکھا اور پہچان لیا۔ زید نے بھی ان کو پہچانا اور اپنے قبیلہ کو اپنی موجودگی کا پیغام دیا، حارثہ اور ان کا بھائی کعب دونوں نے جب یہ سنا تو فوراً بھاگے ہوئے مکہ آئے اور دربار قدسی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ اب زید کو ہمارے حوالہ کر دیجئے اور زر فدیہ لے لیجئے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس سے بہتر یہ بات ہے کہ زید آجائے اور اس کے سامنے دونوں صورتیں پیش کر دی جائیں وہ تمہارے ساتھ جانا قبول کرتا ہے یا میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور جو اس کی مرضی ہو اس پر ہم بھی راضی ہو جائیں۔

حارثہ بخوشی اس پر رضامند ہو گئے کیونکہ وہ یقین رکھتے کہ بیٹا بہر حال باپ کو ہی ترجیح دے گا، چنانچہ زید بلائے گئے ذات اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا ان کو پہچانتے ہو؟ زید نے کہا کیوں نہیں یہ میرے والد ہیں اور یہ چچا ہیں!

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لینے آئے ہیں اب تم مختار ہو، ان کے ساتھ چلے جاؤ یا میرے پاس رہو، زید نے عرض کیا! میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا میرے باپ چچا جو کچھ بھی ہیں آپ ﷺ ہی ہیں، حارثہ نے یہ سنا تو رنج و تکلیف کے ساتھ کہا: زید کس قدر افسوس ہے تجھ پر کہ غلامی کو آزادی پر باپ دادا اور خاندان پر اجنبی کو ترجیح دے رہا ہے۔ زید نے کہا اس ہستی کے ساتھ رہ کر میری آنکھوں نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے اس کے بعد میں دنیا و مافیہا کو اس کے سامنے ہیچ سمجھتا ہوں۔

تب نبی اکرم ﷺ نے حارثہ اور حاضرین کو بتلایا کہ میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے اب وہ میرا غلام نہیں بلکہ بیٹا ہے حارثہ نے یہ سنا تو بہت خوشی کا اظہار کیا اور باپ اور چچا دونوں مطمئن واپس گئے[1] اور گاہے گاہے آکر دیکھ جاتے آنکھیں ٹھنڈی کر جایا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت زید کی مزید قدر افزائی کے لئے ان کا نکاح اپنی دودھ پلائی (حاضنہ) ام ایمن کے ساتھ کر دیا جن کے بطن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے اور اس کے بعد ارادہ کیا کہ ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کے کر دیں یہ ہاشمی خاندان کی بیٹی اور آپ کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی لخت جگر تھیں، اس لئے زینب اور زینب کے بھائی اس عقد پر راضی نہیں تھے تب وحی الٰہی نے نازل ہو کر یہ حکم دیا کہ جس بات کا حکم اللہ اور اس کا رسول دے پھر اس کی خلاف ورزی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

---

[1] جلد ۲ ص ۳۲۴، ۳۲۵۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو پھر کسی مرد مومن اور عورت مومنہ کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

وحی الٰہی کے نزول پر حضرت زینبؓ اور ان کے بھائیوں نے آپ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس طرح آپ نے خاندان سے ہی عملی طور پر فخر بالا نساب کی جڑیں کاٹ دی تاکہ آپ ﷺ کا عمل اسوۂ حسنہ بنے۔

حضرت زید کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ قرآن میں ان کا نام بصراحت مذکور ہے یہ شرف کسی صحابی رسول ﷺ کو نصیب نہیں ہوا۔

انسداد تبنّی

حضرت زید اور حضرت زینت اگرچہ حبالۂ عقد میں منسلک ہو گئے تھے لیکن حضرت زینب کا یہ فطری رجحان مٹ نہ سکا کہ وہ قریشی ہاشمی ہیں اور ان کا شوہر آزاد شدہ غلام، اسی طرح حضرت زید کو یہ فخر حاصل تھا کہ وہ بہر حال عرب کے معزز قبیلہ کے فرد اور نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے بیٹے ہیں اور زینبؓ پر ان کو قوم ہونے کا شرف حاصل ہے چنانچہ ان دو متضاد ذہنیتوں نے ان کے آپس میں محبت کا رشتہ قائم نہ ہونے دیا اور آخر کار زید اس پر آمادہ ہو گئے کہ حضرت زینب کو طلاق دیدیں، حضرت زید نے متعدد بار اس ارادہ کا حضور اقدس ﷺ سے تذکرہ کیا۔ مگر آپ ﷺ نے یہ سمجھ کر کہ شاید دیرپا مدت ازدیاد محبت کا باعث ہو جائے زید کو طلاق دینے سے روکا۔

حضرت زید اور حضرت زینب کی ناچاقی نے اب صورت حال بدل دی اور وحی الٰہی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ وقت آگیا ہے کہ اب "تبنی کی رسم بد" کا خاتمہ کر دیا جائے اور جس طرح آپ ﷺ نے فخر بالا نساب کے پہلو کو اپنے خاندان ہی میں سب سے پہلے شکست دی اسی طرح اس کی ابتداء بھی خود ذات اقدس ﷺ کے ہی عمل سے ہو اور یہ اس طرح کہ زید جب طلاق دیدیں تو پھر زینبؓ کا عقد آپ ﷺ سے ہو جائے کیونکہ اس سے ایک طرف زینبؓ اور ان کے خاندان کو جو صدمہ پہنچے اس کا اندمال ہو سکے اور دوسری جانب تبنی کی رسم بد کا انسداد ہو جائے۔

نبی اکرم ﷺ کو جب وحی الٰہی نے یہ نقشہ بتلایا تو بربناء بشریت آپ ﷺ کے قلب میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ زید اگر زینبؓ کو طلاق نہ دے تو اچھا ہے تاکہ زینبؓ کی خاندان کو بھی توہین محسوس نہ ہو اور میں بھی منافقین اور مشرکین کے اس طعن و تشنیع سے محفوظ رہوں کہ وہ یہ کہیں گے محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی کو اپنی بیوی بنالیا، حالانکہ دوسروں کے لئے بیٹے کی بیوی کو حرام بتاتے ہیں"۔ چنانچہ آپ برابر زید کو طلاق سے باز رکھتے رہے مگر جب کسی طرح باہم موافقت نہ ہو سکی تب زید نے زینب کو طلاق دے ہی دی اور عدت گزرنے پر خدا کا حکم ہوا کہ اب زینبؓ کو آپ ﷺ اپنی بیوی بنائیں تاکہ آئندہ منہ بولے بیٹے کی رسم کا خاتمہ ہو اور مسلمانوں کی معاشرت میں یہ تنگی نہ پیدا ہو سکے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کے نکاح کو صلبی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام سمجھا جائے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی وحی نے یہ بھی واضح کر دیا کہ خدا جو فیصلہ کر چکا ہے وہ تو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ظاہر ہو کر ہی رہے گا اور تمہارے بشری خوف سے وہ ٹلنے والا نہیں ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حکم الٰہی کے مقابلہ میں سماج انسانی کا خوف ہیچ در ہیچ ہے۔

قرآن عزیز نے انسداد تبنّی کے معاملہ کو دو شقوں میں تقسیم کر دیا ایک ذہنی و علمی انقلاب اور دوسرا عملی چنانچہ ذہنی اصلاح و انقلاب کے لئے حسب ذیل آیات نازل فرمائیں۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ أُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ ط وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ○ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ

اور اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا نہیں بنا دیا یہ قول تمہارے اپنے منہ کی بات ہے اور اللہ سچ بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے تم ان منہ بولے بیٹوں کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارا کرو یہی اللہ کے نزدیک انصاف کا طریقہ ہے اور اگر تم کو ان کے باپ دادوں کا نام معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

چنانچہ صحابہؓ تصریح کرتے ہیں کہ ہم نے اسی وقت حضرت زید کو ابن محمد ﷺ کہنا چھوڑ دیا اور زید بن حارثہ کہنے لگے۔

اور انسداد تبنّی کے عملی پہلو کو روشن کرنے کے لئے ان آیات کا نزول ہوا:

وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○

اور (وہ وقت قابل ذکر ہے) جب تم اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا کہ اپنی بیوی کو روکے رکھ (اور طلاق نہ دے) اور اللہ سے ڈر اور صورت حال یہ تھی کہ تم اپنے جی میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں (کے طعن و تشنیع) سے ڈرتے تھے اور اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے سو جب زید اپنی حاجت پوری کر چکا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس (زینبؓ) کا نکاح تجھ سے کر دیا تاکہ (آئندہ) مسلمانوں پر یہ تنگی نہ رہے کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں سے نکاح نہ کر سکیں جب ان کے منہ بولے بیٹے اپنی حاجت پوری کر لیں (یعنی طلاق دے دیں) اور اللہ کا یہ حکم اٹل ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن عزیز کی ان آیات کا مفہوم اپنے متعلقہ مسئلہ کے ساتھ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس میں کسی دوسرے مفہوم کی گنجائش تک نہیں اور نہ کسی قسم کی کوئی پیچیدگی ہی ہے کہ جو معاملہ کے رخ کو کسی دوسری جانب پھیرنے کا موجب ہو مگر حیرت اور حیرت سے زیادہ رنج و ملال ہے ان راویان روایت پر جنھوں نے روایت کی کسوٹی پر کسے بغیر ہی یہود بنی اسرائیل کی اسلام دشمنی اور رسول دشمنی میں گڑھی ہوئی خرافی داستان کو ان آیات کی تفسیر کے ضمن میں درج کر دیا اور یہ قطعاً محسوس نہ کیا کہ جب کہ ان بے سروپا روایات کا نہ قرآن کی آیات سے جوڑ لگتا ہے اور نہ ذخیرۂ حدیث میں کوئی ایک صحیح روایت بھی اس کی جانب اشارہ کرتی ہے تو پھر ہمارے لئے کس طرح یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ہم ایسی روایات کو بیان یا نقل کر کے ایک جانب دشمنان اسلام کے لئے غلط اور پر از بہتان نکتہ چینی کا سامان مہیا کریں اور دوسری طرف بے علم مسلمانوں کے دینی و ذہنی انتشار کا باعث بنیں۔

خرافی داستان

اگر یہ خرافی داستان کتب تفسیر میں نقل نہ ہوتی اور اس کے مفسد کا اثر موافق و مخالف دونوں جانب نہ پڑا ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی قلم اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا کہ اس ہرزہ سرائی کو روایت کہہ کر پیش کرے مگر اصل حقیقت کو واشگاف کرنے کے بعد محض اس لئے اس داستان کو سپرد قلم کیا جا رہا ہے کہ جب کبھی اس پر نگاہ پڑے تو فوراً ذہن میں آجائے کہ یہ ایک خرافی داستان سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی اور اس لیئے دشمنان اسلام کو اس کی سند لینا محض تعصب اور اسلام دشمنی پر مبنی ہے نہ کہ حقیقت حال کی طلب و جستجو کے پیش نظر۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینبؓ کے یہاں تشریف لے گئے، اتفاق سے حضرت زید موجود نہیں تھے حضرت زینبؓ پر اچانک نظر پڑی تو وہ بہت حسین نظر آئیں آپ ﷺ فوراً ہی یہ پڑھتے ہوئے سبحان مقلب القلوب پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دینے پر قابو رکھتی ہے۔

واپس ہو گئے جب زید آئے تو زینب نے ان سے پورا واقعہ کہہ سنایا۔ زید یہ سن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں حضور ﷺ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو کہنے لگے اور کوئی وجہ نہیں ہے وہ خود کو بہت بلند مرتبہ سمجھتی اور مجھ کو زبان سے ایذا پہنچاتی ہے۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ کے قلب میں (العیاذ باللہ) اگرچہ یہ آیا کہ زید طلاق دیدے، مگر زبان سے منع کیا کہ خدا سے ڈر اور ایسا نہ کر تب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تیرے دل میں جو بات تھی اس کو تو نے چھپایا مگر اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر کے رہے گا۔ (اعاذ نا اللّٰہ من ھذہ الخرفات)

اس روایت کو ابن ابی حاتم اور طبری نے قتادہ اور ابن عباسؓ کی نسبت کے ساتھ روایت کیا ہے مگر قاضی عیاض نے شفاء میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن کثیر، ابن حبان، سید محمود آلوسی نے اپنی تفاسیر اور خفاجی نے نسیم الریاض میں اس کو روایت و درایت دونوں اعتبار سے ساقط الاعتبار اور ناقابل قبول ثابت کیا ہے اور ان دونوں بزرگوں کی جانب اس روایت کے انتساب کو باطل اور غلط قرار دیا ہے فتح الباری میں ہے۔

ووردت اثار اخریٰ اخرجھا ابن ابی حاتم و الطبری و نقلھا کثیر من المفسرین لا ینبغی التشاغل بھا و الذی اوردتہ منھا ھو المعتمد۔ (جلد ۵ کتاب التفسیر صفحہ ۴۲۵)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس سلسلہ میں اور بھی آثار بیان کئے جاتے ہیں جن کو ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے اور بہت سے مفسرین نے اس کو نقل کر دیا ہے یہ آثار ہر گز اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی جانب کوئی توجہ بھی دی جائے اور قابل اعتماد آثار وہی ہیں جن کو ہم نے اس جگہ بیان کر دیا ہے۔

اور سید محمود آلوسی اس داستان کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

و للقصاص فی هذه القصة كلام لا ينبغی ان يجعل فی حيز القبول۔ (جلد ٤ ص ٤٩٨)

اور داستان سراؤں کے پاس اس واقعہ کے متعلق بھی گڑھی ہوئی باتیں ہیں جو ہر گز اس قابل نہیں کہ ان کو قبولیت کا درجہ دیا جائے۔

اور ابن کثیر نے تو اس داستان کو اپنی تفسیر میں نقل کرنا بھی پسند نہیں کیا اور اس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنا یہ محققانہ فیصلہ صادر فرما دیا:

ذكر ابن ابی حاتم و ابن جرير ههنا اثاراً عن بعض السلف رضی الله عنهم احببنا ان نضرب عنها صفحاً بعدم صحتها فلا توردها۔ (جلد ۲ ص ۱۳۳)

ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر بعض سلفؒ کی جانب منسوب چند آثار کو ذکر کیا ہے ہم نے یہ پسند کیا کہ ان کی جانب مطلق التفات نہ کریں اس لئے کہ وہ قطعاً صحیح نہیں ہیں اور اسلئے ہم انکا اس جگہ ذکر نہیں کریں گے۔

اور پھر یہ تمام اہل تحقیق ان آثار کو نقل کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں بسند صحیح ثابت ہیں اور جو آیات کی وہی تفسیر کرتے ہیں جس کو بطور بالا میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ زید کے طلاق دینے سے قبل اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی اکرم ﷺ کو یہ بتلا دیا تھا کہ انسداد تبنی کے سلسلہ میں خدا کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ حضرت زینبؓ کو زید طلاق دے گا اور تم کو اس سے نکاح کرنا ہوگا یہ بات تھی جس کو نبی اکرم ﷺ بر بنائے بشریت دشمنوں کے طعن سے بچنے کی خاطر کہ "کہیں گے کہ محمد ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا" اپنے دل میں چھپائے رکھا اور آپ ﷺ کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح زید زینبؓ کو طلاق نہ دے اسی طرح قرآن نے تخفی فی نفسك کہا ہے اور زید کا طلاق دینا اور پھر زینب کا حرم نبوی میں داخل ہونا اس حقیقت کا اعلان ہے جس کو ما الله مبديه و تخشى الناس و الله احق ان تخشه میں کہا گیا ہے۔ (نسیم الریاض جلد ۴ ص ۲۹۹)

اور عمر بن فائد نے بھی امام زہریؒ سے یہی تفسیر نقل کی ہے اور اسی پر تمام محدثین و مفسرین کا اعتماد ہے اور یہی صحیح ہے۔

لیکن یہ صورت حال کیوں اختیار کی گئی اور معاملہ کو اس خاص رنگ میں کیوں رکھا گیا جو قرآن عزیز کی ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے حافظ ابن حجرؒ اس کے متعلق یہ حقیقت واضح فرماتے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

حاصل کلام

والحاصل ان الذی کان یخفیه النبی هو اخبار اللّٰه ایاه انها ستصیر ز و جته الذی کان تحمله علی اخفاء ذٰلك خشیة قول الناس تزوج امراء ة ابنه واراد اللّٰه ابطال ما کان اهل الجاهلیة علیه من احکام التبنی بامر ابلغ فی ابطال منه وهو تزو ج امرائة الذی یدعی ابنا و وقع ذٰلك من امام المسلمین لیکون ادعیٰ لقبولهم و انما وقع الخبط فی تاویل متعلق الخشیة۔ واللّٰه اعلم۔ (جلد ۸ ص ۴۲۵)

حاصل کلام یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف اس بات کا پوشیدہ رکھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انسداد تبنی کے سلسلہ میں یہ خبر دی ہے کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی اور نبی اکرم ﷺ نے اسلئے اس بات کو پوشیدہ رکھا کہ آپ لوگوں کے اس طعن سے بچنا چاہتے تھے کہ محمد (ﷺ) نے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی اور اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ لے پالک کے جو احکام زمانۂ جاہلیت میں نافذ تھے ان کو باطل کر دے اور اس کے لئے اس طریقہ سے بہتر کوئی دوسرا طریقہ نہیں تھا کہ عملاً کسی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرائی جائے اور اس کے لئے ذات اقدس کو اس لئے چنا گیا کہ آپ امام المسلمین ہیں پس آپ کا عمل مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ اتباع اور قبولیت کا داعی ہو گا اور مسلمان اچھی طرح اس مسئلہ کی حقیقت کو سمجھ جائیں گے (لہٰذا صورت حال یہ اختیار کی گئی کہ پہلے زینبؓ کی آپ ﷺ کی منہ بولے بیٹے زید سے شادی ہو اور پھر وہ طلاق دے اور بحکم خداوندی پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں یہ ہے وہ اصل بات کہ جو اسلئے خبط میں پڑ گئی کہ تاویل کرنے والوں نے یہ قیاس آرائیاں کر ڈالیں کہ آیت میں خشیۃ کا متعلق کیا ہے۔

غرض اسرائیلی داستانوں میں سے یہ بھی ایک خرافی داستان تھی جس کا پردہ فاش ہونا از بس ضروری تھا ورنہ تو یہ روایت خرد و عقل کے نزدیک یوں بھی نا قابل اعتماد اور لغو ہے کہ زینب جبکہ نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور بچپن سے جوانی تک مسلسل آپ کے سامنے رہیں اور شادی کے بعد بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں تو اس واقعہ کے دن کون سی خاص بات تھی کہ زینب آپ کی نگاہ میں اجنبی بن کر نظر آنے لگیں اور آپ نے اخلاق کریمانہ کے خلاف دل و زبان کی مطابقت بھی چھوڑ دی۔

اگر قرآن کی آیت کا یہ مطلب لے لیا جائے تو کیا پھر ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن کو یہ حق ہے کہ ذات اقدس ﷺ کو ایک نبی رسول اولعزم پیغمبر کی حیثیت میں پیش کر سکے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۔

بصائر

(باوجود اس امر کے کہ پیغمبر و رسول اس حقیقت سے آشنا ہوتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا کا فیصلہ اٹل اور نا قابل رد ہوتا ہے تاہم اگر کوئی امر ایسا ہو جس میں ان کی ذات وقت کے خود ساختہ اخلاقی پہلو کی بنا پر مورد طعن و تشنیع بنتی ہو تو بہ تقاضائے بشریت وہ اس کی زد سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور متوقع رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس مقصد خیر کے لئے اس صورت حال کو رونما کرنا چاہتا ہے کاش کہ وہ کسی ایسی صورت میں نمودار ہو کہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ان کی ذات اس طعن و تشنیع سے بچ جائے لیکن جبکہ خدا کی مصلحت اسی خاص صورت حالات میں مضمر ہوتی ہے تو وقت آنے پر نبی ورسول ﷺ اپنی خواہشات ذاتی کو پس پشت ڈال کر خدا کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے قرآن عزیز نے زیر بحث واقعہ میں اسی حقیقت کو معجزانہ انداز میں ادا کیا ہے۔

۲) قرآن عزیز کی تفسیر خصوصاً واقعات پر مبنی آیات کی تفسیر میں اجمال اس تفصیل سے بدرجہا بہتر ہے جو محض عقلی احتمالات کے پیش نظر آیات کے حقیقی مفہوم کو بھی بدل ڈالے اور لفظی تعبیرات کے اجمال سے غلط اور باطل عمارت تیار کر لے بلا شبہ ایسی تفصیل تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اور اسی لئے ہر مفسر کا فرض ہے کہ اس سے اپنا دامن بچائے۔

قرآنی حقائق سے آگاہ محققین مفسرین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تفسیر قرآن میں لفظی تعبیرات سے حقیقت کی جستجو کئے بغیر عقلی احتمالات بیان کر کے متضاد اقوال پیدا کر دینا تفسیر قرآن کی محمود خدمت نہیں ہے بلکہ قلوب میں تردد و اضطراب پیدا کر دینے کا موجب ہے۔

تفسیر قرآن کی بہترین خدمت یہ ہے کہ اول قرآن عزیز کی تفسیر خود قرآن سے ہے کی جائے القرآن یفسر بعضہ بعضا اور ساتھ ہی صحیح و مستند احادیث رسول سے اس کے اجمال کی شرح کرتا جائے اور پھر اگر مزید تشریحات صحیح آثار صحابہؓ سے حاصل ہو سکیں تو ان سے بھی استفادہ کیا جائے اور ان تمام تحقیقات کے بعد ایک مضبوط و مدلل اور محقق قول فیصل نقل کرتا جائے اور احتمالات کی کشائش سے اضطراب اقوال کا شکار نہ بنے۔ اور اگر لطائف و حکم اور نکات پر قلم اٹھائے تو ان میں بھی یہ پیش نظر رہے کہ آیت کی حقیقی روح سے جدا نہ ہو جائے بلکہ اس کے اندر محدود رہے نیز دور از کار لفظی اور تخمینی احتمالات کی راہنمائی میں بعید تاویلات سے اپنا دامن محفوظ رکھے اور غیر مستند روایات و احادیث و آثار اور اسرائیلیات سے ہر گز ہر گز احتمال کے طور پر بھی استشہاد و استناد نہ کرے بلکہ اس کا فرض ہے کہ حسب موقعہ ان کی تردید اور ان کا ابطال کرتا جائے تاکہ ارباب مطالعہ کو قرآنی ہدایات سے حصول سعادت اور اخذ بصیرت و موعظت کے لئے آسانی ہو۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بنو نضیر

یہ واقعہ ۴ھ ہجری میں پیش آیا۔ جو قبائل یہود یمن سے بھاگ کر حجاز (مدینہ) میں آبسے تھے ان میں سے یہ بھی مشہور قبیلہ ہے نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود سے عہد و پیمان کر کے "صلح و عہد" کی طرح ڈالی یہ انصار میں سے بنی خزرج کے حلیف بھی تھے۔

یہود نے اگرچہ ظاہراً اس صلح و عہد پر رضامندی کا اظہار کر دیا تھا لیکن ان کے روایتی حسد و بغض اور تاریخی منافقت نے اس عہد پر ان کو تادیر قائم نہیں رہنے دیا اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اندر رونی اور بیرونی سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا اسی اثناء میں بنو نضیر کے ذمہ دار افراد نے ایک روز یہ سازش کی کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کریں کہ ہم کو ایک معاملہ میں آپ ﷺ سے مشورہ کرنا ہے اور جب آپ ﷺ تشریف لے آئیں تو دیوار کے قریب ان کو بٹھایا جائے، اور جب وہ گفتگو میں مصروف ہو جائیں تو اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر گرا کر آپ ﷺ کا خاتمہ کر دیا جائے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ مدعو ہو کر تشریف لائے ابھی آپ ﷺ دیوار کے قریب بیٹھے ہی تھے کہ وحی الٰہی نے حقیقت حال سے مطلع کیا اور آپ ﷺ فوراً خاموشی کے ساتھ واپس تشریف لے گئے اور وہاں جا کر محمد بن مسلمہؓ کو بھیجا کہ وہ بنو نضیر تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ چونکہ تم نے غداری کی اور نقض عہد کیا ہے اس لئے تم کو حکم دیا جاتا ہے حجاز مقدس کی سرزمین سے جلد جلاوطن ہو جاؤ، منافقین نے یہ سنا تو جمع ہو کر بنو نضیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے تم محمد ﷺ کے فرمان ہرگز تسلیم نہ کرو اور یہاں سے ہرگز جلاوطن نہ ہو ہم ہر طرح تمہارے شریک کار ہیں۔

بنو نضیر نے یہ پشت پناہی دیکھی تو حکم ماننے سے انکار کر دیا اور حالات کا انتظار کرنے لگے تب نبی اکرم ﷺ نے جہاد کی تیاری کی اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر بنا کر بنو نضیر کی گڑھی (چھوٹا قلعہ) پر حملہ آوری کے نکلے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم اور صحابہ جلو میں تھے۔

بنو نضیر نے یہ دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے اور یقین کر لیا کہ اب مسلمان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے چنانچہ نبی اکرم ﷺ چھ شبانہ روز ان کا محاصرہ کئے رہے اور پھر حکم دیا کہ ان کے ان درختوں کو کاٹ ڈالو جو ان کے پھل مہیا کرتے ہیں اور ان کا وجود ان کی رسورسانی کے لئے تقویت کا باعث ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر بنی نضیر کے دلوں میں رعب اور خوف طاری ہو گیا اور ان کی منافقین کی جانب سے مایوسی اور رسوائی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر انھوں نے درخواست کی کہ ہم کو جلاوطن ہونے کا موقع دیا جائے لہٰذا ان کو اجازت دی گئی کہ سامان حرب کے علاوہ جس قدر سامان بھی وہ اونٹوں پر لاد کر لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں۔

اجازت نامہ حاصل ہونے کے بعد یہ منظر بھی قابل دید تھا کہ کل کے باغی سرکش اور فتنہ جو غدار آج اپنے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہاتھوں مکانات کو برباد کر کے اس وطن کو خیر باد کہہ رہے تھے جس جگہ محفوظ و مامون رہنے کے لئے نبی اکرم نے خود بنفس نفیس ایک عہد نامہ کے ذریعہ ان کو دعوت دی تھی۔

بنو نضیر نے اپنے مکانات کو اس لئے برباد کر دیا کہ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے بعد مسلمان ان کے گھروں میں آباد ہوں۔

بہر حال بنو نضیر جلاوطن ہو کر جب چلے تو ان میں سے بعض اکابر قوم مثلاً یحیٰ بن اخطب اور ابی العقیق تو خیبر میں مقیم ہو گئے اور اکثر شام کے نواح میں جا بسے اور دو سردار یامین بن عمرو اور ابو سعد مشرف باسلام ہو کر مدینہ ہی رہ گئے۔

قرآن عزیز اور بنو نضیر

اسی واقعہ کے سلسلہ میں قرآن عزیز کی سورۂ حشر نازل ہوئی ہے اور اس میں بنو نضیر کی غداری، منافقین کی فتنہ پردازی مسلمانوں پر خدا کا احسان و کرم اور جنگ کے موقعہ پر سبز درختوں کے کاٹنے کا حکم اور ایسی صورت میں جبکہ جنگ نہ پیش آئی ہو مال غنیمت کا مصرف اور فیٔ کا حکم ان تمام امور کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

تبصرہ

۱) منافق کا نفاق ایک خود فریبی ہوتی ہے جو انجام کے لحاظ سے نہ خود اپنے لئے مفید ثابت ہوتا ہے اور نہ منافقین پر اعتماد کرنے والا ہی اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ بسا اوقات وہ اپنی اور اپنے حلیفوں کی ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کا سامان مہیا کر دیتا اور ابدی خسران کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ منافقین مدینہ یہود بنی نضیر بنی قریضہ اور بنی قینقاع کے حالات و واقعات تاریخی اس کے لئے زندۂ جاوید شہادت ہیں۔

۲) جس قوم میں شر و فساد اور مکر و فریب "اخلاق" کا درجہ لے لیتے ہیں ان کے قویٰ جسمانی و روحانی سے صلاح و خیر کی تمام استعداد فنا ہو جاتی ہے اور وہ نہ دنیا میں کسی عزت و شوکت کی مالک رہتی ہے اور نہ آخرت میں اس کے لئے کوئی حصۂ خیر باقی رہتا ہے چنانچہ سامیٹک (سیمیٹک) اقوام میں سے اگر اسکی قوم میں اس کو نمایاں دیکھنا ہو تو یہود کو دیکھ لینا کافی ہے۔

۳) عام طریقے پر جنگ میں سبز درختوں اور ہری کھیتیوں کو کاٹنا اور برباد کرنا اصلاحات جنگ کے منافی اور ممنوع ہے لیکن جب یہ اشیاء زمانۂ جنگ میں دشمن کی مزید تقویت کا باعث ہو کر فساد و شر کے بقا میں معاون ہوں تو ایسی حالت عام حکم سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ بنو نضیر کے واقعہ میں نص قرآنی ناطق ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

واقعۂ افک

شعبان ۵ھ ہجری مطابق دسمبر ۶۲۶ء میں بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی فتنہ سامانیوں کی وجہ سے غزوۂ بنی المصطلق پیش آیا منافقین کا یہ دستور بن گیا تھا کہ جس غزوہ کے اسباب ظاہری سے غالب گمان فتح کا ہوتا، اس میں مال غنیمت کے لالچ سے ضرور ساتھ ہو جاتے چنانچہ اس غزوہ میں بھی منافقین کا گروہ مع اپنے سردار عبداللہ بن ابی کے موجود تھا واپسی پر ایک معمولی حادثہ پیش آگیا اور عبداللہ ابی اور اس کے منافق گروہ نے اس پر افتراء اور بہتان کی ایک عمارت تیار کرلی مگر قرآن عزیز نے جلد ہی اس افتراء کی حقیقت آشکار کر دی اور مفتریوں کو ذلیل ورسوا ہو جانا پڑا۔

بخاری میں اس واقعہ کی جو تفصیلات مذکور ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کامیابی کے ساتھ غزوۂ بنی المصطلق سے واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب ایک منزل پر پڑاؤ تھا کہ آخر شب میں کوچ کا اعلان ہوا۔

حضرت عائشہؓ اعلان سن کر رفع حاجت کے لئے . ت کے ساتھ قیام گاہ سے دور چلی گئیں فارغ ہونے کے بعد واپس ہوئیں تو گلے میں جو ہار پہنے ہوئے تھیں وہ سینہ پر نہ پایا، وہ یہ سمجھ کر ٹوٹ کر کہیں گر گیا ہوگا جہاں رفع حاجت کے لئے گئی تھیں۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے واپس گئیں اسی اثناء میں جو جماعت ان کے ہودج کو اونٹ پر سوار کراتی تھی اس نے ہووج اٹھا کر اونٹ پر کس دیا اور چونکہ اس زمانے میں کم خوری کی وجہ سے عورتیں عموماً فربہ اندام نہیں ہوتی تھیں اور اس لئے وہ بھی بہت لاغر تھیں، لہذا ہودج پر مامور جماعت نے ان کو عدم موجودگی کا مطلق احساس نہیں کیا اور اونٹ پر ہوج رکھ کر روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ جب ہار کو تلاش کرتی ہوئی واپس ہوئی تو قافلہ جا چکا تھا اور اب ہار بھی ہودج کے قریب ہی مل گیا، وہ سخت پریشان ہوئیں پھر سوچا کہ جونہی مسلمانوں کو یہ محسوس ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو فوراً نبی اکرم ﷺ اسی جگہ سواری بھیج دیں گے اس لئے مناسب یہ ہے کہ قافلہ کا پیادہ پا پیچھا کرنے کی بجائے اسی جگہ انتظار کیا جائے۔ رات آخر تھی سپیدۂ سحر نمودار ہونے والا تھا کہ ان کی آنکھ لگ گئی۔

ادھر صفوان بن معطل سہمی اس خدمت پر مامور تھے کہ وہ قافلہ سے بہت پیچھے رہ کر نگرانی کرتے ہوئے اور جو چیز بھی قافلہ کی رہ جائے اس کو لیتے ہوئے آئیں پیچھے سے چلتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تو انھوں نے محسوس کیا کہ یہاں کوئی انسان موجود ہے قریب آئے تو ان کو پہچان لیا کیونکہ آیت حجاب سے پہلے وہ ان کو دیکھ چکے تھے۔

انھوں نے دیکھتے ہی فوراً بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا حضرت عائشہ آواز سن کر بیدار ہو گئیں صفوان نے ایک لفظ کہے بغیر اونٹ کو بٹھا دیا اور وہ خاموشی کے ساتھ اونٹ پر ہودج میں سوار ہو گئیں اور صفوان

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مہار پکڑے ہوئے روانہ ہوئے اور دوپہر کے قریب لشکر میں جا پہنچیں۔

جب یہ خبر عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوئی تو اس نے اور اس کی جماعت نے موقعہ کو غنیمت جانا اور تیزی کے ساتھ افترا اور بہتان کو لشکر میں پھیلا دیا مگر مسلمانوں نے کسی طرح اس کو باور نہیں کیا البتہ صرف تین مسلمان (دو مرد اور ایک عورت) حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش اپنی سادہ لوحی سے منافقین کے جال میں پھنس گئے۔

خدا کے کرم و فضل دیکھئے کہ زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی (قرآن عزیز) کے ذریعہ منافقین کی خباثت کو آشکارا کر دیا اور حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی اور عفت مآبی پر مہر تصدیق ثبت کر کے بہتان لگانے والوں پر کوڑوں کی سزا (حد قذف) جاری کرنے کا حکم دیا اور اسطرح کذاب اور مفتری کیفر کردار کو پہنچے۔

اس واقعہ پر بعض مستشرقین اور یورپین مؤرخین طبع کا ثبوت دیا ہے اور خوب آب و نمک لگا کر اس کو بیان کیا ہے جس کو پڑھ کر اسلام اور داعئ اسلام ﷺ سے متعلق ان کے قلبی عناد کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

بہر حال قرآن عزیز نے اس واقعہ پر مسلمانوں کو صاف طور سے یہ بتلا دیا کہ یہ کذب و افتراء پر مبنی داستان سن کر تم نے خود ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ محض جھوٹ اور بہتان ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ط لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ لَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَا إِفْكٌ مُّبِيْنٌ ○ لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ إِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ○ وَلَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيَاتِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (نُوْر: ۱۱—۲۰)

جن لوگوں نے بہتان کا یہ طوفان اٹھایا ہے وہ تم ہی میں سے ایک جماعت (منافقین کی جماعت) ہیں (اے پیغمبر!) تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (یعنی خدا کی مصلحت کے راز نے اس میں تمہاری بہتری کا انجام پوشیدہ رکھا ہے ان میں سے ہر ایک آدمی کیلئے وہ سب کچھ ہے جو اس نے گناہ کمایا ہے اور جس نے اس (گناہ) کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کے واسطے بہت بڑا عذاب ہے جب تم نے اس بہتان کو سنا تھا کیوں نہ ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتوں نے اپنے لوگوں پر نیک خیال قائم کر لیا اور کیوں یہ نہ کہہ دیا کہ یہ صریح بہتان کا طوفان ہے وہ (طوفان اٹھانے والے اپنے بہتان پر) کیوں چار گواہ نہ لائے پس جب وہ گواہ پیش نہ کر سکے تو یہی لوگ اللہ کے ہاں سر تا سر جھوٹے ہیں اور اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت دنیا اور آخرت دونوں میں تم پر نہ ہوتی تو پڑ جاتی اس جھوٹا چرچا کرنے میں تم پر کوئی بڑی آفت جبکہ تم اس (بہتان کو اپنی زبانوں پر جاری کرنے لگے اور ایسی بات منہ سے نکالنے لگے جس کی تم کو خبر تک نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھتے ہو حالانکہ (بہتان اور افتراء) اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو کیوں نہ کہا ہمارے لئے زیبا نہیں کہ ایسی جھوٹی بات منہ سے نکالیں "اللہ کیلئے پاکی ہے" یہ تو بہت بڑا بہتان ہے اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ ایسا کام پھر کبھی نہ کرو بیٹھنا اگر تم واقعی سچے ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لئے پتہ کی باتیں واضح کرتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے جو لوگ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ہو ایمان والوں میں ان چاہنے والوں کیلئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بلاشبہ اللہ (حقیقت حال کا جاننے والا ہے اور تم جاننے والے نہیں ہو اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تم پر اور یہ بات نہ ہوتی کہ وہ نرمی کرنے والا ہے اور مہربان تو کیا کچھ نہ ہو جاتا۔

سورۂ نور کی ان آیات نے عائشہ صدیقہؓ کی طہارت و پاکدامنی کا ہی صرف اعلان نہیں کی بلکہ مسلمانوں کو یہ تنبیہ بھی کی کہ ان کو ایک لمحہ کا انتظار کئے بغیر اس قسم کے افتراء پردازوں کے افتراء پر صاف صاف یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ محض افتراء اور بہتان ہے۔

یہ آیات اس بناء پر "آیات برأۃ" بھی کہلاتی ہیں کہ ان میں حضرت عائشہؓ کی برأۃ کا اعلان ہے اور منافقین اور معاندین کی ذلت و خذلان کا اظہار۔

موعظت:

اس واقعہ نے قرآن عزیز میں جن مواعظ و بصائر کا سامان مہیا کیا ہے ان میں سے یہ خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں۔

۱) فاسق و فاجر یا بدباطن انسانوں کی دی ہوئی خبر خصوصاً جبکہ وہ باعصمت و عفت اور صاحب تقویٰ و خیر افراد کے خلاف ہو ہرگز قابل توجہ نہیں اور اس کے لئے صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ یہ محض افترا ہے تا وقتیکہ خبر دینے والا اس پر روشن دلیل و حجت قائم نہ کر دے۔

۲) بے گناہ پر الزام اور تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور چونکہ اس گناہ کا مرتکب حق العباد میں سے ایک اہم حق کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہتک کرتا ہے اس لئے نہ صرف اخلاق کی نگاہ میں بلکہ اجتماعی قانون کی نظر میں بھی حد درجہ مجرم ہے قرآن عزیز کی نصوص نے اس لئے حد قذف (بے گناہ پر تہمت لگانے کی سزا) کے لئے اسی کوڑے تجویز کئے ہیں تاکہ آئندہ کسی کو بھی یہ جرأت نہ ہو سکے کہ وہ ایک پاکباز انسان پر بہتان لگائے یا بغیر شہادت کے اس کی تشہیر کرے۔

۳) یہ واقعہ گو آغاز کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کے لئے بہت سخت ایذاء کا باعث ہوا اور اہل بیت کو اس نے بیحد پریشان خاطر بنایا لیکن انجام کے پیش نظر اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ سر تا سر خیر ثابت ہوا کیونکہ اسے ایک جانب منافقوں کی منافقت کا راز فاش ہو گیا اور دوسری جانب صدیقہ عائشہؓ اور اہل بیت رسول کی عظمت شان کا بے نظیر مظاہرہ عمل میں آگیا کہ قرآن کی دس آیات نے ان کی براءۃ کے لئے نازل ہو کر ان کی عصمت و عظمت دونوں پر عدیم النظیر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

۴) بعض مرتبہ اشرار اور خبیث النفس انسانوں کی ہفوات اس درجہ آب و رنگ رکھتی ہیں کہ سادہ لوح مسلمان اور نکو کار انسان بھی مغالطے اور دھوکے میں آجاتے ہیں اس لئے مسلمان کا فرض ہے کہ سنی سنائی بات پر اس وقت تک ہرگز ہرگز یقین نہ کرے جب تک کہ اسلامی اصول شہادت کے مطابق شنیدہ خبر کی تصدیق نہ ہو جائے۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ ایاکم و الظن فان بعض الظن اثم

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوءِ ظن سے بچو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں گناہ کا مرتکب بنا دیتی ہیں"۔

۵) حقوق العباد میں خدائے برتر نے جو حدود و قصاص اور تعزیرات مقرر فرما دیئے ہیں جرائم کے ارتکاب پر ان میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے اور قانون اسلامی کی نگاہ میں اس حیثیت سے تمام جرم یکساں قابل گرفت ہیں اس لئے واقعہ افک میں منافق مفتریوں کے ساتھ تین مسلمان (مرد عورت) حسان، حضرت مسطح، اور حضرت حمنہ بنت جحش کو بھی جھوٹی تہمت لگانے کے الزام میں کوڑے کھانے پڑے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نباء فاسق[1]

غزوۂ بنی المصطلق[2] میں جب مسلمان فتح یاب ہو گئے اور صحابہؓ کے مشورہ کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے سردار قبیلہ کی بیٹی حضرت جویریہؓ سے نکاح کر لیا تو نبی اکرم ﷺ کے رشتۂ مصاہرت کیوجہ سے تمام صحابہؓ نے اسیران جنگ کو رہا کر دیا اور مسلمانوں کے اس حسن سلوک و اخلاق کریمانہ اور اسلامی محاسن سے متاثر ہو کر تمام قبیلہ مشرف با سلام ہو گیا تب نبی اکرم ﷺ نے ولید بن عقبہ کو اس لئے ان کے پاس بھیجا کہ وہ قبیلہ کے دولت مندوں سے "زکوٰۃ" وصول کر کے ان ہی کے فقراء و مساکین پر تقسیم کر دیں۔

اہل قبیلہ کو جب ولید کی اس آمد کا علم ہو تو وہ عامل اسلام کے استقبال کے لئے تیاریاں کرنے لگے اور ایک معزز ترین ہستی کے استقبال کی طرح ساز و سامان کے ساتھ میدان میں نکلے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس قبیلہ کے اور ولید کے درمیان کچھ ناچاقی رہ چکی تھی اور پرانی عداوت کا رشتہ چلا آتا تھا اس لئے استقبال کے اس اہتمام کو ولید نے دوسری نظر سے دیکھا اور سمجھا اور اپنی غلط رائے پر جمود کر کے اہل قبیلہ سے معاملہ کئے بغیر ہی مدینہ واپس آ گئے اور دربار قدسی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بنی المصطلق تو مرتد ہو گئے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور وہ تو سرکشی پر آمادہ ہیں۔

نبی اکرم ﷺ یہ سن کر بنی المصطلق کے طرز عمل سے رنجیدہ ہوئے اور مسلمان تو برافروختہ ہو گئے اور جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں تاکہ مرتدین کا مقابلہ کیا جائے حتیٰ کہ وہ اسلام پر واپس آ جائیں یا کیفر کردار کو پہنچ جائیں۔

ادھر بنی المصطلق کو ولید کے اس عجیب طرز عمل نے حیرت میں ڈال دیا اور جب ان کو معلوم ہوا کہ ولید نے کسی بیجا جسارت کے ساتھ ان کے متعلق دربار نبوی میں غلط بیانی کی ہے تو وہ بے حد پریشان ہوئے کیونکہ ان کے تو وہم و خیال میں بھی یہ نہیں تھا کہ ان جیسے پختہ کار اور ثابت قدم مسلمانوں پر اس قسم کی تہمت بھی لگائی جا سکتی ہے چنانچہ انھوں نے فوراً خدمت اقدس ﷺ میں ایک موقر وفد بھیجا جس نے حاضر ہو کر کل ماجرا کہہ سنایا۔

ایک جانب اپنے عامل (ولید) کا وہ بیان اور دوسری جانب حدیث العہد مسلم جماعت کا یہ بیان اس لئے نبی اکرم ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور وحی الٰہی کا انتظار کیا۔

آخر وحی الٰہی نے رہنمائی کی اور قرآن عزیز (سورۂ حجرات) کی ان آیات نے نازل ہو کر نہ صرف زیر بحث معاملہ کی حقیت ہی واضح کر دی بلکہ اس سلسلہ میں ایک مستقل قانون یا معیار تحقیق عطا فرما دیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْآ إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْآ أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا ۢ بِجَهَالَةٍ

۱: فاسق کی دی ہوئی خبر۔

۲: یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ○ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی (غلط کار) خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی کی وجہ سے کسی قوم پر (جہاد کے نام سے) حملہ آور ہو جاؤ اور پھر کل کو (اصل حال معلوم ہونے کے بعد) اپنے کئے پر پچھتانے لگے، اور جانو تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ تمہاری بات اکثر معاملات میں مان لیا کرے تو تم اپنی غلط روی کی وجہ سے) مصیبت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے اپنے فضل سے) تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں اس کو زینت بخشی ہے اور تمہارے دلوں میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کے لئے نفرت پیدا کر دی ہے اور (در حقیقت) یہی لوگ ہیں اللہ کے فضل اور احسان کی وجہ سے راہ یاب اور اللہ جاننے والا ہے حکمتوں والا ہے۔

موعظت

۱) خبروں کے بیان کرنے میں عام طور پر سنجیدہ اور مہذب جماعت بھی اس کو معیوب نہیں سمجھتی کہ جو خبر بھی ان کے کانوں تک پہنچے وہ اس کو بے تکلف نقل کرتے رہیں اور حقیقت حال کی جستجو کی زحمت قطعاً گوارا نہ کریں خواہ اس خبر سے کسی ناکردہ گناہ افترا کیا جا رہا ہو یا اسکی فرد و جماعت کو مضرت پہنچ رہی ہو۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے پرزور الفاظ میں یہ تنبیہ فرمائی ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه عليه و سلم قال كفٰى بالمرء اثماً ان يحدث بكل مَا سَمِعَ۔ (ابو داؤد)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان کے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ ہر شنیدہ بات کو نقل کرتا رہے، یعنی یہ بھی گناہ کی بات ہے کہ سنی سنائی جھوٹی بات کی تشہیر کرے۔

۲) جب کوئی ایسی خبر سنی جائے جو بلحاظ مفادیات مضرت خبر دینے والے پر یا دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہو تو اسلامی آداب اجتماعی کا تقاضہ ہے کہ پہلے اس کی تحقیق ہونی چاہیے اور جب وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تب اس سے متعلق نتائج و ثمرات کی جانب متوجہ ہونا چاہیے۔

"خبر" سے متعلق یہ حکم اخلاقی حیثیت رکھتا ہے اور معاشرتی زندگی میں روزمرہ واجب العمل ہے لیکن محاکم شرعہ میں جب کوئی معاملہ جائے اور خبر "شہادت" کی حیثیت اختیار کر لے تو اسکے قبول و عدم قبول میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے دوسرے مزید شرائط ہیں جو فقہ اسلامی کے "باب الشہادۃ" میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مسجد ضرار

منافقین کو یہ تو جرأت ہوتی نہ تھی کہ اعلانیہ اسلام کی مخالفت کر کے اس کو نقصان پہنچائیں، البتہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی در پردہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کر کے ان کو ضعف و انحطاط کی راہ پر لگادیں، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے انھوں نے جہاں اور بہت سی فتنہ سامانیاں بپا کر رکھی تھیں ان میں سے ایک واقعہ جب ۹ ہجری میں بھی رونما ہوا۔

نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ تبوک کے میدان میں جو کہ مدینہ سے چودہ منزل پر براہ دمشق واقع تھا ہرقل شاہ اروم نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر جرار جمع کر لیا ہے اور اس کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر بلقاء تک آپہنچا ہے آپ ﷺ نے عرب میں قحط اور گرمی کی شدت کے باوجود جہاد کیلئے منادی کر دی اور مسلمان جوق در جوق شوق جہاد میں مدینہ میں جمع ہونے لگے۔

نبی اکرم ﷺ ابھی تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ منافقین نے اس سے فائدہ اٹھا کر سوچا کہ مسجد قباء کے مقابلہ میں جو ہجرت کے بعد سب سے پہلی مسجد تھی اس حیلہ سے ایک مسجد تیار کریں کہ جو لوگ ضعف یا اور کسی عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں نہ جا سکیں تو یہاں نماز پڑھ لیا کریں کیونکہ اس طرح مسلمانوں کو ورغلانے کا بھی موقعہ ہاتھ آئے گا اور ایک قسم کی تفریق بھی پیدا ہو جائے گی۔

یہ سوچ کر سب نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے ضعیف و ناتواں اور معذوروں کے لئے قریب ہی ایک مسجد بنائی ہے اب ہماری خواہش ہے کہ حضور ﷺ وہاں چل کر ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھ دیں تو وہ عند اللہ مقبول ہو جائے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تو میں اہم غزوہ کے لئے جا رہا ہوں واپسی پر دیکھا جائے گا۔

مگر آپ ﷺ جب بخیر و کامرانی مراجعت فرما ہوئے تو وحی الٰہی کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر کے حقیقی سبب سے آگاہ ہو چکے تھے چنانچہ واپس تشریف لا کر سب سے پہلے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور اس مسجد کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیں۔

چونکہ حقیقۃً اس مسجد کی بنیاد "تقویٰ" اور "وجہ اللہ" کی جگہ "تفریق بین المسلمین" پر رکھی گئی تھی اس لئے بلاشبہ وہ اسی کی مستحق تھی اور اس کو "مسجد" کہنا حقیقت کے خلاف تھا۔ اس لئے قرآن عزیز نے بظاہر مسجد بباطن بیت الشر کی تعمیر کے متعلق حقیقت حال کو روشن کرتے ہوئے بتلا دیا کہ یہ مسجد تقویٰ نہیں بلکہ مسجد ضرار کہلانے کی مستحق ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ط وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

إِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ أَبَدًا ط لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○

اور منافقوں میں سے) وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اسی غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں کفر کریں مومنوں میں تفرقہ ڈالیں اور ان لوگوں کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کریں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں (اے پیغمبر) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہونا اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں وہی مسجد حق دار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ آتے ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک وصاف رہیں اور اللہ بھی پاک وصاف رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔

۱) منافقت ایک ایسا مرض ہے جو انسان کی تمام خصائل حمیدہ اور اخلاق حسنہ کو تباہ و برباد کر کے اس کی انسانیت کو حیوانیت سے بدل دیتا ہے اور اس کے افکار و اعمال میں مطابقت باہمی نہ رہنے سے اس کی زندگی کو اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔

۲) ایک ہی "عمل" عامل کی نیت کے فرق سے "پاک" بھی ہو سکتا ہے اور "ناپاک" بھی "طیب" بن سکتا ہے اور خبیث بھی، تعمیر مسجد ایک عمل خیر ہے اور باعث اجر و ثواب! مگر جبکہ لوجہ اللہ ہو اور عبادت الٰہی کا حقیقی مقصد پیش نظر رہے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَاٰتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللّٰهَ

اللہ کی مسجدوں کو تو بس وہی آباد کرتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نماز ادا کی اور زکوۃ دی اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔

اور یہی عمل خیر "عمل شر" اور لائق نفرت بن جاتا ہے جبکہ اس کا مقصد کار شیطان ہو یعنی تفریق بین المسلمین یا نماز کی آڑ میں اسلام کے خلاف کمین گاہ اور جاسوسی کا مرکز بنانا ہو اسی لئے یہ عمل خیر کافروں کے ہاتھ سے انجام پانا غیر مقبول اور مردود ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ

مشرکوں کا حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مسجد کو آباد کریں حالانکہ وہ اپنی جانوں پر کفر کی گواہی دیتے ہیں۔

1: تعمیر مساجد اللہ میں مساجد کی آبادی اور اس کی تعمیر دونوں کا مفہوم شامل ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وفات یا وصل بالرفیق الاعلیٰ

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○

آخر وہ وقت بھی آپہنچا جس کے تصور کے لئے نہ صرف مسلمان بلکہ دنیائے انسانیت بھی تیار نہ تھی یہ وقت کائنات انسانیت کے لئے مصیبت عظمیٰ اور داہیۂ کبریٰ ثابت ہوا۔ چار دانگ عالم پر حیرت طاری تھی کہ وہ کس طرح غیر متوقع طور پر ہادیٔ اکبر، مصلح اعظم کے فیض صحبت سے محروم ہو گئے! آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، قلب اس کے باور کرنے کو تیار نہ تھا اور قلب جو کچھ چاہتا تھا آنکھیں اس نظارہ کو واپس نہ لا سکتی تھیں دل پاش پاش تھے، جگر شق ہو رہے تھے چشم گریاں اشک کے سیلاب بہا رہی تھی کیونکہ آج روحانیت کے آفتاب عالمتاب کے اور کائنات انسانی کے درمیان موت کا لکہ ابر حائل وہ چکا تھا۔

اگر دنیا کا کرۂ آفتاب در حقیقت کبھی غروب نہیں ہوتا اور رہتی دنیا تک غروب نہیں ہو گا بلکہ دیکھنے والوں کے اور اس کے درمیان پردۂ شب حائل ہو جاتا ہے تو کس کی مجال اور کس کی جرأت ہے کہ وہ آفتاب رسالت کے متعلق غروب ہونے کا دعویٰ کر سکے کیونکہ یہاں تو پردۂ شب کو بھی حائل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

الدین السمحة البیضاء لیلها و نهارها سواء۔

دین اسلام آسان و روشن دین ہے جس کے رات اور دن دونوں یکساں طور پر روشن ہیں۔

یعنی یہاں شب تاریک کا گذر ہی نہیں ہے البتہ موت کا پیغام بن کر اس آفتاب رسالت کے اور ہمارے درمیان لکہ ابر بن کر حائل ہو گئی۔

اس لئے اس مصیبت کبریٰ میں بھی مسلمانوں کے زخمی قلوب کے لئے مرہم اور کشتگان فراق رسول اکرم ﷺ کے لئے بہترین اکسیر و تریاق موجود تھا اور وہ یہ یقین اور اذعان ہے جس کو قرآن عزیز نے یہ کہہ کر پہلے ہی "قلب مسلم" کو عطا کر دیا

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ ، كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ ، وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط أَفَائِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ ط ،

"یعنی "موت" اس حقیقت کا نام ہے جو نبی مرسل بلکہ خاتم المرسلین کو بھی پیش آکر رہے گی اور بقائے حقیقی تو ذات احدیت کا ہی بلا شرکت غیرے طغرائے امتیاز ہے۔

"اللہ اللہ!" وہ کیسا عجب ہی سماں تھا کہ جب نبی اکرم نے اللھم الرفیق الاعلی فرماتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد فرما دی تو تمام صحابہ رنج و غم اور صدمۂ جانگاہ سے اس درجہ متحیر اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ ان کے ہوش و حواس تک بجانہ تھے اسی عالم میں حضرت عمرؓ نے فرط غم سے تلور سونت کر یہ نعرہ لگایا کہ جو محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے گا تو اسی تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا۔

اسی اضطراب انگیز عالم میں خدا کا ایک بندہ صدیق اکبر آتا ہوا نظر آتا ہے سب سے پہلے وہ حجرۂ عائشہؓ میں پہنچتا اور دل بریاں و چشم پرنم کیساتھ سرور دو عالم کی جبین نور کو بوسہ دیتا اور فراق رسول سے کرب و بے چینی کا اظہار کرتا ہے اور اس فرض عشق سے فارغ ہو کر جب باہر آتا ہے تو صحابہؓ کی اس حالت کا جائزہ لے کر کہ جس میں جاہلیت و اسلام دونوں ادوار کی بے نظیر شخصیت عمر بن الخطاب بھی شامل ہے تو آگے بڑھ کر کہتا ہے: اے خطاب کے بیٹے بیٹھ جا۔ حضرت عمر وہیں بیٹھ جاتے اور انتہائی حزن و غم سے حضرت ابو بکر کا منہ تکنے لگتے ہیں۔

صدیق اکبرؓ اب منبر نبوی ﷺ پر کھڑے ہو کر صدائے حق بلند کرتے ہوئے صحابہؓ کے مجمع کو یوں خطاب کرتے ہیں۔

"لوگو! جو شخص محمد ﷺ کی پرستش پیش کرتا تھا "ان محمدا قدمات" کہ محمد ﷺ نے ذائقہ موت چکھ لیا اور جو خدائے واحد کا پرستار ہے تو بلا شبہ ان اللہ حی لا یموت اللہ تعالیٰ زندۂ جاوید ہے اور موت سے پاک اور بری اس کو موت نہیں ہے۔

ابو بکر صدیقؓ کی یہ صدائے حق جب فضا میں گونجی تو سب سے اول حضرت عمرؓ اور ان کے بعد تمام صحابہ پر سکون و اطمینان طاری ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ بلا شبہ سردار دو عالم ﷺ اپنا فرض رسالت پورا کر کے "رفیق الاعلیٰ" سے جا ملے اور اب اسلام مکمل ہو چکا اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ رسول پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور زندۂ جاوید معجزہ کلام اللہ قرآن کو پیشوا بنا کر خدمت اسلام کا فرض انجام دیں۔

حضرت عمر بن الخطاب کی کیفیت تو یہ ہوئی کہ فرمانے لگے قسم بخدا صدیق اکبر نے یہ صدائے حق بلند کرتے ہوئے جب یہ آیت تلاوت کی وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تو مجھے ایسا معلوم ہوا گویا ابھی اس آیت کا نزول ہو رہا ہے اور عشق رسول ﷺ نے فراق رسول سے جو مبہوت کر دی تھا قرآن اور تعلیم رسول ﷺ کی روشنی میں جو کچھ رفیق محترم نے کہا وہ یک بیک مثل آفتاب میرے سامنے آگیا۔

تمام کتب احادیث و سیر کی روایات متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ کو ہوئی البتہ کس تاریخ کو ہوئی؟ اس بارے میں متعدد اقوال پائے جاتے ہیں۔

واقدی اور ابن سعد صاحب طبقات الکبریٰ کی روایات ۱۲ ربیع الاول ظاہر کرتی ہیں اور یہی قول مشہور و معروف ہے اور بیہقی اور ابن کثیر میں منقول بعض روایات میں ہے کہ ۲ ربیع الاول اور بعض ۱۰، ۴، اور یکم ربیع الاول بھی منقول ہے۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۵۵)

ابو القاسم سہیلی اپنی مشہور کتاب روض الانف میں دعویٰ کرتے ہیں کہ ۱۱ھ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن بالاتفاق متعین ہونے کے بعد حسابی اعتبار سے وفات کی تاریخ کسی طرح ۱۲ (بارہ) ربیع الاول نہیں ہو سکتی البتہ ۲ یا ۳ یا ۴ یا ۵ ربیع الاول میں سے کوئی تاریخ ہو سکتی ہے اور یہ اس لئے کہ جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اکرم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ﷺ نے حجتہ الوداع میں حج (وقوف عرفہ) جمعہ کے دن کیا ہے پس جبکہ ۹ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا تو خواہ بعد کے تمام مہینے صرف انتیس دن کے مان لیجئے یا صرف تیس دن کے یا بعض انتیس کے اور بعض تیس کے کسی صورت میں بھی دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول نہیں ہوتی اس لئے یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

البتہ ابن جریر طبری نے ابن کلبی اور ابو مخنف کی روایت سے ۲ ربیع الاول نقل کی ہے تو یہ اس صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ محرم، صفر، ربیع الاول تینوں مہینے انتیس کے تسلیم کر لئے جائیں ورنہ تو قیاس صحیح سے قریب تر روایت خوارزمی کی ہے جسمیں تاریخ وفات یکم ربیع الاول منقول ہے کیونکہ یہ تاریخ تینوں میں انتیس اور تیس دن کے فرق سے بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

ابن کثیر نے سہیلی کے اعتراض کو اہم قرار دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ علماء نے اس کے جوابات دیئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ تسکین بخش نہیں ہیں البتہ جواب کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ "اختلاف مطالع" کا اعتبار کیا جائے یعنی یہ تسلیم کیا جائے کہ مکہ اور مدینہ میں رویتِ ہلال مختلف رہی ہو کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اہل مدینہ نے ذی الحجہ کا چاند جمعہ کے دن دیکھا اور مکہ میں جمعرات کو رویت ہوئی تو پھر اگر باقی تینوں مہینوں کو تیس تیس کا ہی تسلیم کر لیا جائے تب یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلا شبہ دوشنبہ کو ۱۲ ربیع الاول تھی۔

تو کیا مدینہ میں ذی الحجہ کا چاند جمعہ کو دیکھا گیا! اس کی تصدیق و تائید حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ حجتہ الوداع کے لئے جب مدینہ سے نکلے تو ذی قعد کے ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب مدینہ سے نکلنے لگے تو ظہر کی چار رکعات پڑھ کر نکلے اور ذوالحلیفہ پہنچ کر عصر کی دو رکعات پڑھیں پس ان دونوں مستند روایات سے واضح ہوا کہ آپ کی روانگی نہ جمعرات کو ہوئی اور نہ جمعہ کو بلکہ سنیچر کے دن ہوئی لہذا اس صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اہل مدینہ نے جمعہ کے دن ذی الحجہ کا چاند دیکھا۔

پس یہی ایک شکل بنتی ہے جس سے تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول سے متعلق مشہور روایت تسلیم کی جا سکتی ہے۔

(تاریخ ابن کثیر جلد ۵)

عبرت موعظت

۱) قرآن عزیز سورۂ فاتحہ میں ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور دوسری جگہ سورۂ نساء میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر اس طرح مذکور ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یہی وہ رفقا ہیں جن کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے اللھم الرفیق الاعلی کہہ کر وقت آخر اشارہ فرمایا۔

سہیلی کہتے ہیں کہ چونکہ اہل جنت، جنت میں مختلف القلوب نہیں ہوں گے بلکہ ایک انسان کے قلب واحد کی طرح ہوں گے اس لئے الرفقاء العلیا" نہیں فرمایا "الرفیق الاعلی" فرمایا تاکہ اہل جنت کی "وحدت قلبی" کی جانب اشارہ ہو جائے۔

۲) "موت" خدائے برتر کا وہ اٹل فیصلہ ہے جس سے نبی و رسل اور خاتم الانبیاء والرسل بھی مستثنیٰ نہیں ہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور بقاء وحیات سرمدی وابدی صرف ذات حق کے لئے ہی مخصوص ہے۔

۳) صدیق اکبر کی عظمت شان و جلالت مرتبہ کا اس ایک واقعہ سے بھی واضح اعلان ہو جاتا ہے کہ وفات النبی کے قریبی وقت میں نزاکت حالات نے صحابہؓ کی عقل و خرد پر جو اثر ڈالا اگر خدانخواستہ وہ دیرپا ہو جاتا تو اسلام اپنی حقیقت سے خالی ہو کر رہ جاتا (عیاذاً باللہ) مگر یہ سعادت ابو بکر کے ہی حصہ میں تھی کہ مسلمانوں کی اس ڈگمگاتی کشتی کو قرآن کی روشنی میں پار لگادیا۔ اور "اسلام" کو ایک عظیم الشان فتنہ سے بچالیا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ



Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

PDFBOOKSFREE.PK

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی	بدرتفسیر مع عنوانات جدید کتابت ۲ جلد	علامہ شبیر احمد عثمانی، اضافہ عنوانات جناب محمد ولی رازی
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلدیں	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی
قصص القرآن	۴ حصے در ۲ جلد کامل	مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
تاریخ ارض القرآن		علامہ سید سلیمان ندوی
قرآن اور ماحولیات		انجینئر شفیع حیدر دانش
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن		ڈاکٹر عقانی میاں قادری
لغات القرآن		مولانا عبدالرشید نعمانی
قاموس القرآن		قاضی زین العابدین
قاموس الفاظ القرآن الکریم	(عربی انگریزی)	ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
ملک البیان فی مناقب القرآن	(عربی انگریزی)	حسان پیرس
امثال قرآنی		مولانا اشرف علی تھانوی
قرآن کی باتیں		مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو	۳ جلد	مولانا محمود الحسن بخاری اعظمی، فاضل دیوبند
تفہیم المسلم	۳ جلد	مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی
جامع ترمذی	۲ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابوداؤد شریف	۳ جلد	مولانا سرفراز احمد صاحب، مولانا نور رشید عالم قاسمی صاحب فاضل دیوبند
سنن نسائی	۳ جلد	مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۳ جلد، ۷ حصے کامل	مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۳ جلد	مولانا عابد الرحمن کانپوری، مولانا عبدالوہاب
ریاض الصالحین مترجم	۲ جلد	مولانا فضیل الرحمن نعمانی مظاہری
الادب المفرد کامل مع ترجمہ و شرح		از امام بخاری
مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف	۵ جلد کامل	مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند
تقریر بخاری شریف	۴ حصے کامل	حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
تجرید بخاری شریف	ایک جلد	علامہ حسین بن مبارک زبیدی
تنظیم الاشتات	شرح مشکوٰۃ اردو	مولانا ابوالحسن صاحب
شرح اربعین نووی	ترجمہ و شرح	مولانا مفتی عاشق الٰہی البرنی
قصص الحدیث		مولانا محمد زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار، ایم اے جناح روڈ کراچی ۱، پاکستان، فون و فیکس (۲۱) ۲۲۱۱۸۶۱

اور تمام اسلامی و علمی کتب کا مرکز۔ قرآن پاک

دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، بیرون ملک بھیجنے کا انتظام ہے۔ فہرست کتب مفت ڈاک ٹکٹ بھیجکر طلب فرمائیں۔

PDFBOOKSFREE.ORG

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk